

حقوق الزوین

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی



ادارہ تالیفات اشرفیہ ۰ ملان





سلسلہ مزا عطا آشرافیہ جلد ۲۰

حقوق الزوہین

مجلد وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور شہرہ

ترتیب

منشی عبد الرحمن خان

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوٹھریٹ ملتان ۰ پاکستان



ترتیب موضوعات

۱. حقوق البيت _____ ۱۳
۲. الکمال فی الدین للنسار _____ ۶۱
۳. رفع الایقیاس _____ ۱۳۱
۴. اصلاح النساء _____ ۱۴۲
۵. کسار النساء _____ ۱۹۷
۶. العاقلات الغاقلات _____ ۲۹۸
۷. عضل الجاهلیة _____ ۳۵۳
۸. الاستماع والاتباع _____ ۳۸۷
۹. منازعة الهولی _____ ۴۳۰
۱۰. غایة النجاح فی آیه النکاح _____ ۴۷۸
۱۱. نصرۃ النساء _____ ۵۴۵

فہرستِ عنوانات

”حقوق الزوجین“

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱	رفت بے جا خرچ		حقوق البیت
۵۳	دینی حقوق میں کوتاہی		تمہید
۵۵	کوتاہی حقوق اولاد	۱۴	مقصد بیان
۵۸	مضمون متعلق بہ تعلیم زنانہ اسکول	۱۵	حقیقتِ حقوقِ خانہ داری
	الحکمال فی الدین	۱۷	حق و کوتاہی
		۱۹	حقیقتِ تعلّق زوجین
۶۲	تمہید	۲۱	حقیقتِ نازِ زوجہ
۶۳	تربیتِ اولاد	۲۷	تعلیمِ نسواں
۶۴	فضیلت و عظ	۳۱	ضرورتِ حیار
۶۶	مرتبہ نسواں	۳۳	ضرورتِ اولاد
۶۹	قرآن اور ذکرِ نسواں	۳۵	ضرورتِ نکاحِ ثانی
۷۱	درجاتِ مرد و زن	۳۸	اخلاقِ نسواں
۷۲	دین و خواتین	۴۰	حقوقِ زوجہ
۷۴	طریقِ حصولِ دینِ کامل	۴۲	کوتاہی نسواں
۷۵	غفلتِ نسواں	۴۷	دعویٰ مساوات
۷۶	ناشکری و عرص	۵۰	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۵	کوتاہی روزہ نسواں	۷۷	تقلیدِ مغرب
۱۰۷	ترغیبِ زکوٰۃ	۸۰	پردہ کی سختی
۱۰۸	پردہ میں کوتاہی	۸۲	فیشن پرستی
۱۱۰	تعظیمِ شوہر	۸۳	حقیقتِ عرص
۱۱۱	فضولِ خسری	۸۴	اختلاطِ نسواں
۱۱۲	فضولِ رسوم	۸۵	شرائطِ اختلاطِ نسواں
۱۱۴	خلاصہ	۸۶	طریقِ اختلاط
۱۱۵	عورتوں کے لئے نیک صحبت	۸۸	دین و دنیا
۱۱۸	اصلاحِ نسواں کی پہلی صورت	۹۰	حقیقتِ کمالات
۱۱۹	دوسری صورت	۹۱	حقیقتِ فاتحہ
۱۲۲	ایک علمی اشکال اور اس کا جواب	۹۲	حقیقتِ تبک
۱۲۴	خلاصہ کلام	۹۵	حقیقتِ نسبت
	رفع الالباس	۹۶	عمل و نماز
۱۲۲	سببِ وعظ	۹۸	نیمتِ عبادتِ ناقص
۱۲۴	آیتِ شانِ نزول	۹۹	طریقِ معمولِ دینِ کامل
۱۲۵	تعلقِ زوجین ، اللہ تعالیٰ کی رحمت	۱۰۰	حقیقتِ داعظ
۱۲۶	صرف امورِ اختیاریہ ہی مقصود ہیں	۱۰۱	انصابِ تعلیمِ نسواں
۱۲۷	اصل تلب میں داعیہ خیر ہو	۱۰۲	نذمتِ ناول
			نسر الہی مرد
			کوتاہی نماز نسواں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۰	لباس کا چھٹا معنیٰ	۱۲۹	محبت بڑا داعی ہے
		۱۳۰	پتھے آدمی کی نشانی
	اصلاح النساء	۱۳۲	آپ کی جامعیت
۱۷۲	تمہید	۱۳۲	ماقبل سے ربط
۱۷۳	نقص اضطراری	۱۳۹	حق زوجہ کی اہمیت
۱۷۴	تکبر کا منشاء اور بنیاد	۱۵۰	ہندوستانی عورتیں
۱۷۶	جہالت ہوتی ہے۔	۱۵۱	حقوق محکوم پر حکایت عجیب
	مردوں اور عورتوں کی خلقت	۱۵۲	لباس کا پہلا معنیٰ
۱۷۹	میں فرق۔	۱۵۳	” دوسرا ”
۱۸۳	لعنت ملامت کرنے کا مرض	۱۵۴	مصلحت نکاح
۱۸۴	ناشکری کا مرض	۱۵۵	رضخت پر عمل
۱۸۶	چالاکی ہوشیاری کا مرض	۱۵۷	کھانے میں اعتدال
۱۸۹	حقوق زوجین	۱۵۸	مشکل مرض کا علاج بھی سخت
۱۹۰	حقیقت حسد نسواں	۱۶۱	ہوتا ہے۔
۱۹۱	دعویٰ شرافت	۱۶۱	اپنے مرض کو محقق پر ظاہر کر دینا
۱۹۳	ضرورت اخلاق	۱۶۱	چاہیئے۔
۱۹۵	طریق اصلاح نسواں	۱۶۱	عورت اعانتہ میں اور مرد خدمت
	کساء النساء	۱۶۱	میں محتاج ہے۔
	تمہید	۱۶۶	لباس کا چوتھا معنیٰ
۱۹۸		۱۶۶	” پانچواں ”

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۸	خواتین و انجبار	۱۹۹	حقیقتِ عمل
۲۴۰	عورت کی تہذیب	۲۰۰	حقیقتِ تواضع
۲۴۲	حقیقتِ معیار	۲۰۳	نتائج تواضع
۲۴۶	فرض و اعظ	۲۰۶	حقیقتِ دین و دنیا
۲۴۹	بیانِ تہذیب	۲۰۸	مقصد و عظم
۲۵۰	ضرورتِ عمل	۲۰۹	طریقِ تعلیم
۲۵۱	جوشِ محبت	۲۱۱	اعمالِ نسواں
۲۵۲	خواتین اور قرآنِ حکیم	۲۱۲	وقتِ تواضع
۲۵۵	مسئلہ مساوات مرد و زن	۲۱۳	حقیقتِ تقویٰ
۲۵۸	حقوق والد و پسر	۲۱۶	اعتدالِ طعام
۲۵۹	حقیقتِ پیری و مریدی	۲۱۸	تواضع و مایوسی
۲۶۱	حقوق خاوند و پیر	۲۱۹	فضولِ خرچی
۲۶۳	درجات مرد و زن	۲۲۰	مسئلہ ملکیت
۲۶۵	مساواتِ حقوق مرد و زن	۲۲۲	دین و معاشرت
۲۶۷	حقیقتِ حقوق العباد	۲۲۳	مسئلہ تصریح
۲۶۹	ترغیب پر دہ نسواں	۲۲۶	مسئلہ حق العبد
۲۷۱	عشقِ خاوند	۲۲۷	فضائلِ نسواں
۲۷۲	سفارشِ قرآن	۲۲۹	زبانِ نسواں
۲۷۴	اخلاقِ رسول مقبول	۲۳۲	حقیقتِ اہل اللہ
۲۷۶	حقیقتِ نماز	۲۳۳	تعلیمِ نسواں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۸	صفاتِ نسواں	۲۷۸	فرجِ زوجہ
۳۰۹	کمالاتِ دین و دنیا	۲۷۹	مسئلہ تساوی
۳۱۲	کاملِ نسواں	۲۸۰	اقسامِ فضائل
۳۱۳	علم و عمل	۲۸۲	امورِ اختیاری و غیر اختیاری
۳۱۴	نصابِ تعلیمِ نسواں	۲۸۴	حقیقتِ فعلِ غیر اختیاری
۳۱۶	ضرورتِ عمل	۲۸۷	ضرورتِ عمل
۳۱۹	اہمیتِ دین	۲۸۸	تمنا کی حقیقت
۳۲۱	ضرورتِ علمِ دین	۲۸۹	حقیقتِ رسولِ مقبول
۳۲۳	حقیقتِ قرآنِ حکیم	۲۹۰	مرتبہِ نسواں
۳۲۴	اہمیتِ صحبت	۲۹۲	حقیقتِ مرد و زن
۳۲۶	طریقِ تعلیمِ ناخواندہ نسواں	۲۹۵	فضائلِ نسواں
۳۲۷	حقیقتِ خطاب	۲۹۶	ضرورتِ اصلاح
۳۲۹	حقیقتِ عالم	۲۹۷	التماسِ کاتب
۳۳۰	انتخابِ کتب	۲۹۹	تمہید
۳۳۲	حقیقتِ مشقتِ دین	۳۰۰	مقصدِ وعظ
۳۳۴	حقیقتِ پستی	۳۰۲	شرائطِ وعظ
۳۳۵	تعلیمِ اہل اللہ	۳۰۴	حقیقتِ حق
۳۳۷	تربیتِ مشائخ	۳۰۷	طریقِ تعلیمِ نسواں
۳۳۸	حقیقتِ قوتِ عملیہ	۳۰۸	
۳۴۰	دلائل اور حکمِ قرآن	۳۰۹	

العاقلات الخافلات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۹۰	تعلیم نسواں	۳۴۲	اعمال نسواں
۲۹۲	نتائج تعلیم و دنیا	۳۴۴	فیشن پرستی
۳۹۳	ضرورت دینی تعلیم	۳۴۶	فضول رسوم
۳۹۵	طریق حصول راحت	۳۴۹	صفات نسواں
۳۹۷	اثر کلام اللہ	۳۵۰	ضرورت پر وہ نسواں
۴۰۰	مقصد و غلط		
۴۰۱	اقسام اطاعت		
۴۰۲	علم اور اتباع	۳۵۴	مقصد و غلط
۴۰۳	رُومائے قرآن حکیم	۳۵۵	نکاح میں تناسب عمر
۴۰۷	نگاہ عشق		منگنی اور شادی میں رسوم کی
۴۱۰	حقیقت کلام اللہ	۳۶۶	تباه کاریاں
۴۱۳	حقیقت مطلق تقلید	۳۷۷	قصہ جبریل
۴۱۵	فضائل قرآن حکیم	۳۷۸	شرعیہ کی دل آویزی
۴۱۶	حقیقت حدیث وفقہ	۳۷۹	حق بہو
۴۱۸	مغربی تقلید	۳۸۰	عورتوں پر اسلام کا احسان
۴۱۹	لباس و لیاقت	۳۸۲	عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے
۴۲۳	ضرورت تعلیم نسواں		
۴۲۶	طریق تعلیم نسواں		
۴۲۸	ضرورت علم و عمل	۳۸۸	تمہید
		۳۸۹	جنین پر اثر

عضل الجاہلیۃ

نکاح میں تناسب عمر
منگنی اور شادی میں رسوم کی
تباه کاریاں
قصہ جبریل
شرعیہ کی دل آویزی
حق بہو
عورتوں پر اسلام کا احسان
عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے

الاستماع والاتباع

تمہید
جنین پر اثر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	نماز کی اہمیت		منازعة الهوى
۲۵۴	اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۲۳۱	تہیید
۲۵۷	نکاحِ مسلمہ		گناہوں سے اجتناب کی صورتیں
۲۵۸	شریعت میں تنگی نہیں	۲۳۲	احکام کی قسمیں
۲۶۰	شادی کے وقت نماز	۲۳۶	عقائد
۲۶۱	سفر میں نماز	"	ضرورتِ علمِ دین
۲۶۳	حقیقتہً نحوست کا وقت	۲۳۷	طریقہ تعلیمِ نسواں
۲۶۴	تردیدِ رسوم	۲۳۸	مرد عورتوں پر حاکم ہیں
"	رسوم میں دینی خرابیاں	۲۳۹	رواجی اور غیر رواجی گناہ
۲۶۵	ینوت کا حکم	۲۴۰	اچھا لباس
۲۶۹	موت کی رسمیں	۲۴۲	ظاہر و باطن کی اصلاح
	رسوم میں عقلی خرابیاں	۲۴۴	نیتِ لباس
	غایۃ النجاح (فی)	۲۴۵	ریائی کھانا
	آیۃ الزکاح	۲۴۶	رسمیں و قسم پر ہیں
۲۷۹	خطبہ	۲۴۹	جہیز کیسا ہو؟
	نصوص میں غیر ضروری امور کام	۲۵۱	نکاح میں فضولِ غری
۲۸۰	تذکرہ نہیں۔	"	حضرت فاطمہؑ کی منگنی
	نصوص میں غیر ضروری امور	۲۵۲	نکاحِ فاطمہؑ
۲۸۱	کو دخل نہ کریں۔	"	رخصتی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹۷	آجکل ثبوت و نظر کو ایک م	۴۸۱	محض کثرۃ رائے پر فیصلہ لیا ہے
	سمجھا جاتا ہے۔	۴۸۳	شبہات کا صحیح علاج
	انگریزی منطق، عربی منطق		منشاء شبہات اور علاج کی
۴۸۲	کے سامنے بچوں کا کھیل ہے۔		عجیب مثال۔
۴۸۲	آجکل لیاقت کا معیار لباس ہے		عشق علاج و سادس ہے۔
۵۰۰	حفظ حدود	۴۸۷	ازالہ شبہات میں تقلید محض لازم ہے
	نکاح کا اصل موضوع		اہل یورپ عاقل پرستی کرتے ہیں
	جوش کا کم ہونا کمالِ محبتہ کی		عوام کے دخل کی مثال
۵۰۱	دلیل ہے۔		علماء کا کام صرف قانون الہی
۵۰۲	معاملہ نکاح میں دلائل قدرت	۴۸۹	کا بیان کرنا ہے۔
	مصنوعات سے صالح پر	۴۹۰	بل کر کام کرنے کے معنی
۵۰۳	استدلال کرنا فطری امر ہے	۴۹۱	علماء اپنا کام کر رہے ہیں
	بعض اہل الشر کو میثاق		سائنس دانوں کا افسوسناک رویہ
۵۰۵	الست کی کیفیت یاد ہے۔		قرآن میں ہر مضمون کا ہونا ضروری
۵۰۶	وجود صالح کی فلسفی دلیل	۴۹۲	نہیں۔
۵۰۷	ایک شبہ کا جواب		ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قابل اعتبار
	وجود صالح کی عقلی دلیل	۴۹۳	نہیں۔
۵۰۸	عوام نہیں سمجھ سکتے۔	۴۹۴	لطیفہ
	علماء کے پاس ہر بات کا		سورہ تبت
۵۰۹	جواب ہے۔	۴۹۶	ایمان کی قدر و منزلت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۲	ایک شبہ کا جواب	۵۱۰	نکاح سے ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔
۵۳۴	وصول کے دو معنی	۵۱۱	موضوع کی مناسب آیت سے
۵۳۷	سالک کو کیا تصور کرنا چاہیے	۵۱۲	صوفیا ملحد نہ تھے
۵۳۹	نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا اس میں	۵۱۳	اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق
	اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیے	۵۱۵	علم اعتبار کی حقیقت
۵۴۰	میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی		تشبہ میں مشبہ بہ کا افضل ہونا
	بھی ہو جاتی ہے۔	۵۲۰	ضروری نہیں۔
۵۴۱	مرد بیوی کی باتوں کا بہت	۵۲۳	مسئلہ تقدیر
	تحمّل کرتا ہے۔	۵۲۴	عمل کی اہمیت
"	ایک حکایت		موسیٰ علیہ السلام اور افلاطون
۵۴۲	خلاصہ و غلط		کا مکالمہ۔
۵۴۳	نکاح کا تکوینی راز	۵۲۵	شبہات کا علاج صرف تعلق
"	ماخذ مضمون	"	مع اللہ ہے۔
۵۴۵		۵۲۷	علماء و مشائخ کو تنبیہ
۵۵۵	نصرة النساء	۵۲۸	تفسیری نکتہ
		۵۲۹	اعتبار کا ثبوت
		۵۳۱	اعتبار کی حقیقت کی توضیح
		۵۳۲	آیت سے ماخوذ مضمون
		"	نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے۔



حقوق البیت

یعنی

حقوق خانہ داری

مستورات کی اصلاح و تعلیم کی ضرورت، مردوں عورتوں کے باہمی
 حقوق نیز امور خانہ داری کی اصلاح سے متعلق یہ وعظ، مورخہ
 ۲۲، محرم الحرام ۱۴۲۱ھ بوقت شب بمقام غازی پور سیکرٹری صاحب
 کے مکان میں بیچ کر بیان فرمایا جو ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ میں ختم ہوا۔
 مسودہ اجمالی مولانا سعید احمد صاحب نے ضبط کیا اور ان کے برادر خرد
 بناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے تفصیل کی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مہر: الحمد لله بحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل
عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا
من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له و
نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا
ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله
واصحابه وبارك وسلم۔

اتابعد فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم كلكم راع وكلكم
مسئول عن رعيته الحديث :

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس میں ایک
ضروری مضمون ہے جو اس وقت کی ضرورت و مصلحت کے مناسب ہے یعنی اس وقت
زیادہ ضرورت مستورات کو سنانے کی ہے۔ اس لئے میں نے ایک ایسا مضمون اختیار کیا
ہے جس میں ان کے متعلق بعض ذمہ داریوں کا ذکر ہے یعنی حقوق خانہ داری کا کیونکہ
مرد کا گھر عموماً ان کے پر دہوتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے متعلق ان کو احکام
شرعی معلوم ہوں، ہرچیز کہ اسمیں بعض مضامین مردوں کے متعلق بھی بیان ہو
گے مگر زیادہ مقصود اس وقت عورتوں کو سنانا ہے کیونکہ ان کو خود بھی علم کم ہوتا

ہے اور علمی مجلس بھی میسر نہیں ہوتی۔ مواعظ کے سننے کا بھی اُن کو اتفاق کم ہوتا ہے اور مرد تو اکثر اپنے متعلق احکام سننے لہتے ہیں اور جس بات کو چاہیں اہل علم سے دریافت بھی کر سکتے ہیں۔

اس وقت جو حدیث میں نے تلاوت کی ہے، یہ ایک طویل مقصد بیان | حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا میں نے اس وقت پڑھا ہے۔ تمام حدیث کو احتیاط کی وجہ سے نقل نہیں کیا کیونکہ پورے الفاظ یاد نہ تھے۔ اسی لئے میں نے الحدیث کہہ دیا تھا تا کہ معلوم ہو جاوے کہ یہ پوری حدیث نہیں بلکہ اس کے اور بھی اجزاء ہیں جو یاد نہیں ہے مگر مضامین قریب قریب سب محفوظ ہیں۔ بعض یقیناً، بعض ظناً۔ اور دراصل وہ سب مضامین اسی جملہ کی تفصیل ہیں جو میں نے اس وقت پڑھا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ایک قاعدہ کلیہ اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ پھر اس کے چند جزئیات بطور تفصیل کے بیان فرمائے ہیں اس وقت میں نے اجمالی مضمون کے الفاظ تو نقل کر دیئے تفصیلی مضمون کے الفاظ نہیں پڑھے کیونکہ وہ بلفظ یاد نہ تھے اور ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ اس اجمال میں وہ سب تفصیل مندرج ہے۔ بہر حال وہ اجمالی مضمون جو بطور قاعدہ کلیہ کے ارشاد ہوا ہے۔ **رَاعُوا كُلَّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ** کہ ہر ایک تم میں سے با اختیار ہے (اور ہر کسی چیز کا نگہبان اور ذمہ دار ہے) اور ہر ایک سے پوچھا جاوے گا کہ تمہارے سپرد جو چیزیں تھیں ان میں تم نے کیا کیا۔ یہ ہے اجمالی مضمون کا حاصل۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے جس کے دو جزو تو یقیناً یاد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ **وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهَا** ہی مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ متفق علیہ۔ کہ عورت کے متعلق شوہر کا گھر ہوتا ہے اور اُس کے بال بچے ان میں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور ان کے متعلق اس سے دریافت کیا جاوے گا کہ تم نے شوہر کے گھر اور

اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اس کے بعد ایک جزو یہ ہے وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى
 مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مُسْتَوِلٌ عَنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، یعنی غلام خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان
 اور ذمہ دار ہے وہ بھی مفوض الیہ ہے اس لئے اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے
 اپنے آقا کے مال میں کس طرح تصرف کیا۔ یہ دو جزو تو یقیناً ہیں۔ تیسرا جزو شاید یہی
 ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں با اختیار ہے اور اس سے گھر والوں کے متعلق سوال ہو گا کہ تو
 نے اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور اُن کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔

قلت ونص الحديث هذا فالامام الذي على الناس راع
 وهو مستول عن رعيته والرجل راع
 على اهل بيته ومستول عن رعيته وذكر بعدة المرات
 والعبد ثم قال لا فكلكم راع وكلكم مستول عن رعيته متفق
 عليه كذا في المشكوة ص وفي الترغيب عن انس بن
 مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 ان الله سائل كل راع عما استوعا لا يحفظ ام ضييع رواه ابن

حبان في صحيحه اه (مت ۳) اور تیسرا جزو یعنی (والرجل راع) قرآن
 میں بھی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
 اس میں ایمان والوں کو صاف حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے
 گھر والوں کو بھی تو اس کا بھی وہی مطلب ہو گیا جو الرجل راع علی اهل بيته کا تھا
 کہ مرد اپنے گھر والوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے بلکہ قرآن میں جن لفظوں سے اس
 مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں رجال کی بھی تخصیص نہیں بلکہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں جیسا کہ قرآن میں تمام جگہ یہی طرز ہے کہ عورتوں کو مستقلاً
 خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ مردوں کی ساتھ طبعاً انکو بھی خطاب ہوتا ہے تو یہاں بھی
 اس قاعدہ کے موافق یہ خطاب مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے تو عورتوں

کے لئے بھی یہ بات ضروری ہوئی کہ وہ اپنے خاوند اور اولاد کو جہنم کی آگ سے بچا دیں اور انکو خلاف شرع امور سے روکنے میں کوشش کریں۔ قرآن میں تو یہ مضمون عورتوں کے متعلق اجمالاً ہے اور حدیث میں اجمالاً بھی ہے اور تفصیلاً بھی۔ بہر حال خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً قرآن و حدیث دونوں بتلا رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے متعلق کچھ حقوق ہیں جن کے متعلق ان سے باز پرس ہوگی۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی حالت میں غور کریں کہ ہم لوگ ان احکام کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ آیا ان کا امتثال کرتے ہیں یا نہیں تو غور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو مرد ان حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ جو ان کے ذمہ ہیں اور نہ عورتیں، اور اسی وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے تاکہ عورتیں بالخصوص اور مرد بھی متنبہ ہوں کہ ان کے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں اور انکے ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

اب یہ سمجھئے کہ وہ حقوق کیا ہیں کیونکہ اپنی کوتاہی

حقیقت حقوق خانہ داری کا علم بھی اسی سے ہوگا۔ اور اب تک کوتاہی کا علم نہ ہونا بھی اسی وجہ سے ہے کہ ہم ان حقوق سے واقف نہیں۔ مردوں نے تو اپنے ذمہ عورتوں کے یہ حقوق سمجھ رکھے ہیں کہ کھانے کو دیدیا۔ کپڑا دے دیا۔ زیور دیدیا۔ گھر دیدیا۔ اور کبھی بیمار ہوئیں تو علاج کر دیا۔ کبھی کوئی فرمائش کی تو اس کو پورا کر دیا۔ اور عورتیں اپنے ذمہ مردوں کے یہ حقوق سمجھتی ہیں کہ کھانا پکانے دیدیا۔ رات کو بستر کر دیا۔ اور دھو بن کو مردوں کے کپڑے شمار کر کے دیدیتے اور جب لائی تو شمار کر کے لئے اور حفاظت سے جس میں بند کر کے رکھ دیتے اور شمار کر کے دینا لینا بھی بعض گھروں میں ہے ورنہ اکثر تو یہ کہتی ہیں کہ ہماری دھو بن بڑی ایماندار ہے یہ خود گن کر لیجاتی ہے اور پورے کپڑے دے جاتی ہے۔ پھر دیتے ہوئے کپڑوں کی شمار ہوتی ہے نہ لیتے ہوئے۔ دھو بن کی ایمانداری پر اعتماد

ہے اور وہی مختار کل ہے جو چاہے کرے، اسی طرح پسہاری کو بھی خود وزن کر کے
 غلہ نہیں دیا جاتا اُسی سے کہہ دیتی ہیں کہ اپنے آپ وزن کر کے اتنی دھڑی لے جائے
 چاہے وہ چار دھڑی کی جگہ پانچ لے جائے اور اُن سے چار ظاہر کرے پھر جب وہ
 اُٹا پس کر لاتی ہے اُس وقت بھی وزن نہیں کیا جاتا۔ وہی پسہاری خود تول کر تینوں
 میں بھر دیتی ہے اور آئندہ کے لئے دوبارہ اناج لے جاتی ہے۔ گھر والوں کو یہ یاد نہیں
 رہتا کہ پہلی پسائی کتنی تھی اور اگلی کتنی۔ پس مہینہ ختم ہونے پر جتنی رقم پسہاری نے
 بتلا دی وہی اس کے ہاتھ پر رکھ دی، میں نے ایک گھر میں دیکھا ہے کہ ایک پسہاری
 کی بہت سی پسائیاں چڑھی ہوئی تھیں اور گھر میں نہ کوئی حافظہ تھی نہ کوئی ضابطہ تھا
 بعض دفعہ گھر والوں اور پسہاری میں اختلاف ہوتا وہ کچھ کہتی پسہاری کچھ کہتی مگر
 حجت کسی کے پاس نہ تھی بالآخر جھک مار کر وہی دینا پڑتا تھا جو پسہاری نے بتلا دیا
 اور جن گھروں میں حساب کا خیال بھی ہوتا ہے تو وہاں یہ طریقہ ہے کہ دیوار پر کوئلہ سے
 لیکر کھینچ دیتی ہیں، جب ایک دھڑی پس کر آئی انھوں نے اُسی وقت دیوار پر لیکر
 کھینچ دی، میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں تمام دیوار سیاہ تھی حالانکہ دیوار کی لیکر
 کوئی معتبر چیز نہیں، ذرا سا ہاتھ لگنے سے مٹ سکتی ہے اور پسہاری ایک آدھ لیکر
 بڑھا بھی سکتی ہے پھر اس صورت میں وہی دینا پڑے گا جو پسہاری بتلا دے۔
 اس سے تو آسان صورت یہ ہے کہ قلم اور دوایت کسی تختی یا کاغذی پر جو اپنے
 قبضہ میں رہے لیکر کھینچ دیا کریں تاکہ کمی بیشی کے احتمال سے تو محفوظ رہے مگر گھروں
 میں اس کا مطلق اہتمام نہیں (۱۲) وجہ یہ کہ عورتیں ان کاموں کو اپنے ذمہ سمجھتی ہی نہیں
 ہیں بلکہ وہ اپنے ذمہ صرف اتنا سمجھتی ہیں کہ مردوں کو کھلا دیا پلا دیا۔ اور اگر کوئی بچہ
 ہو تو اُس کو ہکا موتا دیا اور یہ بھی اُس وقت کہ گھر میں بچہ کے لینے کو کوئی آدمی نہ ہو
 ہو اور یہ کام اُنہیں خود کرنا پڑے۔ ورنہ اُنکو اسکی بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچے کہاں

ہیں اور کس طرح ہیں اور اگر گھر میں کھانا پکانیوالی بھی نوکر ہوئی تو ان کو چولہے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ اب نوکرانی سیاہ و سفید جو چاہے کرے، غرض شوہر کے مال کی حفاظت کا عورتوں کو مطلقاً خیال نہیں ہوتا۔ اسی طرح مردوں کو عورتوں کے حقوق میں سے صرف بعضے دنیوی امور کا اہتمام ہے یعنی زیور کپڑے کا یا کھانے پینے کا۔ باقی اُن کے دین کی اصلاح کا کچھ بھی اہتمام نہیں تو دونوں نے دو دو قسم کی کوتاہیاں کر رکھی ہیں دو قسم کی مردوں نے اور دو قسم کی عورتوں نے محسوس چار قسم کی کوتاہیاں ہوئیں۔

حق و کوتاہی | مردوں سے ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ذمہ صرف دنیوی حقوق سمجھتے ہیں دینی حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہمارے ذمہ اُن کے دین کا بھی کوئی حق ہے مثلاً گھر میں آکر یہ تو پوچھتے ہیں کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں مگر یہ کبھی نہیں پوچھتے کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں۔ اگر کھانا کھانے گھر میں آئے اور معلوم ہوا کہ ابھی تیار نہیں ہے تو خفا ہوتے ہیں یا تیار تو ہو گیا مگر مرضی کے موافق تیار نہیں ہوا تب بھی خفا ہوتے ہیں اور اگر کبھی یہ معلوم ہوا ہو کہ بیوی نے اس وقت کی نماز اب تک نہیں پڑھی تو انکو ذرا بھی ناگوار نہیں ہوتی نہ بی بی پر خفا ہوتے ہیں، بلکہ اگر کسی کی بی بی عمر بھر بھی نماز نہ پڑھے تو بہت مردوں کو اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی۔

اور جو کبھی کسی کو کچھ خیال بھی ہوتا ہے اور یہ وہ ہیں جو دیندار کہلاتے ہیں تو وہ بھی یونہی چلتی سی بات کہہ دیتے ہیں کہ بی نماز پڑھا کرو نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے۔ بس اتنا کہہ کر اپنے نزدیک یہ سبکدوش ہو گئے اور جب کسی نے اُن سے کہا کہ تم اپنی بی بی کو نماز کے لئے تہنہ کیوں نہیں کرتے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کہہ تو دیا تھا اب وہ نہیں پڑھتی تو میں کیا کروں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ انصاف سے بتائیے کیا آپ نے نماز کے لئے اسی طرح کہا تھا جیسے نمک تیز ہونے پر کہا تھا۔ اور اگر ایک دو دفعہ کے کہنے سے اُس نے نمک کی درستی کا اہتمام نہ کیا تو وہاں بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو

جاتے ہیں جیسے نماز کے لئے ایک دو دفعہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ ہرگز نہیں —
نمک تیز ہونے پر تو آپ سر توڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی بُری طرح خفگی ظاہر
کرتے ہیں کہ بی بی سمجھ جاتی ہے کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں اس لئے وہ بہت
جلد نمک کی اصلاح کا اہتمام کرتی ہے۔

صاحبو! نماز کے لئے آپ نے اس طرح کبھی نہیں کہا جس سے بی بی سمجھ جائے
کہ میاں بہت ناراض ہو گئے ہیں۔ اگر یہاں بھی اسی طرح خفگی ظاہر کرتے تو وہ اس کا بھی
ضرور اہتمام کرتی اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے نہ پڑھتی تو دوسرے وقت پھر خفا
ہوتے پھر نہ پڑھتی تو تیسرے وقت پھر کہتے اور جب تک وہ نماز نہ پڑھتی برابر
کہتے رہتے اور مختلف طریقوں سے اپنی خفگی ظاہر کرتے، مثلاً پاس لیٹنا ترک کر دیتے
یا اُس کے ہاتھ کا پکڑا ہوا نہ کھاتے۔ جیسا کہ نمک کی تیزی پر اگر ایک بار خفا ہونے
سے اثر نہ ہوا تو آپ خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ برابر کہتے رہتے ہیں اور وہاں
کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اتنی دفعہ تو کہہ دیا ہے اب بھی وہ نہیں مانتی تو میں کیا کروں۔
بس خاموش ہو جاؤں۔

صاحبو! انصاف سے بتلائیے کہ ہم نے کبھی کھانے پینے کے باب میں بھی اپنے
جی کو اس طرح سمجھایا ہے جیسا نماز کے باب میں سمجھایا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ تو یہ
مراسم کوتاہی ہے اگر آپ بی بی کو نمازی بنانا چاہیں تو کچھ دشواریات نہیں
کیونکہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے۔ چنانچہ اپنی اغراض کے لئے ان پر حکومت
بھی کی جاتی ہے مگر دین کے لئے اس حکومت سے ذرا کام نہیں لیا جاتا، ایک تو یہ
کوتاہی ہے۔ دوسری کوتاہی یہ ہے کہ اُن کے حقوق دنیویہ کو بھی پوری طرح اپنے ذمہ
نہیں سمجھتے۔ بس دنیوی حقوق میں اُنہی باتوں کو اپنے ذمہ سمجھتے ہیں جو عرفاً مردوں
کے ذمہ سمجھی جاتی ہیں اور جو حقوق معاشرت کے شریعت نے ہمارے ذمہ کئے ہیں
اُن کو عموماً مرد اپنے ذمہ نہیں سمجھتے مثلاً بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ مرد بیوی سے

بالکل لاپرواہ رہتا ہے۔ سال بھر باہر بیٹھک میں سوتے ہیں گھر میں نہیں سوتے۔ اب
 یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر سوتے رہتے ہیں اور بیوی کے
 اس حق سے غافل ہیں حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اس کا حق ہے۔
 بعض جگہ دیکھا ہے کہ مرد عورتوں سے بولتے بھی نہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو
 بزرگ کہلاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مرید ہیں۔ نماز روزہ اور ذکر و شغل کے پابند ہیں
 اپنے نزدیک جنت خرید رہے ہیں۔ مگر بیوی کے حقوق سے غفلت۔ یاد رکھو
 بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ ایک وقت میں اُس سے بات چیت بھی کی جائے اور اس کی
 تکلیف و راحت کی باتیں سُنی جائیں اور دل جوئی کی باتوں سے اس کو خوش کیا
 جائے مگر اس حق سے دنیا دار اور دیندار سب ہی غافل ہیں جس کی وجہ یہ ہے
 کہ اس کو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں بس کھانا کپڑا ہی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہے۔ بعض جگہ یہ
 دیکھا جاتا ہے کہ بات بات میں عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے
 بات چیت ترک کی جاتی ہے یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ دو قسم کی خطائیں
 ہیں۔ بعض تو اختیاری ہیں جن میں عورتوں کے اختیار کو دخل ہے مگر وہ اس درجہ
 کی نہیں ہوتی کہ ان پر اتنی بڑی سزا دی جائے جتنا پچھ عورتوں کی ایک خطا بیان کی جاتی ہے کہ وہ
 گفتگو میں مرد کے آگے لحتی نہیں ہیں اور بے جواب دیئے چلی جاتی ہیں حالانکہ وہ محکوم
 ہیں۔ ان کو محکوم بن کر رہنا چاہیے۔

حقیقت تعلق زوجین | سو میں کہتا ہوں کہ عورت بیشک محکوم ہے لیکن
 وہ ایسی محکوم نہیں ہے جیسے ماما یا لونڈی
 محکوم ہوتی ہے بلکہ اس کو مرد کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور اس تعلق کا خاصہ
 ہے کہ اس میں ایک قسم کا ناز بھی ہوتا ہے۔ اس تعلق کے ساتھ مرد کا عورت پر وہ
 رعب نہیں ہو سکتا جو نوکر وں پر ہوا کرتا ہے۔ مرد یہ چاہتے ہیں کہ بیوی پر بھی اسی

طرح رعب جائیں جس طرح نوکر پر جبا یا کرتے ہیں۔ یہ نہایت سنگ دلی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس تعلق کی حقیقت کو سمجھا نہیں (بھلا غور تو کیجئے کہ کیا آپ اپنے دوستوں پر ویسا رعب جما سکتے ہیں جیسا نوکروں پر جایا جاتا ہے ہرگز نہیں اور اگر آپ ایسا کرنے لگیں تو سارے اجاب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں دوستوں کے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کوئی عاقل نہیں کر سکتا پھر حیرت ہے کہ آپ بیوی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ تجربہ ہے کہ زمانہ افلاس و مصیبت میں سب اجاب الگ ہو جاتے ہیں اور ماں باپ تک انسان کو چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر بیوی ہر حالت میں مرد کا ساتھ دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری میں جیسی راحت بیوی سے پہنچتی ہے کسی دوست سے بلکہ ماں باپ سے بھی نہیں پہنچتی اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے برابر دنیا میں مرد کا کوئی دوست نہیں پھر کیا یہ ستم نہیں ہے کہ مرد ان کو نوکروں کے برابر کرنا چاہتے ہیں۔

اور اگر وہ کسی وقت گفتگو میں اپنے اس تعلق کی بنا پر بطور ناز کے برابری کرنے لگیں تو اس پر یہ سزا دی جاتی ہے کہ بولنا چالنا، پاس بیٹھنا، اٹھنا یک لخت بند کر دیا جاتا ہے (۱۲ جامع)

صاحبو! یہ وہ تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواج مطہرات ناز میں آکر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کون ہو گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کے برابر نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صاحب سلطنت تھے رعب سلطنت بھی آپ میں بہت زیادہ تھا (چنانچہ حدیث میں ہے کہ مہینہ بھر کی مسافت تک آپ کے رعب کا اثر پہنچتا تھا کہ سلاطین آپ کا نام سن سن کر کانپتے تھے ۱۲ جامع) مگر

بائیں ہمہ بیسیوں پر آپ نے بھی رعب اثر نہیں ڈالا بلکہ اُن کے ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے تعلق حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواجِ مطہرات حضور کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں آپ کی تعظیم اور ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت بھی اُن کے دل میں حضور کے برابر نہ تھی اور تعلق دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر ناز کرتیں مگر کبھی آپ کو ناگوار نہ ہوتا تھا مثلاً جس وقت قصۃ اِفک ہوا اور منافقین نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا تو اول اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دلگیر رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر پر تھیں یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم بالکل بُری ہو تو حق تعالیٰ تمہاری برائت ظاہر کر دیں گے، اور اگر واقعی تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت رنج ہوا، (کیونکہ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ حضور کو بھی (لغو ذالہ) میری نسبت کچھ احتمال ہے) (۱۲) تو انھوں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بُری ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بُری ہوں تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے۔ اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں مجھ سے غلطی

۱۵ چنانچہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ ابوسفیان بن عرب ایک دفعہ اسلام لانے سے پہلے مدینہ منورہ میں آئے اور اپنی بیٹی کے پاس قیام کیا تو گھر میں داخل ہو کر انہوں نے ایک بستر پر بیٹھنا چاہا جو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک تھا حضرت ام حبیبہ نے نہایت سرعت سے اس بستر کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اپنے باپ کو اس پر بیٹھنے نہ دیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹی یہ بستر تم نے اس لئے طے کر دیا کہ میرے قابل نہ تھا یا اس لئے بیٹھا ہے کہ میں اس کے قابل نہ تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم ناپاک مشرک ہو ابوسفیان یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر خاموش رہ کر کہا کہ افسوس میرے بعد تیری حالت بدل گئی ۱۶

ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بڑی ہوں تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم
 کر لیں گے پس اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام
 نے فرمائی تھی فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ یہ کہہ کر حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا فربط غم سے بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔ تو اسی
 وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں
 سناتا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی اَلْبَشْرِیْ یَا عَائِشَةُ فَقَدْ بَرَّ اَکَ اللّٰهُ، یعنی
 اے عائشہ خوشخبری سن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری برائت ظاہر کر دی پھر آپ نے
 وہ آیات پڑھ کر سنائیں جو اُس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سننے ہی
 سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اور حضرت
 عائشہ کی والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قَوْمِیْ یَا عَائِشَةُ اِلَیْہِ وَقَبْلِیْ (ای الی وجہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی اے عائشہ اٹھو یعنی حضور کو سلام کرو، تو
 حضرت عائشہ نے فرمایا، وَاللّٰہِ لَا اَقُوْمُ اِلَیْہِ وَاِلَیْہِ لَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰہُ عَزَّ
 وَجَلَّ۔ بخدا میں آپ کے پاس اٹھ کر نہ جاؤں گی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد
 نہیں کرتی کیونکہ آپ نے تو مجھے اودھ سمجھ ہی لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بڑی کیا۔
 اب مردوں کو سمجھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشا
 وہی ناز تھا جو بی بی کو تعلق دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے
 عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر
 عورت کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو اس بات
 پر ضرور تہنید فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں
 سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں۔ چنانچہ ایک

عورت نے چوری کی تھی جن کا نام فاطمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی کے موافق ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لوگوں نے سفارش کرنا چاہی اور حضرت اُسماءؓ بن زیدؓ بن حارثہ کو سفارش کے لئے تجویز کیا۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب زادے تھے چنانچہ وہ بھولے بھالے سفارش کرنے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت برہم ہوئے۔ اور فرمایا کہ حدود میں سفارش کرنا پہلی اُمتوں کو ہلاکت میں ڈال چکا ہے۔ اس کے بعد ایسی بات فرمائی کہ ہم تو اس کو نقل بھی نہیں کر سکتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی (لعوذ باللہ، لعوذ باللہ، لعوذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا (پھر فاطمہ منخر و میہ تو کیا چیز ہیں۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹا گیا) (کنزانی ابوداؤد ص ۲۵۳ جلد ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول خلافِ شریعت ہوتا تو آپ اُن کی ہرگز رعایت نہ فرماتے اور ضرور تنبیہ فرماتے یہ بات بیشک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی خصوصیتیں ہیں کہ اُن میں کوئی اُن کا شریک نہ تھا اور برتاؤ میں اُن خصوصیتوں کا زیادہ ظہور ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو جاتے ہوئے سب کے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے اور واپسی میں سب پہلے اُن سے ملتے تھے۔ تاکہ جدائی کا زمانہ کم ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی نیز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایت محبت سے اُن کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو اُن کی محبت کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کی بھی رعایت نہ کر سکتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو کیا رعایت فرماتے
 پس ثابت ہوا کہ اُن کا یہ کہنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُٹھ کر نہیں جاتی
 اور اپنے خدا کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کرتی خدا و رسول کے خلاف نہ تھا۔ تو
 بی بی کا شوہر سے وہ تعلق ہے جس میں اتنی بڑی بات کو خدا و رسول نے گوارا کر لیا۔
 ورنہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے یا اس پر کوئی آیت ضرور نازل ہوتی
 چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خرچ زیادہ
 مانگا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی حالانکہ ظاہر میں ان کی درخواست کی وجہ معقول
 بھی تھی کیونکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات بہت ہونے لگی تھیں۔
 اور سب مسلمان فتوحات کی وجہ سے مالدار ہونے لگے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ وسلم
 نے اس پر بھی اپنی ذات خاص اور اپنے گھر والوں کے لئے دنیوی وسعت کو گوارا
 نہ کیا تو ازواج مطہرات نے اس موقع پر زیادہ خرچ کی درخواست کی تنگی کے
 وقت اُنھوں نے ایسی درخواست کبھی نہیں کی حتیٰ کہ تنگی کے زمانہ میں بعض وقت
 پانی بھی گھر میں نہیں ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ شکایت نہیں کی۔ ہاں جب
 فتوحات سے سب مسلمان مالدار ہونے لگے اور تنگی رفع ہو گئی اُس وقت اُنھوں نے
 بھی اپنے لئے وسعت چاہی۔ مگر یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کے خلاف
 تھی۔ آپ بیبیوں کے لئے تو وسعت کو کیا پسند کرتے اپنی بیٹی تک کے لئے
 بھی اس کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے پاس بہت سے باندی غلام قید ہو کر آئے۔ اور آپ مسلمانوں میں ان کو
 تقسیم فرمانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ
 تم چکی پیسنے اور پانی بھرنے میں بہت تکلیف اٹھاتی ہو اور اس وقت حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کے پاس باندی غلام بہت سے آئے ہوئے ہیں جن کو آپ لوگوں میں تقسیم

فرمایا ہے ہیں اگر تم بھی حضور سے ایک باندی غلام مانگ لو تو اس محنت سے تم کو راحت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئیں تو اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ سے اپنی درخواست کا مضمون بیان کر دیا کہ حضور تشریف لائیں تو میری طرف سے یہ عرض کر دی جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے حضور سے عرض کر دیا کہ صاحبزادی صاحبہ اس مقصود کے لئے تشریف لائی تھیں آپ اُسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا اے فاطمہ تم غلام اور باندی چاہتی ہو یا میں اس سے بھی اچھی ایک چیز تم کو بتلاؤں۔ انھوں نے عرض کیا کہ جو چیز اس سے بھی اچھی ہو وہی بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا لیٹنے کے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے غلام لونڈی سے بہتر ہے۔ وہ ایسی لائق صاحبزادی تھیں کہ اسی پر خوش ہو گئیں اور اُخروی راحت کو دنیاوی راحت پر ترجیح دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے لئے بھی باندی غلام رکھنا پسند نہیں فرمایا تو بیویوں کے لئے ان باتوں کو کیسے پسند فرماتے۔

حقیقت نازِ زوجہ | آپ تو ہمیشہ یہ دُعا فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا یعنی اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے گھر والوں کا رزق بقدر قوت کر دیجئے جس سے زندگی قائم رہ سکے۔ عرض ہاں کا زیادہ ہونا آپ کے مذاق کے خلاف تھا۔ اس لئے ازواج کی اس فرمائش سے آپ تنگ دل ہوئے تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَاجِكَ اِنْ كُنْتُمْ تُرَوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنِ اُمْتِعْكُنَّ وَاَسْرِحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ط وَاِنْ كُنْتُمْ تُرَوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اجْرًا عَظِيمًا یعنی ازواجِ مطہرات سے فرما دیجئے کہ
 اگر تم دنیا چاہتی ہو اس صورت میں تم میرے پاس نہیں رہ سکتیں آؤ میں تم کو متاعِ دنیا
 دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر اللہ و رسول اور آخرت کی طالب
 ہو تو (پھر صبر و شکر کے ساتھ اس تنگی کی حالت میں گزر کر واد نیک اعمال میں سعی
 کرتی رہو ۱۲) اللہ تعالیٰ نے تمہارے میں سے نیک کام کرنے والوں کے لئے بڑا اجر تیار
 کر رکھا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ سب سے اول
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
 تھیں کیونکہ نو برس کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئی تھیں اور آپ کی وفات کے وقت
 اُن کی عمر کل اٹھارہ سال کی تھی تو آپ نے یہ خیال کیا کہ اس عمر میں سمجھ کم ہوتی ہے
 ایسا نہ ہو کہ اُن کے منہ سے یہ نکل جائے کہ ہم تو دنیا چاہتے ہیں اس لئے آپ نے
 آیات سنانے سے پہلے یوں فرمایا کہ اے عائشہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا
 ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب
 دینا (کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ اُن کے والدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
 علیحدگی کی رائے بھی نہیں دے سکتے) اس کے بعد آپ نے یہ آیات اُن کو
 سنائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ مضمون سن کر جوش ہوا اور عرض کیا اَفِيْ هٰذَا
 اَسْتَاْمِرُّ اَبُوِّیْ کیا میں اس بات کے لئے اپنے ماں باپ کے مشورہ کروں گی میں
 نے اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور آخرت کو اختیار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن
 کے جواب سے بہت مسرور ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کسی
 اور بی بی سے یہ نہ کہئے کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی نے پوچھا تو میں چھپاؤں گا نہیں غور کرنے کی بات ہے
 کہ حق تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو زیادہ خرچ مانگنے سے تو منع فرمایا اور ان کو

ناز کی بات منع نہیں فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ناز کرنے میں اتنی بُرائی نہ تھی جتنی
 خرچ مانگنے میں تھی مگر آجکل کتنی اُلٹی بات ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے کو تو بُرا
 نہیں سمجھتے جو کسی درجہ میں مذموم بھی ہے اور بی بی کے ناز اور بے تکلفی کو بُرا
 سمجھتے ہیں جو ذرا بھی بُری بات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مذاق فاسد ہیں
 ہمارے نفوس کی اصلاح نہیں ہوئی ہمارے اندر مرض ہے جس کی وجہ سے ہر بات
 اُلٹی ہے کہ جو چیز ناگوار ہونا چاہیے تھی وہ تو گوارا ہے اور جو گوارا ہونا چاہیے تھی
 وہ ناگوار ہے۔ جیسے صفراوی المزاج کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوتی ہے تو کیا وہ
 مٹھائی واقع میں کڑوی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ صفراویت کی وجہ سے اس کا مذاق
 بگڑ رہا ہے۔ اسی طرح باطنی مذاق بگڑ رہا ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ زیادہ خرچ مانگنے
 کو تو عورت کے لئے گوارا کرتے ہیں اور بے تکلفی اور ناز کی باتوں کو اس کے لئے
 گوارا نہیں کرتے اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیبیوں کے ساتھ برتاؤ
 سُن کر ہم کو تعجب ہوتا ہے جیسا صفراوی المزاج کو مٹھائی کھانے والے کی
 حالت پر تعجب ہوا کرتا ہے یہ ہے ہماری غلطی جس کا حاصل یہ کہ عورتوں کے دینی
 حقوق تو اپنے ذمہ سمجھتے ہی نہیں، ادا تو کیا ہی کرتے اور دنیوی حقوق کو اپنے ذمہ
 کچھ سمجھتے ہیں مگر ان کو بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے چنانچہ ایک حق دنیوی یہ ہے
 کہ انکی بے تکلفی اور ناز کو گوارا کریں اور نیز ان کی بے تمیزی کو بھی گوارا کریں۔
 ان حقوق کو مردوں نے عموماً نظر انداز کر رکھا ہے یوں چاہتے ہیں کہ عورتیں باندیوں
 کی طرح محکوم اور تابع ہو کر رہا کریں اور کبھی ہماری بات کا اُلٹ کر جواب نہ دیا
 کریں اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس سے بولنا چالنا پاس لیٹنا بیٹھنا سب موقوف
 کر دیتے ہیں یہ بہت بے جا حرکت ہے۔ نیز بعض مرد یوں چاہتے ہیں کہ عورتیں
 ہماری طرح تمیز اور سلیقہ شعار ہو کر رہیں۔ اسی لئے جب کسی عورت سے کوئی

بات بے تمیزی کی ہو جاتی ہے تو اس پر سخت سزا دی جاتی ہے۔ حالانکہ عورتوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اُن کی بے تمیزی کو گوارا کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ عورت ٹیڑھی سیلی سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس کے اخلاق میں کجی ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائیگی بس اس سے نفع اٹھانا ہے تو کجی کے ساتھ نفع اٹھاتے رہو۔ دوسرے کچھ عورتوں کے زیادہ مناسب حال یہی ہے کہ وہ تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوں۔ کیونکہ اکثر بے تمیز وہی ہوتی ہیں جو سیدھی سادی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں نہایت عظیم اور تابعہ ہوتی ہیں اور جو بہت سلیقہ دار ہیں وہ اکثر نہایت چالاک ہوتی ہیں۔ اگرچہ بعض ایسی بھی ہیں کہ سلیقہ دار ہونے کے ساتھ خاوند کی مطیع اور تابعہ رہتی ہیں۔ مگر ایسی بہت کم ہیں۔ زیادہ تو یہی دیکھا گیا ہے کہ سلیقہ دار عورتیں تابعہ نہ ہوتیں۔ نیز ان میں عفت و حیا بھی کم ہوتی ہے اور جو سیدھی سادی ہیں وہ خاوند کی بہت تابعہ اور جان نثار ہوتی ہیں۔ بعض عورتوں کو یہاں تک دیکھا ہے کہ وہ خود بیمار ہیں اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں۔ مگر اسی حالت میں اگر کہیں خاوند بیمار ہو گیا تو وہ اپنی بیماری کو بھول جاتی ہیں۔ اب ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ نہ آرام ہے نہ چین ہر وقت خاوند کی تیمارداری میں مشغول رہتی ہیں اور یہ تو روزمرہ کی بات ہے کہ عورتیں خود کھانا اخیر میں کھاتی ہیں اور سب سے پہلے مردوں کو کھلاتی ہیں اور بعض دفعہ اخیر میں کوئی مہمان آیا تو خود بھوکے رہیں گی اور مہمان کے سامنے اپنے کھانے سے پہلے کھانا بھیج دیں گی۔ اگر اس کے کھانے کے بعد کچھ بچ گیا تو خود بھی کھا لیا ورنہ فاقہ کر لیا۔ اگر کبھی خاوند آدھی رات کو سفر سے آگیا تو اُسی وقت اپنا چین و آرام چھوڑ کر اس کے لئے کھانا پکا دینگے اور اس کی خدمت میں لگ جادیں گی تو اس قسم کی عورتیں جو خاوند پر مریٹیں اکثر وہی ہیں جو تھوڑی سی بے تمیز بھی ہوتی ہیں۔ سلیقہ داروں میں یہ باتیں نہیں ہوتیں۔

تعلیم نسواں | اور اسی وجہ سے میری رائے ہے کہ عورتوں کو دنیوی تعلیم مختصر
 سی ہونی چاہیے ہاں دین کی تعلیم کافی ہونا چاہیے۔ میں نے
 کانپور میں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی عورت کو جغرافیہ پڑھاتا تھا میں نے کہا کہ جغرافیہ کی
 عورت کو کیا ضرورت؟ کیا بھگانے کے لئے پڑھاتے ہو کیونکہ جب اس کو سب راستے
 بتلا دیئے گئے اور مختلف شہروں کے عجائبات معلوم ہو گئے تو اب وہ گھر کی چار دیواری میں
 کیوں رہے گی۔ عورت کا تو کمال یہی ہے کہ اس کو اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ کا رستہ
 معلوم نہ ہو نہ کسی شہر کی اُسے خبر ہو اس جہالت ہی سے وہ گھر میں قید رہ سکتی ہے کیونکہ
 اس حالت میں وہ بھاگنا بھی چاہے تو کیونکر بھاگے۔ اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ ریل میں
 کس طرح بیٹھا کرتے ہیں ٹکٹ کہاں ملتا ہے اور اسٹیشن کس طرف کو ہے اور جغرافیہ
 پڑھ کر تو وہ دنیا بھر سے باخبر ہو جائے گی اور جہاں چاہے گی آسانی سے چلی جائیگی۔
 واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو جغرافیہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے۔ بجز اس کے
 کہ ان کو بھاگنے کا رستہ بتلانا ہے۔ اس لئے تو تعلیم یافتہ طبقہ میں جو لوگ عاقل ہیں
 وہ عورتوں کو اس قسم کے علوم نہیں پڑھاتے۔ ریل میں ایک جنٹل عربی دان مجھ سے ملے
 تھے کہنے لگے کہ میں لڑکوں کو تو فلسفہ و جغرافیہ بھی پڑھاتا ہوں مگر لڑکیوں کو محض دینیات
 کی کتابیں پڑھاتا ہوں۔ دینیات کے سوا کچھ نہیں پڑھاتا۔ کیونکہ دنیوی علوم سے اُنکے
 اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے واقعی صحیح رائے ہے۔ بس عورتوں کو دین تو پڑھائیں مگر جغرافیہ
 فلسفہ ہرگز نہ پڑھائیں باقی اخبار اور ناول پڑھانا تو عورتوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ یہ
 نہایت سخت مضر ہے اس سے بعض دفعہ عورتوں کی آبرو و برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح
 مستورات کو باہر پھرنے والی عورتوں سے بھی بہت بچانا چاہیے خصوصاً شہروں میں
 جو یہ رواج ہے کہ لڑکیوں کو میمیں گھر پر آکر پڑھاتی ہیں اس کو سختی سے بند کر دینا
 چاہیے۔ میں کانپور میں سنا کرتا تھا کہ آج فلاں عورت بھاگ گئی اور کل فلاں کی

بیٹی بھاگ گئی اور یہ صرف اسی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کو پڑھانے کے لئے میم گھر پر آتی تھی تو یہ ہرگز نہ چاہیے۔ اسی طرح شرفار نے کبھی اس کو بھی پسند نہیں کیا کہ لڑکیوں کیلئے زمانہ مدرسہ ہو، قصبات میں لڑکیاں عموماً لکھی پڑھی ہوتی ہیں مگر سب اپنے اپنے گھروں پر تعلیم پاتی ہیں۔ مدرسہ میں کسی نے بھی تعلیم نہیں پائی۔ گھروں پر تعلیم پانے سے لڑکیوں کا کسی طرح کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ پڑھانے والی بھی نیک اور پردہ نشین ہوتی ہے اور لڑکیاں بھی پردہ ہی میں رہ کر تعلیم پاتی ہیں۔ باقی یہ جو آجکل زمانے اسکول ہوئے ہیں تجربے سے معلوم ہوئے کہ یہ بہت ہی مضر ہیں۔ رہا یہ کہ کیوں مضر ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب اسکول میں پردہ کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور پردہ کے ساتھ لڑکیوں کو بند گاڑی میں پہنچایا جاتا ہے تو پھر اُن کے مضر ہونے کی کیا وجہ ہے، تو ہمیں اس کی علت کی خبر نہیں مگر تجربہ یہی ہے کہ اسکولوں کی تعلیم عورتوں کو بہت ہی مضر ہوتی ہے اس سے اُن میں آزادی اور بے حیائی اور پردہ سے نفرت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض عورتوں کو دین کی تعلیم تو دینا چاہیے اتنی تعلیم تو ضروری ہے اس سے زیادہ مضر ہے۔ اب تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے اشعار چھپتے ہیں اور اخیر میں اُن کا نام یا فلاں کی بیٹی یا فلاں کی بیوی بھی چھپتا ہے۔ میں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے سامنے اخبار پڑھ رہے تھے اُس میں ایک عورت کا پورا پتہ لکھا ہوا تھا کہ فلاں کی بیٹی فلاں شہر فلاں محلہ کی رہنے والی، وہ کہنے لگے عورتوں کے نام اس طرح اخباروں میں چھاپنا گویا اُن کو سربازار بھلا دینا ہے واقعی سچ ہے اس طرح

۱۔ اس کے اسباب کی کچھ مجمل تفصیل احقر کی ایک تحریر میں ہے جو اصلاح انقلاب جلد اول بزرگ تحقیق تعلیم نسواں اور بہشتی زیور حصہ اول کے منیمہ اول کے آخر کے قریب تحت عنوان اصلاح معاملہ متعلقہ تعلیم نسواں میں شائع ہوئی ہے جو نہایت مفید مضمون اور قابل ملاحظہ ہے اس مقام پر ان میں سے صرف یہ جزو خاص جو زمانہ اسکول کے متعلق ہے مع لصاب ضروری و بحث تعلیم کتابت نقل کر کے وعظ کے اخیر میں ملحق کیا جاتا ہے۔

تو گویا ظاہر کر دینا ہے کہ جو کوئی ہم سے ملنا چاہے اس پتہ پر چلا آوے اور اگر کسی کی یہ نیت بھی نہ ہو تو بد معاشوں کو پتہ معلوم ہو جانے سے سہولت تو ہو جائے گی۔

صاحبو! عورتوں کو اس طرح رکھنا چاہیے کہ محلہ والوں کو بھی ضرورت حیا ر

خبر نہ ہو کہ اس گھر میں کتنی عورتیں ہیں اور ہیں بھی یا نہیں؟ اسی میں آبرو کی خیر ہے۔ ہمارے قصبات میں یہ حالت ہے کہ جب بعض لڑکیوں کی شادی ہو تو بستی والوں کو تعجب ہوا کہ میاں کیا تمہارے بھی لڑکی تھی۔ حیرت ہے کہ ہم کو بستی میں رہ کر بھی اسکی خبر نہ ہوئی۔ عورت کے لئے یہی مناسب ہے کہ اسکی خبر اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو بھی نہ ہو۔ ہمارے یہاں ایک رسم یہ بھی ہے اور مجھے پسند ہے کہ لڑکیوں کا مردوں سے تو پردہ ہوتا ہی ہے غیر عورتوں سے بھی اُن کا پردہ کرا یا جاتا ہے چنانچہ نان یا دھوین یا کنجڑن وغیرہ جہاں گھر میں آئی اور سیانی لڑکیاں فوراً پردہ میں ہو گئیں۔ اس طریقہ سے ان میں حیا و شرم پوری طرح پیدا ہو جاتی ہے۔ بیباکی اور دیدہ چشمی نہیں ہونے پاتی۔ پہلے لوگوں نے اس قسم کی بعض حکمت کی باتیں ایجاد کی تھیں سو واقعی ان میں بڑی مصلحت ہے۔ گو بعض فخر کی باتیں بھی ہیں ان کو مٹانا چاہیے۔ لیکن یہ حکمت کی باتیں دستور العمل بنانے کے قابل ہیں اور جہاں ان پر عمل ہے وہاں کی لڑکیاں عموماً حیا دار اور عقیف اور خاوند کی تابعدار ہوتی ہیں مگر اب تو شہروں میں یہ حالت ہے کہ میں نے ایک عورت کی عاشقانہ غزل پیر کی شان میں چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ خدا جانے وہ پیر بھی کیسے تھے جنہوں نے اس کو گوارا کیا۔ واقعی شریعت کے چھوڑنے سے حیا اور غیرت بھی بالکل جاتی رہتی ہے۔ میں نے بعض جگہ یہ دستور دیکھا ہے کہ عورتیں پیروں سے پردہ نہیں کرتیں۔ اُن کے سامنے آتی ہیں۔ اور غضب کہ بعض دفعہ تنہائی میں بھی اُن کے پاس آتی جاتی ہیں کہ کوئی محرم بھی اُس جگہ نہیں ہوتا۔ یہ کس قدر حیا سوز طریقہ ہے۔ بیبیو! پیر سے فقط دین کی تعلیم حاصل کرو۔ اس کے سوا خدمت وغیرہ کچھ نہ کرو۔ نہ اُس کے

سامنے آؤ۔ نہ خط و کتابت کرو۔ بلکہ جو کچھ لکھوانا ہو اپنے مرد سے کہہ دو کہ وہ خود لکھ دے اور اگر کبھی مجبوری کی حالت میں تم کو خود ہی خط لکھنا پڑے تو اس میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھو کہ خط لکھ کر اپنے شوہر یا بھائی یا بیٹے کو دکھلا دیا کرو۔ اور پتہ کا لفاظی مرد ہی سے لکھو یا کرو۔ اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی اور نہ مردوں کو اس طرح خط و کتابت گراں ہوگی اور اگر اس میں بھی اُن کے دل پر کچھ گراں دیکھو تو خود ہرگز خط نہ لکھو بلکہ مرد ہی سے لکھوا دیا کرو مگر ان باتوں کی آجکل مطلق پرواہ نہیں۔ بلکہ یہاں تک بے حیائی ہے کہ ایک عورت نے پیر کی شان میں عاشقانہ غزل لکھی جس میں خط و خال اور فراق و وصال تک کا حال لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں شائع ہوئی پرچہ میرے پاس آتا تھا جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے سخت غصہ آیا اور اس پرچہ کا اپنے نام پر آنا بند کر دیا۔

تو صاحبو! جس کا نام سلیقہ رکھا گیا ہے وہ تو بدون ان باتوں کے آتا نہیں مگر اس سلیقہ کے ساتھ عورتوں کی حیا اور عفت و اطاعت سے ہاتھ دھولینا چاہیے اور اگر حیا اور عفت و اطاعت چاہتے ہو تو یہ جو اہر تو اُن ہی عورتوں میں پائے جاتے ہیں جن کو تم بد سلیقہ اور بے تمیز کہتے ہو اور قاعدہ ہے من ابلی بلیتین فلیختر اھونہما جو شخص دُوبلاؤں میں پھنس جائے اُسے آسان صورت اختیار کرنا چاہیے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ سلیقہ سکھا کر عورتوں کی آزادی اور بے حیائی اور دیدہ چشمی پر صبر آسان ہے یا بے سلیقہ رکھ کر تھوڑی سی بے تمیزی پر صبر آسان ہے سو عقلاء اور شرفاء کے نزدیک تو بے تمیزی ہی پر صبر کر لینا آسان ہے۔ شریف آدمی عورت کی آزادی اور دیدہ چشمی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہ عورتوں کی جہالت اور بے تمیزی سے دل تو دکھتا ہے۔ کلفت تو بہت ہوتی ہے اور دل دکھنا اچھا نہیں۔ سو اس کا علاج یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان کو دین کی کتابیں پڑھاؤ۔ اس سے اُن کو سلیقہ اور تمیز بھی بقدر ضرورت آجاتی ہے بلکہ اسکول کی تعلیم پانے والے سے زیادہ اُن میں تہذیب آجاتی ہے کیونکہ دین

کی تعلیم سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ خدا کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ شوہر کے حقوق پر اطلاع ہوتی ہے۔ باقی یہ ہرگز اُمید نہ رکھو کہ وہ بالکل تم جیسی ہو جائیں۔ کیونکہ ان میں جو خلقی کمی ہے وہ زائل نہیں ہو سکتی۔ کتے کی دم کو چاہے برسوں نلکی میں رکھو مگر جب نکالو گے ٹیڑھی ہوگی۔ تو مرد کو اتنا سخت مزاج نہ ہونا چاہیے کہ عورت کی ذرا ذرا سی بدتمیزی پر غصہ کیا کرے۔

ضرورت اولاد | سو بعض دفعہ تو وجہ ہوتی ہے مرد کی سختی اور تند مزاجی کی یہ تو ایسی وجہ ہیں جن میں کچھ عورت کے اختیار کو بھی دخل ہے اور کبھی غیر اختیاری باتوں پر غصہ کیا جاتا ہے۔ یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کم بخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو اس میں بیچاری کیا کرے اولاد کا ہونا کسی کے اختیار میں تھوڑا ہی ہے بعض دفعہ بادشاہوں کے اولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور محلِ دوائیں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی خاک نہیں ہوتا یہ تو محض خدا تعالیٰ کے قبضہ و اختیار کی بات ہے اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کم بخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں سو اول تو اس میں اسکی کیا خطا ہے (بلکہ اطباء سے پوچھو تو شاید وہ اس میں آپ کا ہی قصور بتلائیں) دوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں، کیونکہ ۱۔ آنکس کہ تو نگر ت نمی گرداند ۲۔ او مصلحت تو از تو بہتر داند

حضرت آپ کو خوب یاد ہو گا۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا اُس کے لئے اور اُس کے والدین کے لئے مصلحت بھی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں ۱۔ آل پسر را کش خضر بہر بید خلق ۲۔ سر آں را در نیا بد عام خلق اسی طرح خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوار ہو کر اس کا ایک تختہ توڑ دیا تھا ظاہر میں یہ کشتی کو عیب دار کرنا تھا مگر اس میں بڑی مصلحت تھی۔ مولانا فرماتے ہیں ۱۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر بہت

پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کے قتل ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے اُس کے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی اولاد میں انبیاء ہوئے تو بتلایئے اگر آپ کے لڑکا ہوتا اور ویسا ہی ہوتا جیسا وہ لڑکا تھا جسے خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا تو آپ کیا کر لیتے یہ خدا کی بڑی مصلحت ہے کہ اُس نے آپ کو لڑکیاں دیں کیونکہ عموماً لڑکیاں خاندان کو بدنام نہیں کیا کرتیں اور والدین کی اطاعت بھی خوب کرتی ہیں اور لڑکے تو آجکل ایسے خود سر ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ اُن کے ہونے سے تو نہ ہونا ہی بھلا تھا۔ اب آجکل اگر خضر علیہ السلام ایسے لڑکوں کو نہیں مارتے تو اللہ میاں تو ذبح کر سکتے ہیں۔ اور لڑکے پیدا نہ کرنا یہ بھی ایک گونہ ذبح ہی کے مثل ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کچھ بھی اولاد نہ دیں نہ لڑکا نہ لڑکی اس کے لئے یہی مصلحت ہے کہ وہ بندوں کے مصالح کو اُن سے زیادہ جانتے ہیں۔ دیکھئے آج ایک شخص بے فکری سے دین کے کام میں لگا ہوا ہے کیونکہ اس کے اولاد نہیں اب اگر اُس کے اولاد ہو جائے تو کیا خبر ہے اُس وقت یہ بے فکری ہے یا نہ ہے اولاد کے ساتھ ہزاروں افکار لگے ہوئے ہیں۔ آج کسی کے کان میں درد ہے، کسی کے پیٹ میں درد ہے، کوئی گر پڑا ہے، کوئی گم ہو گیا ہے اور ماں باپ پریشان ہیں تو ممکن ہے خدا نے اُس کو اسی لئے اولاد نہ دی ہو کہ وہ اُس کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب میں حج کو حاضر ہوا تو میرے گھر میں کی خالہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ دعا کر دیجئے کہ اُس کے اولاد ہو۔ حضرت نے خلوت میں مجھ سے فرمایا کہ تمہاری خالہ اولاد کے لئے دعا کو کہتی تھیں۔ دعا سے کیا انکار ہے بھائی! مجھے تو یہی بات پسند ہے کہ تم بھی مجھ جیسے ہو پھر آپ نے اولاد کی مذمت بیان فرمائی کہ انکی وجہ سے یوں افکار پڑ جاتے ہیں اور بڑے ہو کر یوں ستاتے ہیں، میں نے کہا حضرت میں بھی پسند وہی کرتا ہوں جس کو آپ پسند کریں اس سے حضرت بہت خوش ہوئے اور واقعی جیسی بے فکری

مجھے آجکل ہے اولاد کے ساتھ تھوڑا ہی ہو سکتی تھی، میرے بھائی ایک ظرافت کی کہانی
سُنا تے تھے، ایک شخص نے کسی صاحبِ عیال سے پوچھا کہ تمہارے گھر خیریت ہے تو
بڑا خفا ہوا کہ میاں خیریت تمہارے یہاں ہو گی مجھے بد دعا دیتے ہو ہمارے یہاں خیریت
کہاں ماشاء اللہ بیٹے بیٹیاں ہیں پھر اُن کی اولاد ہے سارا گھر بچوں سے بھرا ہوا ہے آج
کسی کے کان میں درد ہے کسی کو دست آتے ہیں کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے کوئی کھیل کود
میں چوٹ کھا کر رو رہا ہے۔ خیریت ہو گی اُس کے یہاں جو منحوس ہو جس کے گھر میں کوئی
بال بچہ نہ ہو۔ ہمارے یہاں خیریت کیوں ہوتی تو واقعی بچوں کے ساتھ خیریت کہاں۔
بچپن میں اُن کے ساتھ اس قسم کے رنج و افکار ہوتے ہیں اور جب وہ سیانے ہوئے
تو اگر صالح ہوئے تو خیر اور آجکل اسکی بہت کمی ہے ورنہ پھر جیسا وہ ناک میں دم کرتے
ہیں معلوم ہے۔ پھر ذرا اور بڑے ہوئے جوان ہو گئے تو اُن کے نکاح کی فکر ہے بڑی
مصیبتوں سے نکاح بھی کر دیا تو اب یہ غم ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ
کمر کے تعویذوں گنڈوں اور دواؤں سے اولاد ہوئی تو بڑے میاں کی اتنی عمر ہو گئی کہ پوتے
بھی جوان ہو گئے۔ اب بچہ بچہ ان کو بات بات میں بے وقوف بناتا اور اُن کی خدمت
سے اکتاتا ہے۔ اور بیٹے پوتے منہ پر کوری کوری سُنا تے ہیں۔ اور یہ بیچارے معذور
ایک طرف پڑے ہیں۔ یہ اولاد کا پھل ہے تو پھر خواہ مخواہ لوگ اسکی تمنائیں کرتے ہیں
مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میرے اُستاد مولانا سید احمد صاحب دہلوی کے ماموں مولانا
سید محبوب علی صاحب جعفری کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ وہ غمزدہ بیٹھے تھے
میرے اُستاد نے پوچھا اور یہ اُن کے لڑکپن کا زمانہ ہے کہ آپ غمگین کیوں ہیں۔ کہا
مجھے اس کا رنج ہے کہ بڑھاپا آ گیا اور میرے اب تک اولاد نہیں ہوئی۔ اُستاد رحمۃ اللہ
علیہ نے فرمایا، سبحان اللہ یہ خوشی کی بات ہے یا غم کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ خوشی کی
بات کیونکر ہے؟ فرمایا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے سلسلہ نسل میں آپ

مقصود بالذات ہیں اور تمام آباؤ اجداد مقصود بالغیر بخلاف اولاد والوں کے کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اُن کو تو غنیمت کے واسطے پیدا کیا گیا۔ دیکھتے گیہوں ڈھونڈ کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو تخم کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ تو ان دونوں میں مقصود وہ ہے جو کھانے کے لئے رکھا جاتا ہے، کھیت بونے سے مقصود یہی گیہوں تھے اور جس کو تخم کے واسطے رکھتے ہیں وہ مقصود نہیں بلکہ وہ واسطہ ہی مقصود کے اسی طرح جس کے اولاد نہ ہو آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک ساری نسل میں مقصود وہی تھا اور سب اس کے وسائل اور مقدمات تھے اور جن کے اولاد ہوتی ہے وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ تخم کے واسطے رکھے گئے ہیں تو واقعی ہے یہ علمی مضمون، بے اولادوں کو اپنی حسرت اس مضمون کو سوچ کر ٹالنی چاہیے اور اگر اس سے بھی حسرت نہ جائے تو دنیا کی حالت کو دیکھ کر تسلی کر لیا کریں کہ جن کے اولاد ہے وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور اس سے بھی تسلی نہ ہو تو یہ سمجھ لے کہ جو خدا کو منظور ہے وہی میرے واسطے خیر ہے نہ معلوم اولاد ہوتی تو کیسی ہوتی؟ اور یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اولاد نہ ہونے میں بیوی کی کیا خطا ہے۔

ضرورت نکاح ثانی | بعض لوگ محض اتنی بات پر کہ اولاد نہیں ہوتی دوسرا نکاح کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دوسرا نکاح کرنا اس زمانہ میں اکثر حالات میں زیادتی ہے کیونکہ قانون شرعی یہ ہے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کہ اگر متعدد بیویوں میں عدل نہ ہو سکے گا اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت سے نکاح کر دیا کچھ باندیاں خرید لو۔ اور ظاہر ہے کہ آجکل طبائع کی خصوصیات سے عدل نہیں ہو سکتا ہم نے تو کسی مولوی کو بھی نہیں دیکھا جو دو بیویوں میں پورا پورا عدل کرتا ہو، دنیا دار تو کیا ہی کریں گے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ دوسرا نکاح کر کے پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ طبائع میں آجکل انصاف و رحم کا مادہ بہت کم ہے۔ تو آجکل

کے اعتبار سے تو عدل قریب قریب قدرت سے خارج ہے۔ پھر جس غرض کے لئے دوسرا
نکاح کیا جاتا ہے اُس کا کیا بھروسہ ہے کہ دوسرے نکاح سے وہ حاصل ہو ہی جائے گی،
ممکن ہے کہ اس سے بھی اولاد نہ ہو تو پھر کیا کر لو گے۔ بلکہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک
شخص نے اپنی بیوی کو بائجھ سمجھ کر دوسرا نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہی پہلی بیوی کے اولاد
ہوئی تو خواہ مخواہ ایک محتمل امر کے لئے اپنے کو عدل کی مصیبت میں گرفتار کرنا اچھا نہیں۔
اور جو عدل نہ ہو تو پھر دنیا و آخرت دونوں کی مصیبت سر پر رہی۔ لوگ زیادہ تر اولاد کے
لئے ایسا کرتے ہیں اور اولاد کی تمنا اس لئے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے۔ تو نام کی حقیقت
سن لیجئے کہ ایک مجمع میں جا کر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو پر دادا کا نام بہت سوں کو
معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اولاد ہی کو اپنے پر دادا کا نام معلوم نہیں تو دوسروں کو خاک معلوم
ہوگا۔ تو بتلانیے نام کہاں رہا۔ صاحب نام اس سے چلتا ہے۔ **وَاَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ**
فِي الْآخِرِينَ۔ خدا کی فرمان برداری کرو۔ اس سے نام چلے گا۔ اولاد سے نام نہیں چلا
کرتا۔ بلکہ اولاد نالائق ہوئی تو اولیٰ بدنامی ہوتی ہے۔ اور نام چلا بھی تو نام چلنا ہی کیا چیز
ہے جس کی تمنا کی جاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اسکی تمنا کی ہے تو اس سے
صرف نام کا چلنا مقصود نہ تھا بلکہ اُن کا مقصود یہ تھا کہ لوگ ہماری اقتدار کریں گے اور ہم
کو ثواب ہوگا۔ اسی لئے اس کے ساتھ فرماتے ہیں **وَاَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ**
کہ اے اللہ مجھے جنت کے وارثوں میں کر دیجئے تو اصل نام چلنا تو یہ ہے کہ قیامت میں
رُسوائی نہ ہو اور وہاں اعمال صالحہ کی بدولت علی رؤس الاشہاد تعریف ہو اور یہ
بات اولاد سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ نیک اعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کوشش
کرنا چاہیئے اور یوں کسی کو طبعی طور پر اولاد کی بھی تمنا ہو تو میں اُس کو برا نہیں کہتا
کیونکہ اولاد کی محبت انسان میں طبعی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جنت میں بھی اولاد کی
تمنا کریں گے۔ حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت کے رہنے

والے کبھی فنا ہی نہ ہوں گے بلکہ وہاں اس تمنا کا منشاء محض طبعی تقاضا ہوگا۔ تو میں اس سے منع نہیں کرتا میرا مقصود یہ ہے کہ اس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطا نکالنا کہ تیرے اولاد نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں بڑی غلطی ہے اور اس قسم کے غیر اختیاری جرائم نکال کر ان سے خفا ہونا اور ان پر زیادتی کرنا ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُنَّ شَيْئًا ۖ وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔

اخلاق نسواں

یہ کیسے معاملہ کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ مردوں کو اس میں غور کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنی بیبیوں سے (کسی بنا پر) کراہت کرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ بہت قریب ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور حق تعالیٰ نے اُس میں بہت بڑی مصلحت رکھی ہو شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ اولاد کے ہونے نہ ہونے میں تو مصلحت ہو سکتی ہے (جیسا کہ اوپر کچھ اس کا بیان بھی ہوا ہے) مگر عورتوں کی بدتمیزی اور زبان درازی کی وجہ سے جو نفرت ہوتی ہے تو اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے تو اس لئے کہ اس میں مرد کے لئے مصلحت ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اُسکی ایذاؤں پر صبر کر نیسے اُس کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ دوسرے اس کے مزاج میں تحمل پیدا ہو جاتا ہے اور بُر باری اخلاق حمیدہ میں سے ایک اعلیٰ خلق ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کی بی بی بڑی بد مزاج تھیں اور آپ ایسے نازک مزاج تھے کہ ایک دفعہ حضرت کی ایک مُریدنی جو بُڑھیا تھی ایک رضائی آپ کے لئے سی کر لائی اُس وقت آپ لیٹ رہے تھے۔ فرمایا میرے اوپر ڈال کر چلی جاؤ۔ چنانچہ اُس نے آپ کے اوپر ڈال دی، صبح کو جو اُٹھے تو آنکھیں سرخ تھیں، خدام نے وجہ دریافت کی فرمایا کہ رات نیند نہیں آئی، خدام نے کہا کیا سردی معلوم ہوئی تھی۔ فرمایا نہیں سردی تو رضائی سے دفع ہو گئی تھی مگر رضائی میں نگندے ٹیڑھے پڑے

ہوئے تھے انکی وجہ سے طبیعت کو الجھن رہی اور نیند نہ آئی۔ تو خیال کیجئے کہ رات کو اندھیرے میں منہ پیٹے ہوئے نگندے نظر نہ آتے تھے۔ مگر آپ کو اڑھنے ہی سے اس کا احساس ہوا تو یہ کس قدر لطافت مزاج تھی کہ محض کپڑے کے بدن پر پڑنے سے بدون دیکھے نگندوں کا ٹیڑھا ہونا معلوم ہو گیا پھر اس سے اتنی الجھن ہوئی کہ رات بھر نیند بھی نہ آئی۔ اتنے تو آپ نازک مزاج تھے۔ مگر صبور ایسے کہ بیوی نہایت بد مزاج ملی تھی جو آپ کو نہایت کوری کوری سُنا تی تھی۔ اور آپ اسکی سب باتیں سہتے تھے کبھی طلاق کا خیال نہ کیا نہ اپنی طرف سے کچھ ایذا دی۔ بلکہ اس قدر خاطر داری کرتے تھے کہ صبح کو روزانہ خادم کو بھیجا کرتے کہ بیگم صاحبہ کا مزاج پوچھ کر آئے۔ خادم جاتا اور مرزا صاحب کی طرف سے مزاج پرسی کرتا اور وہ حضرت کو برا بھلا کہتی تھیں۔ خادم یہاں آ کر کچھ عرض نہ کرتا بس اتنا کہہ دیتا کہ حضرت وہ اچھی طرح ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی آغا سرحدی خادم تھے ان کو بھی حسب معمول بی بی صاحبہ کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا گیا۔ اُس نے آغا کے سامنے بھی مرزا صاحب کو خوب برا بھلا کہا۔ یہ سرحدی پٹھان تھے اُن کو غصہ آ گیا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ وہ تو آپ کو بہت برا بھلا کہتی ہیں۔ پھر آپ ہی اتنی خاطر کیوں کرتے ہیں، فرمایا بھائی ان کی باتوں کا بُرا نہ مانو۔ تمہاری تو وہ بزرگ ہیں۔ اور میں اس لئے انکی خاطر کرتا ہوں کہ میری وہ بڑی محسن ہیں۔ مجھ میں یہ سب کمالات اسی کی بدولت ہیں۔ اللہ اکبر، اتنی نازک مزاج کو بیوی کی بدتمیزیوں سے کتنی ایذا ہوتی ہوگی۔ مگر کمال یہ کہ پھر بھی صبر کرتے ہیں۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمنانِ ہم نہ کردند تنگ
ترا کہ میسر شود این مقام کہ بادِ دوستانِ خلاف است جنگ
اہل اللہ نے تو دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کیا۔ افسوس ہم سے دوستوں کی ایذا بھی برداشت نہیں کی جاتی جن میں بیوی سب سے زیادہ دوست ہے اس کی ایذا کا بھی

ہم سے تحمل نہیں ہوتا اگر ثواب حاصل کرنے کو تحمل نہیں کرتے یہی سمجھ کر تحمل کر لو کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہوگا اس کا اس سے کفارہ ہو رہا ہے۔ جیسا لکھنؤ میں ایک مرد و عورت کی میں نے حکایت سنی کہ مرد تو بہت ہی بزرگ تھے اور بیوی بہت ہی بد مزاج تھیں، ایک دن انھوں نے بیوی سے کہا کہ تو بڑی کم بخت ہے کہ تجھے میرے پاس رہتے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا اور اب تک تیری اصلاح نہیں ہوئی، تو بیوی نے کہا میں کمبخت کیوں ہوتی مجھ سے زیادہ تو کوئی بھی سعادتمند نہ ہوگی کہ مجھے تم جیسا مرد بلا کمبخت تو تم ہو کہ تم کو ایسی عورت ملی۔ اسی طرح کتابوں میں ایک مرد و عورت کی حکایت لکھی ہے کہ مرد تو نہایت حسین تھا، اور عورت نہایت بد صورت اور اس کے ساتھ وہ بد مزاج بھی تھی آج کل ایسا ہو تو مرد ایک ہی دن میں طلاق دے کر الگ ہو جائے مگر وہ اللہ کا بندہ اسکی سب باتوں پر صبر کرتا تھا۔ کسی نے اُس سے کہا کہ تم اس بیوی کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔ کہا نہیں میں طلاق کیوں کر دے دوں۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا تھا، خدا نے اسکی سزا میں مجھے ایسی بیوی دے دی۔ اور اس سے کوئی نیک کام ہو گیا ہوگا اس کے صلہ میں خدا نے اسکو مجھ جیسا حسین مرد دیا۔ تو میں اس کا ثواب ہوں اور وہ میرا عذاب ہے۔ پھر طلاق کی کیا وجہ؟ تو بزرگوں نے اپنے دلوں کو یوں سمجھا لیا ہے اور کبھی عورتوں کی بے عنوانیوں سے انکو اپنے سے الگ نہیں کیا اور ہمیشہ تحمل فرماتے رہے۔ تو اگر بیوی کی واقعی خطا بھی ہو جب بھی اس سے درگزر کرنا چاہیے۔ اس تحمل سے دین کا بڑا بھاری نفع ہوتا ہے اور بہت اجر ملتا ہے۔

حقوق زوجہ بعضے مرد اس طرح عورتوں کا حق ضائع کرتے ہیں کہ بے حمیت بن کر اپنے آپکو راحت دیتے ہیں عمدہ کھاتے اور عمدہ پہنتے ہیں اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتے ہیں — ان کے بارہ میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ۵

بسیں اس بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی
 تن آسانی گزیند خوش تن را زن و فرزند بگذارد بسختی
 یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد تو خود بنا ٹھنا ہے، اور بیوی کو بھنگوں
 کی طرح رکھے کہ نہ اس کے کپڑے کا خیال ہے نہ کھانے کا، حالانکہ زینت و آرائش
 کی مستحق زیادہ تر عورت ہے مردوں کو زیادہ زینت زیبا نہیں ہے۔ بعض مرد ایسے
 گندہ طبیعت کے ہوتے ہیں کہ فاحشہ عورتوں میں آوارہ پھرتے ہیں اور ان کے گھروں میں
 حور کی مانند بیویاں موجود ہوتی ہیں مگر وہ بیکار پڑی رہتی ہیں، ان کی طرف رخ بھی
 نہیں کیا جاتا اور ہندوستان کی عورتیں صابر و شاکر ہیں کہ وہ بولتے رونے دھونے
 کے اور کچھ نہیں کرتیں۔ کسی سے اپنے مرد کا بھید نہیں کھولتیں۔ اس پر ایک قصہ یاد
 آیا کہ بھوپال میں ہمارے وطن کے ایک بزرگ تھے جو تحصیلدار بھی تھے اور انکی بیوی
 بہت ہی ہنسرت اور کم عقل تھی۔ مگر تحصیلدار صاحب کی یہ حالت تھی کہ جب اس کی باتیں
 بیان کرتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی کی یہ بات ہے۔ آج میری باولی نے یوں
 کہا۔ غرض میری باولی کہہ کر نام لیتے تھے۔ کسی نے کہا حضرت آپ تو اپنی بیوی سے بہت
 ہی محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی بے تمیز اور تکلیف دہ ہے۔ فرمایا کہ بھائی شریف
 عورتوں میں جہاں بہت سے نقائص ہیں وہاں ایک جوہر ایسا ہے کہ اگر انکو ایک
 کونہ میں بٹھلا کر کوئی سفر میں چلا جائے اور بیس برس کے بعد آوے تو اسی کونہ میں
 ساتھ آبر و عزت کے بیٹھا پاوے گا۔ اس خوبی کی وجہ سے میں اسکی قدر کرتا ہوں۔
 واقعی ہندوستان کی بیبیاں تو اکثر ایسی ہی ہیں کہ ان کو اپنے کونے کے سوا دنیا کی کچھ خبر
 نہیں ہوتی۔ چاہے ان پر کچھ ہی گزر جائے۔ مگر اپنے کونے سے الگ نہیں ہوتیں۔ بس
 انکی وہ شان ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے وَالْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ۔
 یعنی پاک دامن ہیں اور بھولی ہیں۔ چالاک نہیں ہیں۔ ایمیں غافلات کا لفظ ایسا پیارا

معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نقشہ کھینچ دیا۔ اور یہ صفت عورتوں کے اندر پردہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اُن کو اپنی چار دیواری کے سوا دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی جس کو آجکل کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے پردہ نے مسلمانوں کا تنزل کر دیا۔ کیونکہ عورتوں کو قید میں رہنے کی وجہ سے دنیا کی کچھ خبر نہیں ہوتی نہ صنعت و حرفت سیکھتی ہیں نہ علوم و فنون سے آگاہ ہیں۔ بس کہانے کا سارا بوجھ مردوں پر رہتا ہے، دوسری قوموں کی عورتیں خود بھی صنعت و حرفت سے کہلاتی رہتی ہیں۔ تو صاحبو! میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو موقع مدح میں بے خبر فرمایا ہے تو ہزار خبرداریاں اس بے خبری پر قربان ہیں جب حق تعالیٰ عورتوں کے بھولے پن اور بے خبری کی تعریف فرماتے ہیں تو سمجھ لو اسی میں خیر ہے اور اس خبرداری میں خیر نہیں جس کو تم تجویز کرتے ہو۔ تجربہ خود بتلا دے گا اور جو قرآن کو نہ مانے گا اُسے زمانہ ہی خود بتلا دے گا۔ تمام دنیا کی قومیں اس پر متفق ہیں کہ قرآن کی برابر کسی کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے غافل و بے خبر ہونا ہی اچھا ہے یہ صفت ہندوستان کی عورتوں میں بے نظیر ہے کہ خاوند کے کونہ سے الگ ہونا انکو گوارا نہیں ہوتا۔ میری ایک تائی تھیں (یعنی بڑی چچی) وہ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئیں تھیں۔ مگر ساری عمر خاوند ہی کے کونہ میں گزار دی، اخیر میں انکی بہت عمر ہو گئی تھی۔ نگاہ بھی کم ہو گئی تھی۔ پاس کوئی رہنے والا بھی نہ تھا۔ مگر اپنے کونہ سے الگ ہوتی تھیں۔ وہ مجھے بہت چاہتی تھیں میں نے ہر چند اصرار کیا کہ تم میرے گھر میں آ جاؤ۔ یہاں اکیلی پڑی ہوئی کیا لیتی ہو۔ تو یہ فرمایا کہ بچہ جہاں ڈولی آئی تھی وہیں سے کھٹولی نکلے گی۔ میں نے کہا کہ اگر تم یہی چاہتی ہو تو مرنے کے بعد تمہارا پتنگ اسی گھر میں لے آئیں گے پھر یہاں سے نکال لیں گے۔ مگر صاحب انہوں نے ایک سنی تمام عمر وہیں رہیں اور اپنے حد اختیار تک وہاں سے جدا نہ ہوئیں۔ پھر جب سخت مریض ہو گئیں تو اس حالت میں ہم لوگ انکو اپنے گھر اٹھا لائے۔ کیونکہ اُن کا مکان ذرا دور تھا ہر وقت نگہداشت مشکل تھی اور مکان انکا اتنا

وسیع نہ تھا جس میں اور مستورات جا کر رہ سکتیں۔ تو واقعی ہندوستان کی عورتوں میں جہاں بے تمیزی وغیرہ ہے وہاں یہ خوبیاں بھی تو ہیں انکو بھی تو دیکھنا چاہیے۔
عیب می جملہ بگفتی ہنزش نیز بگو

(تعلیم یافتہ قوموں کی عورتوں میں جو خوبیاں سلیقہ و تمیز کی بیان کی جاتی ہیں وہ تو مکتب امور ہیں جو دوسری عورتیں بھی تعلیم سے حاصل کر سکتی ہیں۔ اور ہندوستان کی عورتوں میں جو خاص خوبیاں ہیں وہ فطری ہیں کہ تعلیم سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۱۲) اور ان خوبیوں کا مقضایہ ہے کہ بیبیوں پر رحم کرو اور ان سے بے پروائی اختیار نہ کرو اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ تمہاری خادم ہیں طرح طرح سے تم کو آرام پہنچاتی ہیں اور آزار کہ بجائے تست ہر دم کرے۔ عذرش بندہ اگر کند بہ عمر کے ستم

جس نے سو دفعہ آرام پہنچایا ہو اس کے ہاتھ سے ایک دفعہ تکلیف بھی پہنچ جائے تو اس کو زبان پر نہ لانا چاہیے۔ ہماری پیرانی صاحبہ اخیر میں بہت معذور ہو گئی تھیں تو حضرت کی ایک خادمہ گھر کے کاروبار کیلئے یہاں سے مکہ معظمہ پہنچ گئیں اور سارا کام اپنے ذمہ لے لیا مگر وہ خادمہ بڑی تند مزاج تھیں پیرانی صاحبہ سے لڑا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میرے گھر میں پیرانی صاحبہ سے کہنے لگیں کہ حضرت یہ آپ سے لڑتی ہیں اور آپ انکو کچھ نہیں سناتیں نہ گھر سے الگ کرتی ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ رحت بھی بہت دیتی ہیں اور جو شخص راحت بہت دیتا ہو اسکی بے عنوانیوں پر صبر نہ کرنا بے مروتی ہے اس لئے جب مجھ کو ستاتی ہے تو میں اسکی راحتوں کو یاد کر کے سب معاف کر دیتی ہوں۔ حضرت پیرانی صاحبہ نہایت خلیق اور بہت ہی عالی فہم تھیں۔ صاحبو! جب ایک بی بی اتنی فہم تھیں تو ہم کو مرد ہو کر ضرور فہم سے کام لینا چاہیے اور اپنی بیبیوں کی راحت رسائی پر نظر کر کے انکی بے تمیزیوں کا تحمل کرنا چاہیے۔ یہ عورتوں کے حق دنیویہ ہیں اور اس سے پہلے جو حقوق بیان ہوئے وہ دینی حقوق تھے

افسوس ہم دینی حقوق تو کیا ادا کرتے ————— دنیوی حقوق پر
 بھی ہم کو توجہ نہیں چنانچہ نہ بیوی کی نماز پر توجہ ہے نہ روزہ پر ان باتوں کو ان کے کانوں
 میں ڈالتے ہی نہیں۔ یاد رکھو قیامت میں تم سے اسکی باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے بیوی بچوں
 کو دیندار بنانے کی کتنی کوشش کی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کے لئے ان پر
 حد سے زیادہ سختی کہ وہ ہر وقت ہاتھ میں لٹھ ہی لئے رہو بلکہ اول نرمی سے سمجھاؤ پھر
 برتاؤ میں ذرا ناراضی اور رنج ظاہر کرو۔ انشاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا اور انکو اردو
 میں دینی رسالے پڑھاؤ، لکھاؤ، اس سے ان کے اخلاق بھی درست ہو جائیں گے اور
 دین کا خیال خود بخود ہوگا۔ اور پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت کے لئے میں نے بہت
 جگہ یہ طریقہ بتلایا ہے کہ تم ایک وقت مقرر کر کے اول سے آخر تک بہشتی زیور سارا سنا
 دو۔ اور پہلے پہل بی بی سے یہ بھی نہ کہو کہ یہاں بیٹھ کر سنتی رہ بلکہ خود بلند آواز سے
 پڑھنا شروع کرو۔ انشاء اللہ وہ خود شوق سے آکر سننے لگی۔ چنانچہ اس طرح عمل کرنے
 سے فوراً ساری شکایتیں جاتی ہیں۔ عورتوں کے دل پر اثر بہت جلدی ہوتا ہے۔
 اگر ان کو دین کی کتابیں سنائی جائیں تو انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جائے گی مرد
 اپنی بیبیوں کی شکایتیں تو کرتے ہیں کہ ایسی بے تمیز اور ایسی جاہل ہیں مگر وہ اپنے گریبان
 میں منہ ڈال کر تو دیکھیں کہ انھوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ بس یہ اپنی راحت
 ہی کے ان سے طالب ہیں اور ان کے دین کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ ایک شخص
 نے خوب کہا ہے کہ مقرب کی بے تمیزی اور بے وفائی بادشاہ کی بے تمیزی یا غظت
 کی دلیل ہے تو عورتوں کی خطا ہے ہی مگر ان کی بے تمیزی میں مردوں کی بھی خطا ہے
 کہ یہ ان کے دین کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کے دینی حقوق کو تلف کرتے
 ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجلاس میں ایک باپ اور بیٹے کا مقدمہ پیش ہوا۔
 باپ نے بیٹے پر دعویٰ کیا تھا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے لڑکے سے جواب طلب کیا۔ اُس نے کہا حضور کیا باپ ہی کے حقوق بیٹے پر ہیں یا بیٹے کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹے کا حق بھی باپ پر ہے۔ ایک یہ کہ شریف عورت سے نکاح کرے کہ اولاد اچھی ہو اور نام اچھا رکھے کہ اس کی برکت ہو اور اس کو علم دین سکھائے۔ وہ بولا کہ اُن سے دریافت کیا جائے کہ اُنھوں نے باپ ہو کر میرے کیا حقوق ادا کئے ہیں۔ ایک حق تو اُنہوں نے یہ ادا کیا کہ میری ماں لونڈی تھی جن کے اخلاق جیسے ہوتے ہیں معلوم ہے۔ دوسرا یہ حق ادا کیا کہ میرا نام چُبل رکھا جس کے معنی ہیں گور کا کیرا، تیسرا حق یہ کہ مجھ کو ایک بھی دین کی بات نہیں سکھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ خارج کر دیا اور باپ کے فرمایا تو نے اس سے زیادہ اس کی حق تلفی کی ہے جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔ اسی طرح ہماری حالت ہے کہ ہم بیویوں کی شکایت تو کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بیویوں کا کون سا حق ادا کیا ہے، چنانچہ ان کا ایک حق یہ تھا کہ اُن کے دین کا خیال کرتے، ان کو احکام الہیہ بتلاتے، دوسرا حق یہ تھا کہ معاشرہ میں اُن کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے باندیوں اور نوکروں کا سا برتاؤ نہ کرتے۔ مگر ہم نے سب حقوق ضائع کر دیئے۔

اب رہ گئی عورتیں ان سے بھی دو قسم کی کوتاہیاں ہوتی ہیں
کوتاہی نسواں | ایک کوتاہی تو وہ دینی حقوق میں کرتی ہیں وہ یہ کہ بعض

عورتیں خاوندوں کی اطاعت و خدمت میں کمی کرتی ہیں۔
 بعض عورتیں مرد کی خدمت ماماؤں پر ڈال دیتی ہیں۔ خود
 اس کے کاموں کا اہتمام نہیں کرتیں۔ بعض عورتیں مردوں سے خرچ بہت مانگتی ہیں
 چنانچہ ایک بی بی کہتی ہیں کہ ہماری حالت تو دوزخ کی سی ہے۔ جیسے اس کا پیٹ نہیں
 بھرتا ہر دم ہلے و ملے مزید ہی کہتی رہتی ہے۔ اسی طرح روپے پکڑے، زیور
 وغیرہ سے ہمارا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ کتنا ہی دو مگر سب خرچ ہو جاتا ہے۔ مولوی عبدالرب
 صاحب واعظ دہلوی کا ایک لطیفہ ہے کہ عورتوں کے پاس چاہے کتنے ہی پکڑے ہوں مگر جب

پوچھو یہی کہیں گی کہ کیا ہیں دو پتھر پڑے اور جوتوں کے دو چار جوڑے دھڑے ہونگے۔
 سو اس کے متعلق دستور العمل یہ رکھو کہ تم نصیحت کر کے اپنے کام میں لگو۔ آگے وہ
 جانیں ان کا کام۔ تم کیوں فکر میں پڑے اور دوسری شکایت کا جواب اس مصرعہ میں ہے
 ع در زمین دیگران خانہ کن
 (توجہ منہ) دوسرے کی جگہ میں گھر نہ بناؤ۔

کہ غیر کی زمین میں گھر نہ بساؤ۔ میں نے لکھا کہ تم اسی وقت کوئی مکان کرایہ پر لیکر
 الگ رہنے لگو۔ چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا اور الگ مکان میں رہنے لگے، بس اسی روز
 سے امن و امان ہو گیا۔ اُنکے والد صاحب بہت بھولے ہیں وہ کہتے تھے کہ آپس میں چھری
 گٹارے چلے مگر سب ایک ہی جگہ رہیں۔ مگر آج کل میں اس رائے کے خلاف ہوں میری
 رائے یہ ہے کہ نکاح کے بعد اولاد کی اور ماں باپ کی معاشرت الگ الگ ہونی چاہیے
 تو ہر چند کہ مناسب یہی ہے مگر جُدا ہونے کا بھی تو طریقہ ہے۔ بے طریقہ جُدا کرنے کا
 عورت کو کیا حق ہے بعض عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ زبان درازی
 سے پیش آتی ہیں۔ اس کے سامنے خاموش ہی نہیں ہوتیں۔ حتیٰ کہ بعض خاوند مارتے
 بھی ہیں مگر یہ چپ نہیں ہوتیں۔

مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عورت ایسی زبان دراز تھی اور اس کا خاوند
 اس کو بہت مارتا تھا یہ عورت ایک بزرگ کے پاس گئی کہ مجھے ایسا تعویذ دے دیجئے
 جس کے اثر سے میرا خاوند مجھے مارا نہ کرے۔ وہ بزرگ تھے بہت عاقل وہ سمجھ گئے کہ
 یہ زبان درازی کرتی ہوگی۔ اس لئے پٹیتی ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا تم تھوڑا پانی لے
 آؤ میں اُسے پڑھ دوں گا۔ چنانچہ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند غصہ ہوا کرے تو اس
 میں سے ایک چلو منہ میں گھونٹ لے کر بیٹھ جایا کر دو۔ انشاء اللہ پھر نہیں مارے گا۔
 چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی اور منہ میں گھونٹ لے کر بیٹھ جایا کرتی۔ اب ساری زبان
 درازی جاتی رہی۔ بیچاری بولے کیونکر منہ کو تو تالا لگ گیا آخر تھوڑے دنوں میں میاں

جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں دُولتِ پڑے اور برتن، کہتے ہی صندوق بھرے ہوں گے
 مگر یہی کہیں گی کیا ہیں دُولتِ ٹھیکرے، انھوں نے تو قافیہ بھی ملایا ہے، مگر حقیقت میں ہے
 یہی حالت۔ ان کا زیور، کپڑے اور برتنوں کی کبھی جی نہیں بھرتا۔ اور ہمیشہ اپنی چیز کو کم
 ہی بتلائیں گی کہ میرے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں، ناشکری کا مادہ ان میں بہت ہی
 زیادہ ہے حدیث میں عورتوں کی اس صفت کا ذکر آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
 بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا تَكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ کہ تم لعنت اور پھٹکار
 بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے، اگر تم عورت
 کے ساتھ عمر بھر احسان اور بھلائی کرتے رہو۔ پھر کبھی کوئی بات اس کے خلاف مزاج
 ہو جائے تو صاف یوں کہے گی مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا اَقْطَأَ — کہ میں
 نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ ساری عمر کے احسان کو ایک منٹ میں بھلا دیتی ہیں۔
 بعضی عورتیں یہ کرتی ہیں کہ وہ خاوند کے گھر میں آتے ہی ماں باپ سے اس کو جدا کرنا چاہتی
 ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ میں مناسب یہی ہے کہ نکاح ہوتے ہی جوان اولاد ماں
 باپ سے علیحدہ علیحدہ رہیں اسی میں جانین کو راحت ہوتی ہے۔ میں نے میرٹھ میں ایک
 گھرانے کی حالت دیکھی کہ ان میں باہم ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اس گھر کے ایک مرد کو
 مجھ سے تعلق تھا۔ اُن کا خط میرے پاس آیا جس میں دُشکائیتیں لکھی تھیں۔ ایک
 یہ کہ میں اپنے گھر کے مردوں اور عورتوں کو دین کی باتیں بتلاتا ہوں وہ مانتے نہیں ہیں
 دوسری شکایت، لکھی تھی کہ گھر میں روزانہ لڑائی رہتی ہے میں نے لکھا آپ کی دونوں
 شکایتوں کا علاج اس شعر میں ہے ۷

کار خود کنے کار بیگانہ ممکن

(ترجمہ) اپنا کام کر دو (اور) غیروں کے کام میں (ایسے) نہ پڑو کہ اپنا بھی کام چھوٹ جائے
 اس مصرعہ میں تو اس کا جواب ہے کہ وہ دین کی باتیں سن کر عمل نہیں کرتے

راضی ہو گیا، حقیقت میں خوب علاج کیا، غرض عورتوں میں زبان درازی کا بڑا مرض ہے اور یہ ساری خرابی تکبر کی ہے۔ عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ ہم ہاریں نہیں تاکہ ہمیٹ نہ ہو چنانچہ شوہر سے لڑ جھگڑ کر اپنی ہمجولیوں میں بیٹھ کر فحشہ کرتی ہیں کہ دیکھا ہم کیسا مرد کو بہکا کر آئے ہیں۔

حالانکہ مردوں اور عورتوں میں قدرتی فرق ہے، یہ کسی طرح دعویٰ مساوات مردوں کی برابری نہیں کر سکتیں، عقل ان میں کم، برداشت کی قوت ان میں کم، قویٰ ان کے کمزور، اس لئے یہ جلدی ضعیف بھی ہو جاتی ہیں جب خدا نے تم کو ہر بات میں مردوں سے کم رکھا ہے تو آخر کس بات میں تم مساوات کی مدعی ہو اور آجکل بعض قومیں مساوات کی بہت مدعی ہیں وہ عورتوں کو مردوں کی برابر کرنا چاہتے ہیں مگر کسی نے کر تو نہ لیا۔ چنانچہ آجکل اس دعویٰ مساوات کی بناء پر عورتیں پارلیمنٹ کی ممبری کا دعویٰ کر رہی ہیں مگر کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اب وہ سارے دعوے جاتے رہے، بھلا کہیں قدرتی فرق بھی کسی کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اور اگر ایسا کیا بھی گیا اور عورتوں کو مردوں کی برابر سب عہدے دیدیئے بھی گئے، مگر ظاہر ہے کہ اس کے لئے عورتوں کو لیاقت بھی حاصل کرنا پڑے گی، علوم و فنون بھی حاصل کرنا ہوں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اولاد کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ کیونکہ تین نے امریکن ڈاکٹر کا قول دیکھا ہے کہ عورت کو زیادہ تعلیم دینے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُس کے اولاد نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کمزور ہوتی ہے (جو جلد مر جاتی ہے) تو قدرتی طور پر عورتوں کے قویٰ دماغیہ زیادہ تسلیم کے مستحق نہیں ہیں جب یہ بات ہے تو قدرتی طور پر مردوں اور عورتوں میں مساوات نہیں ہو سکتی۔ پھر نہ معلوم عورتوں کو برابری کا دعویٰ کیوں ہے۔ تم تو مردوں کے سامنے اتنی چھوٹی ہو کہ حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت

کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کچھ ٹھکانا ہے، مرد کی عظمت کا کہ اگر خدا کے بعد
 کسی کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو مرد کے سجدہ کا حکم ہوتا، مگر اب عورتیں مردوں
 کی یہ قدر کرتی ہیں کہ اُن کی ساتھ زبان درازی اور مقابلہ سے شیش آتی ہیں۔ اگر تم یہ
 کہو کہ صاحبِ مرد کے غصّہ سے ہم کو بھی غصّہ آجاتا ہے تو سمجھو کہ غصّہ ہمیشہ اپنے چھوٹے
 یا برابر پر آیا کرتا ہے، اور جس کو آدمی اپنے سے بڑا سمجھا کرتا ہے اس پر کبھی نہیں آیا
 کرتا۔ چنانچہ نوکر کو آقا پر غصّہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح رعیت کے آدمی کو حاکم پر غصّہ
 نہیں آتا۔ بیٹے کو باپ پر غصّہ نہیں آسکتا، چاہے وہ اس پر کتنا ہی غصّہ کرے۔ کیونکہ یہ
 اس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے پس تمہارا یہ عُذر ہی خود ایک جرم کو بتلا رہا ہے عُذر
 گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں۔

بیبیو! تم کو مرد کے غصّہ سے غصّہ آنا یہ بتلاتا ہے کہ تم اپنے کو مرد سے بڑا یا برابر
 درجہ کا سمجھتی ہو اور یہ خیال ہی برے سے غلط ہے، اگر تم اپنے کو مرد سے چھوٹا اور محکوم
 سمجھو تو چاہے وہ کتنا ہی غصّہ کرتا تم کو ہرگز غصّہ نہ آسکتا۔ پس تم اس خیالِ فاسد کو
 اپنے دل سے نکال دو اور جیسا خدا نے تم کو بنایا ہے ویسا ہی اپنے کو مرد سے چھوٹا سمجھو
 اور اُس کے غصّہ کے وقت زبان درازی کبھی نہ کرو۔ اس وقت خاموش رہو اور جب اُس کا
 غصّہ اُتر جائے تو دوسرے وقت کہو کہ میں اس وقت بولی نہ تھی اب بتلاتی ہوں کہ تمہاری
 فلاں بات سچا تھی یا زیادتی کی تھی۔ اس طرح کر نیسے بات بھی نہ بڑھے گی اور مرد کے
 دل میں تمہاری قدر بھی ہوگی۔ تو عورتیں ایک کوتاہی تو یہ کرتی ہیں۔

رفت بے جا خرچ | اور ایک کوتاہی یہ کرتی ہیں کہ خاوند کے مال کو
 بڑی بے دری سے اڑاتی ہیں۔ خاص کر شادی بیاہ

کی خرافات رسموں میں اور شیخی کے کاموں میں بعضی جگہ تو مرد و عورت دونوں مل کر خرچ
 کرتے ہیں اور بعض جگہ صرف عورتیں ہی خرچ کی مالک ہوتی ہیں پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ مرد رشوت لیتا ہے۔ یا مقروض ہوتا ہے تو زیادہ تر جو مرد عوام آمدنی میں مشغول ہیں اس کا بڑا سبب عورتوں کی فضول خرچی ہے۔ مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو یہ فرمائش ہوتی ہے کہ قیمتی جوڑا ہونا چاہیے۔ اب وہ سو دو سو روپے میں تیار ہوتا ہے۔ مرد نے سمجھا تھا کہ خیر سو دو سو ہی میں پاپ کٹا۔ مگر بیوی نے کہا کہ یہ تو شامانہ جوڑا ہے۔ جو تھی بہوڑے کا الگ ہونا چاہیے وہ بھی اتنی کے قریب لاگت میں تیار ہوا پھر فرمائش ہوتی ہے کہ جہیز میں دینے کو بیس کچیس جوڑے اور ہونے چاہئیں۔ غرض کپڑے ہی کپڑے میں سینکڑوں روپے لگ جاتے ہیں۔ جہیز میں اس قدر کپڑے دیتے جاتے ہیں کہ ایک بازار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں میں گیا تھا، معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہو صرف کپڑا پندرہ سو روپیہ کالائی ہے۔ برتن اور زیور اور لچکے گوٹے اس سے الگ تھے میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دینے گئے تھے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں۔ اب وہ کیا کرتی ہے، اگر سخی ہوئی تو منہ ملاقات کی جگہ بانٹنا شروع کر دیا۔ ایک جوڑا کسی کو دیا، ایک کسی کو۔ اور بخل ہوئی تو صندوق میں بند کر کے رکھ لئے۔ پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ یوں ہی رکھے رکھے گل جلاتے ہیں۔ غرض اس فضول خرچی کے ساتھ عورتیں خاوند کا مال برباد کرتی ہیں۔ بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے مگر کیونکر نہ دیں اس میں نام بھی ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز دیا اور اتنا اتنا دیا، بس سخی کے واسطے مرد کا گھر برباد کیا جاتا ہے میں نے ایک تعلق دار کی حکایت سنی جو بہت بڑے مالدار ہیں کہ انھوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں صرف ایک پالسی دی اور ایک قالین اور ایک لوٹا اور ایک قرآن مجید اس کے سوا کچھ نہ دیا۔ نہ برتن نہ کپڑے بلکہ اس کی بجائے ایک لاکھ روپیہ کی جائیداد بیٹی کے نام کر دی اور کہا کہ میری نیت اس شادی میں ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کی تھی اور یہ رقم اس کے واسطے پہلے ہی تجویز کر لی تھی۔ خیال تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی

کر دنگا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ اس دھوم دھام سے میری بیٹی کو کیا نفع ہوگا۔ بس لوگ کھاپی کر چلے گئے میرا روپیہ برباد ہوگا اور بیٹی کو کچھ حاصل نہ حصول اس لئے میں نے ایسی صورت اختیار کی جس سے بیٹی کو نفع پہنچے۔ اور جائداد سے بہتر اس کے لئے نفع کی کوئی چیز نہیں اس سے وہ اور اسکی اولاد پشہا پشت تک بے فکری سے عیش کرتے رہیں گے۔ اور اب کوئی مجھے سخیل اور کنجوس بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں نے دھوم دھام نہیں کی تو رقم اپنے گھر میں بھی نہیں رکھی۔ دیکھو، یہ ہوتا ہے عقلاً کا طرز، اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کے جہیز میں بہت دینا بڑا نہیں۔ مگر طریقہ سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے کچھ کام بھی آوے۔ مگر عورتوں کو کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ تو ایسی بیہودہ ترکیبوں سے روپیہ برباد کرتی ہیں جن سے نہ ان کو کچھ وصول ہوتا ہے نہ لڑکی کو۔ یہ وہ کوتاہیاں ہیں جو عورتیں دنیوی حقوق میں کرتی ہیں۔ مگر یہ ظاہر میں دنیا ہے اور واقع میں سب دین ہے۔ کیونکہ شریعت نے مرد کے مال کی حفاظت اور اس کی تعظیم و خدمت عورتوں کے ذمہ لازم سمجھی ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گی تو ان سے باز پرس ہوگی۔

دینی حقوق میں کوتاہی | ایک کوتاہی دینی حقوق میں کرتی ہیں کہ مرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔ یعنی اسکی

کچھ پردہ نہیں کرتیں کہ مرد ہمارے واسطے حلال و حرام میں مبتلا ہے۔ اور کمانے میں رشوت وغیرہ سے پاک نہیں کرتا۔ تو اس کو سمجھائیں کہ تم حرام آمدنی مت لیا کرو ہم حلال ہی میں اپنا گذر کر لیں گے۔ علیٰ ہذا اگر مرد نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مطلق نصیحت نہیں کرتیں حالانکہ اپنی غرض کے لئے اس سے سب کچھ کر لیتی ہیں۔ اگر عورت مرد کو دیندار بنانا چاہے تو اس کو کچھ مشکل نہیں۔ مگر اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ پہلے تم دیندار بنو۔ نماز اور روزہ کی پابندی کرو۔ پھر مرد کو نصیحت کرو، تو انشاء اللہ اثر ہوگا۔ مگر بعض عورتیں دینداری پر آتی ہیں تو یہ طریقہ اختیار کر لیتی ہیں کہ تسبیح و

مصلیٰ نے کمر بیٹھ گئیں۔ اور گھر کو مادوں پر ڈال دیا۔ یہ طریقہ بھی اچھا نہیں۔ کیونکہ گھر کی نگہبانی اور خاوند کے مال کی حفاظت عورت کے ذمہ فرض ہے جس میں اس صورت سے بہت خلل واقع ہوتا ہے۔ اور جب فرض میں خلل آگیا تو یہ نفلیں اور تسبیحیں کیا نفع دیں گی۔ اس لئے دینداری میں اتنا غلو بھی نہ کرو کہ گھر کی خبر ہی نہ لو۔ نماز روزہ اس طرح کرو کہ اس کیساتھ گھر کا بھی پورا حق ادا کرو۔ اور تمہارے واسطے یہ بھی دین ہی ہے کہ تم کو گھر کے کام کاج میں بھی ثواب ملتا ہے (اگر اس نیت سے کرو کہ میں حق تعالیٰ کے حکم کا امتثال کرتی ہوں کیونکہ حق تعالیٰ نے گھر کی حفاظت اور خبر گیری میرے ذمہ کی ہے) ہاں گھر کے کاموں میں ایسی منہمکت ہوں کہ دین کو چھوڑ دو، بلکہ اعتدال سے کام لو کہ دین کے ضروری کام بھی ادا رہتے رہیں اور گھر کا کام بھی نگاہ کے سامنے نہ لگتا ہے۔ یہ سخت بے تمیزی ہے کہ تسبیح اور نفلوں میں مشغول ہو کر گھر کے کام کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ اور اللہ اللہ تو گھر کے کام کرتے ہوئے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہی کے ساتھ اللہ اللہ کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ

ترجمہ :- زبان کو خدا کی یاد سے ہر وقت تر رکھنا چاہیے۔

اور ظاہر ہے کہ تسبیح اور مصلیٰ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا، تو معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کے لئے کسی قید اور پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جنکو خدا نے مائیں اور نوکر دیئے ہوں وہ اپنے ہاتھ سے بھی کچھ کام کیا کریں۔ یہ نہ ہو کہ دن رات پتنگ ہی توڑتی رہیں اور کسی کام کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کیونکہ اس طرح کام کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ کے لئے محتاج بن جاتا ہے اور کام کرتے رہنے میں عادت بھی رہتی ہے اور قوت و صحت بھی اچھی رہتی ہے حدیث میں ہے :- الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي

کُلّ خیر کہ مسلمان قوی مسلمان کمزور سے اچھا ہے اور یوں تو سب ہی اچھے ہیں تو ہمت کی بات یہ ہے گھر کے کام کو بھی دیکھو، نوکروں باندیوں سے اپنی نگرانی میں کام لو، اور کبھی کسی کام کو اپنے ہاتھ سے بھی کر لیا کرو۔ اور اس کے ساتھ کچھ وقت نکال کر نفلیں اور جمعیں بھی پڑھو اگر زیادہ وقت نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی اللہ اللہ کرتے رہا کرو۔

کوتاہی حقوق اولاد | ایک کوتاہی عورتیں اولاد کے حقوق میں کرتی ہیں۔ بعضی تو اپنے بچوں کو کوستی ہیں، اور کبھی وہ کو سنا لگ بھی

جاتا ہے پھر سر ملٹ کر روتی ہیں۔ اور بعضی اولاد کے حقوق میں دینی کوتاہی کرتی ہیں کہ انکو دین کی تعلیم نہیں دیتیں۔ نہ نماز روزہ کی ترغیب دیتی ہیں چاہیے کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ۔ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ اور تاکید کرو اور علم کی رغبت دلاؤ۔ یہ تو قول کی تعلیم ہوتی۔ مگر اس کے ساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو کہ تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو۔ والدین کے افعال دیکھ دیکھ کر بچہ وہی کام کرنے لگتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کر لیں تو بچہ نیک ہی پیدا ہوگا۔ بچہ کی پیدائش سے پہلے بھی جو افعال و احوال والدین پر گذرتے ہیں۔ اُن کا بھی اثر اس میں آتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے اُن سے کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپکا بچہ ایسا شریر، فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کا کھانا کھا لیا تھا۔ اس سے نفس میں ہیجان ہوا۔ اسوقت میں اسکی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پا گیا۔ تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمر ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے وقت والدین کی جو حالت ہوتی ہے — اچھی یا بُری اُس کا بھی اثر بچہ میں آتا ہے۔ بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بی بی نے آپس میں یہ صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں کی توبہ کر لیں۔ اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں۔ تاکہ بچہ نیک پیدا ہو۔ چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا، اسی حالت میں

حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا۔ ایک روز اُس بچہ نے کسی دکان پر سے ایک بیر چُرا یا، مرد نے بیوی سے کہا سچ بتلا یہ اثر کہاں سے آیا۔ اُس نے بیان کیا کہ پڑوسی کے گھر میں جو بیری کا درخت کھڑا ہے اُسکی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے اُس میں ایک بیر لگ رہا تھا میں نے وہ توڑ لیا تھا، مرد نے کہا بس اس کا اثر ہے آج ظاہر ہوا۔ پس اولاد نیک ہونے کے لئے اول درجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی حرکت بیجا نہ کریں۔ اگرچہ وہ بالکل نا سمجھ بچہ ہو۔ کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچہ کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہو جاتی ہے۔ پھر جب اس کو ہوش آتا ہے تو وہی نقوش اس کے سامنے آ جاتے ہیں اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جیسے اس کے دماغ میں پہلے ہی سے منقش تھے، غرض مست سمجھو کہ یہ تو نا سمجھ بچہ ہے یہ کیا سمجھے گا، یاد رکھو جو افعال تم اس کے سامنے کرو گے اُن سے اُس کے اخلاق پر ضرور اثر پڑے گا، تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم دین سکھاؤ۔ اور خلافِ شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو بُرے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ۔ غرض جس طرح بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرو۔ بعض عورتیں اس میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ اور اولاد کے حقوق کو تلف کرتی ہیں اور اولاد کے یہ حقوق صرف عورتوں ہی کے ذمہ نہیں، بلکہ مردوں کے بھی ذمہ ہیں، مگر بچوں کے اخلاق کی درستی زیادہ تر عورتوں ہی کے اہتمام کرنیے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بچے ابتدا میں زیادہ تر ان ہی کے پاس رہتے ہیں۔ یہ ہیں حقوق عورتوں کے مردوں کے ذمہ میں اور مردوں کے عورتوں کے ذمہ میں، مگر ان میں مرد تو عورت کی رعیت نہیں ہے بلکہ حاکم ہے، تو اس کے جو عورت کے ذمہ ہیں وہ حاکم نہ حقوق ہیں۔ اور عورتوں کے حقوق جو مردوں کے ذمہ ہیں وہ سب رعیت کے حقوق ہیں کیونکہ عورتیں انکی محکوم ہیں اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کلکم داع و کلکم مسئول عن رعیتہ ، آج کل نماز روزہ کی تعلیم تو سب
 کرتے ہیں مگر جو باتیں میں نے بیان کی ہیں اُن کوئی نہیں بتلاتا اسی لئے ان حقوق کو بہت
 لوگ نہیں جانتے اس واسطے میں نے اس وقت مختصراً یہ مضمون بیان کیا ہے تاکہ یہ باتیں
 کان میں تو پڑ جائیں۔ اب ایک بات اخیر میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت جتنے حقوق آپ نے
 سُنے ہیں اُن کے بجالانے کے لئے آپ کو ایک تو علم کی ضرورت ہوگی کیونکہ بدون جانے
 کیونکر ادا ہوں گے۔ اور اس وقت کا بیان یاد نہیں رہ سکتا اور نہ یہ کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ
 اس وقت میں نے تمام حقوق کو تفصیل کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے۔ محض اجمالاً و مختصراً کچھ
 باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس لئے علم حاصل کرنیے چارہ نہیں۔ دوسری ضرورت ہوگی ہمت
 کی۔ کیونکہ جان لینے کے بعد بھی بدون ہمت کے عمل نہیں ہو سکتا۔ تو میں ان دونوں کا آسان
 طریقہ بتلاتا ہوں جسکی مستورات کیلئے زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ مردوں کو تو کسی قدر علم خود
 بھی ہوتا ہے اور ان میں ہمت بھی بہت کچھ ہے مگر عورتوں کو نہ تو علم ہے نہ ہمت تو علم
 حاصل کرنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ جو کتابیں مسئلے مسائل کی اہل تحقیق نے لکھی ہیں انکو
 پڑھو اور اگر پڑھنے کی عمر نہ ہو تو کسی سے بالالتر ام سُن لو اور روزمرہ سُننا کرو۔ جب
 تمام کتاب ختم ہو جائے تو پھر اول سے دور شروع کرو۔ اس سے تو تم انشاء اللہ باخبر ہو جاؤ
 گی حقوق کا اچھی طرح تم کو علم ہو جائے گا اور ہمت کے لئے ایک آسان تدبیر تو یہ ہے کہ
 بزرگوں کے پاس جا کر بیٹھا کر دگر یہ صورت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں،
 وہ یہ کریں کہ — بزرگوں کے حالات اور حکایات اور ملفوظات دیکھا کریں
 اس سے انشاء اللہ انہیں عمل کی ہمت پیدا ہوگی بس یہ طریقہ ہے ان حقوق کے ادا کرنے
 کا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہم کو اسکی توفیق عطا فرمائیں۔ و صلی اللہ تعالیٰ وسلم
 علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و آخر دعوانا
 ان الحمد للہ الذی بنعمتہ و جلالہ یتیم الصلحت و هو ہذا ۱۔

مضمون متعلق بہ تعلیم زنانہ اسکول

جس کا حوالہ دغظ ہذا کے تقریباً ثلث حصہ کے بعد کے حاشیہ میں ہے۔ بعض آدمی اپنی لڑکیوں کو آزاد بیباک عورتوں سے تعلیم دلاتے ہیں۔ یہ تجربہ ہے کہ ہم صحبت کے اخلاق و جذبات کا آدمی میں ضرور اثر آتا ہے۔ خاص کر جب وہ شخص ہم صحبت ایسا ہو کہ مقبوع اور معظّم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع ہوگا تو اس صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آوے گی۔ اور میری رائے میں سب بڑھ کر جو عورت کا حیا اور انقباض طبعی ہے۔ اور یہی مضاح ہے تمام چیزوں کی جب یہ نہ رہا تو اس سے پھر نہ کوئی خیر متوقع ہے۔ نہ کوئی شر مستبعد ہے۔ ہر چند کہ اذافاتک الحیاہ فافعل مابشئت حکم عام ہے لیکن میرے نزدیک مابشئت کا عموم نسار کے لئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اس لئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں اسکی بھی کمی ہوتی ہے اس لئے کوئی مانع ہی نہ ہے گا۔ اسی طرح اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور ہم مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے قریب مضرتیں واقع ہوں گی۔

اس تقریر سے دو چیزوں کا حال بھی معلوم ہو گیا ہو گا جن کا اس وقت بے تکلف شیوع ہے۔ ایک لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ کی طرح ان میں مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا گو معلمہ مسلمان ہی اور یہ آناڈولیوں ہی میں ہو اور گویاں آکر بھی پرہیزی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تاہم واقعات نے دکھلا دیا ہے اور تجربہ کر دیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا ان کے اخلاق پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوتی ہے اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا مکار مل گئی تو کر ملا اور

۱۔ جمع کرنیوالا ۱۲ ۲۔ کبھی ۱۲ ۳۔ جب تجھ سے حیا جاتی رہے تو کر جو جی چاہے ۱۲

نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے اور دوسری جُزئی یہ کہ اگر کہیں مشن کی میم سے روزانہ یا ہفتہ وار نگرانی تعلیم یا صنعت سکھانے کے بہانہ اختلاط ہونے لگا تو نہ اُبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ بعض لوگ ان آفات کو مایہ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بُلّاتے ہیں میرے نزدیک تو ان آفاتِ مجسمہ سے کچی تو بچی اور تابع ہو کر تو کیا ذکر کسی بڑی بڑھی مسلمان عورت کا متبوع ہو کر عمر بھر میں ایک بار ہم کلام ہونا بھی خطرناک ہے جن مصرتوں کے ذکر کا اُپر وعدہ تھا ان میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اُپر دوسرے کے طبقہ کے منشاء و خیال کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اسلم طریق لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی اُستانی بل جاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور با اثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی اُستانی نہ ملے اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں۔ پڑھانے کا تو یہ طرز ہو اور نصابِ تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتبِ دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزاءِ دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اس وقت بہشتی زیور کے دستوں حصّے ضرورت کے لئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے جو مسائلِ شرعیہ ہوں ان کو چھوڑ دیں۔ اور اپنی بی بی کے ذریعہ سمجھوا دے اور اگر یہ نظام بھی نہ ہو سکے تو ان پر نشان کر دے تاکہ ان کو یہ مقامات محفوظ رہیں۔ پھر وہ بیانی ہو کر خود سمجھ لیں گی۔ یا اگر عالم شوہر میسر ہو اُس سے پوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ کسی عالم سے تحقیق کرا لیں گی چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائٹل پر مطبوع ہوا ہے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر بعض لوگ اس کو دیکھتے نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھائے اس لئے اٹکا کھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا کیسی کچی سمجھ ہے بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے جن کا

پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے۔ اگر سب نہ پڑھیں ضروری مقدار پڑھ کر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کے ساتھ ان کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ ان کو تدریس کا شوق ہو تا کہ عمر بھر شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید تحریر ہوتی رہتی ہے۔ اور اسکی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے کبھی غافل نہ رہیں اور ضروری لُصَاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں۔ تاکہ قرآن و حدیث وفقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں۔ اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں۔ اس لئے اکثر کے لئے مناسب نہیں۔ یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی رہا لکھنا تو اگر قرآن سے طبیعت میں بیباکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ضروریاتِ خانگی کے لئے اس کی بھی حاجت ہو جاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلد سے مصالح غیر واجبہ سے اہم ہے۔ ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھاویں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقلاء کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کے لئے کیسا ہے؟ ، فقط ۔



الکمال فی الدین للنساء

یعنی —————

خواتین اسلام اور
تکمیل دین کا طریقہ کار

یہ وعظ محمد رفیع صاحب کے مکان پر ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ بعد
ظہر بروز سہ شنبہ اڑھائی گھنٹہ بیٹھ کر ارشاد فرمایا :
سامعین کی تحمینی تعداد تقریباً دو سو تھی اور مستورات کی
تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الحمد لله محمد لا ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل
 عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات
 أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له ونشهد
 ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا
 محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه و
 بآرک وسلم — اما بعد: فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ۝
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا
 مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ اے ایمان والو! تقویٰ حاصل کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔
 بیان کرنے سے پہلے اتنا کہہ دینا مناسب ہے کہ اگر مردوں کو آواز کم پہنچے یا
 مضامین اُن کے مناسب کم ہوں تو وہ مجھ کو معذور سمجھیں کیونکہ یہ بیان خاص عورتوں
 کے لئے ہے۔ اول تو اس بیان سے مقصود وہی ہیں مردوں میں اس سے پہلے بیان ہو
 چکا ہے دوسرے عورتوں کو مواعظ کے سننے کا بھی موقع کم ملتا ہے اس لئے ضرورت
 اس کی ہے کہ گاہے گاہے خاص اُن کے مناسب مضامین بیان کئے جائیں تاکہ اُن کو بھی
 اپنی اصلاح کا طریقہ معلوم ہو۔ مردوں کو مواعظ سننے کا بہت موقع ملتا رہتا ہے دوسرے

اُن کو وقتاً فوقتاً علماء سے ملنے کا بھی موقع ملتا رہتا ہے اگر مواعظ بھی نہ سُنیں تو ضروری باتیں وہ زبانی دریافت کر سکتے ہیں بیچاری مستورات کو اس کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اس لئے اُن کی اصلاح کے لئے خاص طور پر اہتمام کی ضرورت ہے کہ ایک بیان ایسا ہو جس میں اُنہی کے مناسب مضامین ذکر کئے جائیں۔

تربیت اولاد | پھر عورتوں کے متعلق بچوں کی بھی تربیت ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بچہ ابتدائے عمر میں اپنی ماؤں کے پاس زیادہ

رہتے ہیں باپ کے پاس کم رہتے ہیں اس لئے بچوں کی تربیت اسی طرح عمدہ ہو سکتی ہے کہ مستورات کی اصلاح ہو جائے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں بچوں کو کچھ ہی کیا ہوتی ہے جو وہ اچھی یا بُری بات سے اثر لیں۔ بچپن میں اُن کا تربیت کرنے والا خواہ کیسا ہو، سمجھ آنے کے بعد کسی نیک آدمی کے پاس اُن کو رکھنے کی ضرورت ہونی چاہیے۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال غلط ہے بچپن میں جبکہ بچہ دودھ پیتا ہے اس وقت بھی اُس کے دماغ میں اخذ کا مادہ ہوتا ہے گو وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور اُس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے فوٹو گراف کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ سب اُس میں جا کر محفوظ و منقش ہو جاتا ہے گو اُس وقت آواز نہ نکلے لیکن جس وقت اُن نقوش پر سوئی چلے گی وہ سب باتیں اس میں بعینہ نکلیں گی۔ یہی حال بچوں کے دماغ کا ہے۔ کہ ابتدائے عمر میں بھی وہ سب باتوں کو اخذ کر کے محفوظ کر لیتا ہے گو اس وقت اُن پر عمل نہ کر سکے یا زبان سے ظاہر نہ کر سکے پھر جب اُس میں قوتِ عمل و نطق کامل ہو جاتی ہے تو پہلی باتوں کے آثار اس سے ظاہر ہونے لگتے ہیں ایک تجربہ کار کا مقولہ ہے کہ بچوں کی اصلاح کا وقت پانچ سال تک ہے۔ اس عرصہ میں جتنے اخلاق اس میں پنختہ ہونے ہوتے ہیں پنختہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد اُس میں پھر کوئی عادت پنختہ نہیں

ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم جس زمانہ کو نا سمجھی کا زمانہ خیال کرتے ہیں وہی وقت بچوں کی اصلاح کا ہے اور بچے اُسی زمانہ میں سب کچھ اخذ کر لیتے ہیں ایک مسماۃ نے بیان کیا کہ بچوں کی اصلاح کا ہل طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کی کامل طور پر تربیت کر دی جائے پھر سارے بچے اُسی جیسے اُٹھیں گے، جیسے کام کرتا ہوا اس کو دیکھیں گے اگلے بچے بھی وہی کام کریں گے اور اسی کی عادتیں خصلتیں سیکھ لیں گے غرض بچوں کی تربیت چونکہ زیادہ تر عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اُن کی اصلاح سے مردوں کی بھی اصلاح متوقع ہے کیونکہ یہ بچے ایک وقت مرد بھی بنیں گے۔ ان وجوہ سے اس وقت کا بیان زیادہ تر مستورات کے لئے مخصوص ہو گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردوں کے لئے یہ بیان کسی درجہ میں بھی مفید نہ ہو گا کیونکہ اس میں بھی آخر احکام شرعیہ ہی بیان ہو گا۔ اور احکام اکثر مردوں اور عورتوں میں مشترک ہی ہیں البتہ طرز بیان میں مردوں کی دلچسپی کا لحاظ نہ کیا جائے گا بلکہ زیادہ تر عورتوں کی دلچسپی کے مضامین ہوں گے سو دلچسپی اگر نہ ہوئی بلا سے نہ ہو یہ مقصود تھوڑا ہی ہے اور جو مشترک نہ ہو تب بھی ایک نفع تو یقیناً سب کو ہے۔

فضیلت وعظ | وہ یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت وہاں مجتمع ہو جاتی ہے پھر وہ ذاکرین کے اُپر سکینہ نازل کرتے ہیں پھر جب وہ حق تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں تو وہاں سوال ہوتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم نے اُن کو آپ کا ذکر کرتے ہوئے چھوڑا حق تعالیٰ سوال فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے ہم کو دیکھا ہے وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں یا اللہ انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں اگر دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ کوشش کرتے پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ سے جنت اور آپ کی رضا کو طلب کرتے

کرتے ہیں اور آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو ہم نے اُن سب کو بخش دیا۔ اس پر بعض فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص تو ذکر کے قصد سے نہ آیا تھا ویسے ہی آکر اُن کے پاس بیٹھ گیا تھا ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اُس کو بھی بخش دیا یہ جماعت ایسی نہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم ہو۔ یہ تو حدیث کا مختصر مضمون ہے اور ظاہر ہے کہ وعظ کی مجلس بھی مجلس ذکر ہے اُس میں خدا تعالیٰ کے احکام کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بھی ذکر اللہ ہی ہے ذکر اللہ فقط تسبیح و تہلیل وغیرہ میں منحصر نہیں صاحب حسن حصین نے اس مسئلہ پر متنبہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں بل کل مطیع اللہ فہو ذاکر، کہ ہر شخص جو خدا کی اطاعت میں مشغول ہو وہ ذاکر ہی ہے۔ تو اگر مردوں کو اس بیان سے دلچسپی بھی نہ ہوئی تو یہ نفع کیا تھوڑا ہے کہ وہ جتنی دیر مجلس وعظ میں بیٹھے رہیں گے اتنی دیر تک وہ ملائکہ کی صحبت سے مستفید ہوں گے اور ذاکر شمار ہوں گے اور رحمت و مغفرت کے مورد ہوں گے (اس وقت کچھ مستورات کی باتوں کی آواز آئی حضرت حکیم الامتہ نے فرمایا کہ بھائی اس وقت باتیں نہ کرو بلکہ غور سے ہماری باتوں کو سنو یہ کیا انصاف ہے کہ ہم تو تمہارے لئے اپنا وقت اور دماغ صرف کریں اور تم اُس کی بے قدری کرو اور تھوڑی دیر کے لئے بھی تم اپنی باتیں قطع نہ کرو۔ اول تو یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے دوسرے شریعت کے بھی خلاف ہے علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح خطبہ جمعہ کا سننا فرض ہے اور اس وقت باتیں کرنا حرام ہے اسی طرح جس مجلس میں بھی احکام شرعیہ بیان ہو رہے ہوں، وہاں خاموش رہنا اہل مجلس کے ذمہ لازم ہے باتیں کرنے سے گناہ ہوتا ہے پس جن مستورات کو باتیں کرنا ہوں وہ یہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی جائیں تاکہ گناہ سے بھی محفوظ رہیں اور دوسری سُننے والیوں کے سُننے میں خلل انداز بھی نہ ہوں تیسرے باتیں کرنے سے بیان بھی خبط ہو جاتا ہے بیان کرنے والے کے ذہن میں

مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے کیونکہ مضامین کی آمد نشاط و انشراح قلب پر موقوف ہے اور سامعین کی بے توجہی دیکھ کر بیان کرنے والے کی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ جو رات کو مجھے بیان کرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بعض لوگ اس وقت اونگھتے ہوئے نظر کرتے ہیں۔ اُونگھنے والے کی صورت دیکھ کر مجھے مضمون کی آمد بند ہو جاتی ہے پس یہ سخت نا انصافی ہے کہ میں تو اپنا دماغ صرف کروں آپ کے لئے اپنا وقت خرچ کروں اور تم اسکی یہ قدر کر دو کہ اپنی اپنی باتوں میں لگی رہو باتوں کے لئے ساری عمر بڑی ہے جب میں چلا جاؤں گا پھر جتنی چاہے باتیں کر لینا)

اس وقت جو آیت میں نے تلاوت کی ہے یہ وہی آیت ہے **مرتبہ نسواں** جو پڑھنے والوں کے سامنے تلاوت کی گئی تھی۔ اس وقت اُسی آیت کو اختیار کرنے کی چند وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ بعض مضامین اس آیت کے متعلق اس روز بیان سے رہ گئے تھے دوسرے یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح مردوں کو کمالِ دین حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ حکم عورتوں میں بھی مشترک ہے گو خطابِ صیغہ کے اعتبار سے بظاہر مردوں کو ہے۔ لیکن حکم مشترک ہے پس کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حق تعالیٰ کو مردوں ہی کی طرف توجہ ہے عورتوں کا اعتنا نہیں ہے یہ وہم پہلے بھی ہو چکا ہے اور منشاء اس وہم کا محبت ہے حدیث میں آتا ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں کہ حق تعالیٰ احکام میں مردوں ہی کا ذکر فرماتے ہیں ہمارا یعنی عورتوں کا ذکر نہیں فرماتے ازواجِ مطہرات کو یہ خیال اس لئے بھی ہوا کہ وہ صاحبِ زبان تھیں عربی زبان کو خوب سمجھتی تھیں اور عربی میں مذکر و مؤنث کے لئے جُدا جُدا صیغے استعمال کئے جاتے ہیں تو اُن کو تمام احکام میں مذکر صیغے دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ حق تعالیٰ ہم کو خطاب نہیں فرماتے نہ ہمارا ذکر فرماتے ہیں اور ہماری ستورات تو

تو عربی زبان حاصل ہی نہیں کرتیں اور یہ بھی ایک بڑی کمی ہے جس کا افسوس ہوتا ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں عورتیں بھی مثل مردوں کے عربی کی تحصیل کرتی تھیں تو عربی زبان سے ناواقف ہونے کے سبب مذکور مومنث کے صیغوں کا فرق وہ نہیں سمجھ سکتیں اور اگر ترجمہ پڑھیں گی تو اس میں ان صیغوں کا اردو ترجمہ نظر سے گزے گا اور اردو میں خطاب کا صیغہ مردوں و عورتوں میں مشترک ہے دونوں کے لئے الگ الگ صیغہ موضوع نہیں مثلاً **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ**، کا ترجمہ یکساں ہوگا دونوں جگہ اردو میں یہی بولتے ہیں کہ خدا سے ڈرو، خواہ اس کے مخاطب مرد ہوں یا عورتیں۔ اس لئے ادا مرد و نواہی کے صیغوں میں وہ ترجمہ دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ یہ خطاب خاص مردوں کو ہے لیکن پھر بھی بعض جگہ اردو ترجمہ سے بھی مردوں کی تخصیص سمجھ میں آ سکتی ہے مثلاً **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** کا ترجمہ ہے اے لوگو! اور **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کا ترجمہ اے ایمان والو! یہ لفظ اردو میں بھی مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتوں کو اے لوگوں یا اے ایمان والو کہہ کر ندا نہیں کر سکتے بلکہ اگر انکو خطاب خاص ہوگا تو اے عورتو! یا اے ایمان والیو! کہا جائے گا۔ پس ہر چند کہ ادا مرد و نواہی کے صیغوں میں ترجمہ دیکھ کر انکو تخصیص رجال کا وہم نہیں ہو سکتا مگر ندا کے صیغوں میں ان کو بھی وہم ہو سکتا ہے۔ اور ازواج مطہرات تو اس فرق کو خطاب کے مواقع میں بھی سمجھتی تھیں، اس لئے ان کو غایت محبت کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہائے اللہ تعالیٰ ہم کو خاص طور پر خطاب نہیں فرماتے جیسا مردوں کو خطاب فرماتے ہیں، دیکھتے وہ عورتیں کیسی تھیں اللہ اکبر! ان کا کیسا مذاق تھا اگر آجکل کی عورتوں جیسی وہ سُست اور کم ہمت اور کام چور ہوتیں تو یوں سمجھتیں کہ اچھا ہوا ہم ان احکام سے بچ گئے کیونکہ ان میں تو خاص مردوں کو مخاطب بنایا گیا ہے، مگر اس زمانہ میں مستورات کو اس کا وہم بھی نہیں ہوا کہ یہ احکام ہمارے لئے نہیں ہیں بلکہ

وہ خوب سمجھتی تھیں کہ احکام سب کو عام ہیں (بجز چند مخصوص باتوں کے جن کا مردوں کے ساتھ خاص ہونا دوسرے دلائل سے ان کو معلوم ہو گیا تھا اور ایسی خصوصیت عورتوں کے لئے بھی ہے کیونکہ بعض احکام صرف عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہیں مردوں کے لئے نہیں ہیں ان کے علاوہ بقیہ احکام میں جن کا کسی کے لئے خاص ہونا دلائل سے معلوم نہ ہوا تھا انہوں نے یہی سمجھا کہ مردوں اور عورتوں سب کے لئے مشترک ہیں گو لفظاً خطاب خاص مردوں کو کیا گیا ہے (۱۲) اور عموم احکام پر نظر کر کے پھر ان کو یہ تمنا ہوئی کہ جب یہ احکام سب کو عام ہیں تو ان میں ہمارا تذکرہ بھی ہوتا تو اچھا تھا اُن کے دل نے اُس کو گوارا نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام میں مردوں کے واسطے ہی سے اُن کو خطاب فرما دیں۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ کبھی کبھی ہم کو مردوں سے جدا کر کے بھی خطاب فرما دیا کریں اور وجہ اس تمنا کی یہ تھی کہ ان کو خدا تعالیٰ سے محبت تھی (اور عاشق کا دل چاہا کرتا ہے کہ اس کا تذکرہ کبھی تو محبوب کی زبان پر آجایا کرے)۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے (۱۲ جامع)

خدا تعالیٰ کا کسی کو اپنے احکام کا مخاطب بنانا ایک بڑا شرف ہے جو مردوں کو حاصل تھا تو ازواجِ مطہرات کو اس کی تمنا ہوئی کہ اس شرف سے ہم بھی محروم نہ رہیں۔ (اس وقت پردہ کے پیچھے سے پھر عورتوں کی کچھ آواز آئی حضرت حکیم الامتہ نے فرمایا کہ بھائی باتیں کر نیسے طبیعت اُچاٹ ہوتی جاتی ہے مضمون گڑبڑ ہو جاتا ہے اگر تم اپنی باتیں بند نہیں کرتیں تو پھر ہم سے کہہ دو ہم اپنی باتوں کو بند کر دیں ورنہ اس کی احتیاط رکھو اول تو اس وقت باتیں کرنا جائز نہیں جیسا کہ ابھی میں نے حکم بتلایا تھا اور اگر کسی کی طبیعت باتوں سے نہیں رکتی تو بلند آواز سے نہ کرو آہستہ ہی کرو (۱۲) غرض وہ عورتیں دین کی عاشق تھیں وہ اپنے اوپر بوجھ لادنا چاہتی تھیں وہ یہ نہ چاہتی تھیں کہ ہم احکام کے مخاطب نہ بنیں تو اچھا ہے کیونکہ ان کو دین کے ثمرات پر اطلاع تھی

مرد اور فرما بزداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے اس آیت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر دوش بدوش کیا گیا ہے اور عورتوں کی تمنا کا مقصد یہ تھا کہ اس جگہ صرف عورتوں ہی کا ذکر ہوتا۔ مردوں کا ذکر اُن کے ساتھ مخلوط نہ کیا جاتا مگر اس غلطی میں اشارہ ہو گیا جو اب کی طرف کہ چونکہ اکثر احکام مردوں اور عورتوں میں مشترک ہیں چنانچہ یہی احکام دیکھ لو کہ ان میں کسی کی کچھ تخصیص نہیں اس لئے عورتوں کا ذکر جدا کرنے کی ضرورت نہیں جو احکام مردوں کے لئے ہیں وہی عورتوں کے لئے ہیں (۱۲ جامع) رہی یہ بات کہ ہر جگہ ایسا ہی کیوں نہ کیا گیا جیسا اس آیت میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تصحیح کی، اور ایک وجہ ترجیح کی۔ تصحیح کی وجہ تغلیب ہے (تغلیب کے معنی یہ ہیں کہ ایک نوع کو دوسری نوع پر عملیہ دیکر ایک کو ذکر کر کے دونوں کا ارادہ کر لیا جاتے ۱۲ جامع) مثلاً باپ ماں کو والدین یا ابون کہا کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل عرب چاند اور سورج کو قمرین کہہ دیتے ہیں حالانکہ ابون کا لفظی ترجمہ ہے دُوباب اور قمرین کا ترجمہ ہے دُو چاند۔ ظاہر میں باپ ماں کو ابون کہنا غلط معلوم ہوتا ہے اُن کو اب و ام کہنا چاہیے اسی طرح چاند اور سورج کو قمرین کہنا بھی بظاہر غلط ہے اُن کو ”شمس و قمر“ کہنا چاہیے لیکن چونکہ اس طرح عبارت طویل ہو جاتی ہے اس لئے اہل زبان اب و ام کی جگہ تغلیباً بغرض اختصار ابون اور شمس و قمر کی جگہ قمرین کہہ دیتے ہیں اسی طرح اگر قرآن میں مردوں اور

عورتوں کے لئے جُدا جُدا صیغہ استعمال کیا جاتا تو کلام میں طُول ہو جاتا اس لئے تغلیباً صیغہ مذکر ہی میں مؤنث کو بھی داخل کر لیا گیا جس سے کلام میں اختصار پیدا ہو گیا۔ البتہ ایک دُوجگہ عورتوں کے وہم مذکور کو دفع کرنے کے لئے اُن کے واسطے جُدا صیغہ بھی استعمال کئے گئے تاکہ اُن کی تسلی ہو جائے اور اتنی مقدار سے ایجاز کلام بھی فوت نہیں ہوتا۔

اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں تابع ہیں مردوں کی۔
درجات مرد و زن ہر طرح سے خلقت کے اعتبار سے بھی چنانچہ آدم علیہ السلام کے ایک جزو سے حوا علیہا السلام کی پیدائش ہوئی ہے

یعنی حق تعالیٰ نے اُن کی بائیں پسلی میں سے کوئی مادہ نکالا پھر اس مادہ سے حوا علیہا السلام کو پیدا کیا جس کا اثر یہ ہے کہ عورتیں عموماً مردوں سے خلقت کمزور ہوتی ہیں اُن کے تمام قوی جسمانی اور دماغی مردوں کے برابر نہیں ہوتے نیز تربیت کے اعتبار سے بھی وہ مردوں کے تابع ہیں چنانچہ کمانا اور کھیتی کرنا تجارت کرنا محنت و مشقت کے کام کرنا مردوں کے متعلق ہے اور لپکانا کھانا عورتوں کے متعلق ہے دُوسری وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی اصل یہ ہے کہ وہ پردہ دار ہوں اور تعلقات انتظامیہ کے لئے پردہ مانع ہے اس لئے امور انتظامیہ ان کے متعلق نہیں ہو سکتے۔ انتظام کا تعلق مردوں ہی سے ہو سکتا ہے اسوجہ سے تمام تر تعلق انتظام کا مردوں کے پُرد کیا گیا پس جہاں دیگر انتظامات ان کے متعلق ہیں وہاں عورتوں کی اصلاح کا انتظام بھی مردوں کے پُرد کیا گیا اور جب مردوں کے متعلق عورتوں کی اصلاح کا انتظام ہے تو وہ ان کے سردار ہوئے اور یہ قاعدہ ہے کہ سلطنت کی طرف سے جو احکام صادر ہوا کرتے ہیں ان کے مخاطب سردار ہوتے ہیں۔ رعایا کو مخاطب نہیں کیا جاتا نہ اسکی کچھ ضرورت سمجھی جاتی ہے کیونکہ لوگ خود سمجھ لیں گے کہ جب سردار ان احکام کے مخاطب ہیں تو چھوٹے بھی اُنکے ساتھ ضرور شریک ہیں پھر سردار

بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ تقویٰ اور صدق سے کمالِ دین مراد ہے
پس حاصل یہ ہوا کہ اے مسلمانو! دین میں کمال حاصل کرو اور کاملین کے ساتھ
رہو پس اس میں اولاً حق تعالیٰ نے تکمیلِ دین کا حکم فرمایا ہے۔ پھر اُس کا طریق بتلایا
ہے کہ دین میں کامل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ راسخ فی الدین ہیں اُنکی
صُحبت حاصل کرو کیونکہ کاملین کی صُحبت سے اعمال میں سہولت بھی ہوتی ہے اس طرح
سے کہ ان کی برکت سے تقاضائے نفسِ مضمل ہو جاتا ہے جو کہ اکثر اعمال میں مزاحم ہوتا
ہے۔ نیز اُنکی صُحبت سے طریقِ عملی بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس عمل کو کس طرح ادا
کرنا چاہیے۔ یہ بات محض مسائل جاننے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی کو عمل کرتے
ہوئے نہ دیکھا جائے اور یہ بات کچھ دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیوی کاموں
میں بھی طریقِ عمل معلوم کرنے کے لئے اہل کمال کی صُحبت ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص
یوں چاہے کہ محض کتاب دیکھ کر قسم قسم کے کھانے پکانے سیکھ لے تو ایسا نہیں ہو سکتا
جب تک وہ کسی ماہر فن سے ہر کھانے کی ترکیب عمل نہ سیکھے گا اس وقت تک کبھی اُس کو
کھانا پکانے کا طریقہ معلوم نہ ہو گا اور اگر کسی نے کتاب دیکھ کر عمل شروع بھی کر دیا
تو اُس کو قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی چنانچہ جب چاہے اُس کا تجربہ کر لیا جائے
اور یہی حال ہر عمل کا ہے کہ محض ترکیب جان لینے سے کسی عمل میں کمال حاصل نہیں ہو
سکتا بلکہ استاد سے سیکھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

۱۵ احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اس آیت سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک دنیا میں قرآن اور اسلام
کا وجود ہے اس وقت تک ہر زمانہ میں کاملین کا بھی وجود ضرور رہیگا کیونکہ جب تک دنیا میں قرآن ہے وقت
تک ہر شخص اس آیت کا مخاطب ہے اور اس آیت میں کمالِ دین کا طریقہ صُحبتِ کاملین بتلایا گیا ہے بصورتِ امر
جس کا امتثال بدون تحقیقِ کاملین کے نہیں ہو سکتا اور ادا امر شرعیہ کے لئے متعذراً لاقتال ہونا خلافِ اصل ہے اس
لئے یہ مدعی ثابت ہو گیا کہ ہر زمانہ میں کاملین کا وجود ضرور رہے گا گو وہ قلیل ہی ہوں پس جو لوگ یہ کہہ دیا کرتے
ہیں کہ صاحبِ اہل کمال کہاں ہیں اب تو کمال کا حاصل ہونا دشوار ہے یہ آیت اشارۃً اُن پر رد کرانی
ہے۔ فافہم ۱۲ جامع۔

طریق حصول دین کامل

پس دین میں بھی کمال حاصل کرنا صحبتِ کاملین پر موقوف ہے عادتہ اللہ اس طرح جاری ہے

پس میں نے اسی آیت کو عورتوں میں اس لئے پڑھا ہے کہ دُشُوبہ مرتفع ہو جائیں ایک آرام طلب عورتوں کا شُبہ کہ وہ یوں نہ سمجھیں کہ یہ حکم مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں اور ہم اس سے بچے ہوئے ہیں چنانچہ اکثر عورتوں کا یہ خیال ہے کہ بس خدا نے ہم کو تو کھانا پکھانے اور سینے پرٹنے ہی کے لئے پیدا کیا ہے دین کا کمال حاصل کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ مردوں کا کام ہے، دُوسرے خدا طلب عورتوں کا شُبہ کہ وہ اپنے دل میں یوں نہ کہیں کہ بس خدا تعالیٰ کو مردوں ہی پر عنایت ہے ہم کو مَنہ بھی نہ لگایا۔ ان دونوں شبھوں کا جواب میں نے دیدیا ہے کہ مردوں کو خطاب کرنا اس وجہ سے نہیں کہ عورتیں ان احکام سے مستثنیٰ ہیں اور نہ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کو عورتوں پر عنایت نہیں بلکہ خصوصیت خطاب کا منشاء کچھ اور ہے جس کو میں مُفصلاً بیان کر چکا ہوں پس عورتوں کو جان لینا چاہیئے کہ اُن کو بھی حق تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنا دین کامل کر دہر چند کہ مقصود اتنے ہی بیان سے پورا ہو گیا کیونکہ آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ ہمیں دین کے کامل کرنے کا حکم ہے اب ہر شخص دیکھ لے کہ دین کیا ہے اور اس کے کیا کیا اجزاء ہیں اس کے بعد سب کاموں کو طریقہ شرعیہ کے موافق بجالانا شروع کر دے، بس دین کامل ہو جائے گا مثلاً نماز دین کا کام ہے اُس کا کمال یہ ہے کہ اچھی طرح پڑھو وقت پر پڑھو جلدی جلدی نہ ادا کرو اطمینان سکون کے ساتھ پڑھو۔ ایسے ہی زکوٰۃ دین کا کام ہے اور اُس کے کمال کا طریقہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد فوراً ادا کر د اور خوشی سے ادا کرو بیگار مت سمجھو۔ نیز ریاء و نمود سے بچو محض رضا حق کو مقصود سمجھو۔ پس دین کے کام اکثر لوگوں کو معلوم ہیں اور اُنکے کمال کا طریقہ مسائل پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے اگر میں اس

وقت اجرہ دین کی تفصیل بیان کروں اور ہر اک کے کمال کا طریقہ جدا جدا بتلاؤں تو اس کے لئے عمر طویل بھی کافی نہیں لیکن مقصود کی تعین تفصیل پر موقوف نہیں اجمالاً

سب کو دین کے کاموں کا علم ہے اور ان کے کمال کا طریقہ دریافت کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے

لیکن اب مجھ کو عورتوں کی غفلت کی شکایت کرنا باقی ہے کہ

غفلت نسواں

افسوس اُن کو دنیا کی تکمیل کا تو خیال ہے دین کی تکمیل کا مطلق

خیال نہیں میرا مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو دین کی تکمیل سے بھی غافل نہ ہونا چاہیے جیسا کہ

اُن کو اپنے زیور، کپڑے اور مکان کی ضروریات کی تکمیل سے کسی وقت بھی غفلت

نہیں ہوتی اور وقتاً فوقتاً مردوں سے اُس کے متعلق فرمائشیں کرتی رہتی ہیں اور

اگر مرد کسی وقت کسی فرمائش کو غیر ضروری بتلاتے ہیں برتنوں اور مکان کی ضرورتوں

کے متعلق اختلافات ہونے لگتا ہے کہ مردیوں کہتے ہوں کہ اُن چیزوں کی ضرورت نہیں

اور مستورات کے نزدیک اُن کی ضرورت ہو تو ایسے موقع پر عورتیں کہہ دیا کرتی ہیں

کہ تم کو ان چیزوں کی کیا خبر تم کو گھر میں رہنا تھوڑا ہی ہے اسکو تو ہم تم سے زیادہ

جانتے ہیں اور بعض دفعہ تو عورتوں کا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ واقعی مردوں کو

ان ضرورتوں کا علم پوری طرح نہیں ہوتا اور بعض دفعہ اس اختلاف کا سبب یہ ہوتا

ہے کہ مردوں میں قناعت کا مادہ عورتوں سے زیادہ ہے مرد تھوڑے سے سامان

میں بھی گزر کر لیتا ہے اور عورتوں میں قناعت کا مادہ ہے ہی نہیں ان کی طبیعت میں

بکھیرا بہت ہے اُن سے تھوڑے سامان میں گزر رہتا ہی نہیں جب تک سارا گھر

سامان سے بکھرا نظر نہ آوے۔

مردوں کے نزدیک تو ضرورت کا درجہ یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو سو

اتنا سامان تو اکثر متوسط الحال لوگوں کے گھروں میں محمد اللہ موجود ہوتا ہی ہے اس

لئے مردوں کو اُس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہاں اگر خدا وسعت دے

تو اس کا بھی مضائقہ نہیں کہ اتنا سامان جمع کر لیا جاوے جس سے زیادہ راحت نصیب

ہو۔ یہ درجہ مردوں کے نزدیک کمال کا مرتبہ ہے مگر عورتوں کے نزدیک ضرورت کا درجہ تو کوئی چیز ہی نہیں مرد جس کو ضرورت کا درجہ سمجھتے ہیں وہ عورتوں کے نزدیک قلت اور تنگی کا درجہ ہے اُن کے نزدیک ضرورت کا درجہ وہ ہے جس کو مرد کمال کا درجہ سمجھتے ہیں اور کمال کا درجہ وہ ہے جو حقیقت میں ہو س کا درجہ ہے۔

اور اس کا منشاء یہ ہے کہ عورتوں میں ناشکری کا مادہ زیادہ ہے اگر خدا تعالیٰ اُن کو ضرورت کے موافق

سامان عطا فرمادیں تو یہ اُس کو غنیمت نہیں سمجھتیں نہ اُس پر خدا کا شکر کرتی ہیں بلکہ ناشکری کرتی رہتی ہیں کہ ہمارے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا تذکرہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادہ عورتوں میں ہمیشہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتَ مِنْكَ خَيْرًا أَقْطَعُ۔

کہ اگر تم کسی عورت کے ساتھ عمر بھر اچھا برتاؤ کرتے رہو پھر کبھی ایک دفعہ کوئی خلاف مزاج بات دیکھ لے تو وہ یوں کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی بس ذرا سی بات میں ساری عمر کے احسانات فراموش کر جاتی ہیں۔ جہاں کسی دن ان کو شوہر کے گھر میں کھانے پہننے کی تنگی ہوئی اور انہوں نے اُس کو منہ پر لانا شروع کیا کہ اس نگوڑے کے گھر میں آ کر تو میں نے سدا تنگی ہی دیکھی، باپ ماں نے مجھے جان بوجھ کر کنویں میں دھکا دے دیا میں نے اس منحوس کے گھر میں کیا آرام دیکھا، غرض جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتی ہیں اور اس کا ذرا خیال نہیں کرتیں کہ آخر اسی گھر میں ساری عمر میں نے عیش برتا ہے۔ مجھے اس کو نہ بھولنا چاہیے اور خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے کلفت آج ہی دکھلائی اور زیادہ زمانہ عیش میں گزارا۔ سو عورتوں میں چونکہ ناشکری کا مادہ زیادہ ہے اس لئے انکو تھوڑے سامان پر قناعت نہیں ہوتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض عورتوں کے پاس سال بھر کے کپڑے موجود ہوتے ہیں جو صندوق میں

بھرے رکھے ہیں لیکن پھر بھی کیا مجال ہے کہ پھیری والا بزازان کے گھر کے سامنے سے
 خالی گزر جائے جہاں بزاز کی آواز سنیں گی فوراً اُس کو دروازہ پر بٹھلا کر اور پٹرا پھڑوا
 لیں گی۔ برتن گھر میں ضرورت سے زیادہ ہوں گے مگر پھر بھی ان کی فرمائشوں کا سلسلہ
 ختم نہ ہوگا۔ واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے۔ دہلی میں مولانا عبدالرب صاحبؒ
 ایک واعظ تھے وہ عورتوں کی اس صفت کو بڑے لچھے دار فقروں میں بیان کیا کرتے
 تھے کہ ان عورتوں کی یہ عادت ہے کہ ان کے پاس چاہے کتنے ہی کپڑے ہوں مگر جب
 پوچھئے کہ تمہارے پاس کتنے کپڑے ہیں تو یوں ہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہیں دو چھتھرے
 اور جوتوں کے چاہے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو
 لتیڑے اور برتن چاہے کتنے ہی ضرورت سے زیادہ ہوں مگر جب پوچھو یوں ہی کہیں گی
 کیا ہیں دو ٹھیکرے۔ خیر یہ تو مولوی صاحب کا لطیفہ ہے مگر حقیقت میں عورتوں کی عادت
 کا فلو اُنہوں نے خوب کھینچا۔ غرض اُن کو دنیا کی تکیں کی بہت زیادہ فکر ہے ہر وقت
 اسی دُھن میں رہتی ہیں اُن کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوتی، زیور کی ہوس کا یہ حال
 ہے کہ بعض عورتیں سر سے ہیر تک لدی پھدی رہتی ہیں مگر پھر بھی بس نہیں اگر نیا
 زیور نہ بنوائے گی تو پہلے ہی زیور کی توڑ پھوڑ میں روپیہ برباد کرتی رہیں گی۔ آج ایک
 زیور بڑے شوق سے بنوایا تھا۔ کل کو کسی عورت کے پاس وہی زیور دوسرے نمونہ کا دیکھ
 لیا تو اب اُن کو توڑ پھوڑ کی بیکلی لگتی ہے کہ میں بھی اسی نمونہ کا بنواؤں گی۔

تقلیدِ مغرب | مگر آج کل کچھ دنوں سے نوعمر لڑکیوں میں زیور کا شوق کم ہو گیا ہے
 یہ نیا فیشن چلا ہے کہ نوعمر لڑکیاں آج کل کان وغیرہ ننگے رکھتی ہیں
 یہاں بھی یہ اثر ضرور ہو گا یہاں کی مجھ کو زیادہ تحقیق نہیں مگر جب قصبات میں یہ اثر پہنچ
 گیا ہے تو شہروں میں بھی ضرور ہو گا چاندی کا زیور تو آج کل عیب شمار ہونے لگا یہ تو نینوں
 جُلا ہیوں کا زیور رکھ گیا۔ مشرقی لڑکیاں صرف سونے کا زیور پہنتی ہیں وہ بھی صرف
 کانوں میں دو ہلکے ہلکے بندے ہیں اور سارا بدن زیور سے ننگا ہے۔ ماں پیروں میں

کچھ چاندی بھی ڈال لیتی ہیں کیونکہ وہ حقیر چیز ہے پیروں ہی میں رہنی چاہئے تو آج کل
 زیور میں لڑکیوں نے اختصار کر لیا ہے اور اس مذاق کی ابتداء میموں کے اتباع سے
 ہوئی ہے میمیں زیور نہیں پہنتیں، کیونکہ انکی قوم میں اُس کا رواج نہیں۔ حکمران قوم ہے
 اُن کو دیکھ دیکھ کر ہندوستانی عورتوں میں بھی یہ مذاق پیدا ہو گیا اور ان کو میموں
 کا طرز اس طرح معلوم ہوا کہ آجکل جا بجا شفا خانے کھلے ہوئے ہیں جن میں زنانے
 شفا خانے بھی ہیں ہندوستانی عورتیں وہاں جا کر میموں کا علاج کراتی ہیں اس ذریعہ
 سے اُن کے پاس آمد و رفت ہوتی ہے اور جو زیادہ وسعت والے ہیں وہ میموں کو اپنے
 گھروں پر بلاتے ہیں دوسرے آجکل ریلوں میں بھی عورتیں سفر کرتی ہیں اسٹیشنوں پر
 میمیں نظر پڑ جاتی ہیں علم اجمالی تو اس طرح حاصل ہوا۔ پھر تفصیلی علم شفا خانوں میں
 جا کر یا ان کو گھر پر بلانے سے ہو گیا۔ پھر بعض عورتوں پر تو میموں کا اثر بلا واسطہ ہوا
 اور بعض پر بواسطہ ہوا کہ ایک تو میموں کو دیکھ کر اُن کا طرز اختیار کیا پھر اس کو دیکھ
 دیکھ کر دوسریوں نے اپنا رنگ بدلا۔ لوگ اس میں احتیاط نہیں کرتے اور یوں سمجھتے
 ہیں کہ یہ تو عورتیں ہیں ان سے کیا احتیاط اس لئے بے تکلف میموں سے علاج کراتے
 ہیں حالانکہ میمیں مردوں سے زیادہ قابل احتیاط ہیں کیونکہ مردوں سے تو مردوں کو سابقہ
 پڑتا ہے اور مردوں میں تاثر کا مادہ کم ہے وہ ان کی باتوں سے متاثر بہت کم ہوتے
 ہیں اور میموں سے عورتوں کو سابقہ پڑتا ہے اور ان میں تاثر کا مادہ زیادہ ہے یہ ہر نئی
 چیز سے بہت جلد متاثر ہوتی ہیں پھر میموں کی طرز تقریر میں ایک خاص بات ہوتی ہے
 جو ہندوستانی عورتوں میں نہیں ہوتی اس لئے وہ میموں کی باتوں سے بہت جلد متاثر
 ہو جاتی ہیں چنانچہ ایک دیندار عورت نے اس حقیقت کو خوب سمجھا اسکی آنکھ میں
 کچھ نقص تھا ڈاکٹر کو آنکھ دکھانے سے وہ انکار کرتی تھی اور یہ کہتی تھی کہ آنکھ ہی کی تو
 شرم ہے جب غیر مرد کے سامنے آنکھ ہو گئی پھر پردہ گلہ سے کاربہا پھر اس نے ایک میم

کو اپنی آنکھ دکھائی اُس نے دیکھ کر کہا کہ میں اس علاج میں ماہر نہیں ہوں تم کو ڈاکٹر صاحب کو آنکھ دکھانا چاہیے اُس نے ڈاکٹر کو دکھانے سے انکار کیا اسپریمیم نے ایسی تقریر کی کہ اُنہی رائے فوراً بدل گئی اور ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے تیار ہو گئیں پھر انکو شبہ ہوا اور عہد کیا کہ اب ساری عمر بھی ان میموں کا منہ کبھی نہ دیکھوں گی کہ اس ساعرہ نے تو میری عمر بھر کی غیرت و حیا کو ایک منٹ میں اپنی تقریر سے مغلوب کر دیا کہ اس وقت مجھے ڈاکٹر کے سامنے آنے سے بھی غیرت مانع نہ ہوتی تھی انکا کیا اعتبار یہ ظالم تو اپنی تقریر سے کسی کا دین بھی بدل دیں تو تعجب نہیں صاحبو! اس بات کو معمولی نہ سمجھو اسکی بہت احتیاط ضروری ہے خصوصاً یہ جویشن کی سیمیں ہیں ان سے تو بہت ہی احتیاط لازم ہے یہ اپنے مذہب کی تبلیغ بڑی باریکی سے کر دیتی ہیں کہ سُننے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے ذہن میں انکے مذہب سے نفرت نہیں رہتی اور بعض دفعہ تو علاج کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی گفتگو بھی صاف صاف کرتی رہتی ہیں میں نے بہت واقعات ایسے سُنے ہیں کہ بعض عورتوں نے میموں کا علاج شروع کیا پھر ان پر ایسا اثر پڑا کہ کھینچتوں نے دین بدل دیا۔ بعض نے دین نہیں بدلا تو پردہ کرنا چھوڑ دیا اور بعض نے لباس اور زیور وغیرہ میں انکا طرز اختیار کر لیا ہے یہ تو سب سے ادنیٰ اثر ہے اور اب روز بروز اس کی زیادتی ہے علاج کرانے کا کافر عورت سے مضائقہ نہیں مگر اس میں چند باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ ان سے بجز علاج معالجہ کے اور کوئی بات نہ کریں۔

۲۔ ضرورت کے سوا زیادہ میل جول نہ بڑھاویں اُن سے بہنا پانہ کریں۔ آجکل تو غضب یہ ہے کہ جس گھر میں ایک دفعہ میم صاحبہ کا قدم آجاتا ہے پھر وہ روز کے روز اسی میں کھڑی نظر آتی ہیں اگر وہ خود بھی نہ آئی تو گھر والیاں بلاتی ہیں اسکی بہت سختی کے ساتھ بندش کرنی چاہیے۔

مسلمان عورتیں ہیں کیونکہ وہی اپنی کہلاتی ہیں (یا اپنی باندیوں پر) مطلقاً خواہ کافر ہوں یا مسلمان (الآیۃ)۔ تو ان آیتوں میں یہ نہیں فرمایا اول النساء اگر اس طرح فرماتے تو یہ مطلب ہوتا کہ مسلمان عورتوں کو سب عورتوں کے سامنے آنا اور اپنے مواقع زینت کا کھولنا جائز ہے بلکہ حق تعالیٰ نے اول النساء هن فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہے اپنی عورتیں اور باتفاق مفسرین اپنی عورتیں وہی ہیں جو مسلمان ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ مسلمان عورتوں کو مسلمان عورتوں کے سامنے اپنی زینت کے مواقع کا کھولنا جائز ہے کافر عورتوں کے سامنے گلا اور سر اور کلاٹیاں اور پنڈلیاں کھولنا جائز نہیں، اسمیں بکثرت مستورات مبتلا ہیں وہ یہ سمجھتی ہیں کہ عورتوں سے کیا پردہ؟ حالانکہ شریعت میں کافر عورتوں کا حکم مثل اجنبی مرد ہے میموں سے تو ان کو کبھی کبھار ہی واسطہ پڑتا ہے مگر اکثر بھنگنوں، چھاریوں یا کنجریوں یا ٹونوں سے بہت واسطہ پڑتا ہے یہ عورتیں رات دن گھر میں گھسی رہتی ہیں ان سے بہت کم احتیاط کی جاتی ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ عورتیں مثل اجنبی مرد کے ہیں ان کے سامنے بدن کا کھولنا ایسا ہی ہے جیسا کہ غیر مردوں کے سامنے بدن کھولنا پس ان سے تمام بدن کو احتیاط کے ساتھ چھپاؤ صرف منہ اور قدم اور گٹے تک ہاتھ کھولنا ان کے سامنے جائز ہے باقی تمام بدن کا چھپانا فرض ہے خصوصاً سر کھول کر گھر میں پھرنے کا عورتوں کو زیادہ مرض ہے تو ان عورتوں کے آنے کے وقت تمام سر کو چھپا لینا چاہیے کہ بال تک بھی ان کو نظر نہ آویں۔ اسکی طرف عورتوں کو بالکل التفات نہیں جس کا سبب یہ ہے کہ انکو احکام کی طرف توجہ کم ہے دنیا ہی میں ہر وقت لگی رہتی ہیں انکو اپنے زیور کپڑے سے اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ تھوڑی دیر کے لئے کوئی کتاب مسائل کی پڑھ لیا کریں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان میموں وغیرہ سے عورتوں کو بچنا چاہیے۔ بلا ضرورت ان سے ہرگز نہ ملیں نہ اپنے گھر پر بلا دیں اور اس کا پورا انتظام مردوں کو کرنا چاہیے ان عورتوں کے اختلاط کا بہت بُرا نتیجہ ہے مستورات کو ان کی اوضاع و اطوار سے

بچنا چاہیے۔

فیشن پرستی | چنانچہ انہی کے اوضاع میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ نو عمر لڑکیوں کو زیور کا خیال کم ہو گیا ہے اس کا منشاء کفایت شعاری ہرگز نہیں کیونکہ پہلی ساری کفایت شعاری زیور ہی میں رہ گئی اچھا کپڑوں میں کفایت شعاری کیوں نہیں کی جاتی جو لڑکیاں زیور کم پہنتی ہیں وہ کپڑوں میں بڑی رقم صرف کرتی ہیں اسی طرح گھر کی آرائش اور زینت میں بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود محض میموں کا اتباع ہے جس چیز میں وہ رقم صرف نہیں کرتیں اُس میں یہ بھی صرف نہیں کرتیں، اور جس میں اُن کو زیادہ غلو ہے اُس میں یہ بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ مذاق اس درجہ غالب ہوا ہے کہ جن عورتوں میں مالی وسعت زیادہ بھی نہیں ہے وہ معمولی کپڑوں اور معمولی زیوروں ہی میں ایسی تراش خراش کرتی ہیں اور ایسی وضع سے انکو بناتی ہیں جس سے وہ میم کی طرح نظر آنے لگیں پس ایسی حالت میں انکو زیور کا خیال کم ہونا کچھ باعثِ مُسرت نہیں بلکہ یہ تو اس کا مصداق ہو گیا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اگر یہ اپنی پُرانی وضع پر قائم رہیں پھر زیور کا شوق کم کر دیں اس وقت البتہ خوشی کی بات ہے اور جن لڑکیوں میں یہ مذاق نہیں آیا اُن کی حالت یہ ہے کہ زیور سے کسی وقت اُن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا کانوں میں بالے بھی ہیں بالیاں بھی ہیں پتے بھی ہیں انکو کچھ حس ہی نہیں کہ اس سے کان ٹوٹیں گے یا کیا ہوگا چاہے کان جھک پڑیں مگر ان کو سب زیور لا دنا فرض ہے ناک میں نتھ بھی ہے اور ٹونگ بھی ہے پھر چاہے ٹونگ سے ناک میں آگ ہی لگ جائے مگر کیا مجال جو کسی وقت اُترے۔ پھر اس زیور کے شوق میں اُن کو ساری مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں یعنی کان چھدوانے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر لڑکیاں ہنسی خوشی سب کام کرا لیتی ہیں بلکہ اگر کوئی اُن سے یہ کہے کہ کان چھدوا

کر کیا لوگی خواہ مخواہ تکلیف اپنے سر مول لیتی ہو کان مت چھد واؤ تو اُس سے لڑنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں اُن کو اپنی لڑکی سے بہت محبت تھی ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر میں اس بچی کے کان نہ چھد واؤں تو کچھ عرج تو نہیں مجھے اسکی تکلیف سے بہت تکلیف ہوتی ہے میں نے کہہ دیا کہ نہیں عرج کیا ہوتا یہ خبر کہیں اُس لڑکی کو پہنچ گئی مجھ پر بڑی خفا ہوئی کہ اپنی بیوی اور ماں بہن کو نہیں دیکھتے بھلا یہ مسئلہ میرے ہی واسطے نکالا پہلے اپنے گھر والوں کو اسکی تسلیم دی ہوتی میں تو ضرور کان چھد واؤں گی۔ وہ دوست میرے پاس آئے کہ صاحب اُس لڑکی نے وہ بات سُن لی، تو آپ پر بڑی خفا ہوئی۔ میں نے کہا بھائی! تم اُس کے ایک ایک کی جگہ دُؤ دو سوراخ کرا دو۔

حقیقتِ حرس | ایک بنے کا قصہ مشہور ہے کہ اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا سِل کا باٹ اٹھا لائے اُس نے کہا مجھ سے سِل کا باٹ کیونکر اٹھے گا بھاری پتھر ہے کہیں میری کمر میں لپکتا آجائے اُس نے پتھر تو خود اٹھا لیا لیکن سِل کو کسی بہانہ سے باہر لے گیا اور ایک سُنا کو بلا کہہا کہ اس سِل کے اُپر سونے کے پتر خوبصورتی کے ساتھ جڑے اور اُس میں ایک مضبوط زنجیر ڈال دے۔ جب وہ تیار ہو کر آگئی تو اُسی بیوی کو لا کر دی کہ لو ہم نے تمہارا واسطے ایک ہنیکل بنوایا ہے اسے پہن لو تو اس نے خوش ہو کر اُسے گلے میں ڈال لیا اور گلے میں لٹکائے پھر نے لگی، مگر دن بوجھ سے جھکی جاتی تھی مگر زیور کے شوق میں سب تکلیف گوارا تھی اس کے بعد بنے نے نکال دیا خوب خبر لی کہ کمبخت اُس روز تو تجھ سے سِل کا باٹ بھی نہ اٹھاتا تھا آج اُسی سِل کو گلے میں لٹکائے پھرتی ہے آج تیری کمر میں کچھ نہیں ہوتا۔ خیر یہ قصہ تو گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر جس نے تصنیف کیا ہے اُس نے عورتوں کے مذاق کو خوب سمجھا ہے حقیقت میں اُن کو زیور کی حرص ایسی ہی ہے کہ اگر سونے کا زیور

بہت بھاری بھی ہو تو یہ کبھی اُس کے پہننے سے انکار نہ کریں گو گردن اور گلا کیسا ہی
 دکھتا ہے۔ اور یوں تو عورتوں میں زیور کپڑے کی حرص طبعی طور پر ہوتی ہے لیکن آپس میں
 ملنے ملانے سے یہ حرص اور بڑھ جاتی ہے۔ اُن کا آپس میں ملنا جلنا بڑا غضب ہے ایک
 دوسری کو دیکھ کر رنگ ملیٹتی ہے اگر کسی کو خدا تعالیٰ نے زیور اور کپڑا حیثیت کے موافق
 دے رکھا ہو تو وہ اُسی وقت تک خوش ہے جب تک برادری کی بہنوں میں نہ جلے
 اور جہاں برادری میں نہ ملنا ہو پھر انکی نظر میں اپنا زیور اور کپڑا حقیر معلوم ہونے لگتا
 ہے دوسروں کا زیور دیکھ کر اُن کا دل لپچاتا ہے کہ ہمارے پاس بھی ایسا ہی ہونا چاہیے
 اور اسمیں اپنی حیثیت پر بھی اُن کو نظر نہیں ہوتی کہ جس کے پاس ہم سے زیادہ زیور
 ہے اُسکی حیثیت کیا ہے جس کے مُرد کی آمدنی پچاس روپے ماہوار ہے وہ بھی برابری
 کرتی ہے اس کی جس کے مُرد کی آمدنی ہزار روپیہ ماہوار ہے۔

اختلاط نسواں | عورتوں پر ملنے جلنے کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ سہارنپور میں ایک
 کوٹ انسپکٹر تھے جن کی تنخواہ چار سو، پانچ سو روپے ماہوار
 تھی مگر اُن کی عادت یہ تھی کہ ساری تنخواہ اپنے غریب رشتہ داروں میں خرچ کرتے تھے
 گھر میں کم رکھتے تھے۔ اُنکی بیوی کے پاس زیور کا ایک چھلا بھی نہ تھا نہ گھر میں کوئی
 خادمہ تھی بیچاری اپنے ہاتھ سے اُٹا پیتی تھی اور خود ہی لپکاتی تھی اور اسی حالت میں خوش
 تھی۔ میرے ایک عزیز بھی اُس زمانے میں سہارنپور میں ملازم تھے اور ان کا مکان
 کوٹ انسپکٹر صاحب کے مکان سے متصل ہی تھا وہ اپنی بیوی کو کسی کے یہاں بھیجتے نہ
 تھے مگر ایک دفعہ اُن عزیز کے گھر والوں کے اصرار پر اُنہوں نے ملنے کی اجازت دی
 وہ جو یہاں آئی تو اُس نے یہاں باندیوں کو بھی اپنے سے اچھا پایا اُن کے پاس بھی کچھ
 زیور تھوڑا بہت تھا۔ اور کوٹ انسپکٹر کی بیوی کے پاس چھلا تک تھا بس
 یہاں سے جا کر اُس نے اپنے میاں کی خوب خبر لی کہ وہ سرشتہ دار صاحب کی تنخواہ بھی

تم سے کم ہے پھر بھی اُن کے گھر والے زیور میں لدے پھدے ہیں اور میں بالکل ننگی ہوں اور اُن کی بیوی اپنے ہاتھ سے ایک کام بھی نہیں کرتیں، ایک چھوڑ گئی کئی باندیا ہیں سارا کام وہی کرتی ہیں اور میں سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہوں اب تو مجھ سے اس طرح نہیں رہا جاتا تم مجھے بھی زیور بنا کر دو اور عمدہ لباس بنا کر دو اور گھر میں خادمہ نوکر رکھو۔ وہ کوٹ انسپکٹر پھر مجھ سے الہ آباد میں ملے تھے بیچارے کہتے تھے کہ شیخ کامل کی صحبت کا اثر ایک منٹ میں ایسا ہوا کہ میری ساری عمر کا اثر فوراً ذائل ہو گیا، اب میرے گھر میں رات دن زیور کی فرمائش کرتی ہے۔ اور کوئی کام خود نہیں کرتی۔ زیور بنانا بنا تا تھک گیا مگر سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا اور میری ساری خیر حیرت برباد ہو گئی۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ان کا آپس میں ملنا جلنا بڑا غضب ہے۔

اور میں یہ نہیں کہتا کہ مستورات کا آپس میں

شرائط اختلاط نسواں

ملنا جلنا بالکل بند کر دو۔ میرا مطلب یہ ہے

عورتوں کو اپنے اس مرض کی اصلاح کرنی چاہیے اگر کسی کا دل دوسروں کے زیور کی طرف دیکھ نہ لیجائے اُس کو ملنے جلنے کا مضائقہ نہیں مگر جس پر دوسروں کو دیکھ کر یہ اثر ہو اس کو ضرور نہ ملنا چاہیے۔ قرآن شریف میں عورتوں کو حکم ہے وَقَرْنَ حُفَیَّ بَیُوتِکُنَّ کہ تم اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو اس میں تقسیم الاتحاد علی الاتحاد ہے جس سے یہ مطلب حاصل ہوا کہ ہر عورت اپنے گھر میں جم کر بیٹھی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے اصلی حکم یہی ہے کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں نہ عورتوں سے ملنے کے لئے نہ مردوں سے ملنے کے لئے۔ پھر کچھ بات ہے جو حق تعالیٰ نے عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر سے باہر نکلنا ان کے لئے مضر ہے (لیکن مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں ۱۲) پس جس کو ملنے جلنے سے یہ ضرر ہوتا ہو اس کے لئے یہی حکم ہو گا کہ وہ کسی سے نہ

ملے اپنے گھر ہی میں بیٹھی رہے۔ ہاں جس کو ضرر نہ ہوتا ہو وہ اپنے خاندان کی اجازت سے دوسروں کے گھر جاسکتی ہے۔ بیوی! آخر تم کھجلی والوں سے تو بچتی ہو اور ان کے پاس بیٹھنا اور ان سے ملنا جلنا تم کو گوارا نہیں ہوتا کہ کہیں ہم کو بھی کھجلی نہ ہو جاوے اور یہ حالت تو کھجلی سے بھی بدتر ہے۔ کھجلی کا ضرر تو محض جسمانی ہے اور اس کا ضرر جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی۔ جسمانی ضرر تو یہ ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کو اپنے سے اچھی حالت میں دیکھو گی اور ان جیسا بننا چاہو گی اور تمہاری حیثیت ان کی برابر نہیں ہے تو تم کو خواہ مخواہ اس سے الجھن اور پریشانی ہو گی اور رات دن تم اسی فکر میں گھلو گی کہ ہائے میرے پاس بھی یہ چیز ہوتی وہ ہوتی پھر بعض دفعہ تم مردوں سے بھی اس قسم کی فرمائش کرو گی جو ان کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ انکو یہ فرمائش ناگوار ہو گی جس سے خواہ مخواہ دلوں میں کدورت پیدا ہو گی جس سے بعض اوقات دُور تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور روحانی ضرر یہ ہے کہ اس سے ناشکری کا مرض بڑھتا ہے جب تم دوسروں کو اپنے سے بڑھا ہو ا دیکھو گی تو ان نعمتوں کی قدر نہ کرو گی جو خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں ہمیشہ یہی سمجھو گی کہ میرے پاس کیلے کچھ بھی نہیں اس لئے جس پر ملنے کا ایسا اثر پڑتا ہو اُسکو یہی حکم دیا جائے گا کہ وہ کسی سے نہ ملے اور اگر ملے تو غریب نادار عورتوں سے ملے کیونکہ غریبوں سے مل کر تمہارا جی خوش ہو گا اور خدا کا شکر کرو گی کہ الحمد للہ میں بہت سی عورتوں سے اچھی حالت میں ہوں۔ اور یہی نکتہ ہے اس حدیث میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: **يَا عَائِشَةُ قُرْبِي الْمَسَاكِينِ وَبِجَارِ لَيْسِهِمْ**، کہ اے عائشہ مساکین کے پاس بیٹھا کرو اور ان کو اپنے سے نزدیک کیا کرو۔ مساکین کے پاس بیٹھنے سے خدا کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور دل خوش رہتا ہے۔

طریق اختلاط | ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اُمرا کے پاس بیٹھنے سے

دن بدن میری پریشانی بڑھتی رہی اور میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے اوپر خدا کی کچھ بھی نعمت نہیں پھر میں نے غر بار کے پاس بیٹھنا شروع کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بادشاہ ہوں اور میری ساری پریشانی دور ہو گئی اور خوشی بڑھ گئی، اسی لئے حدیث میں ہے کہ دین کے باب میں انسان کو اپنے سے اپنے کو جو اس سے زیادہ دیندار ہو اور دنیا کے باب میں اپنے سے نیچے کو دیکھنا چاہیے۔ مگر آج کل معاملہ برعکس ہے لوگ دین کے باب میں تو ان لوگوں پر نظر کرتے ہیں جو زیادہ کام نہیں کرتے پھر اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ اگر ہم رات کو نہیں اٹھتے تو کیا ہوا فلاں مولوی صاحب بھی تو رات کو نہیں اٹھتے اگر ہم عمدہ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں تو کیا ہوا فلاں شاہ صاحب بھی تو بڑا عمدہ لباس پہنتے ہیں، دین کے باب میں لوگ ان بزرگوں کو نہیں دیکھتے جن کا تہجد کبھی قضا نہیں ہوتا اور بیچا بے معمولی حیثیت میں رہتے ہیں اور دنیا کے بارہ میں ہمیشہ اپنے سے زیادہ پر نظر کرتے ہیں کہ ہائے میں فلاں رئیس کے برابر نہ ہو گیا فلاں سوداگر کے برابر نہ ہوا جس سے بجز پریشانی بڑھنے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عورتوں کو بھی چاہیے کہ دنیا کے بارہ میں اپنے سے گھٹیا کو دیکھیں مثلاً تمہارا گھر کسی رئیس زادی کے گھر سے کم ہے تو تم ان لوگوں پر نظر کرو جن کے گھر تم سے بھی گھٹیا ہیں کہ نہایت تنگ ہیں پتنگ بچھنے کے بعد چلنے کو بھی رستہ نہیں رہتا، وہاں ہوا کا تو کہاں گزر بارش کا بھی بچاؤ نہیں اور تم ہو ادا ر صحن میں ایسے آرام سے سوتی ہو کہ صبح کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے، ایسے لوگوں کے مکانات دیکھ کر تم کو اپنے مکان کی قدر ہوگی کہ بلا سے اس میں جھاڑ فانوس نہیں ہیں تو کیا ہوا بارش کا بچاؤ تو ہے ہوا کا گزر تو ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :- کہ ایک مرتبہ میرے پاس جو تہ نہ تھا تو میں رنجیدہ تھا کہ اچانک میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کے پیر ہی نہ تھے میں نے خدا کا شکر کیا کہ میرے پیر تو ہیں جس سے جوتا نہیں تو کیا ہوا۔ تو حقیقت میں دنیا کے باب میں اپنے سے کمتر حیثیت والوں کو دیکھنے

سے بڑی راحت دل کو ہوتی ہے۔

دینے و دنیا | مگر اب ایسا مذاق بدلا ہے کہ دنیا میں جہاں ذرا کمی ہوئی
اُس کا تو فلق ہوتا ہے اور اس پر کبھی نظر نہیں ہوتی کہ اللہ

کی بہت سی مخلوق ہم سے بھی اتر حالت میں ہے ہم پھر اُن سے بہت اچھے ہیں اور
دین میں ایسا استغنا برتا جاتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز پر اکتفا کر لیا ہے اگر کوئی اُن
سے تہجد و اشراق کو کہہ دے تو جواب میں یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم مرجائیں بہت تو
کام کرتے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لیتے ہیں گویا اُنہوں نے نماز کیا پڑھی
ساری جنت ہی خرید لی۔ جیسے ایک گنوار کا لڑکا کسی ملاکے پاس پڑھتا تھا تو ایک
دن وہ گنوار ملاجی سے کہنے لگا کہ میرے بیٹے کو بہت نہ پڑھا دیجو کہیں لوٹ پوٹ
پگمبہ نہ ہو جاوے (یعنی پیغمبر نہ ہو جاوے) تو جس طرح اس جاہل کا خیال تھا کہ زیادہ
پڑھنے سے آدمی پیغمبر ہو جاتا ہے اسی طرح آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ بس پانچ
وقت کی نماز پڑھ لینے سے آدمی جنید و شبلی ہو جاتا ہے پھر اُسے اور کسی کام کی
ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح ایک گنوار کے سر میں درد تھا۔ ایک دوسرے گنوار
نے کہا کہ آ میں تیرا سر جھاڑ دوں مجھے سر کے درد کی جھاڑ آتی ہے وہ سر کھول کے
اس کے آگے بیٹھ گیا تو آپ نے کُل بِاللّٰہِ ہڈ پڑھ کر اس کے سر کو جھاڑا یہ قُلْ
هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کو لگاڑا تھا) تو وہ دوسرا گنوار کہتا ہے جس کے سر میں درد تھا کہ
جا ساڑے کے ساڑے تو تو ہاچکج ہی ہو گیا (ساڑے کے ساڑے یہ غرابی ہے سالے
کی جو گالی کا لفظ ہے اور ہاچکج خرابی ہے حافظ کی) سو دیکھئے اس کے نزدیک
کُل بِاللّٰہِ ہڈ ہی سے آدمی حافظ ہو جاتا ہے جس میں پوری قُلْ هُوَ اللّٰہُ بھی
یاد ہونا شرط نہیں اور اس کا صحیح پڑھنا بھی شرط نہیں۔

حقیقت کمالات | یہی حال آج کل عام لوگوں کا ہو رہا ہے کہ اُن کے نزدیک

بنید و شبلی بننے کے لئے پانچ وقت کی نماز سے زیادہ اور کچھ ضرورت نہیں اور ان نمازوں
 کا اچھی طرح ادا کرنا بھی ضروری نہیں بس اُلٹی پٹی نماز پانچ وقت پڑھ لینا کافی ہے
 جیسا امک جلا ہے کا قصہ ہے کہ اُس کا لڑکا انگریزی پڑھتا تھا کسی نے پوچھا کہ تمہارا
 لڑکا انگریزی پڑھتا ہے اب کتنی لیاقت ہو گئی۔ کہنے لگا کہ کھڑا کھڑا تو موتنے
 لگا ہے اب ذرا سی کسر رہ گئی ہے۔ اُس کے نزدیک بس کھڑے ہو کر موتنے لگنا بڑی
 لیاقت تھی کہ اس کے بعد کامل لیاقت میں ذرا ہی سی کسر رہ جاتی ہے شاید وہ کسر
 ہو کہ کھڑا کھڑا گئے بھی لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اوجھا آدمی ذرا سی بات میں اترانے لگتا
 ہے کہ جو بات کسی درجہ میں بھی قابلِ فخر نہیں ہوتی وہ اسی پر ناز کرنے لگتا ہے اور یہ
 ساری خسرابی جہل کی ہے ان لوگوں کو اصلی کمالات کی خبر ہی نہیں اسی لئے ان کی
 نظر میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کمالات معلوم ہوتی ہیں۔ مولانا نے اسکی خوب مثال دی
 ہے کہ جیسے ایک مچھر ایک تنکے پر بیٹھا ہوا تھا اُس کے قریب بیل بندھا ہوا تھا،
 بیل نے جو پیشاب کیا تو وہ تنکا اس میں تیرنے لگا مچھر اپنے دل میں بڑا خوش ہوا کہ
 آج میں نے سمندر کے اندر کشتی پر سواری لے لی۔ وہ بیوقوف بیل کے پیشاب کو سمندر
 اور گھاس کے تنکے کو کشتی سمجھ گیا کیونکہ اُس نے اصلی سمندر کو دیکھا نہ تھا، یہی حال ہم
 لوگوں کا ہے کہ ہم نے اصل کمالات تو دیکھے نہیں ذرا ذرا سی باتوں کو کمالات سمجھنے لگے
 مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک بوڑھے میاں پڑھتے تھے اور قسمت سے بیٹے
 میاں بھی ابا جان کے ساتھ پڑھتے تھے باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی سبق میں شریک
 تھے مگر اُن کو عقل کم تھی سبق کے وقت میں بڑے اینڈرے بنڈرے سوالات کرتے مولانا
 بڑے میاں کے سوالات کا جواب کم دیتے تھے جماعت میں ایک ذہین نوجوان طالب علم
 بھی تھے مولانا اُن کے سوالات کے جوابات نہایت شوق سے دیتے تھے۔ ایک دن وہ
 بڑے میاں ان نوجوان طالب علم سے کہنے لگے کہ مولانا تمہارے سوالات کے جوابات خوب

دیتے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دیتے حالانکہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں اسکی کیا وجہ۔ وہ طالب علم منہنے لگے اور کہا کہ اسکی وجہ تم مولانا ہی سے پوچھو میں کیا بتلاؤں وہ انکو پکڑ کر مولانا کے پاس لے گئے اور پکڑ کر اسواسطے لے گئے تاکہ مولانا کے سامنے ان کی طرف اشارہ کر کے بتلا دیں کہ آپ انکے سوالات کے جواب کیوں دیتے ہیں جیسے ایک دہمی آدمی نے نیت اقتدار کرتے ہوئے امام کی کمر میں انگلی ماری تھی کہ نماز پڑھتا ہوں پیچھے اس امام کے اس بندہ خدا کو بدون انگلی لگائے تسلی نہ ہوتی تھی۔

حقیقتِ فاتحہ | اور جیسے فاتحہ دینے والے کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دیتے ہیں تاکہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کو ثواب دینے میں غلطی نہ ہو جائے کبھی ایسا نہ ہو کہ پلاؤ کی جگہ کسی دوسری چیز کا ثواب مردہ کو پہنچ جائے اس لئے وہ کھانا سامنے رکھ کر نام بنام ثواب بخشے ہیں۔ ایک گنوار نے مجھ سے پوچھا کہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا کیسا ہے میں نے کہا بدعت ہے کہنے لگا کہ اس میں کیا عرج ہے میں نے کہا کہ سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے آخر تم روپیہ اور کپڑا بھی تو اللہ کے نام پر دیا کرتے ہو کیا اس پر بھی فاتحہ دیا کرتے ہو، کہنے لگا جی نہیں میں نے کہا پھر کھانے پر فاتحہ دینے کی کیا ضرورت ہے جیسا روپیہ کپڑے کا، ثواب بدون فاتحہ کے پہنچ سکتا ہے اسی طرح کھانے کا ثواب بھی بدون فاتحہ کے پہنچ سکتا ہے۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔ بیچارہ تھا سمجھدار۔ فوراً سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ جی بات تو یہی ہے یہ سارے ڈھونگ ہیں، تم سچ کہتے ہو۔ بعضے گنوار بہت سمجھدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں اینچ منچ نہیں ہوتا سیدھی بات کو جلدی قبول کر لیتے ہیں مگر بعضے گنوار اکھڑ بھی ہوتے ہیں چنانچہ ایک گنوار نے فاتحہ کے ثبوت میں یہ دلیل بیان کی تھی کہ قرآن میں تو اس کے لئے ایک خاص سورت اتری ہے جس کا نام ہی سورۃ فاتحہ ہے۔ یوقوف بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ یہ دلیل کیسی ہوئی؟ کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم نے اس بدعت کو ایجاد کر کے اس کا نام سورۃ فاتحہ کے نام پر رکھ دیا ہو۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ

نزول قرآن کے وقت اس رسم کا کہیں پتہ بھی نہ تھا نہ اس طرح ثواب بخشے ہو کوئی فاتحہ کہتا تھا۔ تو بعضے گنوار ایسے کوڑمغز بھی ہوتے ہیں۔

حقیقت تکبر | غرض وہ بڑے میاں اُن طالب علم کو پکڑ کر مولانا قدس سرہ کے پاس لائے اور کہا کہ حضرت اسکی کیا وجہ کہ آپ انکے سوالات

کا تو جواب دیتے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دیتے حالانکہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں مولانا رحمۃ اللہ کے جوابات بہت مختصر اور چھتے ہوئے ہوا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وجہ تو تم نے خود بیان کر دی۔ بس یہی تو وجہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہو، ہائے یہ تکبر بڑا سدا راہ ہے یہ کمبخت انسان کو تمام فیوض و برکات سے محروم کر دیتا ہے۔ یہی تو وہ بلب ہے جس سے شیطان مردود ہوا۔ صاحبو! ہمارے اندر یہ تکبر گھسا ہوا ہے اسی واسطے ہم کمال دین سے محروم ہیں۔ اسی کا ایک اثر یہ ہے کہ ہم نے جہاں تھوڑا سا کام کر لیا۔ — پانچ وقت کی نماز پڑھ لی اور اپنے آپ کو کچھ سے کچھ سمجھنے لگے۔ عورتوں میں بھی یہ مرض بہت ہے، اول تو ان میں دیندار بہت ہی کم ہیں اور جو دو چار دیندار ہیں بھی وہ اپنے آپ کو نہ معلوم کیا سمجھتی ہیں جس کا منشا یہ ہے کہ عورتیں کم حوصلہ ہوتی ہیں اور ذرا سی بات میں تکبر اور بڑائی کرنا کم حوصلہ آدمی کا کام ہے۔ ایک عورت بڑی نمازن تھی اتفاق سے اُس کی شادی کسی ڈاڑھی منڈے بے نمازی سے ہو گئی تو وہ کیا کہتی ہے کہ اللہ رے تیری شان ایسی پارسا ایسے بے دین سے بیاہی گئی۔ گویا نعوذ باللہ اے خدا پر بھی اعتراض تھا کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کچھ ضابطہ نہیں ہے جوڑ بیجوڑ کچھ نہیں دیکھتے استغفر اللہ ارے تم کو کیا خبر ہے کہ خاتمہ کس کا اچھا ہو؟ خدا تعالیٰ کس کو بخشے کس کو جہنم میں بھیج دے کیا تعجب ہے کہ خدا اُس بے نمازی کو کسی ادا پر بخش دے اور تم کو اس تکبر کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دے، اول تو خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ دوسرے جن اعمال پر تم کو ناز ہے کیا خبر ہے وہ قبول بھی

ہوتے ہیں یا نہیں گو اُمید تو یہی رکھنی چاہیے کہ قبول ہوتے ہیں مگر کوئی وحی بھی نہیں آگئی اس لئے ڈرتے بھی رہنا چاہیے اور کبھی اپنے اعمال پر ناز نہ کرنا چاہیے نہ دوسروں کو حقیر سمجھنا چاہیے کہ اس سے اندیشہ ہے خبطِ نورِ اعمال کا۔

حقیقتِ نسبت | اسی طرح بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا اُنکے قلب میں حرارت پیدا ہوئی اور وہ سمجھنے لگے کہ میں صاحبِ نسبت

ہو گیا۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی (شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے والد بزرگ) کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا دل جاری ہو گیا۔ شاہ صاحب منسنے لگے فرمایا کہ لوگوں کو کبھی حرارت ذکر سے خفقان (اختلاجِ قلب) ہو جاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ذکر جاری ہو گیا۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ قلب جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو حرکت کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دیتی ہو یا د رکھو یہ اختلاجِ قلب ہے جو کہ سخت مرض ہے اس کا نام دل کا جاری ہونا نہیں ہے مکہ معظمہ سے جب ہم غارِ ثور پر گئے اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا تو سب لوگوں کے سانس پھول گئے اسوقت بے تکلف دل کی حرکت صاف محسوس ہوتی تھی اور کھٹ کھٹ کی آواز آرہی تھی میں نے ساتھیوں سے کہا کہ لو آج سب کے دل جاری ہو گئے، سب صاحبِ نسبت ہو گئے۔ اگر یہی نسبت ہے تو بس روزانہ ایک میل دوڑ لیا کرو دل جاری ہو جایا کرے گا یہ محض غلط خیال ہے ذکر جاری ہونے کے لئے آواز اور کھٹکا کچھ ضروری نہیں بلکہ ذکر جاری ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سالک کو اکثر اوقات حق تعالیٰ سے ذہول و غفلت نہ ہوتی ہو زیادہ اوقات میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ دے رہے اسی کا نام مکہ یادداشت ہے لیکن یہ بھی نسبتِ مطلوبہ نہیں ہے۔ بعض لوگ مکہ یادداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں یہ بھی غلطی ہے اور اس سے ایک بڑا دھوکہ سالکین کو پیش آتا ہے وہ یہ کہ صوفیہ کرام نے فرمایا ہے کہ معصیت سے نسبت

سلب ہو جاتی ہے اور ملکہ یادداشت معصیت سے زائل ہوتا نہیں تو جو شخص اسی کو نسبت سمجھتا ہے وہ ائمہ فن کے خلاف یہ سمجھنے لگتا ہے کہ معاصی مجھ کو مضر نہیں بعض تو معاصی کو حلال سمجھنے لگتے ہیں وہ تو زندقہ ہیں بعض حلال تو نہیں سمجھتے مگر یوں خیال کر لیتے ہیں کہ ہم کو نسبت حاصل ہو گئی ہے جس سے ہر وقت ہم ذکر میں رہتے ہیں اور ذکرِ حسنہ ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کہ حسنات سیئات کو زائل کرتی رہتی ہیں۔ پس یہ نسبت ایسا حسنہ ہے جس سے تمام گناہ دھلتے رہتے ہیں اور کوئی گناہ ہم کو مضر نہیں ہوتا وہ نسبت سب گناہوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہے یہ بڑی گمراہی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ ان لوگوں نے ملکہ یادداشت کو جو کہ مشقِ ذکر سے پیدا ہو جاتا ہے نسبت مقصودہ سمجھ رکھا ہے خوب سمجھ لو کہ نسبت اس کا نام نہیں ہے نسبت مقصودہ کے لئے گناہ اور معصیت کے لئے سخت مضر بلکہ ہم قاتل ہے۔ نسبت کی حقیقت و احکام کی تفصیل زیادہ ہے (جس کو میں کسی قدر پر سوں کے وعظ میں بیان کر چکا ہوں) مگر اجمالاً ایک حکایت سے اسکی حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔ وہ حکایت یہ کہ ایک طالب علم سے اُن کے کسی مہمان نے پوچھا تھا کہ میاں آج کل کیا شغل ہے کہنے لگے کہ شاہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں اس نے پوچھا کہ پھر کچھ سامان کر لیا ہے کہنے لگے کہ آدھا سامان تو ہو گیا آدھا باقی ہے اُس نے کہا یہ کیونکر کہا میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اور نکاح طرفین کی رضا سے ہوتا ہے لہذا ایک راضی ہونا آدھا نکاح ہے تو جو لوگ ملکہ یادداشت حاصل کر کے معاصی سے اجتناب نہیں کرتے اور اپنے کو صاحبِ نسبت سمجھتے ہیں اُنکی نسبت ایسی ہی ہے جیسے اس طالب علم کا آدھا نکاح کہ یہ لوگ تو خدا تعالیٰ سے یادداشت کا تعلق رکھتے ہیں مگر خدا کو اُن سے کچھ علاقہ نہیں۔ یاد رکھو نسبت اس تعلق کو کہتے ہیں جو طرفین سے ہو یعنی بندہ کو خدا سے تعلق ہو اور خدا کو بندہ سے تعلق ہو اور نصوص سے یہ

اُڑ جاتی ہے کبھی اتنے اہستہ کہ اُس کو ہوا بھی نہ لگے آقا کو ایسا پنکھا جھلنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مگر وہ خوش اخلاقی کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا تو اگر وہ نوکر ایسی خدمت کر کے ناز کرے کہ میں نے آج دو گھنٹہ آقا کی خدمت کی تو اس کا یہ ناز بجا ہے یا بیجا۔ یقیناً ہر شخص اس کو احمق بتائے گا کہ تو ناز کس بات پر کرتا ہے جتنی دیر تو نے خدمت کی ہے آقا کو تکلیف پہنچانی ہے تو اسی کو غنیمت سمجھ کہ اُس نے تجھ کو سزا نہیں دی نہ کہ تجھ کو اُلٹا ناز کرتا اور اپنے کو انعام کا مستحق سمجھتا ہے۔ صاحبو! یہی حالت ہماری طاعات کی ہے کہ حق تعالیٰ ان طاعات پر ہم سے مواخذہ ہی نہ فرمائیں تو بسا غنیمت ہے یہ اُلٹا ناز کیسا؟ آخر کیا ہم کو اپنی طاعت کی حقیقت معلوم نہیں کہ ہم انکو کس طرح بے سرو پا ادا کرتے ہیں۔ مولانا نے مشنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے گیا تھا راستہ میں سوچنے لگا کہ میں تو بہرہ ہوں مجھے دوسرے کی خصوص ضعیف ملخص کی بات سنائی نہ دے گی۔ اس لئے ابھی سے حساب لگا لینا چاہیے کہ میں جا کر پہلے کیا کہوں گا وہ اُس کا کیا جواب دے گا پھر مجھ کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہیے چنانچہ اس نے حساب لگایا کہ پہلے میں اُس سے پوچھوں گا کہ مزاج کیسا ہے؟ وہ کہے گا شکر ہے پہلے سے افاقہ ہے میں کہوں گا الحمد للہ حق تعالیٰ اور زیادہ کرے پھر میں کہوں گا کہ معالجہ کون سے طبیب کا ہے وہ کہے گا فلاں حکیم صاحب کا۔ میں کہوں گا سبحان اللہ بہت ہی لائق طبیب ہیں بڑی شفقت فرماتے ہیں اُن کا علاج ترک نہ کرنا چاہیے۔ پھر پوچھوں گا کون سی دوا استعمال میں ہے وہ کسی دوا کا نام لے گا میں کہوں گا خدا اُسکو آپ کی رگ دیے میں پیوستہ کرے اور خوشگوار فرمائے۔ یہ حساب لگا کر وہ پہنچے بیمار نے جو بہرہ کی صورت دیکھی گھبرا گیا کہ یہ کبھت کہاں سے آگیا اب یہ میرا دماغ کھانے کا اپنی سب کچھ کہہ لیگا میری بات سننے کا نہیں۔ اب بہرہ میاں آگے بڑھے اور مزاج پوچھا کہ اب طبیعت کیسی ہے بیمار نے جھٹلا کر کہا حال کیا ہوتا مر رہا ہوں، اپنے کہا الحمد للہ خدا اور زیادہ

بات معلوم ہو چکی ہے کہ عاصی سے خدا کو رضا کا تعلق نہیں ہوتا لہذا معصیت کے ساتھ نسبت مطلوبہ کبھی جمع نہیں ہو سکتی مگر افسوس ہے کہ لوگ اس غلطی میں بہت مبتلا ہیں کہ وہ مکہ یا دداشت ہی کو نسبت سمجھتے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے کہ جہاں ذرا نماز پڑھنے لگیں اپنے آپ کو رابعہ سمجھنے لگیں۔ اوجھے آدمی بہت جلدی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں مثل مشہور ہے۔ الحائد اذا صلی یومئین انتظیر التوحی۔ جلا با دو دن نماز پڑھ کر تیسرے دن وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں مگر ان کو یہ خبر نہیں کہ ہم دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں ان لوگوں کو امام غزالی کی احیاء میں کتاب الغرور دیکھنی چاہیئے (غرور یعنی تکبر نہیں یہ اردو کا محاورہ ہے عربی میں غرور کے معنی دھوکے کے ہیں حق تعالیٰ فرماتے وغر کہ باللہ العز وریہاں دھوکہ میں ڈالنا ہی مراد ہے یہ وہ کتاب ہے جس نے امام غزالیؒ پر کفر کے فتوے لگوائے کیونکہ اسمیں انہوں نے ہر فرقہ کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور ان دھوکوں پر متنبہ کیا ہے جن میں وہ مبتلا ہیں تو چونکہ اس سے دنیا بھر کے اترے پترے کھلتے تھے اس لئے سب لوگ ان کے درپے ہو گئے پھر کافر بنانے کو موقع مل ہی جاتا ہے ے

چشم بد اندیش کہ بر کند باد عیب نماید ہمزش در نظر
جب آدمی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو اس کو کمالات بھی عیوب نظر آتے ہیں۔ وہ کتاب دعوے پست کرنے والی ہے جو لوگ اپنے کمالات کے معتقد ہیں اس کو دیکھیں پھر غور کریں کہ وہ کس دھوکہ میں مبتلا تھے۔

بعض لوگ اپنے اعمال پر ناز کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم
عمل و ناز خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ مگر ہماری طاعات کی ایسی مثال ہے
جیسے بعض دفعہ نوکر آقا کو نیکھا جھلتا ہے کبھی اتنے زور سے کہ ٹوپی بھی اس کے سر سے

کرے، بیمار اور بھی جھٹا گیا پھر پوچھا کہ کون سے حکیم صاحب کا علاج ہے اُس نے کہا ملک الموت علیہ السلام کا۔ آپ نے کہا، سبحان اللہ بڑے ہی لائق طبیب ہیں اُن کا علاج کبھی نہ چھوڑیے، ماشاء اللہ بڑے ہی شفیق ہیں اللہ تعالیٰ اُن کا قدم مبارک فرمادے، پھر پوچھا کہ آجکل کو لسی دوا استعمال میں ہے اُس نے کہا زہر پی رہا ہوں آپ بولے ماشاء اللہ انگلیں ہے خدا اُس کو آپ کی رگ رگ میں پیوستہ کرے اور خوشگوار فرمائے۔ تو اب آپ غور کیجئے کہ ایسی عبادت سے کیا کسی کا جی خوش ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر وہ بہرہ اپنے دل میں خوش تھا کہ میں نے اپنے دوست کا حق ادا کر دیا اُسکی عبادت کر لی اور اُس کا جی خوش کر دیا۔ ڈے پتھر جی خوش کر دیا وہ تو اُسکی جان کو کوستا ہو گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسی ہی عبادت کرتے ہیں جیسی اس شخص نے عبادت کی تھی اور اُن کا اپنی عبادت پر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسا وہ بہرہ اپنی عبادت پر خوش تھا۔

صاحبو! یہ حال ہے ہماری اُن عبادات کا جن پر ہم ناز کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ عبادت ٹوٹی پھوٹی ہم

نتیجہ عبادت ناقص

کر رہے ہیں اُسکو بھی چھوڑ دیا جائے۔ بعضنے ایسے احمق بھی ہیں جو یہی مطلب سمجھے ہوں گے کہ جب ہماری عبادت کسی کام کی نہیں تو پھر کیوں سر مارا۔ ارے وہ ایسے کریم ہیں کہ اکثر تو ٹوٹی پھوٹی عبادت کو بھی قبول کر لیتے ہیں نقل کو اصل کی جگہ کر دیتے ہیں جیسا اپنے دیکھا ہو گا کہ بعضنے کاریگر مٹی کا خر بوزہ بنا کر روسا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ اُن کو انعام دیدیتے ہیں حالانکہ اسمیں سوامٹی کے اور کچھ نہیں ہوتا مگر چونکہ خر بوزہ کی شکل ہوتی ہے اس لئے وہ اُسکی وہی قدر کرتے ہیں جو اصلی خر بوزہ کی کرتے ہیں بلکہ اصلی خر بوزہ سے بھی بعض دفعہ زیادہ قیمت دے دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ نقل پوری ہو۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں تو نقل بھی صحیح نہیں ہوتی۔ اب یہ کیا نماز ہے کہ قیام میں ہاتھ زانوں پر پڑے ہوئے ہیں ہاتھ بھی ڈھنگ سے نہیں باندھے جاتے،

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی کچھ بھی عظمت دل میں نہیں، عورتیں الحمد کو الہمد پڑھتی ہیں الفاظ بھی درست نہیں، خشوع خضوع کا تو کیا ذکر، یاد رکھو! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے کم از کم جتنا قرآن نماز میں پڑھو اس کو تو ضرور صحیح کر لو اس کی کوشش کرنا ہر ایک کے ذمہ واجب ہے کوشش کے بعد بھی درست نہ ہو تو معذور ہے تو دیکھتے ہم تو نماز کی نقل بھی صحیح طور پر نہیں کرتے باقی اُمید تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس مکر وہ نماز کو بھی قبول فرمالتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ مہمل ہیں ان کے پاس ہے ہی کیا۔ اس مہمل نماز کو بھی رد کر دیا جائے تو یہ بالکل ہی محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے اکثر تو وہ ہماری بے ڈھنگی طاعات کو بھی قبول ہی فرمالتے ہیں۔ حاجی صاحب ارشاد ہے کہ بھائی جس عبادت کے بعد پھر اس کی توفیق دوبارہ ہو جاوے تو یہ اس کے قبول ہونے کی علامت ہے اگر پہلی عبادت قبول نہ ہوئی ہوتی تو دوبارہ اس کی توفیق نہ ہوتی کیونکہ بادشاہ کو جس شخص کا اپنے دربار میں آنا ناگوار ہوتا ہے تو ایک بار کے بعد دوبارہ اس کو اپنے دربار میں گھسنے نہیں دیا کرتا۔ یہ دلیل اُمید کے واسطے بہت ہے گو قطعی دلیل نہیں ہاں اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ رَیِّیُّ کو اس کی ساتھ بلا لو تو پھر کافی ہے۔

طریق معمول دینِ کامل | غرض میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر اس وقت تم کو کامل عبادت کی توفیق نہیں تو ناقص کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پر بس نہ کرو بلکہ اسکی تکمیل کی کوشش کرو۔ دین کا طریقہ معلوم نہ کرو اور دین میں کامل بننے کی سعی کرو جس کا طریقہ کتبِ دینیہ کا پڑھنا سُننا ہے خصوصاً عورتوں کے لئے تو یہی ایک طریقہ ہے کیونکہ ان کو علماء سے ملنے اور ان سے مسائل دریافت کرنے اور ان کے مواعظ و بیانات سُننے کا موقع ہی نہیں ملتا لہذا ان کو کتبِ دینیہ کے پڑھنے اور سُننے کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے مگر افسوس یہ ہے کہ اول تو عورتیں پڑھتی ہی نہیں ہیں اور جو لکھنا پڑھنا جانتی ہیں وہ دین کی کتابیں نہیں دیکھتیں۔ اب

ان کے پڑھنے کی کیا کتابیں رہ گئی ہیں۔ ساپن نامہ، معجزہ آل بنی حبس میں حضرت علی کا ایک جھوٹا قصہ ہے۔ اور وفات نامہ جس میں غلط روایات ہیں اور ہر فی نامہ یہ قصہ صحیح ہے مگر اس سے بھی کچھ احکام معلوم نہیں ہوتے اور منظوم تفسیر سورۃ یوسف اس میں بھی بعض روایات صحیح نہیں پھر اس میں زلیخا کے عشق کو بہت صاف صاف بیان کیا گیا ہے جس کا اثر اخلاق پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ بس یہ ہے عورتوں کی انتہائی تعلیم جس نے یہ کتابیں پڑھ لیں وہ گویا سب سے زیادہ پڑھی ہوئی ہے۔

حقیقت و عظم | جیسے سہارنپور میں ایک جاہل آیا تھا اس نے یہی کتابیں پڑھی تھیں اور اُس کو ناز تھا کہ میں بھی عالم ہوں چنانچہ جمعہ کی نماز کے بعد اُس نے خود ہی اعلان کیا بھائیو! اُواج (دعظ) ہوگی آپ کی لیاقت کا حال تو لوگوں کو ان دو لفظوں ہی سے معلوم ہو گیا مگر تماشا دیکھنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے کہ دیکھیں بھائی اُواج کیسی ہوتی ہے دعظ تو بہت سُنے مگر اُواج کبھی نہ سُنی تھی تھوڑی دیر میں واعظ صاحب ممبر پر پہنچے اور تین مرتبہ ییشن ییشن ییشن نے پڑھ کر اُس کی تفسیر بیان کی اے محمد اے محمد اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں تجھے نہ پیدا کرتا تو نہ عرش کو پیدا کرتا نہ کرسی کو نہ آسمان کو نہ زمین کو۔ بھائیو! ادھی اُواج آج ہو گئی ادھی کل کو ہو گئی۔ ہاے تھکے ہیں خسرچ پاس نہیں ہے کچھ ہماری امداد کرو۔ بس وعظ ختم ہوا۔ اول تو احمق نے ییشن کو شین سے پڑھا پھر اسکی تفسیر کیسی خوبصورت کی۔ اُس مجمع میں ایک نابینا عالم بھی جن کا نام مولانا سعید الدین صاحب تھا موجود تھے اور لوگ انکے علم و فضل کے معتقد تھے انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ ذرا ان مولانا کو میرے پاس لانا چنانچہ لایا گیا اپنے فرمایا کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو (کہیں بھاگ نہ جائیں) غرض اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے دریافت فرمایا کہ مولانا آپکی تحصیل کہاں تک ہے تو وہ واعظ صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری تحصیل ہاپور۔ مولانا سعید الدین صاحب سمجھ

گئے کہ بیچارہ بالکل ہی جاہل ہے اسکو تحصیل کے معنی بھی معلوم نہیں، پھر اپنے اردو الفاظ میں کہا کہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے کہنے لگا کہ ہم نے پڑھا ہے ہرئی نامہ، وفات نامہ، معجزہ آل نبی، ساین نامہ — اور تو کیا جانے اندھے، مولانا سعید الدین صاحب نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو، جانے دو، بیچارہ معذور ہے تو جیسے اس جاہل کو ان کتابوں کے پڑھنے پر ناز تھا اُس نے ایک فاضل شخص کو بھی منہ نہ لگایا اور صاف کہہ دیا کہ تو کیا جانے اندھے۔ اسی طرح آج کل جو عورتیں یہ کتابیں پڑھ لیتی ہیں وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگتی ہیں کہ بس اب ہم سے زیادہ پڑھا ہوا کون ہوگا پھر غصبت ہے کہ عورتیں چونکہ عموماً ان پڑھ ہیں اس لئے ان میں سے جو کچھ پڑھ لیتی ہیں اُن کی قدر خوب ہونے لگتی ہے کیونکہ دوسری عورتیں اتنا بھی پڑھنا نہیں جانتیں جب اُنکی قدر ہونے لگی تو اب اُنکو آگے بڑھنے کی کیا ضرورت رہی۔ گنگوہ میں ایک جاہل داعظ آیا تھا جو جہنم کو جہنم کہتا تھا، اُس کے دغظ عورتوں میں ہوا کرتے تھے اور عورتیں اسکی بہت معتقد تھیں بلکہ بعضے مرد بھی معتقد تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ ایسا بڑا عالم ہے کہ مولوی رسید کو تو بارہ برس پڑھاوے میں نے کہا واقعی مولانا رشید احمد صاحب کو تو بارہ برس میں بھی یہ علوم نہ حاصل ہوں گے بارہ برس کیا وہ تو ساری عمر میں بھی جہنم کو جہنم نہ کہہ سکیں گے

نصابِ تعلیم نسواں | تو یہ عورتیں ہر ایک کی بہت جلد معتقد ہو جاتی ہیں چاہے
اُس نے الف بے تے ہی پڑھی ہو اور یہ سب جہل کی
خسرابی ہے جو انہیں پڑھی لکھی کہلاتی ہیں وہ بھی جاہل ہی ہیں کیونکہ اُن کے درس
میں ایسے ایسے فضول قصے رہ گئے ہیں جن سے احکام کا علم بالکل نہیں ہوتا۔ آج کل
ایک مناجات پڑھی جاتی ہے جس کو عورتیں اور مرد بڑے شوق سے سنتے ہیں جس

میں ہر ڈو شعر کے بعد یہ مصرع پڑھا جاتا ہے۔ "مری بار کیوں دیر اتنی کمری"۔ اس کا
مضمون بالکل خلافِ شرع ہے مگر جہل ایسا عام ہوا ہے کہ کسی کو بھی ادھر التفات نہیں
ہوتا اس نظم میں اول تو خدا تعالیٰ کی شکایت ہے کہ سب کو تو یہ یہ نعمتیں دے دیں
اور میری بار کیوں دیر کر رکھی ہے اس میں علاوہ شکایت کے حق تعالیٰ کی طرف لغو ذالہ
نظم کی بھی نسبت ہے کہ عجب کارخانہ ہے جس میں کچھ ضابطہ ہی نہیں کہ ایک بندے
کو سب کچھ دیدیا اور مجھے مال رکھا ہے اب تک میرا مقصود پورا نہیں ہوتا نیز اس
میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی مساوات کا بھی دعویٰ ہے اور ان پر حسد بھی ہے
کیونکہ اس میں تمام انبیاء مشہورین کا ذکر کیا گیا ہے کہ آدم کو یہ دیا اور نوح کو دی پنجمی
اور سلیمان علیہم السلام کو دی سروری اور ہر اک کے بعد یہ مصرع بھی کہ مری بار کیوں
دیر اتنی کمری۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ شاعر کو ان حضرات پر حسد ہے کہ انکو تو سب
کچھ مل گیا اور مجھے کچھ بھی نہ ملا مری بار میں دیر ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ناظم کی
نیت بھی یہی تھی مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ مطلب ان اشعار کا مدلول ضرور ہے اور
قاعدہ ہے کہ جس بات میں ایہام خلاف بھی ہو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ آخر
حق تعالیٰ نے صحابہ کو سزا عطا کہنے سے کیوں منع فرمایا کیا معاذ اللہ صحابہ کرام کے ذہن
میں اس کے معنی کچھ بُرے تھے ہرگز نہیں بلکہ محض اس لئے کہ یہ لفظ مؤہم ہوتا ہے بُرے
معنی کا قصد کر کے استعمال کریں اس قاعدہ کے تحت میں یہ نظم بھی داخل ہے گو
قابل کا قصد بُرا نہ ہو۔ پس اس کا پڑھنا اور سُنا اور پڑھنا سب ناجائز ہے۔ پس
یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ عورتوں کے نصابِ تعلیم میں تمام فضول اور غرافات
قصے ہی رہ گئے اور یہاں تک بھی بس تھی۔

اب تو غضب یہ ہے کہ عورتیں ناول پڑھتی ہیں جس سے
مذمتِ ناول | اخلاق بہت ہی خراب ہو جاتے ہیں۔ ان ناولوں کی بدولت

شرفاء کے گھروں میں بھی بڑے بڑے واقعات شرمناک وقوع میں آچکے ہیں مگر اب بھی اُن کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان ناولوں سے تو وہ پرانی کتابیں قصہ گل بکاؤلی و چہار درویش و طلسم ہو شر با ہی غنیمت ہیں۔ اگرچہ میں انکے دیکھنے سے بھی عورتوں کو سختی کے ساتھ منع کرتا ہوں مگر واللہ ان ناولوں سے وہ ہزار درجہ بہتر ہیں۔ انکے برابر وہ اخلاق کو خراب نہیں کرتیں قصے گو اُن میں بھی خرافات ہی ہیں مگر تدابیر اخلاق و حیلہائے وصول الی المقصود اُن میں ایسے بتلائے ہیں جو نہایت متعذر الحصول اور دشوار ہیں۔ مثلاً شاہزادہ کا گل بکاؤلی کے باغ میں پہنچا کیسے ہوا کہ راستہ میں ایک دیو ملا اس کو اُس نے ماموں بنایا اُسے اسپر رجم آیا اور اُس نے باغ میں پہنچا دیا۔ اسی طرح چہار درویش کے قصے میں بھی تمام صورتیں حصول مقصود کی ایسی ہیں جو انسان کے قبضہ کی نہیں ہیں خدا ہی چاہے تو اُن طریقوں سے مقصود میسر آسکتا ہے اور ان کمبخت ناولوں میں تو ایسی ہل سہل ترکیبیں لکھی ہیں جن سے ہر شخص کام لے سکتا ہے مثلاً یہ کہ عاشق نے کسی نین کو یا جلا ہی کو لالچ دلایا کہ میں تجھ کو اتنے روپے دوں گا تو فلاں لڑکی سے مجھ کو ملا دے۔ اب یہ ترکیب ایسی آسان ہے کہ جس کے پاس روپیہ ہو وہ اس سے ہسانی کام لگا سکتا ہے کیونکہ ایسی عورتیں بہت جلد لالچ میں آجاتی ہیں نہ انہیں دین ہے نہ حیا نہ کسی کی آبرو کا ان کو خیال ان کے ذریعہ سے گھروں میں کچھ سے کچھ واقعات ہو جانا بڑی بات نہیں۔ اس لئے میں ان ناولوں کو گل بکاؤلی وغیرہ سے بھی بدتر جانتا ہوں۔

صاحبو! خدا کے واسطے اپنی عورتوں کو ان ناپاک کتابوں سے بچاؤ اور ناول کو ہرگز اپنے گھر میں نہ گھسنے دو، اگر کہیں نظر

فرائض مرد

بھی پڑ جائے تو فوراً جلا دو، اور عورتوں کے پاس ایسی کتابیں پہنچاؤ جن میں دین کے پورے احکام سے کافی بحث ہو۔ عقائد کا بھی مختصر بیان ہو۔ وضو اور پاکی ناپاکی کے بھی مسائل ہوں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، بیع و شرا کے بھی مسائل ہوں اصلاح

اخلاق کا طریقہ بھی مذکور ہو۔ آداب اور سلیقہ کی باتیں بھی بیان کی گئی ہوں یہ بات مردوں کے ذمہ ہے اگر وہ اسمیں کوتاہی کریں گے اُن سے بھی مواخذہ ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا** طے اے مسلمانو! اپنی جانوں کو بھی جہنم سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ اگر کوئی مرد خود متقی بن جائے اور اپنے گھر والوں کے دین کی خبر نہ لے تو خدا تعالیٰ اسکی عورتوں کے ساتھ اُس کو بھی جہنم میں بھیج دیں گے۔ تنہا اُس کا متقی بن جانا قیامت میں عذابِ نجات کے لئے کافی نہ ہوگا پس مردوں کا کام یہ ہے کہ عورتوں کے پاس ایسی کتابیں پہنچائیں اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ۔۔۔۔۔ وہ اپنے مردوں سے یہ کتابیں پڑھیں اور اُن پر عمل کریں خود بھی دیکھیں اور اپنی لڑکیوں کو بھی پڑھائیں اور جو اُن پڑھ عورتیں ہیں اُن کو بھی احکام سنائیں اور ہمت کر کے اُن پر عمل کرنے کا اہتمام کریں۔ انشاء اللہ دین بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔

اجمالاً میں نے دین کامل کرنے کا طریقہ بتلادیا اب
کوتاہی نماز نسواں | مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں رہی لیکن جس طرح بعض

ضروری فروع پر مردوں کے وعظ میں تبنیہ کی گئی تھی اسی طرح بعض فروع یہاں بھی بیان کرتا ہوں جن میں اکثر عورتیں کوتاہی کرتی ہیں تاکہ ان پر قیاس کر کے وہ دوسرے اجزاء دین سے بھی غفلت نہ کریں کیونکہ اسوقت میں اُن فروع کا ذکر کروں گا جو بہت ظاہر ہیں جب ان میں بھی کوتاہیاں کی جاتی ہیں تو دوسرے فروع کا کیا حال ہوگا۔ اس کو خود سمجھ لینا چاہیے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نماز کا بیان شروع کرتا ہوں جس کا فرض ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عورتیں نمازی بہت کم ہیں حالانکہ قرآن کی ایک آیت میں نماز ترک کرنے کو شرک میں داخل کیا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں :-
مَنْ لَبِسَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ
 ترجمہ :- یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت بنو۔ اس سے معلوم ہوا

کہ نماز نہ پڑھنا مشرک بننا ہے اور حدیث میں تو یہ مضمون بہت صاف ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ
مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جس نے نماز کو قصداً ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔ گو جمہور علماء نے ان
آیات و احادیث میں تاویل کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ نماز کا چھوڑنا کافروں کا سا کام کرنا ہے
مگر صاحبو! اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ظاہر الفاظ میں ایسے شخص کو کافر
کہہ دیا ہے گو علماء تاویل کرتے ہیں میرا مطلب نہیں کہ یہ تاویل غلط ہے لیکن ہم کو اس
تاویل کے بھروسہ پر مفکر نہ ہونا چاہئے کیونکہ خدا و رسول جس بات کو کفر فرماتے ہیں۔
اگر وہ واقع میں کفر بھی نہیں تو یقیناً کفر سے بہت قریب ہے۔ اور کفر کا انجام جو کچھ ہے
سب کو معلوم ہے کہ ابد الابد کے لئے جہنم کی سزا ہے تو جو کام اُس سے قریب کر نیوالا
ہو مسلمان کو اُس سے کوسوں دور بھاگنا چاہئے۔ بعض عورتیں نماز پڑھتی ہیں مگر افسوس یہ
ہے کہ وہ رکوع و سجدے ٹھیک نہیں کرتیں بڑی جلدی کرتی ہیں۔ حالانکہ تعدیل ارکان واجب
ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک فرض ہے۔ تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ہر رکن
کو اطمینان و سکون کیساتھ ادا کیا جاوے۔ مثلاً رکوع کے بعد سر اٹھا کر تھوڑی دیر سیدھا کھڑا
ہو جانا چاہئے اور سمیع اللہ لمن حمدہ و بئالک الحمد سیدھا کھڑا ہو کر کہے
اس کے بعد اطمینان سے سجدہ میں جاوے۔ اس کو قومہ کہتے ہیں۔ عورتیں قومہ بالکل نہیں
کرتیں اور بعض مرد بھی نہیں کرتے بس رکوع سے فارغ ہو کر ذرا اشارہ
کر کے فوراً سجدے میں چلے جاتے ہیں اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ رکوع کے بعد سیدھا
کھڑا ہو جانا ضروری ہے۔ اسی طرح اکثر عورتیں دونوں سجدوں کے بیچ میں جلسہ نہیں کرتیں
بس ایک سجدہ کر کے ذرا سامر کا اشارہ کر کے فوراً دوسرا سجدہ کر دیتی ہیں اس طرح بھی
نماز نہیں ہوتی اس کا خوب خیال رکھو اور قومہ و جلسہ اطمینان سے ادا کرو۔ بعض عورتیں
قرآن غلط پڑھتی ہیں اس کا اہتمام بھی ضروری ہے بعض دفعہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جس سے
نماز ٹوٹ جاتی ہے چند سورتیں نماز کے لئے کم از کم ضرور صحیح کر لو۔ بعض عورتیں نماز

وقت سے ٹال دیتی ہیں۔ نماز کا وقت آگیا اور بیٹھی باتیں بنا رہی ہیں جب وقت قریب الختم ہوتا ہے اس وقت پیشاب بیخاندہ کے لئے لوٹا ہاتھ میں لیا جاتا ہے حتیٰ کہ اُن مقدمات ہی میں وقت نکل جاتا ہے۔ یاد رکھو بدوُن کسی عذر کے نماز کا وقت سے ٹالنا سخت گناہ ہے (عورتوں کو سب نمازیں اول وقت میں پڑھنی چاہئیں، ان کے لئے یہی افضل ہے ۱۲ جامع) بعض دفعہ ایام سے پاک ہونے کے بعد جلدی نماز شروع نہیں کرتیں دو تین وقت ٹال دیتی ہیں کہ کل کو سر دھو کر بال درست کر کے ہٹا دیں گے پھر نماز شروع کریں گے۔ اس کا یہ حکم ہے کہ اگر تین دن پورے ہونے سے پہلے پاک ہو جائے تب تو آخر وقت مستحب تک انتظار کرنا واجب ہے اگر آخر وقت تک پاک ہی رہی تو غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہے۔ اور اگر تین دن کے بعد مگر عادت سے پہلے پاک ہوئی تو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے پھر غسل کر کے نماز پڑھنا واجب ہے غرض پاکی نظر کرنے کے بعد ایک وقت کی نماز قضا کرنا بھی جائز نہیں اور یہی حکم روزہ کا ہے خوب سمجھ لو، (عورتوں کو اپنے ایام عادت کا یاد رکھنا واجب ہے اس میں غفلت جائز نہیں ایام عادت کے بھول جائیسے بڑی پریشانی ہوگی اور اس کے لئے مسئلہ بہت پیچ در پیچ ہو جائے گا جب کوئی عورت کسی معمول سے پاک ہو فوراً اُن کے دن لکھ لیوے یا اچھی طرح یاد کر لیوے ۱۲ جامع) پاکی نا پاکی کے مسائل معلوم کرنا بھی عورتوں کے ذمہ لازم ہے بقدر ضرورت بہشتی زیور میں اس کے مسائل موجود ہیں کسی سمجھدار عورت یا اپنے شوہر سے سمجھ کر پڑھ لیں بعض عورتیں اگر خود نماز کی پابندی کرتی ہیں تو وہ اپنے بچوں اور ماماؤں کو نماز کے واسطے نہیں کہتیں۔ بچوں کی پرورش زیادہ تر ماؤں کی آغوش میں ہوتی ہے لہذا اُن کو اخلاق حسنہ سکھانا اور نماز وغیرہ کی تعلیم دینا عورتوں کے ذمہ ہے اسمیں ہرگز غفلت نہ کریں جب بچہ سات برس کا ہو جائے اُس وقت سے نماز کی تاکید شروع کریں اور جب دس سال کا ہو جائے تو مار پیٹ کر نماز پڑھاویں۔ اظہار نے لکھا

ہے کہ اخلاقِ حسنہ و اعمالِ صالحہ کا اثر صحت پر بھی اچھا ہوتا ہے جس پتے کو نیک کاموں کی عادت ہوگی اس کی صحت بھی عمدہ ہوگی عورتوں کو بچوں کی صحت کا بہت خیال ہوتا ہے اس لئے میں نے یہ فائدہ بھی بتلادیا کہ اگر کسی کو دین کا خیال نہ ہو تو صحت ہی کا خیال کر کے بچوں کو نماز وغیرہ کی تاکید کرتی رہیں۔ اسی طرح ماماؤں کو بھی نماز کی تاکید کرنی چاہیے چونکہ وہ تمہاری ماتحت ہیں اگر تم اُن کو دھمکاؤ گی تو ضرور اثر ہوگا اور اس میں سُستی کرنے سے تم پر بھی مواخذہ رہے گا کہ تم نے قدرت ہوتے ہوئے کیوں سُستی کی بلکہ جس ماما کو مقرر کر دُاُس سے یہ شرط کر لیا کہ تم کو پانچوں وقت کی نماز پڑھنا ہوگی جس گھر میں ایک شخص بھی بے نمازی ہوتا ہے اُس گھر میں نحوست برستی ہے۔ عورتوں کو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔ یہ عورتوں کی نماز کے متعلق چند کوتاہیاں ہیں۔ روزہ کو میں اس واسطے نہیں کہتا کہ عورتوں کو روزہ زیادہ

کوٹاہی روزہ نسواں

دُشوار نہیں اس میں وہ ماشاء اللہ مردوں سے بھی زیادہ شیریں اکثر دیکھا گیا ہے کہ عورتیں روزے بہت رکھ لیتی ہیں مگر نماز سے انکی جان نکلتی ہے۔ اور روزہ رکھنا کچھ عورتوں کا زیادہ کمال بھی نہیں بلکہ اسمیں ایک طبی راز ہے وہ یہ کہ اُن میں رطوبت و برودت کا غلبہ ہے سرد مزاج والے کو بھوک پیاس کم لگتی ہے اس لئے اُن کو روزہ آسان ہے دُوسرے ان کو کھانے کے اندر مشغولی رہتی ہے اپنے ہاتھ سے سب چیزیں پکاتی ہیں، خوشبو سونگھتی رہتی ہیں اس سے بھوک تو فوراً کم ہو جاتی ہے صرف پیاس کی تکلیف رہ گئی اسکی سہار بھی اُن کو مشکل نہیں کیونکہ اول تو وہی برودت و رطوبت مانع عطش بھی ہے۔ دُوسرے یہ دن بھر گھر ہی میں رہتی ہیں کہیں دھوپ میں آنے جانے کا انکو کام نہیں پڑتا رہا یہ کہ کھانا پکانے میں آگ کے سامنے بیٹھنا پڑتا ہے تو اکثر جو عورتیں روزہ دار ہیں وہ اپنے ہاتھ سے کم پکاتی ہیں ان کے آگے خدمت کرنے کو ماماؤں موجود ہوتی ہیں اور جن کو خود کام کرنے پڑے

وہ یہ ترکیب کرتی ہیں کہ پہلے سالن کی ہانڈیاں تیار کر لیتی ہیں سالن پکانے میں لگ کے سامنے جم کر نہیں بیٹھنا پڑتا، ایک دفعہ آگ جلادی ہانڈی رکھ دیتی اور چلتے پھرتے پکالی پھر جب عصر کا وقت ہو گیا گرمی کم ہو گئی جلدی جلدی پندرہ بیس منٹ میں روٹی پکالی اس لئے ان کو کھانا پکانے میں بھی کچھ زیادہ دقت نہیں ہوتی۔ تیسری وجہ سہولت روزہ کی ہے کہ عموماً عورتوں کو کھانے کی حرص کم ہوتی ہے ان کو عمدہ کھانا مرغوب نہیں ہوتا بس انکی ہانڈی محض مردوں کی خاطر سے پکتی ہے اگر کبھی مرد گھر پر نہ ہو تو یہ چٹنی پیس کہ ہی گزر کر لیتی ہیں۔ شریف عورتیں عمدہ غذائیں کھانے سے بہت بچتی ہیں آپس میں کہا کرتی ہیں کہ اگر ہم اچھی غذائیں کھائیں گے تو لوگ یوں کہیں گے، کہ بڑی چٹوری ہے۔ ہائے یہ کیسی بُری بات ہے جب یہ اس طرح اپنے نفس کو مارتی ہیں تو رفتہ رفتہ انکی بھوک بھی مرجاتی ہے اس لئے روزہ میں ان کا کمال نہیں بلکہ اس میں مردوں کا کمال ہے کہ ہاؤھپ ہیں اور پھر روزہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس اب مردوں نے روزہ رکھنے میں ہمت بہت ہار دی ہے آج کل مردوں میں روزہ دار بہت کم ہیں۔ پس میں عورتوں سے یہ تو نہیں کہتا کہ وہ روزہ نہیں رکھتیں، ہاں روزہ میں غیبت سے بچنے کو ضرور کہوں گا۔ کیونکہ انکا روزہ غیبت سے بہت کم پاک ہوتا ہے جب ان کو روزہ میں کھانا پکانے کا دھندہ کم ہوتا ہے تو آپس میں محفل جما کر بیٹھتی ہیں اور تیری میری غیبت شکایت میں روزہ برباد کرتی ہیں یوں تو غیبت ہر حال میں حرام ہے مگر روزہ کی حالت میں اُس کا گناہ زیادہ ہے جیسے زنا کرنا ہر جگہ حرام ہے، اور مکہ معظمہ میں کرنا سخت گناہ ہے کیونکہ شرف مکان و شرف زمان سے جس طرح طاعات کا ثواب بڑھتا ہے اسی طرح معاصی کا گناہ بھی بڑھ جاتا ہے نیز روزہ میں پان کھانے والیاں یہ بھی کوتاہی کرتی ہیں کہ سحری میں منہ کے اندر پان دبا کر سو رہتی ہیں اگر صُبح تک منہ میں

پان رہا تو روزہ نہیں ہوتا اسکی احتیاط بہت ضروری ہے۔

ترغیب زکوٰۃ | زکوٰۃ میں بھی عورتیں بہت سُستی کرتی ہیں کہ اپنے زیور و

لچکوں کی زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ یاد رکھو! جتنا زیور عورت کو

جہیز میں ملتا ہے وہ اُسکی ملک ہے اُس کی زکوٰۃ دینا اُسپر واجب ہے اور جو زیور

شوہر کے گھر سے ملتا ہے اگر وہ اُس نے انکی ملک کر دیا ہے تو اُس کی زکوٰۃ بھی اُن پر

واجب ہے اور اگر ملک نہیں کیا محض پہننے کے واسطے دیا ہے تو اسکی زکوٰۃ مردوں کے

ذمہ واجب ہے ہر سال اپنے زیور کا حساب کر کے جتنی زکوٰۃ اپنے ذمہ ہو فوراً ادا کر دینی

چاہئے۔ اس میں سُستی کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے بہت سے غریبوں کو مال

نہیں دیا۔ حالانکہ تم اُن سے کچھ زیادہ نہیں ہو، اکثر غرباء کحالات میں تم سے بڑھے ہوئے

ہیں کہ وہ نمازی بھی ہیں دیندار بھی ہیں پھر بھی جو ان کو خدا نے مال نہیں دیا اور تم کو

دیا ہے تو اسکی کیا وجہ؟ خدا نے امیروں کو اسی واسطے مال دیا ہے کہ وہ غریبوں کو دیا

کریں کیونکہ ہر شخص اتنے ہی مال کا حق دار ہے جتنے کی اسکو ضرورت ہے پھر جس کو

خدا نے حاجت سے زیادہ مال دیا ہے وہ جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں کو

دینے کے واسطے ہے جن کو حاجت کے موافق بھی نہیں ملا اور اس میں خدا تعالیٰ کی بہت

سی حکمتیں ہیں کہ وہ غریبوں کو امیروں کے ہاتھ سے دلوانا چاہتے ہیں اس قاعدہ کا تو یہ

مقتضاتھا، کہ امیروں کو یہ حکم دیا جاتا کہ جتنا مال انکی ضرورت سے زیادہ ہو سب غریبوں

کو دیدیا کریں کیونکہ عقلاً وہ اُنہی کا حق ہے لیکن یہ خدا کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اُس نے

سارا مال دینے کا حکم نہیں کیا بلکہ صرف چالیسواں حصہ واجب کیا ہے پھر اس میں بھی

کو تاہی کرنا بڑا ظلم ہے۔

پرودہ میں کوتاہی | ایک کوتاہی عورتوں میں ہے کہ اُن میں پردہ کا اہتمام کم ہے۔

اپنے عزیزوں میں جو نامحرم ہیں اُن کے سامنے بے تکلف آتی

ہیں۔ ماموں زاد، چچا زاد، خالہ زاد بھائیوں سے بالکل پردہ نہیں کرتی ہیں اور غضب یہ کہ اُن کے سامنے بناؤ سنگار کر کے بھی آتی ہیں پھر بدن چھپانے کا ذرا اہتمام نہیں کرتیں گلا اور سر کھلا ہوا ہے اور اُن کے سامنے آجاتی ہیں اور اگر کسی کا سارا بدن ڈھکا ہوا بھی ہو تو کپڑے ایسے باریک ہوتے ہیں جن میں سارا بدن جھلکتا ہے حالانکہ باریک کپڑے پہن کر محارم کے سامنے آنا بھی جائز نہیں کیونکہ محارم سے علاوہ ماتحت الازار کے پیٹ اور کمر اور پہلو اور پسلیوں کا چھپانا بھی فرض ہے پس ایسا باریک کرتے پہن کر محارم کے سامنے آنا بھی جائز نہیں جس سے پیٹ یا کمر یا پہلو یا پسلیاں ظاہر ہوں یا اُن کا کوئی حصہ نظر آتا ہو شریعت نے تو محارم کے سامنے آنے میں بھی اتنی قیدیں لگائی ہیں اور آج کل کی عورتیں نامحرموں کے سامنے بھی بیباکانہ آتی ہیں گو یا شریعت کا پورا مقابلہ ہے۔ بیبیو! پردہ کا اہتمام کرو اور نامحرم عزیزوں کے سامنے قطعاً نہ آؤ اور محارم کے سامنے احتیاط سے آؤ۔ اس جگہ مجھ کو ایک بات یاد آئی جس پر اہل علم کو تہنید کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ متون میں تو صرف یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ محارم کے سامنے ماتحت الازار کے علاوہ ظہر و بطن کا چھپانا ضروری ہے اور شرح میں اس پر اتنی زیادت اور مذکور ہے۔

مع الجنبتین یعنی پہلوؤں کا چھپانا بھی ضروری ہے اسکو ایک بہت بڑے عالم نے مع الجنبتین پڑھ کر ترجمہ یہ کر دیا کہ محارم سے پیشانی کا بھی چھپانا فرض ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے اور حیرت ناک غلطی ہے کیونکہ جبین داخل وجہ ہے اور ستر وجہ فرض نہیں کیونکہ وجہ و کفین و قدین عورت نہیں ہیں گو بوجہ خوف فتنہ کے غیر محارم کے سامنے کشف وجہ سے وجوباً منع کیا جاتا ہے یہ اور بات ہے اس سے وجہ کا داخل عورت ہونا لازم نہیں آتا اس لئے یہ مسئلہ اگر کسی کی نظر سے گزرے تو دھوکہ نہ کھاوے اس میں ان عالم سے غلطی ہو گئی ہے مگر اس سے اُن کے عالم فاضل ہونے میں کچھ نقص نہیں آگیا کیونکہ عالم نے کسی مقام پر لغزش بھی ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں

بجز انبیاء علیہم السلام کے (گو لغزش اُن سے بھی ہو جاتی ہے مگر وہ خطا پر مستمر نہیں رہ سکتے وحی سے فوراً اُن کو متنبہ کر دیا جاتا ہے ۱۲ جامع) الغرض عورتوں کو نامحرم عزیزوں سے گہرا پردہ کرنا چاہیئے، ہاں جس گھر میں بہت سے آدمی رہتے ہوں جن میں بعض نامحرم ہوں اور بعض محرم اور گھر تنگ ہو، اور پردہ کرنے کی حالت میں گزر مشکل ہو۔ ایسی حالت میں نامحرم عزیزوں سے گہرا پردہ کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ایک گھر میں اس طرح نباہا ہو سکتا ہے اس صورت میں نامحرموں کے سامنے بقدر ضرورت چہرہ کا کھولنا جائز ہے مگر باقی تمام بدن سر سے پیر تک لپیٹا ہوا ہونا چاہیئے۔ کفوں کے چاک سے ہاتھ نہ جھلکیں۔ مگر بیان کھلا ہوا نہ رہے ٹخن اچھی طرح لگے ہوئے ہوں تاکہ گلا اور سینہ نہ جھلکے، دوپٹے سے تمام ستر لپیٹا ہوا ہو کہ ایک بال بھی باہر نہ رہے۔ اس طرح بدن کو چھپا کر اُن کے سامنے منہ کھول کر گھر کا کام کاج کر سکتی ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں بھی گھونگھٹ کی عادت رکھیں کھلم کھلا ان کے سامنے چہرہ ظاہر نہ کریں ۱۲ جامع) اور یہی حکم کافر عورتوں کا ہے کہ اُن کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ اور پیر کھولنا جائز ہے باقی تمام بدن کا اُن سے چھپانا واجب ہے کہ سر کا بال بھی اُن کے سامنے نہ کھلے، عورتیں بھنگنوں اور چارپوں سے بالکل احتیاط نہیں کرتیں حالانکہ اُن سے بھی بجز وجہ اور کفین اور قدین کے باقی بدن کا شرعاً ویسا ہی پردہ ہے جیسے نامحرم مردوں سے لیکن گھبراؤ نہیں کہ اتنی احتیاط ہم سے کس طرح ہو سکتی ہے، تم احتیاط کرنا تو شروع کرو، انشاء اللہ ذرا دقت نہ ہوگی، یاد رکھو اس نفس کی مثال بچہ جیسی ہے کہ بچہ کا اگر دودھ نہ چھڑایا جاوے تو وہ بارہ برس تک بھی دودھ پی پیتا رہے گا اور خود کبھی نہ چھوٹے گا اور اگر دو برس کے بعد دودھ چھڑا دیا جاوے تو دو چار روز کے لئے تو دقت ہوتی ہے مگر پھر بچہ کو روٹی کی ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ اُس کو ماں کے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے اور اب اگر کوئی اُس سے دودھ پینے کو کہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہو، یہی حال نفس کا

کا ہے کہ اگر گناہوں کے کام اس سے نہ چھڑائے جائیں تب تو یہ کبھی اپنے آپ اُن سے نہیں رُک سکتا اور اگر ہمت کر کے قصد کر لیا جائے کہ بس آج سے پیچھے یہ گناہ نہ کریں گے تو اول اول دو چار روز تک تو تکلیف ہوتی ہے پھر آسانی ہو جاتی ہے بلکہ کچھ دنوں کے بعد اُس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ پھر جیسے بچہ کا اگر دودھ نہ چھڑایا جاوے تو اس کا معدہ کمزور رہتا ہے کہ عمدہ نفیس غذائیں ہضم نہیں کر سکتا اور دودھ چھڑانے کے بعد وہ دنیا بھر کی نعمتیں کھانے لگتا ہے اور ان کا مزہ چکھ کر باپ ماں کو دعا دیتا ہے کہ خدا ان کا بھلا کرے کہ انہوں نے میرا دودھ چھڑا کر ان نعمتوں کے قابل مجھے بنا دیا اسی طرح گناہوں کو چھوڑ کر آپ کا دل انوار طاعات کے قابل ہو جائے گا پھر جب طاعات کے انوار قلب پر فائز ہوں گے تو آپ بھی دُعا دیں گے کہ خدا اس شخص کا بھلا کرے جس نے گناہوں کو ہم سے چھڑا کر ہم کو ان انوار کے قابل بنا دیا پھر آپ کو اُن گناہوں کی طرف التفات بھی نہ ہو گا البتہ چند روز ہمت کرنا پڑے گی۔ مصیع :

چند روزے جہد کن باقی بخند (چند روز کوشش کر دو پھر خوش رہو گے)
اور چند روز کے لئے ہمت کرنا کچھ مشکل بھی نہیں کیا آپ بچہ سے بھی گئے گز رہے کہ وہ تو دودھ چھڑانے کی کلفت برداشت کر لیتا ہے اور آپ سے ایک ذرا سی کلفت برداشت نہ ہو۔

تعظیم شوہر | ایک کوتاہی عورتوں کی یہ ہے کہ وہ شوہروں کی تعظیم اور اُن کا ادب نہیں کرتیں اور یہ سخت بیجائی ہے۔ بعض عورتیں مردوں سے ایسا برا بری کا برتاؤ کرتی ہیں گویا شوہر ان کا برابر کا بھائی ہے اور یہ بھی غنیمت ہیں۔ بعض جگہ تو عورتیں مردوں پر حکومت کرتی ہیں حالانکہ شریعت میں شوہروں کی تعظیم کے متعلق سخت تاکید ہے۔ حدیث میں صاف آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ کو جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ لیکن سجدہ تو خدا کے

سو کسی کو جائز نہیں مگر اس سے یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ شوہر کی کس درجہ تعظیم عورتوں کے ذمہ واجب ہے (کہ جو چیز خدا کے لئے مخصوص ہے اگر اُس کا مستحق کوئی غیر ہو سکتا تو شوہر اُس کا مستحق ہوتا ۱۲) بعض جگہ تو عورتیں مردوں کو ذلیل کرتی ہیں اور بعض جگہ مرد بھی ظالم ہوتے ہیں کہ وہ عورتوں کو بہت ذلیل رکھتے ہیں اور بعض جگہ دونوں طرف سے یہ برتاؤ ہوتا ہے قیامت میں ان سب کا حساب ہوگا اور جس نے جس کی حق تلفی کی ہوگی اُس سے انتقام لیا جائے گا۔ پس مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے حقوق کی رعایت رکھیں اور عورتوں کو مردوں کی تعظیم کرنی چاہئے انکی اطاعت و فرمانبرداری کا خیال کرنا چاہئے۔

فضول خرچی | ایک کوتاہی عورتوں کی یہ ہے کہ یہ اسراف بہت کرتی ہیں، روپیہ کو احتیاط سے خرچ نہیں کرتیں۔ بس یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم کو تو کمانا پڑتا نہیں ہم جس طرح چاہیں خرچ کریں مرد اپنے آپ کما کر لائے گا۔ بعض جگہ مائیں خوب گھر ٹوٹی ہیں اور یہ ذرا خبر نہیں لیتیں۔ یاد رکھو! شوہر کے مال کی نگہبانی عورتوں کے ذمہ واجب ہے اُس کو اس طرح رائیگاں کرنا اُن کو جائز نہیں قیامت میں عورتوں سے اس کا بھی حساب ہوگا۔ خصوصاً شادیوں میں تو بہت ہی فضول خرچی کرتی ہیں۔ اُن میں تو عورتیں ہی مفتی اعظم ہوتی ہیں۔ سارے کام انہی سے پوچھ پوچھ کر کئے جاتے ہیں۔ مرد جانتے ہی نہیں کہ شادیوں میں کہاں خرچ کی ضرورت ہے کہاں نہیں بس جس جگہ عورتیں خرچ کرنے کا حکم دیتی ہیں وہاں بلاپوں و چپرا خرچ کیا جاتا ہے اور ان عورتوں نے ایسے بے ڈھنگے خرچ نکال رکھے ہیں جن میں فضول روپیہ برباد ہوتا ہے ان شادیوں کی بدولت بہت سے بڑے بڑے گھر تباہ و برباد ہو گئے ہیں لیکن اب بھی لوگوں کو عقل نہیں آتی اور وہ ان رسوم و غیرہ میں عورتوں وغیرہ کا اتباع نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ ایک صاحب یہ کہتے تھے کہ خدا بھلا کرے اصلاح الرسوم کے مصنف کا کہ ہم کو رسوم کی تفصیل یاد نہ رہی تھی اس میں ہم عورتوں کے محتاج تھے اصلاح الرسوم میں بہت تفصیل کے ساتھ تمام

رسموں کو لکھ دیا ہے بس اب ہم اُسی کو دیکھ دیکھ کر سب کام کرتے ہیں، انا للہ
وانا الیہ راجعون۔ اس بندۂ خدا نے اصلاحِ المرسوم سے یہ کام لیا حالانکہ اس
میں تو رسموں کی غرابیاں ظاہر کی گئی ہیں اور ہر رسم کا گناہ ہونا بتلایا گیا ہے مگر اس ظالم نے
اس مضمون کو تو چھوڑ دیا اور صرف رسموں کا بیان دیکھ لیا کہ فلاں وقت یوں ہوتا ہے اس
کے بعد یہ ہوتا ہے۔ تو اب بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں جب سارا گھر بار نیلام ہو
جائے گا اُس وقت شریعت کے موافق شادی کرنے کی سوجھے گی۔ صاحبِ شادیوں میں
بہت اختصار کرنا چاہیے تاکہ بعد میں افسوس نہ ہو کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا اگر کسی کے پاس
بہت زیادہ ہی رقم ہو تو اسکو اس طرح برباد کرنا مناسب نہیں بلکہ دنیا دار کو کچھ رقم جمع کرنا
بھی چاہیے اس سے دل کو اطمینان رہتا ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے
کہ صاحبِ اسباب کو کچھ رقم اپنے پاس نفس کے بھلائے کیلئے جمع رکھنی چاہیے اس سے دل
مطمئن رہتا ہے اور طاعات میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔ صاحبِ اسباب کے پاس اگر
رقم جمع نہ ہو تو اس کا دل پریشان رہتا ہے جس سے دین کے کاموں میں بھی خلل پڑتا ہے۔
ہاں جس کو توکل کی قوت نصیب ہو وہ جمع نہ کرے بلکہ خوب اللہ کے نام پر لٹائے تاکہ
ثواب بھی ملے مگر فضول روپیہ برباد نہ کر دے۔

ایک کوتاہی عورتوں میں یہ ہے کہ یہ غمی میں بھی بہت اسراف کرتی ہیں
فضول رسوم | بھلا وہاں خرچ کا کیا موقع وہ تو کوئی افتخار کا وقت نہیں، بلکہ
عبرت کا موقع ہے مگر ان کے یہاں غمی میں بھی خاصی بارات کا اہتمام ہوتا ہے پھر حیرت
تو ان جانیوالوں پر ہے کہ جہاں کسی کے گھر موت ہوئی اور یہ گاڑیاں لے کر اُس کے
گھر پہنچ گئیں اب اُس غریب پر ایک تو موت کا صدمہ تھا ہی دوسرا یہ وہاں سر پر آکھڑا
ہوا کہ آئیوالیوں کے کھانے کی فکر کرنے پان چھالیہ کا انتظام کرے گاڑی کے گھاس
دانہ کا اہتمام کرے پھر اگر ذرا بھی کسی بات میں کوتاہی ہو گئی تو آئیوالیاں طعنے دیتی ہیں کہ

ہم گئے تھے ہمیں پان بھی نصیب نہ ہوا بھلا کوئی اُن سے پوچھے کہ یہ وقت تمہارے ناز خرے پورا کرنے کا تھا یا اُس بیجاری پر مصیبت کا وقت تھا مگر انکی بلا سے — ان کے ناز خرے کسی وقت کم نہیں ہوتے۔ حالانکہ اسوقت تو یہ مناسب تھا کہ انیوالیاں اپنا دال اٹا ساتھ باندھ کر لائیں اور گھر والوں سے کہہ دیتیں کہ اسوقت تم ہماری فکر نہ کرو تم خود مبتلائے رنج ہو جب کبھی خوشی کا موقع ہوگا ہماری خاطر مدارت کر لینا باقی اسوقت تو ہم اپنا انتظام خود ہی کریں گے اور یہ تو بہت ہی سخت بے حیائی ہے کہ وہاں جا کر بھی اپنے سارے معمولات پورے کریں کہ نہ پان میں فرق آوے نہ چائے میں۔ بلند شہر میں ایک رئیس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا اُن کے اعزہ چاروں طرف سے جمع ہو گئے اور ایک بارات سی اُن کے گھر پر آگئی۔ رئیس زادے نے سب کے لئے عمدہ عمدہ کھانے پکوائے۔ جب کھانا پُنا گیا تو اُس نے مہمانوں سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے پہلے میری بات سُن لیجئے پھر کھانا شروع کیجئے۔ سب لوگ ہاتھ روک کر بیٹھ گئے۔ اُس نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ اسوقت مجھ پر کیسا سانحہ گزرا ہے اسوقت میرے والد ماجد کا سایہ میرے سر پر سے اُٹھ گیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ باپ کا سایہ اُٹھ جانے کیسا صدمہ ہوتا ہے تو کیا یہی انصاف ہے کہ مجھ پر تو یہ مصیبت گزری اور تم آستین چڑھائے مُرغن کھانا کھانے کو تیار ہو گئے کیوں صاحب یہی ہمدردی ہے بس مجھ کو جو کہنا تھا کہہ چکا اب کھانا شروع کیجئے بھلا اب کون کھاتا جب سر پر جوتیاں پہلے ہی پڑ گئیں۔ سب لوگ دسترخوان سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور رئیس زادے نے غریبا کو بلا بھیجا کہ بیٹھو کھاؤ، تمہارے کھانے سے میرے باپ کی رُوح کو بھی ثواب پہنچے گا اور یہ بُرا درمی کے کھاتے پیتے لوگ آستین چڑھا کر بیٹھ گئے ان کے کھانے سے اُن کو کیا ثواب ملتا اور میری رقم برباد ہو جاتی۔ غرض غریبوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دُعا دیتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد برادری کے چند معزز لوگ ایک طرف جا کر بیٹھے اور غمی کی رسوم میں مشورہ کرنے لگے۔ سب نے بالاتفاق

یہ طے کیا کہ واقعی یہ رسمیں بالکل عقل کے خلاف ہیں اور شریعت کے خلاف تو ہیں ہی ان سب کو یک لحظت موقوف کر دینا چاہیے۔

کسی نے ان رئیس زادے سے کہا کہ میاں جب تم کو کھانا کھلانا منظور نہ تھا تو پہلے ہی سے یہ بات کہہ دی ہوتی اتنا انتظام ہی تم نے کیوں کیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اگر میں یہ انتظام نہ کرتا اور کھانا تیار کرنے سے پہلے یہ بات کہتا تو لوگ یوں کہتے کہ اپنی بچیت کے لئے یہ بات نکالی ہے۔ اب کسی کا یہ منہ نہیں رہا کہ مجھے یہ الزام دے سکے۔ کیونکہ میں نے کھانے عمدہ سے عمدہ تیار کر لئے تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ مجھے اپنی بچیت منظور نہ تھی بلکہ محض اس بے ہودہ رسم کا بے ہودہ ہونا ظاہر کرنا تھا۔

واقعی اس شخص نے خوب کیا اگر دو چار آدمی اسی طرح کریں تو یہ سب رسمیں موقوف ہو جاویں۔ مگر ایسا کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت ہے۔ ہراک کی ایسی ہمت نہیں ہوتی جب کسی کے گھر پر آدمی پہنچ جاتے ہیں تو وہ شرماسر می ان کا انتظام کرتا ہی ہے۔ مگر جانے والوں کو خود اس کا خیال کرنا چاہیے۔

خلاصہ | یہ تو نمونہ ہے عورتوں کی کوتاہیوں کا، ان سے بچنے کا، اُن کو اہتمام کرنا چاہیے۔ یہاں تک تو گویا **وَاتَّقُوا اللَّهَ** (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کا بیان ہوا۔ کیونکہ تقویٰ کے معنی معاصی سے بچنے ہی کے ہیں۔ نمونہ کے طور پر میں نے چند معاصی کی فہرست گناہی ہے اور یہ تو وہ باتیں ہیں جو اس وقت میرے ذہن میں بے تکلف آ گئیں۔ اسی پر دوسرے اعمال کو قیاس کر لیں۔ کیونکہ ہمارے اکثر اعمال کوتاہی سے خالی نہیں۔ اگر کوئی عورت یہ خیال کرے کہ اس آیت میں تو تقویٰ کا مراد دل مردوں کو ہے اور ان کے واسطے ہم کو ہے مگر کہیں خاص ہم کو بھی حکم ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں خاص عورتوں کو بھی اس کا حکم ہوا ہے۔ حق تعالیٰ سورہ احزاب میں فرماتے ہیں **وَالْتَقِیْنَ اللَّهَ** جو کہ صیغہ جمع مؤنث حاضر کا ہے اس میں خاص عورتوں ہی کو خطاب ہے اب تو سوال نہیں رہا۔

عورتوں کے لئے نیک صحبت کا طریقہ | اب میں دوسرے جزو کو نو ا
مَعَ الصَّادِقِينَ کے متعلق

کچھ مختصر بیان کرتا ہوں (کیونکہ وقت کم رہ گیا ہے نماز عصر قریب ہے) اس جزو کا حاصل تو یہی ہے کہ اس میں کمال دین حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ تم کا ملین اور سخین فی الدین کے ساتھ ہو جاؤ۔ مردوں کو تو اس طریقہ پر عمل کرنا آسان ہے۔ اب قابل غور یہ ہے کہ عورتوں کے لئے اس کا طریقہ کیا ہے؟ اور یہ سوال واقعی بہت ضروری ہے۔ سو جواب یہ ہے کہ اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ عورتیں بھی انہی بزرگوں سے فیض حاصل کریں جن سے مرد فیض حاصل کرتے ہیں۔ مگر یہ ذرا دشوار ہے۔ کیونکہ اول تو مردوں اور عورتوں کا ساتھ کیا۔ دوسرے پردہ کی وجہ سے شیخ کو ان سے مناسبت کامل نہیں ہو سکتی اور بدوں مناسبت کے نفع کامل نہیں ہوتا اور بزرگوں کے سامنے آنا اور ان سے پردہ نہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں جن عورتوں کا باپ یا خاوند قابل ہو وہ ان سے فیض حاصل کر سکتی ہیں۔ مگر سب کے تو باپ اور شوہر کامل نہیں اس لئے یہ طریقہ کافی نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرد کامل مردوں سے فیض لیں اور عورتیں کامل عورتوں سے اور اصل قیاس کا مقتضی ابھی یہی ہے کہ جس طرح مردوں کو حکم ہے کُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اسی طرح عورتوں کو حکم دیا جاوے کُنَّ مَعَ الصَّادِقَاتِ (لے عورتو تم سچی عورتوں کے ساتھ ہو جاؤ) مگر اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو صَادِقِينَ فرمایا ہے، اسی طرح عورتوں کو صَادِقَاتِ فرمایا ہے۔ — چنانچہ سورۃ احزاب کی ایک آیت اِنَّ الْمُسْلِمَاتِ وَالْمُسْلِمَاتِ : الیہ (مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں) میں نے ذرا دیر ہوئی پڑھی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّادِقَاتِ

(پچھے مرد اور سچی عورتیں) اور صادقین کے معنے کا ملین کے ہیں تو صداقتات بمعنے کاملات
ہوا۔ اس سے عورتوں کے بھی کامل ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور واقعی عورتوں کی اصلاح کا
سب سے اچھا طریق یہی ہے کہ جو عورتیں کامل ہوں یہ ان کی صحبت میں رہیں۔ مگر افسوس
ہے ہمارے طبقہ انات پر کہ آج کل ان میں کامل بہت کم ہیں۔

جب میں نے جندارہ اعمال لکھی ہے تو اس میں میں نے چند بزرگوں کے نام کی
فہرست لکھی تھی کہ عام لوگ ان میں سے کسی کے ساتھ وابستہ ہو جاویں۔ اس وقت
میراجی چاہا کہ چند عورتوں کے نام بھی لکھوں تاکہ عورتیں ان سے فیض حاصل کریں۔ مگر
عورتوں میں کوئی ایسی نظر ہی نہ پڑی جس کا نام میں اطمینان کے ساتھ لکھ دیتا۔ اور بعضی
ایسی بھی تھیں جن کے کمال کی خبریں میں سُنا تھا اور اس وقت تک ان کے متعلق کوئی
بات بے اطمینانی نہ تھی مگر ان کا نام لکھنے سے چند وجوہ سے رکا۔

۱۔ یہ کہ ان کے کمالات عورتوں ہی کی زبانی سُنے تھے خود مجھ کو ان کے کمال کی
تحقیق نہ تھی اور نہ تحقیق کی کوئی صورت تھی، بخلاف ان بزرگوں کے جن کے
نام شائع کئے گئے تھے کہ ان سب سے میں خود مل چکا تھا اور عورتوں کے بیانات
پر مجھے وثوق نہ ہوا کہ نہ معلوم یہ اپنے ذہن میں کمال کسے سمجھتی ہوں گی اور
کس کو کامل کہتی ہوں گی۔ ان سے یہ بھی بعید نہیں کہ ناقص کو کامل سمجھتی ہوں۔
۲۔ اگر عورتوں کا نام کمالات کی فہرست میں شائع ہوا تو ایسا نہ ہو کہ مردوں کو بھی
ان سے اعتقاد ہو جاوے اور بعضے مرد ان سے فیض حاصل کرنے جاویں۔

۳۔ ممکن ہے کہ عورتیں دُور دراز سے ان کی ملاقات و زیارت کے لئے سفر کریں
اور ایسا ضرور ہوتا اور میں عورتوں کے لئے سفر کو پسند نہیں کرتا اور جب عورتیں سفر
کمر کے ان کے پاس آئیں تو ان بے چاری کمالات کو آنے والیوں کی خاطر مدارت
اور مہمانی کرنی پڑتی جس سے اُن پر بار ہوتا۔

۴۔ پھر آنے والیوں کی خاطر مدارات کے متعلق ان کمالات میں اور ان کے شوہروں میں نزاع ہوتا۔ شوہر جھلاتا کہ میرے گھر یہ روز روز گاریاں کیسی آنے لگیں۔ مردوں کو روز روز عورتوں کے آنے سے پردہ وغیرہ کی تکلیف ہوتی اُن کی آزادی میں خلل پڑتا۔

۵۔ اس قدر رجوعات سے کہیں ان کمالات کا دماغ نہ بڑھ جاتا کیونکہ یہ تعظیم و محترم وہ بلا ہے کہ اس کے ساتھ کامل سے کامل مرد کو بھی سنبھلنا دشوار ہوتا ہے۔ عورتوں کا دماغ تو بہت ہی بڑھ جاتا کہ ہاں ہم بھی کچھ ہیں۔ تو ان بے چاروں کا تھوڑا بہت جو کچھ کمال تھا وہ بھی اس تکبر کے بدولت زائل ہو جاتا۔ خیر و خیر تو میرے ذہن میں بہت سی آئیں مگر سب سے زیادہ مانع پہلی وجہ تھی کہ ان کے کمالات عورتوں ہی کی زبانی سننے ہوتے تھے اس لئے پوری طرح وثوق نہ ہوا۔ اور حقیقت میں میرا خیال صحیح نکلا۔ کیونکہ میں نے جن مردوں کو کا ملین میں شمار کیا تھا الحمد للہ اس وقت تک قریب قریب میں ان سب کے کمال کا معتقد ہوں اور ہر ایک دو کے باقی سب ایسے ہیں کہ ان کی بابت کوئی بات خلاف کمال مجھے معلوم نہیں ہوئی اور جن عورتوں کے متعلق میں نے کامل ہونے کی خبریں سنی تھیں قریب قریب اس وقت میں ان میں سے کسی کا معتقد نہیں رہا کیونکہ ہر اک میں کچھ نہ کچھ بات بعد میں معلوم ہوئی۔ اس لئے میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس وقت میں نے ان کے نام شائع نہ کئے ورنہ شائع ہو جانے کے بعد اب بڑی دقت ہوتی۔ چنانچہ ان ہی میں سے ایک مسماۃ ایک قصبہ کی رہنے والی بھی تھیں جن کو میں نے کمالات میں شمار کرنے کا قصد کیا تھا۔ ان کا نام جنت تھا شاید اب تو وہ مر گئی ہیں۔ اس وقت اُن کی حالت بہت اچھی سننے میں آرہی تھی کہ بہت نیک ہیں سوائے نماز روزہ اور تسبیح کے ان کو اور کوئی کام نہیں تھا۔ لڑکیوں کو پڑھایا بھی کرتی تھیں

مگر اخیر میں وہ بجائے جنت کے دوزخ بن گئیں۔

اسی قصبہ میں کچھ زمانہ سے ایک بے نکاحی عورت نے فتنہ برپا کر رکھا ہے اپنے آپ کو ولی اور بزرگ ظاہر کرتی ہے، مردوں عورتوں کو مُرید کرتی ہے، اور کسی سے شادی نہیں کرتی۔ اس کم بخت کے ایک بچہ بھی بدون خاوند کے ہوا جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جس طرح مریم علیہا السلام کے عیسیٰ علیہ السلام بدون باپ کے ہوئے تھے، اسی طرح میرے بھی بدون باپ کے بچہ ہو گیا۔ لغو ذباشر مگر عورتوں کی جہالت دیکھنے کہ باوجود ایسی بے حیائی اور بدکاری کے پھر بھی اس کی معتقد ہیں اور اس کو پیرانی کا لقب دے رکھا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ بعض مردوں کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے کہ پڑھ لکھ کر ڈوب گئے اور اس کے معتقد بن گئے اور ان تمام بد کاریوں اور بے حیائیوں کی تاویل کرنے لگے۔ (خدا کرے غارت کرے قَاتِلَهُمُ اللّٰهُ اَنۡفِ یُؤَفِّکُوۡنَ ۱۲ جامع) (اللہ تعالیٰ انکو ہلاک کرے کہاں جا رہے ہیں) وہ بی جنت بھی اخیر عمر میں ایسی بے حیاء عورت کی معتقد ہو گئی تھیں اور اس کی مُرید بن گئی تھیں اور ان کے سامنے جو کوئی اس کی بُرائی کرتا اور ان کو بے وقوف بناتا کہ تم ان کی مُرید کیوں ہو گئیں تو وہ اُلکے والے کو بے وقوف بناتیں اور اسے کوسنے دیا کرتیں۔ غرض اخیر میں وہ بالکل مسخ ہو گئی تھیں (خدا مغفرت کرے) تو جن عورتوں کو میں نے کامل سُنّا تھا کچھ دنوں بعد اکثر وہاں کا ناقص ہونا معلوم ہو گیا۔ تو اب یہ صورت تو عورتوں کی اصلاح کی ہو نہیں سکتی کہ وہ آپس میں اپنی ہم جنس عورت سے فیض حاصل کریں اب دوسری صورتیں ہیں۔

اصلاح نسواں کی پہلی صورت | ایک یہ کہ جن کے محارم میں سے کوئی کامل ہو وہ اس سے مستفیض ہوں جس کا

خاوند کامل ہو وہ اپنے خاوند سے فیض حاصل کرے مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ شوہر تو بعض جگہ غلام ہے ورنہ برابر کا دوست تو ہے ہی۔ شوہر کی تعظیم و تحريم عورتیں اس درجہ نہیں کرتیں جتنی مرتبی کی تعظیم ہونی چاہیے اور بدون اس کے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے بیوی کو شوہر سے ویسا اعتقاد بھی نہیں ہوتا جیسا دوسروں سے اعتقاد ہوتا ہے گو اپنا شوہر کتنا ہی بڑا کامل ہو، ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے گھر میں جو پہلی بیوی تھیں باوجودیکہ حضرت کی بہت فرمانبرداری تھیں مگر بیعت ہونے کو وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کہتی تھیں اور حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آپ حضرت حاجی صاحب سے کیوں نہیں بیعت ہو جاتیں۔

بھلا حضرت کے ہوتے ہوئے مجھ سے بیعت ہونا کیا مناسب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حاجی صاحب کے کمال میں شبہ نہیں مگر میں ان سے بیعت نہیں ہوتی میں تو آپ سے ہی بیعت ہونا چاہتی ہوں پھر معلوم نہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ان کو بیعت کیا یا نہیں مگر دیکھ لیجئے کہ ان کو حاجی صاحب سے بیعت ہونا منظور نہ تھا بلکہ ان کے خلفاء سے بیعت کی درخواست کرتی تھیں۔

اور حضرت حاجی صاحب کی دوسری بیوی تو سُنابہ ہے کہ بہت ہی نیک تھیں۔ جن عورتوں نے ان کو دیکھا ہے وہ کہتی ہیں کہ حاجی صاحب میں اور ان میں صرف اتنا فرق تھا کہ حضرت مرد تھے اور وہ عورت تھیں اور کچھ فرق نہ تھا۔ سُنابہ ہے کہ وہ مثنوی کو بھی خوب سمجھتی تھیں اور یہ دوسری بیوی حضرت حاجی صاحب کی منگیتر تھیں۔ پہلے ان سے حضرت کی منگنی ہوئی تھی مگر حضرت کے انکار کی وجہ سے نکاح نہ ہوا تھا کسی دوسرے سے نکاح ہو گیا تھا۔ پھر شوہر اڈل کے بعد حضرت حاجی صاحب نے ان سے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔

اصلاح نسواں کی دوسری صورت | تو اگر خاوند سے بھی فیض حاصل نہ کر سکیں اور اپنے محارم میں بھی کوئی کامل

نہ ہو تو اب دوسری صورت یہ ہے کہ بزرگوں کی کتابوں اور ان کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا جائے۔ بزرگوں کی تصانیف اور ان کے ملفوظات میں بھی وہی اثر ہوتا ہے جو اُن کی صحبت میں ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۵

چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب
 بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب
 چوں کہ خورشید و مارا کرد داغ
 چارہ نبود در مقامش از پیراغ

یعنی ”جب پھولوں کا موسم چلا جائے تو اب اس کی خوشبو گلاب سے حاصل کرنی چاہیے۔ گلاب میں بھی پھول کی خوشبو مل سکتی ہے اسی طرح آفتاب چھپ جائے تو اب چرخ سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔“ — یہ مشاہدہ ہے کہ اہل اللہ کے کلام میں نور ہوتا ہے اور محدوں کے کلام میں ظلمت ہوتی ہے۔ گو بزرگوں کی کتابوں کی عبارت سادی ہوتی ہے۔ ان میں عبارات آرائی نہیں ہوتی مگر ان کے مطالعہ سے نور قلب میں پیدا ہوتا ہے اور جو لوگ مبتغ شرعیت نہیں ہیں ان کی کتابوں کی عبارت گو کیسی ہی شمسۂ ہو مگر باطن میں اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے گو ان میں تمام باتیں دین ہی کی ہوں مگر الفاظ چونکہ ان کے اپنے ہیں اس لئے وہ ظلمت سے خالی نہیں ہوتے جس کے دل میں کچھ بھی ادراک ہے وہ اس فرق کو ضرور محسوس کر لگا اسی طرح اہل اللہ کی تقریر میں بھی ایک نور ہوتا ہے جو غیر اللہ کے کلام میں نہیں ہوتا۔ — ایک بزرگ کے صاحب زادے تحصیلِ علم کے لئے کہیں باہر گئے۔ جب وہ فارغ ہو کر واپس ہوئے اور پورے عالم ہو گئے تو اپنے والد صاحب کے پاس آئے انہوں نے ان سے فرمایا کہ تم وعظ کہو۔ چنانچہ صاحب زادے نے وعظ کیا اور بڑے بڑے عالی مضامین بیان کئے مگر کسی پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

جب وعظ کچھ چکے تو اُن کے والد صاحب ممبر پر تشریف لائے اور وعظ سے پہلے انہوں نے اپنا واقعہ اسی رات کا بیان فرمایا کہ رات ہم نے روزہ کی نیت کی تھی سحری کے لئے کچھ دودھ رکھ دیا تھا۔ مگر بٹی آئی اور سارا دودھ پی گئی بس اتنا ہی بیان فرمایا تھا کہ ساری مجلس تڑپنے لگی۔ اس کے بعد اُن بزرگ نے اپنے صاحب زادے سے فرمایا کہ صاحب زادے سننے والے پر قلب کا اثر پڑا کرتا ہے۔ الفاظ کا اثر نہیں ہوتا۔ تم نے اب تک علم الفاظ حاصل کیا ہے اب قلب کے اندر بھی اس علم کو پہنچانا چاہیے۔ اہل اللہ کے کلام سے یہ ضرور نہیں کہ آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں، بلکہ اہل دل کے کلام سے سامعین کے دل آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں۔ غرض تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بزرگوں کی تصانیف سے بھی قریب قریب وہی فائدہ ہوتا ہے جو اُن کے پاس رہنے سے ہوتا ہے گو بالکل اس کے برابر نہ ہوگا مگر اس کے قریب ضرور ہوگا تو اگر عورتوں کو بزرگوں کی صحبت میسر نہ آ سکے تو ان کے ملفوظات اور احوال موجود ہیں ان کو دیکھتی رہا کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کمال ضرور حاصل ہوگا اور مردوں کو بھی بزرگوں کی تصانیف اور اُن کے ملفوظات و احوال کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ ہر شخص کو اتنی مہلت نہیں ملتی جو اُن کے پاس جا کر رہے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ گویا اسی زمانہ کے واسطے یہ فرما گئے ہیں ۵

دریں زمانہ رفیقہ کہ خالی از خلل است

صراحی مئے ناب و سفینہ غزل است

(اس زمانہ جو رفیق خلل سے خالی ہے وہ کتاب ذکر و شغل طاعت و عبادت

اور بزرگوں کے ملفوظات ہیں)

صراحی مئے ناب کے مراد ذکر و شغل اور طاعات و عبادات ہیں اور سفینہ غزل

سے مراد اہل عشق کے ملفوظات ہیں۔ اس میں حضرت حافظؒ نے کتاب کو رفیق بتلایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو فائدہ رفیق سے ہوتا ہے وہ اس سے بھی ہوتا ہے اور شیخ بھی رفیق طریق ہوتا ہے تو جس کو شیخ میسر نہ ہو وہ کتابوں کو رفیق بنائے۔ پس الحمد للہ کہ اس سوال کا جواب ہر پہلو سے مکمل ہو گیا کہ عورتوں کے لئے معیت صادقین کی کیا صورت ہوگی؟ حاصل جواب کا یہ ہوا کہ جن کے محارم میں کوئی کامل نہ ہو وہ اس کی تلاش کریں کہ کوئی عورت کامل فی الحال ملے تو اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اور جس کو دونوں باتیں میسر نہ ہوں تو وہ بزرگوں کے کلام اور ملفوظات اور قصص احوال کا مطالعہ کریں۔ پس اب عورتوں کے لئے بھی اس آیت کا بیان مکمل ہو گیا اور میں نے انکو بھی کمال دین حاصل کرنے کا آسان سے آسان طریق بتلادیا۔ اب آگے انہی ہمت ہے کہ عمل کریں یا نہ کریں۔

ایک علمی اشکال و اس کا جواب | پس مضمون تو ختم ہو گیا اب اس کا ایک ذنب رہ گیا۔ اس کو بیان کر کے میں اپنی تقریر ختم کر دوں گا۔ وہ زناہ ایک طالب علمانہ اشکال و جواب ہے جس کو طلباء و اہل علم خوب سمجھ لیں گے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو سکتی ہیں چنانچہ الصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقَاتِ اس پر دلالت کر رہا ہے اور ایک حدیث میں بھی ہے کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَلَمْ یُکْمَلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِیَةُ امْرَاةِ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَالِشَةَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلَی سَائِرِ الطَّعَامِ۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے لیکن عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام اور آسیہ فرعون کی بیوی کے اور کوئی کامل نہ ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے

تمام کھانوں پر اس سے علمائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمال بھی سمجھا ہے کہ وہ کامل ہیں۔
بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں کامل ہو بھی سکتی ہیں اور اس کا وقوع
بھی ہوتا ہے گو ان میں کامل انسداد بہ نسبت مردوں کے کم ہیں مگر ایک حدیث سے
یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو ہی نہیں سکتیں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آپ نے ایک
بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

هَذِهِ آيَةُ مَنْ نَاقَصَاتُ عَقْلٍ "میں نے عورتوں سے بڑھ کر کوئی
وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلْبَيْتِ ناقص العقل اور ناقص الدین ایسا
الْمَرْجُلِ الْحَائِرِ مِنْ نہیں دیکھا جو ہوشیار مرد کی
إِحْدَى الْكُتُبِ عقل کو جلدی زائل کر دیتا ہو۔"

اس پر عورتوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عقل اور دین
میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی گواہی مردوں کی گواہی کے برابر
نہیں ہے۔ انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان کی عقل کا نقصان ہے
کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی گئی ہے اور کیا جب تم کو حیض
آتا ہے تو تم نماز روزہ چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتیں۔ انہوں نے کہا بے شک! فرمایا
کہ یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ناقص ہونے کا جو سبب
بیان فرمایا ہے وہ ایسا سبب ہے جس سے کوئی عورت بھی خالی نہیں۔ لہذا
لازم آتا ہے کہ عورتوں میں کوئی بھی کامل نہ ہو سکے۔ حالانکہ قرآن اور دیگر احادیث
سے ان میں بھی کمالات کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ اشکال عرصہ سے میرے ذہن میں
تھا مگر اس کا کوئی ثانی جواب اب تک ذہن میں نہ آیا تھا۔ اسی لئے اس اشکال کو
اب تک میں نے کہیں بیان نہ کیا کہ خواہ مخواہ دوسروں کو بھی کیوں پریشانی میں ڈالوں

المحمد لٹر اس وقت جواب ذہن میں آگیا اس لئے میں نے اشکال کو بھی بیان کر دیا اور جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کمال کی دو قسمیں ہیں ایک کمال اختیاری ایک کمال غیر اختیاری۔ اسی طرح نقصان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور انسان مکلف ہے تحصیل کمال اختیاری کا جو کہ امر مکتب ہے اور مکلف ہے ازالہ نقصان اختیاری کا جو اس کی قدرت میں داخل ہے اور کمال غیر اختیاری کی تحصیل اور نقصان غیر اختیاری سے اجتناب کا انسان مکلف نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) لیکن یہ ضرور ہے کہ کمال غیر اختیاری کے حاصل نہ ہونے سے عورتوں کو گناہ نہ ہوگا لیکن گناہ نہ ہونے سے اس کا موجب نقصان نہ ہونا لازم نہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے نہ ہونے سے گناہ نہیں ہوتا لیکن نقصان ضرور ہے مثلاً ایک آدمی میں طبعاً بزدلی اور خوف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ جہاد نہیں کر سکتا اس صورت میں اس کو گناہ تو نہیں ہوگا لیکن یہ نقصان ضرور ہے اور مجاہدین کے برابر وہ شخص نہیں ہو سکتا۔ (۱۲)

پس قرآن میں جو عورتوں کو کامل کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمال مکتب کا درجہ ان کو حاصل ہو سکتا ہے اور حدیث میں جو ان کو ناقصات الدین کہا گیا ہے اس میں نقصان غیر اختیاری کو بیان کیا گیا ہے اور کمال مکتب و نقصان غیر اختیاری کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اب یہ سوال رہا کہ دوسری حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ مردوں میں تو بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام و حضرت آسیہ کے اور کوئی کامل نہیں ہوا۔ اس سے در یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کمال کا وہی درجہ تھا جو مردوں میں تھا (کیونکہ جس کمال کو مردوں کے لئے ثابت کر کے عورتوں سے اسکی نفی کی گئی ہے۔ حدیث میں صیغہ استثناء کے ساتھ اسی

کمال کو ان دونوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ اگر یہ مطلب ہو تو ان کے استثناء کرنے کے کچھ معنی نہ ہوں گے (۱۲) اور جب یہ مطلب ہوا کہ ان دونوں کو کامل مردوں کے برابر کمال حاصل تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں نقصان عقل و نقصان دین کا وہ سبب غیر اختیاری موجود نہ تھا جو دوسری عورتوں میں موجود ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہے ان میں وہ نقصان غیر اختیاری موجود نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں۔ دوسرے ممکن ہے کہ ان میں بھی نقصان غیر اختیاری جس سے اس نقصان غیر اختیاری کی تلافی ہو گئی ہو۔

اب میں اس مضمون کی زیادہ تفصیل نہیں کرتا۔ بعض لوگ سمجھ گئے ہیں بس اتنا ہی کافی ہے جن کی سمجھ میں نہ آیا ہو وہ ان سے سمجھ لیں۔ حضرت حاجی صاحب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ کسی دقیق مضمون کی تقریر ایک بار فرما دیا کرتے اس کے بعد اگر کوئی اس کے متعلق سوال کرتا تو آپ فرما دیتے کہ فلاں شخص اس کو خوب سمجھ گیا ہے اس سے سمجھ لو۔ البتہ یہاں ایک سوال اور رہ گیا ہے اس کو بھی حل کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس تقریر سے تو یہ معلوم ہوا کہ نقصان غیر اختیاری بھی موجب نقص ہے حالانکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نقصان غیر اختیاری موجب نقص نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی ورد ہو اور وہ سفر کرے یا بیمار ہو جائے اور سفر یا بیماری کی وجہ سے ورد نافع ہو جائے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کہ اس کا ثواب پورا اسی لکھو یعنی سفر اور بیماری میں گو ورد نافع ہو جاتا ہے مگر ثواب ان دنوں کے برابر ہی ملتا ہے جن میں ورد نافع نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اختیاری عذر کی وجہ سے اگر اعمال میں کمی آئے تو ثواب کم نہیں ہوتا۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ حیض وغیرہ میں عورتوں کی نماز نافع ہوتی ہے تو اس کو نقصان کا سبب شمار کیا گیا وہ بھی تو اعدار غیر اختیاری ہیں بلکہ بظاہر ان کا

غیر اختیاری ہونا سفر سے زیادہ ہے کیونکہ سفر من وجہ اختیاری ہے اور من وجہ غیر اختیاری یعنی سفر شروع کرنے کے بعد تو اوقات پر قبضہ نہیں رہتا اور مجبوراً اور ادناغہ ہو جاتے ہیں لیکن سفر کا شروع کرنا تو اختیاری امر ہے۔ اگر ہم سفر ہی نہ کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔ پس سفر انتہائے غیر اختیاری ہے اور ابتداء اختیاری ہے۔ یہ سوال میرے ذہن میں ابھی آیا ہے اور جواب بھی اسی وقت ذہن میں آ گیا ہے وہ یہ کہ عذر کی دو قسمیں ہیں ایک عذر اتفاقی دوسرے عذر مستمر۔ قانون شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر اتفاقی و عذر مستمر میں فرق ہے۔ عذر اتفاقی سے ثواب کم نہیں ہوتا اور عذر مستمر موجب نقصان اجر ہوتا ہے چنانچہ موت سے بڑھ کر عذر غیر اختیاری کون سا ہوگا لیکن نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ موت سے اجر و ثواب منقطع ہو جاتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ دو شخص ایک ساتھ اسلام لائے اور دونوں کے اعمال بھی برابر تھے۔ ان میں سے ایک صاحب تو کسی غزوہ میں شہید ہو گئے اور دوسرے ان کے بعد ایک ہفتہ کے فاصلہ سے انتقال کر گئے۔ صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ پہلا شخص شہید ہو کر مرا ہے اور یہ بستر پر مرا ہے اس لئے شاید اس کا درجہ اس سے کم رہے تو انہوں نے دوسرے کے حق میں یہ دعا کی۔
 اللَّهُمَّ الْحَقُّ بِصَاحِبِهِ۔ کہ اے اللہ! اس کو بھی اس کے ساتھی کے درجہ میں پہنچا دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

وَأَيْنَ مَسْلُوحَتُهُ وَصِيَامُهُ وَقِيَامُهُ بَعْدَهُ أَوْ كَمَا قَالَ

کہ اُس نے جو اس کے بعد ہفتہ بھر نمازیں پڑھیں ہیں اور روزے رکھے ہیں اور تہجد کی نماز پڑھی ہے یہ اعمال کہاں چلے گئے یعنی تم نے اس کے لئے پہلے شخص کے برابر ہونے کی کیوں دعا کی۔ اس نے جو اس کے بعد اعمال کئے ہیں اُن کا ثواب بھی تو اس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا ہے تو یہ اس سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ آپ نے اس شخص کے بارہ میں تصریحاً بھی فرمایا کہ واللہ دونوں کے درجہ میں ایسا

تفاوت ہے جیسا زمین و آسمان کے درمیان میں زرہی یہ بات کہ پہلا شہید تھا اور یہ شہید نہیں ہوا تو اس سے اس کا درجہ کم ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ شہادت کے لئے یہ بھی تیار تھا جہاد میں دونوں شریک ہوئے تھے۔ اب یہ اور بات ہے کہ اس کا وقت آگیا تھا وہ شہید ہو گیا اس کا وقت نہ آیا تھا یہ قتل نہ ہوا۔ مگر نیت دونوں کی برابر تھی اس لئے شہادت کا اجر اس کے لئے بھی ہے (۱۲) اس سے صاف معلوم ہوا کہ موت سے اجر منقطع ہو جاتا ہے اور ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تصریح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

يَنْقَطِعُ أَجْرُ الْمُؤْمِنِ بِمَوْتِهِ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ۖ

(مومن کا اجر موت سے منقطع ہو جاتا ہے۔ بجز تین کے)

پس مرض اور سفر اتفاقی عذر ہیں ان سے اجر کم نہیں ہوتا اور حیض و نفاس وغیرہ عذر مستمر ہیں اور عذر مستمر سے اجر کم ہو جاتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عذر اتفاقی ابتداء عمل کے وقت ذہن میں نہیں ہوتا جب آدمی کوئی عمل بہ نیت مداومت شروع کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات ہرگز نہیں ہوتی کہ اگر میں سفر میں جاؤں گا یا بیمار ہو جاؤں گا۔ تو یہ عمل نہ کر دوں گا۔ کیونکہ سفر اور مرض عارضی امور ہیں۔ اصل حالت یہی ہے کہ انسان

تندرست رہے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے نیت دوام کی باقی رہتی ہے۔ پھر جب اتفاقاً عذر پیش آتا ہے تو اس کو ثواب پورا ملتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سفر اور مرض کا کوئی خاص وقت نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ آدمی برسوں بھی سفر نہ کرے نہ بیمار ہو، اس لئے ایام سفر و مرض کو عمل سے مستثنیٰ کرنے کی طرف التفات نہیں ہو سکتا۔

پس وہ دن بھی اس کے ذہن میں عمل ہی کے لئے مقرر تھے مگر اتفاق سے مانع ہو گیا بخلاف حیض و نفاس وغیرہ کے کہ یہ عذر مستمر ہیں نیز اکثر ان کے اوقات بھی معین ہوتے ہیں پس عورتیں جب نماز پڑھنا شروع کریں گی ان کے

ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ حیض و نفاس کے وقت نماز کو چھوڑ دیں گے تو ان کی نیت دوام کی نہیں ہوتی۔ یہ نیت کسی عورت کی نہیں ہوتی کہ میں ان دنوں میں بھی نماز پڑھوں گی۔

ایسے ہی موت کا آنا یقینی ہے گو وقت معلوم نہیں مگر ہر شخص جس کام کو شروع کرتا ہے اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ جب تک زندہ ہوں یہ کام کرتا رہوں گا۔ یہ نیت کوئی نہیں کرتا کہ موت کے بعد بھی عمل کرتا رہوں گا اور اگر کوئی ایسی نیت کرے تو وہ معتبر نہیں کیونکہ وہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں نیت اور عزم کا درجہ اس میں کبھی نہیں ہو سکتا اور اس نیت کی ایسی مثال ہو گی جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا تھا کہ مجلس املار میں سب لوگ سوال کرتے ہیں تم کچھ سوال نہیں کرتے۔ اس نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ اب سے سوال کیا کروں گا۔

چنانچہ ایک دن حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ روزہ غروب کے ساتھ فوراً افطار کرنا چاہیے تو وہ طالب علم صاحب پوچھتے ہیں کہ حضرت اگر کسی دن غروب ہی نہ ہو تو الخ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ بس آپ خاموش ہی رہیں آپ کو بولنے کی ضرورت نہیں جیسے کسی کے یہاں بہو آئی تھی وہ بولتی نہ تھی ساس کہ بہت رنج تھا کہ ہائے بہو گونگی آئی بولتی ہی نہیں۔ جب ساس نے اس کو بہت سمجھایا بھکیا کہ رطکیاں تو بولتی ہوئی اچھی لگا کرتی ہیں تو بولتی کیوں نہیں؟ تو ایک دن آپ یہ بولیں کہ ساس سے کہنے لگیں کہ میں تم سے یوں پوچھوں ہوں کہ اگر تمہارا بیٹا مر گیا تو تم میرا دوسرا نکاح بھی کر دو گی یا یوں ہی ساری عمر بٹھائے رکھو گی۔ ساس نے کہا کہ بس بی تو چپ ہی رہا کر مہینوں میں بولی تھی تو یہ پھول جھڑے لگے کو نہ معلوم کیا ستم ڈھائے گی۔ — ایسے ہی وہ طالب علم صاحب تھے کہ یا تو سوال ہی نہ کرتے تھے اور سوال کیا تو یہ کہ حضرت بھلا اگر آفتاب غروب ہی نہ ہو

جیسے یہ قضیہ شرطیہ مہمل ہے جس میں مقدم کا وجود ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ عالم کا بقا ہے اسی طرح اگر کوئی مرد یہ نیت کرے کہ اگر میں نہ مرا تو ساری عمر نماز پڑھتا رہوں گا۔ یہ قضیہ بھی مہمل ہے جس کا شریعت میں اعتبار نہیں۔ شرط وہی معتبر ہو سکتی ہے جس کا وقوع بھی عادتاً ہوتا ہو۔

پس یہ عذر نیت دوام کو مانع ہے اور سفر و مرض نیت دوام کو مانع نہیں اس لئے جب وہاں دوام کو نیت ہو سکتی ہے تو ثواب بھی مرض و سفر میں اس نیت کی وجہ سے ملے گا اور عذر نسوانی اور موت قاطع نیت دوام ہیں اس لئے وہاں ان اعذار کے وجود سے ثواب منقطع ہو جائے گا۔ یہ وجہ ہے حیض و نفاس کے سبب ہونے کی اور سفر و مرض کے سبب نقصان نہ ہونے کی خوب سمجھ لو۔

خلاصہ کلام

بحمد اللہ اب یہ مبحث مکمل ہو گیا اور تمام شبہات زائل ہو گئے۔ اور دلائل سے معلوم ہو گیا کہ عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں یعنی کمال مکتسبہ ان کو حاصل ہو سکتا ہے گو اس کے ساتھ ایک نقصان غیر اختیاری بھی ہے اور ان کے لئے کمال کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو وہ کمال میں دیکھیں جن میں مسائل و احکام شرعیہ کا ذکر ہے اُن کو دیکھ کر ہر عمل کامل کرنے کا طریقہ معلوم کریں اور جن اعمال میں کوتاہی ہو رہی ہے اس کی اصلاح کریں۔ یہ تو اصل طریق ہے اور اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر کوئی مرد کامل اپنے محارم میں مل جائے تو اس کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں اس سے اپنے اخلاق و عادات کی اصلاح کا طریقہ پوچھ کر دل کی اصلاح کریں اور اگر کوئی مرد ایسا نہ ملے تو کسی کاملہ کی صحبت میں رہیں۔ اگر کوئی کاملہ بھی نہ ملے تو اپنے گھر کے مردوں کی اطلاع اور اجازت سے کسی دوسرے بزرگ سے بذریعہ

بذریعہ خط و کتابت کے اپنی اصلاح کا تسلسل رکھیں اور اس کو اپنے حالات سے اطلاع دیتی رہیں۔ جو کچھ وہ لکھے اس پر عمل کریں اور اپنے گھر ہی میں رہیں اور اس کے پاس جانے کی زحمت نہ اٹھادیں۔ ہاں اپنے گھر پر بزرگوں کے قصے ان کے حالات اور ملفوظات اور ان کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں۔ اس سے بھی وہی نفع ہوگا جو پاس رہنے سے ہوا کرتا ہے اور اگر مردوں میں سے بھی کسی کو بزرگوں کے پاس جانے کی فرصت نہ ہو وہ بھی اسی طریقہ پر عمل کریں جو میں نے عورتوں کو بتلایا ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح ان کا بھی دین کامل ہو جائے گا۔

پس اصل طریقہ کمال فی الدین کا تحصیل تقویٰ ہے اور اس کی تیسر و تسہیل کا طریقہ معیت کا ملین ہے۔ یہ خلاصہ ہے تمام بیان کا اب میں ختم کرتا ہوں کیونکہ عصر کی نماز قریب ہے۔ گو بعض مضامین اب بھی ذہن میں باقی ہیں مگر اول تو وقت نہیں، دوسرے ضروری باتیں بیان ہی ہو چکی ہیں اس لئے ان مضامین کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں پھر کسی موقع پر دیکھا جائے گا۔ اب دعا کہجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد

وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین !

—:—

رفع الالتباس عن نفع الالباس

الملقب بہ

الفیض الحسن

فی تمہائے بہمون

حقوق الزوجین کے موضوع پر خواجہ عزیز الحسن صاحب کی درخواست پر یہ وعظ حضرت حکیم الامت کی چھوٹی اہلیہ کے مکان پر بارہ رجب ۱۳۴۷ھ بروز چہار شنبہ بعد ظہر ایک گھنٹہ پینتالیس منٹ کو سی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تخمینہ تعداد تقریباً ۶۰ علاوہ مستورات۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔ وعظ کے بعد مجلس وعظ ہی میں نکاح کیا گیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

خُطْبہ:

الْحَمْدُ لِلَّهِ تَحْمِيدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ وِرْ أَلْفُسَانَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝
یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ شانہ نے زوجین
کے تعلقات کو ایک مختصر مگر بلیغ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

سبب وعظ | چونکہ اس بیان کا سبب ایک تقریب والوں
کی تحریک ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ
بیان نکاح ہی کے مناسب ہو۔ اور مختصر ہو کیونکہ وقت تھوڑا ہے۔ عصر سے
پہلے بیان کا ختم کر دینا ضروری ہے تاکہ اس کے بعد نکاح کے لئے بھی
کافی وقت باقی رہے۔ اس لئے میں نے قرآن کے اس جملہ کو بیان کے لئے اختیار
کیا جو مختصر بھی ہے اور بلیغ بھی اور مقصود کے واضح کرنے میں کافی بھی ترجمہ

اس کا یہ ہے کہ وہ عورتیں یعنی حلال عورتیں تمہارے لئے لباس میں اور
 تم ان کے لئے لباس ہو۔ عن کے ترجمہ میں حلال عورتیں میں نے اس لئے
 کہا کہ اوپر سے ازواج ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے دوسرے عام عورتوں کو مردوں
 سے کوئی خصوصیت مقصودہ نہیں اس لئے عام عورتوں کو مردوں کا لباس اور
 مردوں کو ان کا لباس نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آگے معلوم ہو جائے گا کہ لباس
 کی ساتھ تعبیر کر نیے شدت تعلق کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ شدت
 تعلق عام عورتوں اور مردوں میں نہیں ہوا کرتا بلکہ زوجین ہی میں ہوتا ہے
 تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ غیر حلال کے منافع کیوں بیان فرماتے اگر کہیں نفع بھی
 محتمل تھا تو اس کے ضرر کو غالب بنا کر اس نفع کو غیر قابل تحصیل فرما دیا، جیسا
 ارشاد ہے : اِنَّهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔

اور خمر کے باب میں ارشاد ہے :

اِنَّهُ لَيْسَ بِذَوَاعٍ وَالْكَبْتَةُ ذَا عَوٍّ (رواہ مسلم)

اور اس آیت میں مرد عورت کے تعلق کے منافع کا ذکر نہ ہو بلکہ تعلق
 حلال ہی کا ذکر ہو، اور حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خمر وغیرہ حرام چیز میں دو اہمیت
 و تصنع مطلقاً نہیں تاکہ یہ اشکال وارد ہو کہ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے، ہم تو مشاہدہ
 سے دیکھتے ہیں کہ حرام چیزوں سے بھی نفع ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ
 وہ نفع قابل اعتبار نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہوتا ہے اگر
 کسی شے میں غالب نفع ہے تو وہ شے نافع ہے اور اگر ضرر غالب ہے تو وہ
 مضر ہے پس مطلب یہ ہے کہ حرام میں ضرر اس قدر ہے کہ اس کے
 مقابلہ میں نفع ناقابل اعتبار ہے کیونکہ (ایک تو) آخرت میں اس کا ضرر شدید
 ہے جس کے مقابلہ میں شفا عاجل کا عیدم و کالمنفی ہے (دوسرے جن چیزوں
 کو شرعت نے حرام کیا ہے دنیا میں بھی وہ ضرر سے خالی نہیں ان

میں غالب ضرر ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طہیات کو حلال کیا ہے اور خبیثات کو حرام پس تحقیق و تفتیش سے معلوم ہو جائے گا کہ جن چیزوں کو شریعت نے حرام کیا ہے ان میں ضرر ہی غالب ہے گو کسی خاص وقت میں ضرر کا ظہور نہ ہو^{۱۲} پس حرام سے جو شفا ہوتی ہے وہ حقیقت میں شفا ہی نہیں (بلکہ وہ ایک مرض کو دفع کرتی ہے۔ دوسرے امراض جسم میں پیدا کر دیتی ہے ۱۲) بہر حال اس کا قائل ہونا ضروری ہے کہ یہاں حلال بیبیاں اور حلال مرد مراد ہیں کیونکہ تخصیص بالازواج پر قرآن عظیم بھی قائم ہیں اور قرآن نعلیہ بھی۔

آیت کی شان نزول | اور ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول بھی تخصیص بالازواج ہی کو مقتضی ہے مگر

اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں۔ اب میں مکرر ترجمہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیبیاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اس کے بعد میں اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو عنوان لباس سے مقصود ہے یعنی اس تعلق کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو زوجین کے درمیان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس عنوان بلیغ سے بیان فرمایا ہے پس اول یہ سمجھنا چاہیے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کو استعمال فرمایا ہے کیونکہ لباس لغوی تو لقیناً مراد نہیں بلکہ استعارہ و مجاز مراد ہے اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ایک چیز کی دوسرے کے ساتھ تشبیہ کسی خاص وصف میں ہوتی ہے خواہ وصف واحد ہو یا متعدد۔ پھر کبھی تو وہ وصف منصوص ہوتا ہے اور کبھی اجتہادی ہوتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وجہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہیے جو مشبہ بہ میں مشہور و معروف اور واضح ہو جیسے شجاعت میں تشبیہ دینے کے لئے کہا جاتا ہے زید اسد زید شیر ہے کیونکہ شیر کی بہادری اور شجاعت

مشہور ہے۔ اسی طرح یہاں جو زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وہ تشبیہ ایسا وصف ہونا چاہیے جس میں لباس مشہور ہے اب ہم کو لباس کے اوصاف میں غور کرنا چاہیے۔

اور گو اسکی تعین میں اختلاف ہوا ہے کہ یہاں کونسا وصف مراد ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان سب اقوال میں تعارض کچھ نہیں بلکہ سب کا حاصل یہ ہے کہ وجہ تشبیہ میں تعدد ہے کیونکہ لباس کے اوصاف متعدد ہیں اور سب کو زوجین کے تعلق سے مناسبت ہے پس ایک شخص کا ذہن ایک وصف کی طرف منتقل ہوا اور دوسرے کا دوسرے وصف کی طرف چنانچہ لباس میں ایک وصف اشتمال ہے چونکہ زوجین میں تعلق و تواصل کے وقت اشتمال یکدگر ہوتا ہے اس لئے ہر ایک کو لباس سے تشبیہ دی گئی مگر شارع کا مقصود اس تشبیہ سے محض اس اشتمال حسی پر اشارہ کرنا نہیں بلکہ شدت تعلق کی طرف اشارہ مقصود ہے یعنی اس تشبیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ زوجین میں بہت شدید اور گہرا تعلق ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے | تعلق زوجین اللہ تعالیٰ کی رحمت کہ میاں بی بی کے درمیان ایسا

قوی تعلق پیدا کر دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ کوئی تعلق دنیا میں نہیں ہوتا کیونکہ بدون تعلق شدید کے حقوق زوجیت کا لبہولت ادا ہونا دشوار تھا گو قدرت سے باہر تو نہیں کیونکہ وہ تمام حقوق انسان کی قدرت و اختیار میں ہیں اور انسان اپنے ارادہ و اختیار ہی کے صرف کرنے کا مکلف ہے اور اسی سے صدور افعال کا ہوتا ہے اس سے کام لینا بہت ضروری ہے مگر لوگ خاص دین کے باب میں اس کے درپے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کو ایسا شدید تعلق ہو جائے کہ حقوق خود بخود ادا ہوتے رہیں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے بس محبت

شوق کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ نماز روزہ خود ہی ادا ہوتا ہے ، سو یہ حالت غیر اختیاری ہے ۔ بندہ کے اختیار میں نہیں ۔

صرف امور اختیار یہی مقصود ہیں | بلکہ اس کے ذمہ یہ واجب ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے کام لے

اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو اس مسئلہ کے متعلق میرے چند بیانات ہو چکے ہیں اور یہ بہت ضروری مسئلہ ہے جیسے حدیث میں ،

الطَّهْرُ شَطْرُ الْإِيمَانِ (پاکی ایمان کا جزو ہے)

وارد ہے اسی طرح میں اس مسئلہ کو نصف السلوک سمجھتا ہوں کہ اختیاری میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو لوگوں نے آج کل صرف نماز روزہ کا نام دین رکھ لیا ہے حالانکہ یہ عمل دین کا جزو ہے کہ اختیاری امور کے درپے ہو غیر اختیاری کے درپے نہ ہو اور یاد رکھو کہ یہ امور غیر اختیاری یعنی حالات و کیفیات وغیرہ اگر کبھی حاصل ہوتے ہیں اعمال اختیار یہ ہی میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ عمل اختیاری سے غیر اختیاری کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ حصول میں تعجل و تاخیر اختیار سے باہر ہے کبھی تو نقصان عمل کی وجہ سے تاخیر ہوتی ہے کبھی قلت استعداد و ضعف استعداد کی وجہ سے دیر ہوتی ہے پس تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو خود ان کے درپے نہ ہو بلکہ ان اعمال کے درپے ہو جو تمہارے اختیار میں ہیں ۷

تو بندگی جو گدایان بشرط مزد و مکن

کہ خواجہ خود روشن بندہ پروری داند

وہ خود جانتے ہیں کہ تمہارے لئے کیا مناسب ہے کیا نہیں اس لئے اگر حالات و کیفیات تمہارے لئے مناسب ہوں گے عطا کر دیں گے نہیں مناسب ہوں گے تو نہیں عطا کریں گے ۔ دیکھو ماں اپنے بچہ کے واسطے جو مصلحت سمجھتی ہے وہی

کرتی ہے بچہ کی خواہش پر عمل نہیں کرتی خصوصاً باپ کہ وہ تو بچہ کی ضد سے مغلوب ہی نہیں ہوتا ماں کسی وقت مغلوب بھی ہو جاتی ہے مگر زیادہ حالت یہی ہے کہ والدین بچہ کے ساتھ اپنی رائے کے موافق معاملہ کرتے ہیں جو مصلحت جانتے ہیں ویسا ہی عمل کرتے ہیں گو بچہ کتنا ہی ضد کرے مولانا فرماتے ہیں ۵

طفیلے لرزد ز نیش احتجام

مادر مشفق ازاں غم شاد کام

بچہ پچھنے لگانے والے کے نشتر وغیرہ کو دیکھ کر روتا ڈرتا ہے مگر ماں خوشی کے ساتھ اس کے پچھنے لگواتی ہے کیونکہ اس کی نظر انجامِ صحت پر ہے۔ عربی میں حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں خط بنانے والے کو نہیں کہتے بلکہ اس کو حلاق کہتے ہیں مگر آجکل حلاق کو حجام کہا جاتا ہے اور ہمارے یہاں کے بچے تو اس سے بھی ڈرتے ہیں چنانچہ سر مونڈنے کے وقت بہت روتے ہیں تو جب ماں باپ بچوں کی رائے پر کام نہیں کرتے پھر حق تعالیٰ بندوں کی رائے پر کیوں کام کریں اور تم سے مشورہ کیوں لیں وہاں شخصیت ہے پارلیمنٹ نہیں ہے۔ غرض اعمالِ اختیار یہ میں بھی امورِ غیر اختیار یہ کا قصد نہ کرے جو بات اس کے اختیار میں نہیں ہے اس کی طرف التفات ہی نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگے صاحبو! انسان کے اندر ایک چیز ہے جس سے صدور افعال ہوتا ہے جس کا نام قصد و اختیار ہے آدمی جب تک اس سے ہمت کے ساتھ کام لیتا ہے معاصی سے بچ سکتا ہے۔

مگر سوخ و دوام صرف دائی فی
اصل قلب میں داعیہ خیر ہو | القلب ہی سے ہوتا ہے کہ دل میں

کوئی خاص حالت پیدا ہو جائے ایسا شخص کسی وقت بھی احکام سے پہلو تہی نہیں کر سکتا وہ شادی کی پہلی رات میں بھی نماز کی جماعت ترک

نہیں کرتا اور جو شخص داعی قلب سے خالی ہے وہ ایسے وقت میں اول تو نماز
 قضا کر دے گا ورنہ جماعت تو فوت کر ہی دے گا حالانکہ بیوی میاں کو نماز
 سے نہیں روکتی مگر آپ دیکھ لیں کہ شادی کر کے شب زفاف میں کتنے لوگ
 نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ حالت موجودہ یہ ہے کہ نکاح شادی میں درلہا و دہن کا تو کیا
 سارے بار اُتی اور گھر والے ہی بے نمازی ہو جاتے ہیں خصوصاً وہ لوگ
 جن کے سپرد کوئی کام یا انتظام ہو اور اس کی وجہ وہی ہے کہ لوگ داعی قلب سے
 خالی ہیں ورنہ اگر قلب میں نماز کا داعی ہوتا تو وہ نمازی آدمی کو نماز کے وقت
 بے چین کر دیتا ہے بدون نماز کے اس کو چین ہی نہیں آتا اب بتلایئے وہ کسی
 وقت قصداً جگتے ہوئے ہوش دھوا س میں ہوتے ہوئے نماز کیوں کر
 ترک کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس ددام اور بناہ سہولت کے ساتھ داعی قلب
 اسی سے ہوتا ہے اور بدون اسی کے بھی ددام ہو سکتا ہے مگر ہمت قویہ کے
 ساتھ ہر وقت ارادہ اور اختیار سے کام لے ہر روز نیا قصد اور نیا ارادہ
 پیدا کرے اسی لئے حضرت شارع نے ہم کو سہولت اعمال کے طریقے
 بھی بتلا دیئے ہیں (جو حاصل ہے قلب میں داعی پیدا ہو جانے کا) مگر تسہیل اعمال
 کے طریقے بتلانا شارع یا نائب شارع کے ذمہ نہیں بلکہ اگر وہ ایسے طریقے
 بتلا دیں تو ان کا تبرع و احسان ہے اس مسئلہ پر بھی میرا ایک بیان ہو چکا ہے۔
 جس کا نام التہیل و التحصیل ہے ۱۱۲ کیونکہ عمل کا مدار اس پر نہیں بلکہ اصل مدار
 اعمال ارادہ و قصد و صرف اختیار پر ہے ہاں اسمیں شک نہیں کہ طریقہ موقوف صدقہ
 اعمال کا یہی ہے کہ حق تعالیٰ قلب میں ایک داعی اور تقاضا پیدا کر دیں خصوصاً
 بچوں کی پرورش جو کہ محض گوہ کا ڈھیر اور موت کی پوٹ ہیں وہ بدون داعی
 قلب کے ہو ہی نہیں سکتے بچے تو ہر وقت اپنی خدمت کراتے ہیں خود
 خدمت کے لائق نہیں ان کے اقوال و افعال بھی مجنونانہ ہیں مگر حق تعالیٰ نے

محبت ایسی پیدا کر دی ہے کہ ان کی مجنونانہ حرکات بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں
حتیٰ کہ بعض دفعہ وہ کام خلاف تہذیب کر دیتے ہیں جس پر سزا دینا عقلاً ضروری
ہوتی ہے مگر بچوں کے متعلق عقلاً میں اختلاف ہو جاتا ہے ایک کہتا ہے کہ سزا
دی جائے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بچے ہیں ان سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔
معاف کر دینا چاہیے۔

محبت بہت بڑا داعی ہے | غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں دوسرے
کے بچوں پر دیکھ کر پیار آتا ہے اور ان کی

حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعی نہ ہو تو اور راتوں
کو جاگنا اور گویہ موت کرانا پڑتا تو کیوں مگر گزر رہوتا یقیناً بدون محبت کے یہ کام
دشوار ہو جاتا مثلاً کسی غیر کے بچے کی خدمت کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہو
جائے گی کہ خوف کا خوف کر کے تم روزانہ اس کی خدمت کر دو گے مگر دل
میں پیچ و تاب ضرور ہوگا اور اس کے والدین پر غصہ بھی آئے گا کہ کنبختوں نے
دوسروں پر یہ وبال ڈال دیا جن جن کے بچے پھینک دیئے ان کی پرورش نہیں کی
جاتی اور ماندروں کے قصے تو اس بارہ میں بہت ہی مشہور ہیں، ماند و پر سوتیلی
اولاد کی خدمت اس لئے گراں گزرتی ہے کہ اس کے دل میں ان کی محبت نہیں
لے سکتا تو ان سے پریشان ہو کر ان کو ستاتی ہیں اور بعض اللہ کی نیک بندیاں ایذا
تو نہیں پہنچاتیں مگر سوتیلیوں کی خدمت گراں اور دو بھر ان کو بھی ہوتی ہے۔
چونکہ اولاد کی خدمت بدون محبت کے دشوار تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اولاد
کی محبت والدین کے دل میں ایسی پیدا کر دی ہے کہ اب وہ اس خدمت میں
مجبور و مضطر ہیں اور یہ ایسی محبت ہے کہ جو دوات قدسیہ محض محبت حق ہی
کے لئے مخصوص ہیں وہ بھی اس محبت سے خالی نہیں ہیں چنانچہ سیدنا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات حسنینؑ سے ایسی محبت تھی کہ ایک بار آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ حضرات حسنینؑ بچے سے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آگئے حضورؐ سے ان کا لڑکھڑانا دیکھ کر رہا گیا آپ نے درمیان خطبہ ہی میں ممبر سے اتر کر ان کو گود میں اٹھالیا اور پھر خطبہ جاری فرمادیا اگر آج کوئی شیخ ایسا کرے تو آجکل کے جہلا اسکی حرکت کو خلاف وقار کہتے مگر وہ زبان سنبھالیں کیسا وقار لئے پھرتے ہیں آجکل لوگوں نے تکبر کا نام وقار اور خوداری رکھ لیا ہے۔

پستے آدمی کی نشانی

صاحبو! پستے آدمی کی علامت یہی ہے کہ وہ اپنے جذبات فطریہ کے موافق بلا تکلف عمل کرتا ہے اس کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی میرے اس فعل پر اعتراض کر لیا یا کیا سمجھے گا۔ بنا ہوا جھوٹا آدمی ایسا نہیں کر سکتا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پستے بنی ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ میں تصنع اور بناوٹ کا نام و نشان نہ تھا آپ بے تکلف اپنے جذبات پر عمل فرماتے تھے کبھی خطبہ کے درمیان بچوں کو اٹھالیتے تھے کبھی بچہ کو کندھے پر سوار کر کے نماز پڑھ لیتے تھے کبھی صحابہ کے ساتھ مزاح فرماتے تھے کبھی اپنی بیویوں کے ساتھ مسابقت کر لیا کرتے تھے یہ باتیں سچا ہی کر سکتا ہے بنا ہوا مدعی بنوت کبھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو تو ہر دم یہی اندیشہ رہتا ہے کہ لوگ مجھے پر اعتراض نہ کریں اس لئے وہ کبھی آزادی کے ساتھ اپنے جذبات پر عمل نہیں کر سکتا اسی طرح قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ بسیاختہ کلام ہے کسی تکلف کی اس میں پابندی نہیں نہ قافیہ کی نہ سجع کی اور اس سے بڑھ کر ایک بات خاص قرآن میں یہ ہے کہ اس کو سن کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کبھی کبھی کچھ اثر نہیں۔ ورنہ ہر کلام کو غور کر کے دیکھ

لیا جائے تو ضرور متکلم پر کسی نہ کسی کا اثر معلوم ہوگا سلاطین بھی مصالحِ ملکیہ
 سے متاثر ہو کر مصالح کی رعایت سے کلام کرتے ہیں کیونکہ عمائد و اراکین سلطنت
 کا ان پر کچھ اثر ہوتا ہے حتیٰ کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام یعنی
 حدیث سنکر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ متکلم کسی سے مغلوب ہیں کیونکہ آپ پر
 تو خشیت و خوفِ الہی سب سے زیادہ غالب تھا تو آپ کے کلام میں بھی تاثر
 کی شان ہے مگر قرآن شریف میں یہ خاص بات ہے کہ اس کو دیکھ کر معلوم
 ہوتا ہے کہ اس کے متکلم پر کسی کا بھی اثر نہیں ہے آزادی کے ساتھ جو
 چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے یہ بات بہت سے لوگوں کے دل میں
 جنکو قرآن سے کچھ مناسبت ہے آتی ہے اور قریب قریب سب کو احساس
 ہوتا ہے کہ قرآن میں ایک خاص بات ہے جو کسی کلام میں نہیں مگر اس خصوصیت
 کی تعبیر پر اکثر لوگ قادر نہیں ہوتے الحمد للہ میں نے اس کو بہت سہل عنوان سے
 بیان کر دیا ہے ایک عالم کے سامنے میں نے اس بات کو بیان کیا تو وہ وجد
 کرنے لگے اور کہا میرے دل میں بہت دنوں سے یہ بات تھی مگر تعبیر پر قادر
 نہ تھا پھر میں نے حیدر آباد کے ایک عالم کے کلام میں دیکھا کہ انہوں نے اس تقریر
 کو میری طرف منسوب کیا ہے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ طبعاً یہ بات خوشی کی ہے ہی
 غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے واسطے کبھی یہ فکر نہیں
 کی کہ کوئی کیا کہے گا اور حضور صلی اللہ وسلم جو امت کے ساتھ شفیق تھے اپنی
 مصلحت کے واسطے نہ تھے ————— بلکہ ہماری

مصلحت کے واسطے شفیق تھے یہ تو معاملاتِ حیات میں آپ کا برتاؤ تھا،
 اور وفات کے واقعات میں یہ ہوا کہ حضور نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم
 علیہ علی ابیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت رنج و غم کا

اظہار فرمایا آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی رواں تھے اور زبان سے بھی یہ فرمایا : اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمَ كَمَحْزُوْنٍ -

اے ابراہیم ہم کو تمہاری مفارقت کا واقعی صدمہ ہے یہ بھی آپ کے سچے بنی ہونے کی علامت تھی کہ اپنے اس وقت قولاً و عملاً جذبہ فطریہ کو بے تکلف ظاہر فرمایا ورنہ بنا ہوا بنی کبھی اپنے جذبہ کو اس وقت ظاہر نہ کرتا بلکہ بہادر بن ہوا صدمہ کو طالت اور یہ سمجھتا کہ میں دعوائے نبوت کے ساتھ رنج و صدمہ کیونکر ظاہر کروں جبکہ ایک ادنیٰ درجہ کا ولی ایسے موقعہ پر پورے ضبط سے کام لیتا ہے بلکہ بعض اولیاء تو وفات فرزند پر رونے کے بجائے ہنسنے ہیں اور بعض نے اپنی اولاد کو دیکھ کر کہا کہ افسوس یہ سب بچے یتیم ہیں کسی نے کہا حضور یہ کدھر سے یتیم ہو گئے جبکہ آپ ان کے باپ زندہ سلامت ہیں تو کہا میں تو بہت زمانہ سے مرچکا ہوں تو بنا ہوا بنی ان اولیاء کے واقعات سے متاثر ہو کر اپنے رنج و صدمہ کو ضرور دباتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی ذرا پروا نہیں کی بلکہ بے تکلف اپنے جذبات کو ظاہر فرمادیا اور کسی کے معتقد ہونے یا نہ رہنے کی مطلق پرواہ نہیں کی اور حضورؐ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکمل حالت وہی ہے جو حضورؐ پر ظاہر ہوئی اور جو اولیاء ایسے مواقع پر ہنسنے ہیں وہ متوسطین ہیں کیونکہ یہ یکطرفہ ہیں انہوں نے محض خدا کے حق کا لحاظ کیا اولاد کے حقوق کا کہ وہ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں لحاظ نہیں کیا بلکہ اولاد کے حقوق کو تلف کر دیا اور کمال یہ ہے کہ

برکف جام شریعت برکف سندان عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان باختم

آپؐ کی جامعیت | حضورؐ کی یہی شان تھی یعنی جامعیت اور اس

عامیت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ خالق کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے بھی حقوق ادا کرے جن میں اولاد کے حقوق سب سے زیادہ ہیں اور اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ ان کے مرنیکے وقت ان کی مفارقت کا رنج و غم بھی کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو بھی ادا کر کے دکھلا دیا اور یہی نہیں کہ محض عقلی غم ہوا ہو بلکہ آپ کو طبعی غم بھی ہوا کیونکہ بکار بالعیین محض عقلی غم سے نہیں ہو سکتا آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا رداں ہونا بتلاتا ہے کہ آپ کو طبعی رنج و غم ہوا تھا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اولاد کی محبت سے ذوات قدرسیہ بھی خالی نہیں تو یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے — کہ ہمارے اندر اولاد کی محبت پیدا کر دی اگر یہ داعی نہ ہوتا تو ہم ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے اور یہ حکمت ہم اپنے لحاظ سے بیان کر رہے ہیں باقی انبیاء علیہم السلام میں یہ محبت کس حکمت کی وجہ سے کی گئی اس کو ہم نہیں جانتے کیونکہ یہ حکمت جو ہمارے لحاظ سے ہے وہاں نہیں ہو سکتی وہ حضرات بدون محبت کے کبھی اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کرتے بوجہ امر حق کے ان کے لئے تو امر حق ہی بڑا داعی تھا اور یہی تمام حقوق کے ادا کے لئے کافی تھا پھر اس حکمت کے بعد کمال

عہ قلت ولا یبعد ان یکون ایداع حب الاولاد والازواج فی قلوب الانبیاء لا تمام
الحجة علی الخلق بان الانبیاء مع کونهم ارشاد قویة واکمل جذبة الی ازواج والذریة لا
یعصون الله طرفته عین ولا یشغلهم حب الخلق عن الخالق ولا ساعة فیکم فی رسل الله
اسوة حسنة ولو کانوا عراة عن ذلک الحب لم یوتر تبلیغهم فی الناس وقالوا انکم لا تعصون
الله بخلو قلوبکم وسلو بالکم عن حب الازواج والذریة ولو کنتم مثلنا مشغوفین
بهم لم تستطیعوا العمل بما امر وبناهذا والله تعالیٰ اعلم وعلما تم واحکم

عنایت یہ ہے کہ باوجودیکہ والدین اولاد کی تربیت اور شوہر بیوی کے ساتھ الفت اپنے فطری جذبہ سے مجبور ہو کر کرتا ہے مگر اس پر اس کو ثواب بھی ملتا ہے حدیث میں :

حَتَّى اللَّقْمَةِ تَضَعَهَا فِي فَمِ امْرَأَتِكَ فَهِيَ صَدَقَةٌ

کہ بیوی کے منہ میں جو ایک لقمہ شوہر رکھ دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اس کا بھی ثواب ملتا ہے حالانکہ قیاس و عقل کا مقتضی یہ تھا کہ اس میں ثواب تو کیسا ملتا بلکہ برعکس فیس مانگی جاتی تو لجید نہ تھا مگر اللہ رے عنایت کہ وہ خود اپنے پاس سے فیس دیتے ہیں اور یہاں سے اس اولاد کی نالائقی ظاہر ہو گئی جو والدین کی خدمت و تربیت کی یہ کہہ کر ناقدری کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبہ فطریہ سے مجبور ہو کر کیا جس سے جانور تک مجبور ہو کر اپنی اولاد کی خدمت کرتے ہیں۔ افسوس! ان لوگوں کو شرم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انسان کے جذبات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں وہ تو والدین کی اس خدمت و تربیت کی اتنی قدر فرماتے ہیں کہ ایک ایک لقمہ پر ان کو اجر دیتے ہیں حالانکہ اس سے خدا کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچتا اور اولاد جس کو والدین کے اس جذبہ سے پورا نفع پہنچا ہے یہ کہہ کر اس کو ٹھکراتی ہے کہ والدین نے ہمارے ساتھ کیا کیا جو کچھ کیا اپنے جذبہ سے مجبور ہو کر کیا۔

یہ مضمون محبت اولاد کا اس پر چلا تھا

ما قبل سے رابطہ

کہ میں نے یہ کہا تھا کہ صدور افعال کا مدار تو ارادہ و اختیار پر ہے مگر سہولت اعمال داعی قلب ہے ہوتی ہے اسی سے اعمال میں رُسوخ و دوام نصیب ہوتا ہے دیکھئے رمضان میں بعض وقت

سخت گرمی ہوتی ہے مگر روزہ دار کو جو روزہ کا عادی ہو چکا ہو کوئی ہزار بلکہ لاکھ روپے بھی دے کہ تو روزہ توڑ دے تو وہ ہرگز نہ توڑے گا حالانکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں روزہ کا کفارہ ادا کر سکتا ہوں مگر عمداً افطار کرنے پر کفارہ کے بھروسے کوئی روزہ دار جرأت نہیں کرتا خصوصاً ان پڑھ مسلمان کہ وہ اس معاملہ میں مولویوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں پڑھے لکھے تو اگر مگر کر کے کچھ تاویل بھی کر لیتے ہیں مگر جاہل لوگ نہایت پختہ ہوتے ہیں وہ تاویل کو نہیں جانتے یہ مولوی تو بعض دفعہ معمولی مرض میں روزہ توڑ دیتے ہیں مگر جاہل مسلمان سخت مرض میں بھی روزہ نہیں توڑتے چاہے ان کی جان جاتی رہے۔ اب اس کے متعلق بعض مولوی استفسار کیا کرتے ہیں کہ جب اس شخص کو شرعاً افطار جائز تھا تو اس کو افطار نہ کر کے اپنے کو ہلاک کرنے کا گناہ ہوا یا نہیں میں کہتا ہوں کہ تم نے اس کی بہت دہشتگی کی اچھی قدر کی کہ تم اس کو گنہگار بھی کرنا چاہتے ہو۔ صاحب اس کو افطار نہ کرنے پر اصرار ملے گا کیونکہ وہ تو افطار کو ممنوع سمجھ کر روزہ پر اصرار کر رہا ہے۔

وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔

یہ اور بات ہے کہ اس کو جہل عن الاحکام کا گناہ ہو سو اس کو اس حالت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں جاہل کو جہل کا گناہ تو ہر حالت میں ہے جب تک وہ جاہل رہے گا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ روزہ دار جو ایک روزہ کے مقابلہ میں ہزار لاکھ روپے پر لات مار دیتا ہے یہ کیا بات ہے یہ اسی داعی قلب کا اثر ہے جس نے روزہ کی ساتھ اتنا تعلق بڑھا دیا کہ دنیا کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رہی یہ بات بد مذہب داعی

قلب کے محض ارادہ و قصد سے نہیں ہوتی جو شخص محض ارادہ اور قصد سے عمل کرتا وہ بعض وقت دنیا کو دین پر مقدم بھی کر دیتا ہے اور جو داعی قلب سے عمل کرتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

إِلَّا نَادِرًا وَ النَّادِرُ كَالْمَعْدُومِ (۱۲)

پس آیت میں زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دے کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم نے زوجین کے متعلق جو حقوق رکھے ہیں ان کی تسہیل اس طرح کر دی گئی ہے کہ طرفین میں قوی تعلق رکھ دیا ہے جس سے ادا نئے حقوق آسان ہو گیا۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ادا نئے حقوق نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ اس کی تسہیل کا ایسے طریقہ سے انتظام فرمایا جو بندہ کے اختیار سے باہر تھا جس چیز کا اللہ تعالیٰ اہتمام فرمائیں ہمارے ذمہ اس کی نگہداشت نہایت ضروری ہے مگر آجکل حالت یہ ہے کہ مرد اپنے حقوق تو بیوی کے ذمہ سمجھتے ہیں بیوی کے حقوق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے جیسے بعضا باپ اولاد پر تو اپنا حق سمجھتا ہے مگر اولاد کے حقوق اپنے اوپر نہیں جانتا اور اس میں راز یہ ہے کہ عرفاً حکومت زندگی ہے محکومیت موت ہے۔ اس لئے حاکم زندہ ہے وہ اپنے حقوق کو بھی زندہ سمجھتا ہے اور وصول کر لیتا ہے اور محکوم چونکہ مردہ ہے اس لئے اس کے حقوق بھی مردہ سمجھے جاتے ہیں اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ آجکل ہر محکوم کے حقوق مردہ ہیں اکثر سلاطین رعایا سے اپنے حقوق وصول بھی کر لیتے ہیں اور مطالبہ بھی کرتے ہیں مگر رعایا کے حقوق ادا نہیں کرتے ان کی راحت و چین کا پورا انتظام نہیں کرتے اسی طرح سلاطین سے

نیچے جو حکام ہیں وہ بھی اپنا بھلا چاہتے ہیں محکومین کے ساتھ ذرا ہمدردی نہیں کرتے ان کے بعد باپ کی حکومت اولاد پر ہے شوہر کی بیوی پر آقا کی نوکر پر اساتاد کی شاگرد پر پیر کی مرید پر قریب قریب سب کی یہی حالت ہے کہ صاحب حکومت اپنے حقوق وصول کر لیتا ہے اور محکوم کے حقوق عموماً مردہ سمجھیں جاتے ہیں کیونکہ وہ مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں جو محکوم حاکم کا مقابلہ کر کے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کچھ حق مل جاتا ہے تو یوں کہتے کہ آج کل اہل حکومت یوں چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اس وقت تک اس کو حقوق نہ دیتے جائیں ہاں جس دن وہ محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بن کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے گا اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں گے کیونکہ مثل مشہور ہے جس کی لاٹھی اسکی بھینس "مگر شریعت میں اس کا برعکس ہے شریعت میں ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا۔ ایسے حقوق خدا تعالیٰ خود حساب اور مطالبہ فرمائیں گے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا کوئی مددگار نہ ہو خدا اس کا سب سے زیادہ مددگار ہے۔ چنانچہ مظلوم کی بددعا کا رد نہ ہونا اسی پر مبنی ہے کہ رد نہیں ہوتی مظلوم جب بددعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

لَا نَصْرَ لَكَ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ اَوْ كَمَا قَالَ - ۵

میں ضرورتیری مدد کروں گا کچھ دیر ہی میں اس کا ظہور ہو۔ اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے آیتہ الموارث میں وصیت کے

ذکر کو دین سے مقدم کیا ہے حالانکہ بالا جہاں دین کا ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے علماء نے اس میں یہی وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیم وصیت میں ہم کو متنبہ کیا ہے کہ جس حق کو صاحب حق زور کے ساتھ وصول نہ کر سکے اس کا مطالبہ سب سے پہلے ہم کریں گے پس وصیت کر محض اس وجہ سے کہ تبرع ہے اور موصیٰ نہ کو بعض اوقات اس کی خبر بھی نہیں ہوتی یا اس میں قوت نہیں ہوتی اس واسطے وہ مطالبہ نہیں کر سکتا اور خبر و قوت بھی ہو تب وہ مطالبہ سے شرماتا ہے کہ لوگ کہیں گے، میاں کچھ تم نے دیا تھا جو تقاضا کرتے ہو معصولی بات سمجھ کر مت ٹالنا بلکہ اس کے نافذ کرنے کا پورا اہتمام کرنا اور دین کو ادا میں مقدم ہے مگر چونکہ اس کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے جو کاغذ سے اور گواہوں سے ثبوت دے کر مطالبہ کر لے گا اور مطالبہ میں شرمائے گا بھی نہیں اس لئے اس کا ذکر موخر کیا گیا۔ غرض باپ نے اور خاوند نے یعنی اہل حکومت نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہمارے حقوق زندہ ہیں کیونکہ ہم وصول کرنے اور مطالبہ کرنے پر قادر ہیں اور عورتیں بیچارہ کچھ نہیں کر سکتیں اس لئے ان کے حقوق مردہ سمجھے جاتے ہیں۔ ہاں عورتیں ایک کام تو کرتی ہیں کہ ان کو کوسنا خوب آتا ہے جب کوئی خاوند ان کو ستاتا ہے تو ان کی زبان خوب چلتی ہے کہ جھاڑو مارو آگ لگانگوڑا مگر اس کے نہ جھاڑو لگے نہ آگ لگے ہاں دل میں ان باتوں سے ضرور آگ لگتی ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ مارتا ہے اور یہ بھی برابر زبان کو تیز کرتی جاتی ہیں، عورتیں کہا کرتی ہیں کہ کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان چلے، مگر صاحبو! اس زندگی میں کچھ لطف نہیں کہ چار دن ہنس بول لئے اور دس دن کو لڑ جھگڑ لئے۔

لطفِ زندگی جی بھی ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کے حقوق کی پوری رعایت ہو مگر مردوں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم عورتوں کو کھانا پکڑا دیتے ہیں بس اس سے سارا حق ادا ہو گیا اور اس کے بعد جو کچھ حقوق ہیں عورتوں ہی کے ذمہ ہیں ہمارے ذمہ کچھ نہیں۔

حقِ زوجہ کی اہمیت | مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے پکڑے کے عوض میں بیبیاں تمہاری اس قدر خدمت

کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کر سکتی جس کو شک ہو وہ سخت کر کے دیکھ لے بدون بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چلے تم لا کھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جن کی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں کے ہاتھوں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جسکی کچھ حد نہیں نکاح ہی کے بعد گھر کا انتظام ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں اور منتظم کی بڑی عزت و قدر کی جاتی ہے۔ دیکھئے ولسرائے ظاہر میں کام کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اس کو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس کی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے پس بیویوں کا یہی کام اتنا بڑا ہے جس کا عوض نان و نفقہ نہیں ہو سکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں خصوصاً بچوں کو بڑی محنت سے پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما کبھی بیوی کی بے ابری

نہیں کر سکتیں۔

ہندوستانی عورتیں | اور یہ ہندوستان کی عورتیں خصوصاً ہمارے اطراف کی عورتیں تو واقعی جنت کی خوریں ہیں جن کی شان میں عربا یعنی عاشقات لازواج آیا ہے چنانچہ مردوں پر فدا ہیں کہ مردوں کی ایذا کو ہر طرح سہتی ہیں اور صبر کرتی ہیں ورنہ بعض مقامات میں تو روزانہ خلع طلاق ہوا کرتا ہے اور عرب میں وہاں سے بھی زیادہ ہمنے وہاں ایک ایک سالہ لڑکی کو دیکھا اس کے ساتواں خاوند تھا۔ وہاں تو یہ حالت ہے کہ جہاں عورت مرد میں نا اتفاقی ہوئی اور عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ دائر کیا اور انوشت کا خاصہ ہے کہ حاکم عورت ہی کو مظلوم سمجھتا ہے اس لئے عموماً ڈگریاں انہی کو ملتی ہیں اور فوراً مرد کو طلاق یا خلع پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ اول تو کوئی عورت طلاق خلع کو گوارا نہیں کرتی اور جو سخت مصیبت میں خلع کی درخواست کرتی بھی ہے تو یہ حال ہوتا ہے کہ کانپور میں قاضی صاحب سے (جو نکاح خواں قاضی تھے) خود خلع کی درخواست کی چنانچہ قاضی صاحب کے کہنے سے مرد خلع پر راضی ہو گیا پھر جب اس نے عورت کو طلاق دی ہے تو حالانکہ خود اسی کی درخواست پر دی تھی لیکن طلاق دیتے ہی وہ دھاڑیں مار کر روتی تھی کہ ہائے میں برباد ہو گئی، ہائے میں تباہ ہو گئی۔

اور ہندوستان کی عورتوں میں خوروں کی ایک اور صفت بھی ہے۔
یعنی قِصَرَاتُ الظَّرْفِ

چنانچہ ان کو اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ بعض عورتوں کو عمر بھر غیر مرد کا دوسرہ بھی نہیں آیا اور اگر ان کو کسی غیر کا میلان اپنی

طرف معلوم ہو جائے تو اس سے سخت نفرت ہو جاتی ہے یہاں کی یہی تہذیب
 ہے مگر یورپ کی تہذیب ہے کہ جو اپنے کو چاہے ہمکو بھی اسکی طرف جھکنا
 چاہیے اس لئے اگر وہاں کی عورتیں کسی کو اپنی طرف مائل دیکھتی ہیں اسکی خوب
 خاطر مدارات کرتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کو جو اپنے مردوں کے
 ساتھ اس قدر تعلق ہے یہ زمین ہند کا خاصہ ہے اسی لئے بھاشا وغیرہ میں جو
 عاشقانہ دودھ ہے ہیں ان میں عورت کی طرف سے مرد کو خطاب ہوتا ہے۔
 اور سستی کی رسم کا منشا بھی یہی تعلق ہے گو یہ صلوہ ہے تو ہندوستان کا مذاق
 میلان النساء الی الرجال ہے اور عرب کا مذاق میلان الرجال الی النساء ہے
 عرب کا مرد عورت کو عاشقانہ خطاب کرتا ہے اور سب سے گندہ مذاق فارسی
 کا ہے یعنی میلان الرجال الی الرجال فارسی شاعری میں مرد مرد کو خطاب
 کرتا ہے کہ تو حیرت ہے کہ جہاں کی عورتیں دنیا بھر کی عورتوں سے زیادہ
 مردوں کی تابع و مطیع ہیں وہاں ہی یہ ظلم ہے کہ ان کے حقوق ادا نہیں کئے
 جاتے۔ اور جہاں روزانہ خلع و طلاق ہوتا رہتا ہے۔ اور قاضی کے دروازہ
 پر عورتیں کھڑی رہتی ہیں وہاں کے مردوں کا مزاج درست رہتا ہے
 اب میں ان حقوق کی تفصیل تو نہیں کر سکتا کیونکہ وقت مختصر ہے اور نہ تفصیل
 کی ضرورت ہے کیونکہ کتابوں میں حقوق ازدواج مفصل مذکور ہیں البتہ اسوقت
 ایک قصہ یاد آگیا اس کو بیان کئے دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ
 خاوند اور باپ جو یہ سمجھتا ہے کہ سالے حقوق میرے ہی عورت پر یا اولاد
 پر ہیں مجھ پر کوئی حق اُن کا نہیں یہ غلط ہے۔

حقوق محکوم پر حکایت عجیب | واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 کے دربار میں ایک باپ نے اپنے

بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المؤمنین کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی باپ پر کچھ حق ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے، کہا میں ان حقوق کو سُننا چاہتا ہوں۔ فرمایا اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے شریف عورت تجویز کرے اور جب اولاد پیدا ہو ان کا نام اچھا رکھے اور جب ان کے ہوش درست ہو جائیں ان کو تہذیب اور تعلیم دین دے۔ لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسی باندی کو میری ماں بنایا ہے جو آوارہ گرد تھی۔ اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام جُعَل رکھا جس کے معنی ہیں گوہ کا کپڑا اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھایا مجھے دینی تعلیم سے بالکل کورا رکھا۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ کو باپ پر بہت غصہ آیا اور اس کو بہت دھمکایا اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ جاؤ پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو اس کے بعد لڑکے کے ظلم کی فہرست یاد کرنا۔

خلاصہ یہ کہ :

لباس کا پہلا معنی | هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُمْ

میں زوجین کو لباس سے تشبیہ دے کر ایک اشارہ تو اس طرف فرمایا کہ ہم نے ادائے حقوق کی تسہیل کے لئے زوجین میں ایسا قوی تعلق پیدا کیا ہے کہ جس کی وجہ سے گویا دونوں متحد ہیں کہ ایک دوسرے کو مشتمل ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہتے کہ دو قالب ایک جان ہیں۔

لباس کا دوسرا معنی | اور دوسرا اشارہ اس تشبیہ میں اس
طرف فرمایا کہ جیسے لباس میں ستر کی شان
ہے اسی طرح عورت مرد کی ساتر ہے اور مرد عورت کے لئے ساتر ہے۔

مصلحت نکاح | اور یہ ستر کئی طرح پر ہے ایک اس طرح کہ ہر ایک
دوسرے کی غیوب کے لئے ساتر ہے کیونکہ نفس

میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل
بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کر لیتا اور اس طرح
اسکی بے حیائی کا عیب نمایاں ہو جائے گا اسی لئے شریعت نے نکاح
تجویز کیا ہے جس میں تقاضائے نفس کو پورا کرنے کے لئے ایک محل
کی تعیین ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیر خواہ ہونا
ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر عقل سے استفسار کیا جائے تو عقل نکاح کو
تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت
کا اس طرح بے حجاب ہو جانا اور اس کے ساتھ مرد کا بے حجاب ہونا
عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو
زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ اب تو ایک ہی اجنبی مرد و عورت بے حجاب ہو رہے تھے
پھر نہ معلوم کتنے مرد و اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور
کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد
عورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے ان عواقب پر نظر
کر کے شریعت سماویہ نے نکاح کو تجویز کیا تاکہ اس تقاضے کے پورا
ہونے کا محل محدود و متعین ہو کر فتنہ نہ بڑھے اور یہی علامت ہے
مذہب کے سماوی ہونے کی کہ اسکی عواقب پر محیط ہوتی ہے اور جو

قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی — !

اسی لئے بعض جگہ شریعت کا حکم بظاہر رخصت پر عمل | عزیمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے مگر عواقب کے اعتبار سے وہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ فی العمل سے منع فرمایا ہے اور جب بعض صحابہ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے اور سنکر اپنے نزدیک ان کو تھوڑا کام سمجھا اور یہ کہا کہ حضور تو بالکل بخشنے بخشنائے ہیں ہم کو زیادہ کام کرنا چاہیے اور یہ بھی حضرات صحابہ کے حسن مذاق کی دلیل ہے کہ ان کو اعمال صالحہ کا بہت شوق تھا ورنہ ہم ہوتے تو یوں کہتے کہ جب حضور پیغمبر ہو کر اتنا کام کرتے ہیں تو ہم کو تو اس سے بھی کم کافی ہے ہم تو چھوٹے درجہ کے ہیں ہم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہے جب حضور کو صحابہ کا قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا :

أَمَّا أَنَا فَأَقُومُ وَأَرْقُودُ وَأَصُومُ وَأَفْطِرُ
وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ هَذَا مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ رَغِبَ
عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي أَوْ كَمَا قَالَ :

اب ظاہر بین سمجھتا ہے کہ حضور نے تکثیر عمل سے منع فرمادیا مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ درحقیقت حضور نے تعلیل عمل سے منع فرمادیا ہے کیونکہ مبالغہ فی العمل کا مال تعطل ہے۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت میں زیادتی نہ کرنا یہ کامل اور عاقل کی تعلیم ہے اور اناڑی تو یوں کہتا ہے

کہ جتنی محنت ہو سکے کر لو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس دفعہ کہنے کو جی چاہے تو ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو جیسے کھانے میں اطباق کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھ کر کھانا چاہیے ورنہ ایک دفعہ کھولنس کر کھانے کا اجناسم یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مرجائے گی۔ پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک مرجائے گی پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک کھالیں گے تو معدہ کا ناس ہو جائے گا۔ مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن صاحب ہمارے پوری کے پاس ایک بدھنمی کامرلیض آیا آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھنا چاہا تو وہ کہتا ہے کہ اُس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا اسی طرح یہاں ہمارے قصبہ میں ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کر کے پھر کھاتے تھے یہ تو واہیات ہے بلکہ موجب ہلاکت ہے۔

کھانے میں اعتدال | پس اعتدال یہ ہے جو حدیث میں ہے۔

ثَلَاثٌ لِّطَعَامِهِ وَثَلَاثٌ لِّشَرَابِهِ

وَثَلَاثٌ لِّنَفْسِهِ

ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے اور ایک ثلث کی قید غالباً اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ گنجائش رکھ کر کھانا چاہیے یہی تسلیم مولانا کی لکھنے پر ٹھہرنے کے متعلق تھی کہ تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر محنت کیا کرو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تم نے چکئی بھی پھرائی ہے ہم نے کہا حضرت نہیں فرمایا تم نے دنیا میں خاک دیکھا۔ دیکھو چکئی پھرانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس پر سے

سارا ڈورا نہ اُتار جائے اگر ڈورا سارا اُتر جائے گا تو پھر از سر نو چڑھانا
پرٹے گا اور اگر تھوڑا سا ڈورا اس پر پٹا ہے تو نہایت آسانی سے
اسی پر لوٹ آتی ہے۔ یہی قاعدہ شارع نے مقرر کیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَمِيلُ حَتَّى تَمْلُؤُوا -

یعنی عمل شوق باقی رکھ کر و اتنا عمل نہ کرو کہ سارا شوق ایک دم سے
ہی پورا کر لو بلکہ نفس پر آسانی کرو زیادتی نہ کرو عبادت تحمل کے موافق کرو
تحمل سے زیادہ نہ کرو۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ شریعت کی نظر عواقب پر
ہوتی ہے گو ظاہر میں خلاف عزیمت ہو مگر انجام کے لحاظ سے وہی
افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل تو مطلقاً حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو
خلاف حیا بتلاتی ہے مگر شارع نے قانون نکاح حیا ہی کی حفاظت کے
لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے تو پھر
انسان پورا بے حیا ہو جائے گا تو زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے
لئے ساتھ ہو گیا یعنی ایک دوسرے کے لئے معاصی سے ساتر ہے ای
فائدہ کہ حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْنَىٰ

لِلْبَيْتِ وَأَخْصَنُ لِلْفَرْجِ —————

جس کو اسباب نکاح میسر ہوں اُسے شادی کر لینا چاہیے،
کیونکہ نکاح نگاہ کو بہت نیچا کر دیتا ہے اور عفت کو بہت محفوظ کر دیتا
ہے یعنی اس سے بصر و عفت آسانی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ عادت
غالبہ یہی ہے کہ نکاح سے طبیعت سلیمہ کو عفت آسانی حاصل ہو جاتی ہے
باقی جو خبیث الطبع ہو جسے ایک نکاح یا دو نکاح یا چار نکاحوں سے

بھی عفت حاصل نہ ہو بلکہ متغیر یا زنا وغیرہ سے پھر بھی گورہ کھاتا
پھرے اُس کا یہاں ذکر نہیں کیونکہ یہاں آدمیوں کا ذکر ہے جانوروں
اور بندروں کا ذکر نہیں۔ سہولت عفت بالنکاح کی حقیقت یہ ہے
اور یہی سبب سہولت کی حقیقت ہے کہ تقاضا کی دو قسمیں ہیں ایک
تقاضا شدید ایک تقاضا مطلق۔

مشکل مرض کا علاج بھی سخت ہوتا ہے | پس مطلق تقاضا تو
کسی طرح بھی زائل

نہیں ہونا چاہیے کوئی کیسا ہی مجاہدہ کرے اور چاہے کیسی ہی دوائی
سرد استعمال کی جائے ہم نے ایک ستر برس کے بڑھے کو دیکھا ہے
جسے ایک لڑکے سے محبت تھی جو اُن کے پاس نوکر تھا حالانکہ وہ خود
کسی مصرف کے نہ تھے مگر اسکی طرف دیکھنے کا تقاضا تھا اور تقاضا
بشہوت تھا جو یقیناً حرام تھا وہ مجھ سے اپنا حال بیان کر کے علاج
کے طالب ہوئے میں نے کہا کہ اس لڑکے کو اپنے سے الگ کر دو کہنے
لگے یہ تو مشکل ہے میں نے کہا پھر علاج بھی مشکل ہے مشکل مرض کا
آسان علاج تو مجھ کو آتا نہیں لوگ یہ چاہتے ہیں کہ علت بھی لگی
لیٹی رہے اور شفا بھی ہو جائے تو یہ نہیں ہو سکتا اور حقیقت یہ
ہے کہ یہ لوگ علاج ہی کے طالب نہیں اور اپنے کو مرخص ہی نہیں سمجھتے
اگر امراض باطنیہ کو بھی مثل امراض ظاہرہ کے مہلک سمجھتے تو دوائی
تلخ سے ہرگز نہ گھبراتے۔ آخر ظاہری امراض کے علاج میں کس قدر مشقتیں
برداشت کی جاتی ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ اس کو مرض اور
سبب ہلاکت سمجھا جاتا ہے امراض باطنیہ کو سبب ہلاکت نہیں سمجھا

جاتا یا بادی دین کی پرواہی نہیں تو میں نے اُن بڑے میاں سے کہا کہ اس کا علاج صرف بعد ہے اور وہ بھی کئی بعد کہ اول تو اس کو اپنے سامنے سے دور کرو پھر ذہن سے بھی دور کرو یعنی بالقصد اس کا تصور نہ کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی اور چیز کا تصور اپنے ذمہ لازم کر لو یا تو عذابِ جہنم کا تصور کیا کرو۔ بعض کو اس سے بہت نفع ہوا ہے یا کسی بد شکل آدمی کا تصور کیا کرو۔ بعض کو اس سے بھی نفع ہوا ہے۔ غرض مجاہدہ سے یہ نہیں ہوتا کہ تقاضا بالکل زائل ہو جائے۔ بلکہ یہ تو نہ بڑھاپے سے ہو نہ کسی دوا سے ہو نہ تعلیل غذا سے ہو بس مجاہدہ کا نفع یہ ہے کہ تقاضا خفیف ہو جاتا ہے کہ پہلے مقاومت دشوار تھی اب آسان ہو گئی۔ اب ذرا سے اشارہ میں نفس مغلوب ہو جاتا ہے پہلے سخت سزا اور جرماتوں سے بھی درست نہ ہوتا تھا۔ اور اگر تقاضا بالکل زائل ہو جائے تو ثواب کیوں کر ہوگا ثواب تو اسی واسطے ملتا ہے کہ آدمی تقاضے کا مقابلہ کر کے نیک کاموں پر جما رہتا ہے۔

پانے مرض کو محقق پر ظاہر کر دینا چاہیئے! | بعض لوگ اپنے امراض کو بتی کے

گوہ کی طرح چھپائے رہتے ہیں کسی محقق پر ظاہر نہیں کرتے یاد رکھو! اس طرح شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔

ما حال دل را بایار گفتم

نتوان نہفتن درواز جیبال

اور اس سے پہلے جو فرمایا ہے :

چند اداں کہ گفتیم غم با طبیبان
درمان نکر دند مسکین غریبان

وہاں طبیب سے مراد ظاہری طبیب ہے کہ ان حکیموں سے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور نتواں نہفتن دراز جیبیاں میں طبیب باطن مراد ہے کہ دردِ دل کو ان سے نہ چھپانا چاہیے بعض اس خیال سے اپنے امراض کو ظاہر نہیں کرتے کہ وہ بزرگ ہم کو ذلیل سمجھیں گے یا کسی اور سے کہہ دیں گے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم کو تو کیا ذلیل سمجھتے جب وہ کہتے کو بھی اپنے سے افضل سمجھتے ہیں دوسرے وہ این ہوتے ہیں کسی کا راز دوسروں پر کبھی ظاہر نہیں کرتے بعض لوگ اس خیال سے اپنا حامی ظاہر نہیں کرتے کہ اس میں اظہارِ معصیت ہے سو میں کہتا ہوں کہ معصیت تو فعل ہے افعال کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ مواد کو بیان کرنا اور مواد کا بیان کرنا معصیت نہیں۔ اور اگر کسی وقت شیخ افعال کی بھی تحقیق کرے اور علاج کے لئے تحقیق افعال کی ضرورت سمجھے تو اس وقت افعال کا بھی ظاہر کرنا شیخ پر جائز ہے اور اسکی بالکل وہی مثال ہے جیسے بدن مستور کا کھولنا ڈاکٹر اور جراح کے سامنے جائز ہے جبکہ پوشیدہ جگہ زخم ہو مثلاً شیخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اس لئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے خود کتابیں دیکھ کر علاج بہان لیں کافی نہیں پس یہ جو شہور ہے کہ مجاہدہ سے نفس مرجاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ ضعیف ہو جاتا ہے کہ اب اس کا مقابلہ آسان ہو جائے گا اور مقابلہ تو پہلے بھی کر سکتا تھا اس

وقت بھی مقاومت قدرت میں تھی مگر مجاہدہ سے پہلے تقاضائے
 نفس کی مقاومت میں دُشواری ایسی ہوتی ہے کہ انسان یوں سمجھ لیتا ہے
 کہ میں اس وقت مجبور ہو گیا ہوں حالانکہ یہ خیال غلط ہوتا ہے مجبور تو نہیں
 ہاں مغلوب ہو جاتا ہے حدیث میں لفظ اَخَضْتُ وَاخْضَتُ میں
 اس طرف اشارہ ہے کہ مطلق غرض و حصن نکاح سے پہلے بھی ممکن تھا اگر آدمی ہمت
 سے کام لے تو بدول نکاح کے بھی نگاہ نیچی رکھ سکتا اور اپنی عفت کو بچا
 سکتا ہے مگر ایسے ہمت والے تھوڑے ہی ہیں زیادہ نہیں ہیں اس لئے
 شریعت نے عقل کے فتوے کو رد کر کے یہ حکم دیا ہے کہ نکاح کرو اور
 بیوی کے سامنے حیا کو الگ کرو ایسا غلو فی الحیا محمود نہیں کہ بیوی
 میاں سے یا شوہر بیوی سے بھی حیا کرے اس ایک محل میں ترک حیا کا
 انجام یہ ہو گا کہ دوسرے مواقع میں حیا و عفت محفوظ رہے گی پھر معاصی
 کا تقاضا شدید نہ ہو گا جوش کو سکون ہو جائے گا۔ باقی اگر کوئی یہ چاہے
 کہ نکاح کے بعد معاصی کا وسوسہ بھی نہ آئے ذرا بھی تقاضا نہ ہو تو یہ نہیں
 ہو سکتا۔ پس تشبیہ باللباس سے ایک اشارہ اس طرف ہوا کہ شوہر بیوی کا
 اور بیوی شوہر کی ساتر و محافظ ہے یعنی ایک دوسری کی حیا و عفت کو محفوظ
 رکھتا اور گناہوں سے بچاتا ہے بشرطیکہ کوئی خود بھی بچنا چاہے اور جو
 گوہ ہی کھانا چاہے اس کے لئے کوئی تدبیر بھی نافع نہیں۔ یہ دو وجہ
 تشبیہ تو علماء کے کلام میں منقول ہیں۔ ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں

۱۔ نیز جس طرح بدون لباس کے صحت خراب ہو جاتی ہے کہ کبھی گرمی ستاتی ہے

کبھی سردی اسی طرح بدون زوج کے صحت اچھی نہیں رہتی جو لوگ بے نکاح رہتے ہیں

و علیٰ ہذا جو عورتیں بے خاوند کے ہیں اکثر امراض و آلام میں مبتلا رہتے ہیں ۱۲ منہ

یہ آئی ہے کہ جیسے بدون کپڑے کے انسان سے صبر نہیں ہو سکتا۔

عورت اعانتہ میں اور مرد خدمت میں محتاج | صبر نہیں آ سکتا کوئی تقاضائے نفس ہی

کی وجہ سے نہیں بلکہ اعانتہ وغیرہ میں عورت اپنے خاوند کی محتاج ہے اور خدمت و راحت رسانی میں مرد عورت کا محتاج ہے چنانچہ بیماری کے زمانہ میں بیوی سے زیادہ کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ ایک بوڑھے میاں نے ستر اسی برس کی عمر میں پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کا قصد کیا حالانکہ انکی بہو بیٹیاں بہت تھیں سب نے منع کیا کہ تمہاری خدمت کو ہم موجود ہیں نکاح کی کیا ضرورت ہے۔ بڑے میاں نے کہا کہ بیوی کے برابر کوئی خدمت نہیں کر سکتا اور موقع پر میں تم کو بتلا دوں گا۔

چنانچہ نکاح ہوا اور چند سال کے بعد بڑے میاں کو ایک مرض ہوا اس میں دست آنے لگے تو ساری بہو بیٹیاں تعفن سے گھبرا کر الگ ہو گئیں اور بیوی کی یہ حالت تھی کہ اُن کو پردوں پر بٹھلا کر پاخانہ کراتی اور استنجا کر کے کپڑوں کو پاک و صاف کرتی دن میں بیس بچیس دست بھی آتے تو وہ ہر دفعہ اسکو پاک و صاف کر کے لٹاتی تھی اور اسوقت بڑے میاں نے کہا میں نے اس دن کے واسطے نکاح کیا تھا دیکھ لو آج اس کے سوا میرے کوئی کام نہیں آیا پس لباس کی طرح مرد کو عورت سے استغنا نہیں عورت کو مرد سے استغنا نہیں مرد عورت کا معاون ہے۔ عورت مرد کی خادم ہے۔

لباس کا چوتھا معنی | ایک وجہ تشبیہ میرے ذہن میں اور آئی کہ جس طرح لباس زینت ہے اسی

طرح زوجین میں عورت مرد کے لئے اور مرد عورت کے لئے زینت ہے
لباس کا زینت ہونا تو خود لفظ سے ثابت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ خُذْ زَيْنَتَكَ وَقُلْ مَعَ

زَيْنَتِهِ اللّٰهُ التَّيَّابُ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ

میں بالاتفاق زینت سے مراد لباس ہے اوپر سے لباس ہی کا ذکر ہو۔

رہا ہے چنانچہ اس سے پہلے ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكَمُ وَرِيشًا

یہاں گو لباس کو صراحۃً زینت نہیں کہا گیا ہے مگر زینت کا جو نتیجہ

ہے وہ یہاں بھی مذکور ہے یعنی : یُوَارِي سَوْآتِكَمُ

کہ ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس ایجا دیا جو تمہاری بدنمائی کو ڈھانکتا

ہے اور یہی زینت کا حاصل ہے کہ بدنمائی اور عیوب پوشیدہ ہو جائیں اور

ریش سے مراد پرندوں کے پر ہیں کہ وہ حیوانات کے لئے زینت ہیں۔

یہاں شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ تم نے جو لباس کو زینت

کہا ہے اور آیت میں اس پر امتنان فرمایا ہے تو کیا زینت کے لئے

لباس پہننا جائز ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے اور یہ بھی لباس کی

ایک منفعت ہے اور منافع لباس میں یہ تفصیل ہے کہ اس منفعت کے

چار درجے ہیں ایک درجہ ضرورت کا ہے یہ تو ضروری ہے اس کے بعد

ایک درجہ آسائش کا ہے مثلاً ضرورت تو دو آنے گز پکڑے میں رفع

۱۔ بعض نے ریش سے مراد مال لیا ہے اور لباس کے ساتھ اس کا تعلق یہ

ہے کہ مال بھی لباس کی طرح عیب پوش ہے مالداروں کے عیوب پر کسی کی نظر نہیں ہرتی

ہو سکتی تھی مگر اس سے تکلیف ہوتی اس لئے چار آنہ آٹھ آنہ گز کا نرم
 کپڑا پہن لیا یہ بھی جائز ہے ایک درجہ آرائش کا ہے یعنی زینت کا۔
 مثلاً آرام کے لئے تو گجروں بھی کافی تھے تم نے زینت اور دل کی خوشی
 کے لئے سرج کا کپڑا پہن لیا یہ بھی مباح ہے اس کے بعد نمائش کا درجہ
 ہے یعنی ریا کا یہ حرام ہے یعنی اس نیت سے عمدہ کپڑا پہننا کہ لوگ دیکھ
 کر ہم کو بڑا آدمی سمجھیں گے پس کل چار درجے ہیں ضرورت آرائش آرائش
 نمائش جن میں سے حرام صرف ایک ہے باقی سب مباح ہیں اور درجوں
 کے عنوانات میں قافیہ بھی ہے صرف ایک درجہ بدون قافیہ کے ہے اگر
 ضرورت کے معنی کا بھی قافیہ مل جاتا تو اور زینت ہو جاتی مگر آرائش اور
 نمائش میں فرق کرنا دشوار ہے بہت لوگ نمائش کے لئے عمدہ لباس
 پہنتے ہیں اور دل کو یوں سمجھالیتے ہیں کہ ہم تو اپنا جی خوش کرنے کے
 لئے پہنتے ہیں میں اس کے لئے ایک معیار بیان کرتا ہوں اس سے فرق
 واضح ہو جائے گا وہ یہ کہ جو شخص عمدہ لباس پہنے میں نمائش کی نیت کا
 انکار کرتا ہے اس کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ صرف محافل و مجامع ہی میں عمدہ
 لباس پہنتا ہے یا خلوت میں بھی اچھا لباس پہنتا ہے جو لوگ نفیس المزاج
 ہیں اور صرف اپنا جی خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنتے ہیں وہ
 خلوت میں بھی عمدہ ہی لباس پہنتے ہیں اور جو نمائش کے لئے عمدہ لباس
 پہنتے ہیں ان کی ایک اچکن (اچکن نہیں) بلکہ ایک شیردانی کھونٹی پر انگ
 لٹکی رہتی ہے اور ایک گرگابی جُدار کھلی رہتی ہے (ان لباسوں کے نام سے

لے اور اگر بڑائی اور تکبر کی نیت نہ ہو بلکہ صرف اپنے کو ذلت سے بچانا مقصود ہو تو

یہ نیت بھی جائز ہے ۱۲

بھی تو درندگی ٹپکتی ہے کسی کے اول میں شیر ہے تو کسی میں گرگ ہے۔
 غرض یہ شیروانی اور گرگابی باہر نکلتے ہوئے پہنی جاتی ہے اور اوپر سے
 نکٹائی لگائی جاتی ہے یعنی ناک کٹائی اور اس کے ساتھ بوٹ بوٹ بھی
 پہنا جاتا ہے ہمیں تو نام بھی ان لباسوں کے یاد نہیں اور خدا کرے کبھی یاد نہ
 ہوں غرض محفلوں اور بازاروں میں تو یوں بن کر نکلتے ہیں اور خلوت میں گھر
 کے اندر یہ ایسے رہتے ہیں جیسے چار۔ تو جبکی یہ حالت ہے وہ عمدہ لباس
 محض ریاضت و نمائش کے لئے پہنتے ہیں، آجکل ایک لباس اور نکلا ہے جس
 کا نام نیکر ہے جس میں گھٹنے کھلے رہتے ہیں اس کو پہن کر آدمی شریف تو
 معلوم ہوتا نہیں بلکہ نوکر معلوم ہوتا ہے نام بھی نیکر جو نوکر سے ملتا ہوا
 ہے نہ معلوم ان لوگوں کی حیا و غیرت و شرافت کہاں چلی گئی جو محض
 یورپ کی تقلید میں ایسا لباس پہنتے ہیں اور محض تقلید یورپ ہی اس کا سبب
 ہے ورنہ اس میں نہ کوئی منفعت ہے نہ کوئی زینت واقعی کسی نے سچ کہا ہے
 کہ اگر کسی وقت یورپ میں ناک کٹنا فیشن میں داخل ہو جائے تو ہندوستانی
 ناک بھی کٹوانے لگیں گے چنانچہ مسلمان ڈاڑھی تو منڈوانے لگے اور اب سنا
 ہے کہ ڈاکٹروں میں اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے بعض ڈاکٹروں نے
 ڈاڑھی منڈانے کو مضرت ثابت کیا ہے اس پر میں نے الہ آباد میں کہا تھا کہ
 جنٹلمینوں کو اس وقت جلدی سے ڈاڑھی رکھ لینا چاہیے کیونکہ بعض ڈاکٹروں
 نے اس کے منڈانے میں مضرت ثابت کی ہے اگر سب کا اپرا اتفاق ہو گیا
 تو یورپ والے ضرور ڈاڑھیاں بڑھائیں گے اور اس وقت ان کی تقلید
 میں تم بھی بڑھاؤ گے تو پرانے مسلمان تم پر ہنسیں گے کہ یہ ڈاڑھی تقلید یورپ
 کی ہے۔ تم ڈاکٹروں کے اتفاق سے پہلے ہی بڑھا لو تا کہ لوگ تم کو نہ

ہنسیں۔ غرض جس طرح لباس زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے مرد کے لئے زینت ہے عورت سے تو مرد کی زینت یہ ہے کہ بیوی بچوں والا آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے اگر کسی سے قرض مانگے تو اس کو قرض بھی مل جاتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اسکی اکیلی جان نہیں بلکہ آگے پیچھے کو اور بھی آدمی ہیں یہ کہاں جاسکتا ہے اور اکیلے آدمی کو ادھار قرض نہیں ملتا اسکی عزت دنیا والوں کی نظر میں کم ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ بیوی والے کو سناٹ نہیں سمجھتے اپنی بیوی بچوں پر اس کی نفسانی خواہش کا خوف نہیں کرتے اور بے نکاح آدمی کو مثل سناٹ کے سمجھتے ہیں اسکی طرف سے ہر شخص کو اپنی بیوی بچیوں پر خطرہ ہوتا ہے۔ اور مرد سے عورت کی عزت یہ ہے کہ لوگ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کرتے۔ میاں چاہے پاس رہے یا پردیس میں رہے جتنے بال بچے ہوں گے سب اسی کے نامہ اعمال میں درج ہوتے رہیں گے۔ اور نکاح سے پہلے عورت کی عزت دوبروہر وقت خطرہ میں رہتی ہے۔ یہ تو وہ اشارات تھے جو لباس کے اوصاف ظاہر سے تشبیہ اخذ کر کے حاصل ہوئے تھے۔

۵ میں کہتا ہوں کہ لباس میں ایک وصف ظاہری اور ہے وہ یہ کہ لباس ضروریات خارجیہ منفصلہ میں سے ہے اور اس کا درجہ ضروریات داخلہ متعلقہ کے ہے چنانچہ غذا کا اہتمام لباس کے اہتمام سے مقدم پس اس تشبیہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو مثل لباس کے سمجھیں یعنی وہ ایک خارجی اور منفصل ضرورت کی چیز ہے اس سے تعلق اتنا ہی رکھیں جتنا لباس سے تعلق ہوتا ہے زیادہ اس کو دل میں جگہ نہ دیں و علیٰ ہذا عورتوں کو بھی مردوں سے اتنا ہی تعلق رکھنا چاہیے تاکہ طلاق و موت کے وقت زیادہ کوفت نہ ہو اور تاکہ اس کی محبت بڑھا کر احکام الہیہ میں اختلال نہ ہو نیز لباس کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ جسم کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لباس کا پانچواں معنی | اب ایک وصف لباس کا اور ہے جو شرعی وصف ہے اس سے

بھی ایک اشارہ حاصل ہوتا ہے میں اس کو بیان کر کے ختم کر دوں گا وہ یہ کہ قرآن میں جہاں تک میں نے غور کیا لباس کا لفظ عذاب و ضرر کی واسطے مستعمل نہیں ہوا سوائے ایک جگہ کے سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَإِذَا قَهَهُمُ اللَّهُ لِبَاسٍ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا
كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

اور اس کے ساتھ ہی بطور جملہ معترضہ کے ایک فائدہ بھی بتلاتا ہوں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وضع پر اس کے موافق ہوتا ہے اگر لباس جسم کے موافق نہ ہو تو اس کو الگ کر دیا جاتا ہے اسی طرح عورت و مرد میں اگر باہم توافق نہ ہو تو طلاق و خلع سے مفارقت جائز ہے نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نکاح میں توافق طبع و توافق مزاج کی رعایت اہم ہے جیسا کہ لباس میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ تراش و وضع جسم کے موافق ہو اور اگر سنانے کے بعد بہت تنگ یا بہت ڈھیلا ہوا تو جیسے اس وقت ناگواری ہوتی ہے اور سِلے سلائے کپڑے کو ادھیرنا یا بیکار کرنا گراں گزرتا ہے اسی طرح نکاح کے بعد طلاق دینا بھی گراں اور ناگوار چیز ہے نیز جب نکاح بمنزلہ لباس کے ہے تو بے نکاح رہنا عریانی سے پس اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عورت و مرد کے لئے بے نکاح رہنا عیب کی بات ہے جبکہ استطاعت ہو ولذا کرہ الفقہاء امامت الاغرب بحضرة الماھل لکونا عریانا معنی ولذا درونی المحدث شرار کم عرا بکم پس کسی عورت کو بیوہ اور کسی مرد کو حتی الامکان بے نکاح نہ رہنا چاہیے ۱۲

ویرد علیہ ان هذا يستلزم وجودشان الاضرار فی الرجال ایضا بالنسار والجواب نعم کما ان الرجل یقتین بالمرأة کذا تفتن ہی ایضا بر فی دینہا و لکن فتنۃ الرجال للنساء اقل کما ان کو نہم لباس لہن موخر و کلا

کہ لفظ ذوقِ قرآن میں زیادہ تر عذاب ہی کے واسطے آیا ہے تو اس آیت میں عجیب صنعت ہے کہ عذاب کے لئے لفظ ذوق بھی لایا گیا اور لباس بھی تو ذوق کے لفظ سے تو عذاب کو معلوم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے صفت احساں میں کہ اس کا ایسا احساس ہوگا جیسا منہ میں رکھی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے اور لباس کے لفظ سے عذاب کو تشبیہ دی گئی ملبوس کے ساتھ اشتمال و احاطہ میں قرآن میں عجیب غریب صنعتیں ہیں۔ غرض قرآن میں لباس کا لفظ ہوا ایک جگہ کے اور کسی جگہ عذاب و ضرر کے واسطے نہیں آیا تو عورتوں کو لباس کہنے میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ عورتوں میں اضرار کی شان بھی ہے گو قلیل ہی سہی گو صرف لام کے موضوع سے ہے انتفاع کے لئے اس سے ظاہراً آبی ہے لیکن لام صلہ کا بھی ہوتا ہے جیسے لَھُمْ عَذَابٌ اور اگر اس ربار کا اعتبار کیا جاوے اس اشارہ کو مدلول قرآن نہ کہا جاوے صرف مادہ لباس کو وجہ اشارہ کہا جاوے اس اشارہ کے اعتبار سے کہا جاوے گا کہ عورت میں جہاں بہت سے منافع ہیں کچھ ضرر بھی ہے چنانچہ اس شان ضرر کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

مَا اتَّخَوْفُ فِتْنَةٍ اخْشَوْا اُمَّتِي
مِنَ النِّسَاءِ

کہ میں اپنی اُمت کے لئے عورتوں سے زیادہ خطرناک فتنہ کوئی نہیں سمجھتا نیز نص میں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن مِّنْ آذٍ وَاجِبٍ

وَإِذَا دَعَاكُمْ إِلَى فِتْنَةٍ فَاجْزُوا لَهُمْ

اے ایمان والو! تمہارے بیوی بچوں میں بعض تمہارے لئے (باعتبار

انجام کے دشمن بھی ہیں اُن سے ڈرتے رہو۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آیا
وہ یہ کہ ہمارے ایک دوست تھے وہ اولاد سے بہت ڈرتے تھے بلکہ
اولاد کے دشمن تھے اور دلیل میں یہ آیت پڑھتے تھے :

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو فتنہ کہا ہے اس لئے میں تو نکاح نہ کروں گا اور اگر
کروں گا تو بیوی کو کوئی ایسی دوا کھلا دوں گا کہ اولاد نہ ہو میں نے کہا عقل مند
آیت میں تو اموال کو بھی فتنہ فرمایا گیا ہے۔ اگر فتنہ ہونے کی وجہ سے تم اولاد
کے دشمن ہو تو ملازمت کیوں کرتے ہو مال کے دشمن کیوں نہ بنے۔ اب تو
ہوش درست ہوئے۔ آیت کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ بیوی بچوں سے
فتنہ لگا ہوا ہے تم کو لپیٹ ہی جائے جائیگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تم
کو ضرورت کے لئے دی گئی ہیں اور اُن سے تمہارا امتحان بھی مطلوب ہے
کہ تم اُن سے بقدر ضرورت ہی تعلق رکھتے ہو یا بس اُنہی کے ہو رہتے
ہو۔ بہر حال اس اشارہ سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں ضرر کی شان بھی ہے
اور واقعی ہے بھی کیونکہ عورتوں کے فتنہ نے بہت لوگوں کا دین برباد کر دیا
ہے کوئی عورتوں کی وجہ سے سود لینے میں مبتلا ہے کوئی رشوت لینے میں تاکہ
اُن کی فرمائش زیور وغیرہ کی پوری کی جائے اور کوئی حرام اور ناجائز تعلق
میں گرفتار ہے اور فتنہ سب سے اشد اور اُمّ الفتن ہے لیکن شریعت
نے جو طریقہ اس ام المفسد کے انسداد کا مقرر کیا ہے اگر اس پر عمل کیا
جائے تو یہ فتنہ بند ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ پردہ ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے
کہ صاحب پردہ میں بھی فتنہ ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی پردہ
میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی پردہ میں کچھ بے پردگی ہوتی ہے تب

فتنہ ہوتا ہے اور اگر پردہ میں ذرا بے پردگی نہ ہو تو کوئی وجہ فتنہ کی نہیں ہے
 اور ہر چند کہ پردہ فطری شے ہے غیر تمند جیادار طبیعت کا خود یہ تقاضا ہے
 عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے کوئی عینور آدمی اس کو گوارہ نہیں کر سکتا
 کہ اس کی بیوی کو تمام مخلوق کھلے منہ دیکھے اور شریعت نے فطریات کا خاص
 اہتمام نہیں کیا چنانچہ پیشاب پاخانہ کی طہارت و نجاست سے تو بحث کی
 ہے یہ کہیں حدیث و قرآن میں نہیں آیا کہ پیشاب پینا حرام یا پاخانہ
 کھانا حرام ہے کیونکہ اس سے تو طبائع کو خود ہی نصرت ہے اس قاعدہ
 کا مقتضی یہ تھا کہ شریعت پردہ کے احکام سے بھی بحث نہ کرتی مگر شارع
 کو معلوم تھا کہ ایک وقت میں طبائع پر بہیمیت غالب ہوگی جس سے
 حیا کم ہو جائے گی یا جاتی رہے گی اس لئے اس کے متعلق احکام فرمادیئے
 ہیں پھر ان کا بھی کس قدر اہتمام کیا ہے جو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 فرماتے ہیں : وَلَا يُبْدِ بُنْتَ زِينَتَهُنَّ۔

کہ اپنی زینت کو بھی ظاہر نہ کریں اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن
 میں زینت سے مراد لباس ہے چنانچہ : خُذُوا زِينَتَكُمْ۔
 اپنا لباس پہن لیا۔ اس میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس
 سے مراد لباس ہی ہے اسی لئے حضرت ابن مسعود نے اس آیت کی تفسیر
 یہی کی ہے کہ عورتیں خوب بن ٹھن کر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں
 اور زینت کو تو برقعہ چھپا لیتا ہے مگر برقعہ میں ایسی چین بیل لگی ہوتی
 ہے کہ اس کو دیکھ کر ہی دوسرے کا دل بے چین ہو جائے واقعی وہ
 برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس کے
 اندر کوئی حور کی بچی ہوگی گوشت کھولنے کے بعد چڑیل ہی کی ماں نکلے

تو شریعت نے ایسے زینیت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے پھر بھلا
چہرہ اور گلا کھولنا مطلقاً کیونکر جائز ہو سکتا ہے جو مجمع المحاسن ہے۔

ایک نکتہ تشبیہ باللباس کا اور سمجھ
لباس کا چھٹا معنی | میں آیا وہ یہ کہ لباس تابع ہوتا ہے تو

اُس سے معلوم ہوا کہ عورتیں مردوں کی تابع ہیں پھر لباسیت نساء کا ذکر
مقدم کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تابعیت میں عورتیں مقدم ہیں۔ یہاں یہ
سوال ہو گا کہ آگے تو مردوں کو بھی عورتوں کا لباس کہا گیا تو کیا وہ بھی
عورتوں کے تابع ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ایک درجہ میں وہ بھی تابع
ہیں مگر اُن کی تابعیت مؤخر ہے متبوعیت مقدم ہے اور عورتوں کی تابعیت
مقدم ہے متبوعیت مؤخر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عورتیں تو
نظرۃً اور قانوناً مردوں کی تابع ہیں اور مرد محبت کی وجہ سے تابع ہو جاتے
ہیں اور یہاں ایک کام کی بات یاد آئی وہ یہ کہ یہ تابعیت محبت کے بقائیک
ہے اور محبت کا بقا پردہ کی بقا تک ہے اور یہ مسئلہ عقلی بھی ہے۔
چنانچہ ایک یورپین عورت نے اس کے متعلق اخبارات میں اپنی تقریر
شائع کی ہے کہ عورتوں کے لئے جو بے پردگی کی کوشش کی جاتی ہے ،
یہ عورتوں کے لئے سخت مضر ہے کیونکہ اس وقت

تو مردوں کو عورتوں کی راحت رسانی کا پورا اہتمام ہے اور اس کا سبب محبت ہے
اور محبت کا منشاء اختصاص ہے مشاہدہ ہے کہ جو چیز عام ہوتی ہے اس سے قوی
تعلق نہیں ہوتا اور یہ اختصاص پردہ سے قائم ہے پس محبت کی بنا پردہ ہے
اس انگریزن کی تقریر سے پردہ کی تاکید بھی معلوم ہو رہی ہے
ہندوستان کے لوگوں کو شرم کرنا چاہیے کہ ایک یورپین عورت
تو پردہ کی خوبی بیان کرے اور تم ایشیائی ہو کر پردہ کی مذمت کرتے ہو۔

اب میں ختم کرتا ہوں قرآن کے ان دو جملوں میں جو مضامین اس
وقت بیساختہ سمجھ میں آئے وہ میں نے بیان کر دیئے اور سامعین کو معلوم ہوا
ہوگا کہ ان مضامین کو گھیر گھار کر نہیں لایا گیا اور اگر غور کیا جاتا تو شاید
اور بھی کچھ مضامین نکل آتے اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو توفیق عمل اور
فہم سلیم عطا فرمائیں :

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی
نوٹ : بیان کے بعد حضرت والا نے خواجہ صاحب سے دریافت
فرمایا کہ صاحبزادے کا عقد نکاح یہاں ہی کر دیا جائے یا مسجد میں کیا جائے
خواجہ صاحب نے کہا یہاں ہی کر دیا جائے چنانچہ اسی مجلس میں نکاح ہوا
بعد عقد نکاح کے حضرت نے فرمایا کہ بعض مستورات نے فرمائش کی تھی
کہ نکاح گھر ہی میں ہوتا کہ ہم بھی دیکھیں نکاح کس طرح ہوتا ہے کیونکہ نکاح
ہمیشہ مسجدوں میں یا مردانہ مکانوں میں ہوتا ہے عورتوں نے نکاح کا
طریقہ کبھی نہیں دیکھا تھا اس واسطے جی میرا یہی چاہتا تھا کہ نکاح اسی
مجلس میں ہوتا کہ مستورات کی فرمائش بھی پوری ہو جائے مگر میں نے
ابتداء میں اس کو ظاہر نہ کیا تا کہ اہل مجلس آزادی کے ساتھ اپنی رائے
ظاہر کریں۔ فقط :

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۱ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ



اصلاح النساء

عورتوں کی اصلاح کے لئے یہ دغظ بیس جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ
 کا ندھلہ میں بیان فرمایا۔ مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہیؒ نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خطبہ منورہ | الحمد لله محمدًا ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور الفنا ومن

سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا مضل له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا و مولانا محمدًا عبده ورسوله وصلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم — فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم —
يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فِيَّ اِنْ اَرَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ
وَلَيْمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ تُكْثِرُنَّ اللَّعْنَ وَتُكْفِرُنَّ الْعَشِيرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ
نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينٍ اَذْهَبَ لِلْبَّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَا
نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْءَةِ مِثْلَ
نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا
قَالَ اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تُصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ
مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ :

ترجمہ | حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
(عورتوں کو خطاب کر کے) فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ! تم صدقہ دو! اس لئے
کہ دکھلایا گیا ہوں کہ تم اہل نار میں سے سب سے زیادہ ہو۔ عورتوں نے عرض
کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ تم لعنت ملاہے

بہت کرتی ہو اور خاندان کی ناشکری کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کہ تم ناقصات العقل والدین بھی ہوشیار مرد کی عقل کو سلب کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین اور عقل کے نقصان کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے نصف نہیں ہے؟ عورتوں نے عرض کیا کہ بے شک ہے۔ فرمایا کہ بس یہ نقصان عقل ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کوئی حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی نہ روزہ رکھتی ہے؟ عرض کیا کہ بے شک۔ فرمایا کہ بس یہ نقصان دین ہے۔

میں نے اس وقت اس حدیث کو جس میں عورتیں مخاطب ہیں **تہمید** حالانکہ یہاں مردوں کا بھی مجمع ہے، اس لئے اختیار کیا ہے کہ عورتوں کو ایسا موقع بہت کم ملتا ہے اس لئے وہ بالکل بے خبر ہیں اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور وہ خرابیاں عورتوں سے بتاؤ ذکر کے مردوں اور بچوں تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے اُن کی اصلاح سے گھر بھر کی درستی ہے، اس کے اعتبار سے یہ مضمون عام اور مشترک النفع بھی ہو گیا اور نیز اس میں بعض مضامین بلا واسطہ بھی مشترک ہیں۔ البتہ مقصود زیادہ تر عورتوں ہی کو سنانا ہے۔ اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے پانچ نقائص بیان فرمائے۔ دو اضطراری اور تین اختیاری۔ دو اضطراری یہ ہیں نقصان عقل، نقصان دین اور تین اختیاری اکثار لعن کفران عشر مرد عازم کی عقل کو سلب کرنا۔

نقصان عقل و دین کی ماہیت سے سوال کے جواب

نقصان اضطراری میں بجائے بیان حقیقت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی علامتیں اس لئے بیان فرمائیں کہ مخاطب کم سمجھ ہیں اس لئے حقیقت کے سمجھنے

میں تکلف ہوتا اور جہاں مخاطب کم عقل ہو ایسا ہی کرنا مناسب ہے مثلاً کوئی عامی
 نار کی حقیقت سے سوال کرے تو کہا جاوے گا کہ جس میں دھواں ہوتا ہے وہ
 نار ہے اسی طرح حضور نے نقصان عقل کو بھی ایک علامت سے بیان فرمایا ہے۔
 وہ یہ کہ دو عورتوں کی گواہی بمنزلہ ایک مرد کے قرار دی گئی ہے اور نقصان دین
 کو بھی اس علامت سے کہ حیض کے ایام میں روزہ نماز نہیں پڑھتی۔ اس زمانہ میں
 چونکہ انقیاد للحق غالب تھا یہ علامتیں بیان کر دینا کافی تھیں۔ آج کل طبائع کا رنگ
 بدل گیا بجائے انقیاد کے غنا و غالب ہے۔ اب تو اسی میں سوال پیدا ہو گا کہ اس
 کی کیا وجہ ہے کہ دو کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوئی۔ سو اس کا جواب یہ ہے
 کہ حدیث و قرآن کوئی فن کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں ایسی کاوش کی جاوے
 بلکہ قرآن و حدیث تو طب کی سی کتابیں ہیں اس لئے اس کو اس نظر سے دیکھنا
 چاہیئے جس نظر سے شفیق طبیب کے کلام کو دیکھا جاتا ہے کہ کہیں وہ ایک مریض کی
 حالت کے لحاظ سے کلام کرتا ہے اور کہیں دوسرے مریض کے مناسب حال اسی
 واسطے قرآن و حدیث کو وہ خوب سمجھے گا اور جو شان نزول سے واقف
 ہو کیونکہ اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ کس موقع پر یہ ارشاد ہوا ہے۔ وہاں
 کیا حالت تھی کیا مقتضیات اور خصوصیات تھیں اور اسی وجہ سے ہم فہم قرآن
 حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سخت محتاج ہوں گے۔ بڑا فرق ہے اس
 شخص میں نسخہ لکھنے کے وقت طبیب کے پاس حاضر ہوا اور جو حاضر نہ ہووے مدت
 کے بعد اس نے صرف نسخہ دیکھا ہو۔ جو حاضر ہے وہ مریض کے کس اور مزاج
 اور دوسری خصوصیات کو مشاہدہ کر لے گا۔ اس لئے نسخہ کے محل کو وزن کو جیسا
 وہ سمجھے گا دوسرا شخص نہیں سمجھے گا۔ اسی طور پر قرآن و حدیث کی تفسیر میں سلف
 کا قول مقدم ہو گا۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث پر اس اعتبار سے نظر نہ کرنا چاہیے کہ وہ کوئی فن کی کتاب ہے جس میں تعریفیات کے جامع مانع نہ ہونے سے یا قیود کے مفید احتراز نہ ہونے سے تصنیف کو ناقص سمجھا جاتا ہے۔ اسی واسطے میری یہ رائے ہے کہ قرآن و حدیث ایسے وقت پڑھنا چاہیے کہ دماغ فلسفہ و منطق سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بہر حال اس وقت نقصان دین و عقل کی علامت کو بیان کر دینا کافی ہو گیا اور اگر آج یہ کافی نہیں ہے تو حقیقت کے بتلانے والے بھی بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں۔

اور نقائص اختیاری تو اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ اپنے نقائص پر مطلع ہو کر ان کے علاج کی فکر کریں اور نقائص اضطراری غیر اختیاری جو معالجہ سے نہیں جاسکتے ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ اپنے اندر ان نقائص کو دیکھ کر کبر اور پندار جاتا رہے اس لئے کہ عورتوں میں کبر اور پندار کا بہت مرض ہے ذرا سا کمال ہوتا ہے اس کو بہت کچھ سمجھتی ہیں۔

اور منشاء اس عجب و کبر متکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے | اور منشاء اس عجب و کبر کا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔

بڑا عالم اپنے کو وہی سمجھتا ہے جو کچھ نہ ہو۔ کیونکہ جو واقع میں بڑا ہو گا اس کی نظر کمال کی حد آخر تک ہو گی اور اپنے کو اس سے عاری دیکھے گا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے البتہ ایسے شخص کو اپنا بڑا سمجھنا شایان ہے جو تمام مراتب کمال کو جامع ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدۃ لا شریک ہے اس لئے متکبر اس کا کمالی نام ہے۔ اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنے والا۔ سوچو کہ واقع میں حق تعالیٰ بڑا ہے اس لئے اگر وہ اپنے کو بڑا نہ جانتا تو یہ جہل ہوتا اور جہل نقص ہے اور حق تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہیں۔

بس خدا کا تو یہی کمال ہے کہ وہ اپنے کو بڑا جانے اور بندہ کا یہ کمال ہے

کہ اپنے کو چھوڑا سمجھے۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ نقص ہوگا۔ حدیثِ قدسی میں ہے:
 الْكِبْرُ يَأْخُذُ دَايَ وَالْعُظْمَةُ إِذَا رِي فَمَنْ نَانَ عَيْفَ فِيهِمَا
 قَصَمَتْهُ۔ یعنی عظمت و کبر یا میرا خاصہ جیسے ازار اور ردا، انسان کا بلبوس
 خاص ہوتا ہے۔ پس جو شخص مجھ سے ان صفات میں اکھینچا تانی کر لے گا میں اس کی
 گردن توڑ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اور بڑائی حق تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ
 میں سے ہیں اس لئے بندہ کا کمال اپنے کو عاجز سمجھنا ہے۔ چنانچہ جن حضرات کے
 قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبر یا آگئی ہے وہ اپنے کو بیچ در بیچ سمجھتے ہیں۔
 جس شخص کی رستم کی قوت پر حاتم کی سخاوت پر نظر ہوگی وہ اپنے کو قوی اور سخی
 نہ سمجھے گا جس کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوگا وہ اپنے
 کو تو کیا عالم سمجھے گا۔

آج کل یہ خط ہو گیا ہے کہ تھوڑا سا کمال ہو جاتا ہے تو اپنے کو بڑا سمجھنے لگتے
 ہیں اور عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے۔ اگر کوئی عورت ذرا نماز اور تلاوت کی پابند
 ہو جاتی ہے تو اپنے کو راجع سمجھنے لگتی ہے اور ہر ایک کو حقیر سمجھتی ہے اور وجہ اس
 کی بھی ہے کہ ان کی کسی نے تربیت نہیں کی کتابیں پڑھ پڑھ کر دیندار ہو جاتی ہیں۔
 پس ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کتب طب دیکھ کر ادویہ کھانے لگے بنانے لگے
 اس سے بجائے نفع کے خوف ضرور غالب ہوگا جب تک طبیب کی رائے سے دوا
 نہ کھائے کچھ نفع نہ ہوگا۔ اسی طرح چونکہ عورتوں کے اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی
 اور کسی مربی سے رجوع نہیں کرتیں اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے کر لیتی ہیں اس لئے
 اپنے کو باکمال سمجھنے لگتی ہیں۔

ایک لڑکی کا کسی شخص سے نکاح ہوا۔ وہ لڑکی نماز روزہ کی پابند تھی اور
 شوہر اس قدر پابند نہ تھا اور آوارہ سا تھا تو وہ لڑکی کہتی ہے کہ انوس میں

ایسی پرہیزگار اور ایسے شخص کے جال میں پھنس گئی میری قسمت ڈوب گئی۔ حالانکہ بے وقوف
یہ نہیں سمجھی کہ اگر ہم نے نماز پڑھی روزہ رکھا تلاوت کی تو اپنا کام کیا دوسرے پر
کیا احسان کیا۔ کوئی دوا برپی کر خیر کرتا ہے کہ میں بڑا بزرگ ہوں کہ دوا پیا کرتا ہوں۔
اسی طرح یہ سب طاعات میں اپنا ہی نفع ہے اور اس سے اپنا ہی حق ادا کر رہا
ہے اور حقوق اللہ جو اس کا لقب ہے یہ اس اعتبار سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ
اس سے منتفع ہے یا اس کا حق اس سے اتر جاتا ہے کیونکہ صاحب حق کو تو دیکھنا
چاہیے کہ اس کی ہم پر کس قدر نعمتیں ہیں۔ اگر نعمتوں کو دیکھا جاوے تو درحقیقت یہ
ہماری نماز روزہ کچھ بھی نہیں اور جہاں ہزاروں انبیاء اولیاء و ملائکہ کی عبادتوں
کے ذخیرے کے ذخیرے انبار کے انبار موجود ہیں ان کے مقابلے میں ہمارے روزہ
نماز کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ جواہرات کے سامنے مٹی کے کھلونے، تو
حقیقت میں احسان تو حق تعالیٰ کا ہے کہ ہماری ایسی عبادتوں کو قبول فرماتے ہیں
اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی اپنے مخدوم کی خدمت بدوں اسکی حاجت
کے اس کی مرضی کے موافق نہ کرے اور اس مخدوم کو اس خدمت سے بجائے رات
کے تکلیف پہنچی مگر خوش اخلاقی سے خاموش ہو جاوے تو وہ خادم اپنی جہالت سے
یہ سمجھے گا کہ میں نے بڑا کام کیا۔ حالانکہ بڑا کام تو مخدوم نے کیا کہ اس ناگوار خدمت
کو قبول فرمایا۔ دیکھئے قاعدہ عقلیہ اور شرعیہ ہے کہ کامل و ناقص کا مجموعہ ہمیشہ ناقص
ہوتا ہے اور پاک و ناپاک مل کر ناپاک ہوتا ہے۔ پس جبکہ ہماری نماز میں وساوس
خطرات اور ترک سنن اور خلاف خشوع امور بھی شامل ہیں تو وہ مجموعہ نماز کامل کیسے
ہوئی۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک نماز پڑھنے والے کو جو کہ تعدیل ارکان نہ کرتا تھا فرمایا: **حَصِّلْ فَإِنَّكَ
لَعَلَّ تَحْصِلَ** یعنی تو نماز پڑھ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ چونکہ

اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو طریقہ نماز کا مع تعدیل ارکان اور آداب کے سکھایا اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ جس قدر اس میں سے کمی ہوگی اسی قدر نماز میں کمی ہو جاوے گی۔ اس لئے فقہانے اُمت رحمہم اللہ نے سمجھا کہ نماز تو ہو جاوے گی مگر ناقص ہوگی ورنہ ظاہر الفاظ حدیث سے تو معلوم ہوتا تھا کہ بالکل ہی نماز نہ ہو۔

بہر حال یہ محض رحمت ہے کہ ہماری ناقص عبادت کو بھی عبادت گردانا یہ محض فضل ہے۔ پھر ایسی عبادت پر خوش ہونا اور فخر کرنا جہالت ہے اور منشا اس فخر و کبر کا وہی جہل ہے اور جس قدر عقل کم ہوتی ہے یہ مرض کبر کا زیادہ ہوتا ہے چنانچہ مردوں کی نسبت عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے، حاصل یہ ہے کہ نقص اضطراری پر نظر و تنبہ و توجہ ہونے سے یہ مرض کم ہوتا ہے، اور اول معلوم ہو چکا ہے کہ نقص اضطراری کہ جن کے ازالہ پر قدرت نہیں اس مقام پر دو ہیں نقصان عقل اور نقصان دین۔ نقصان عقل کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علامت سے بیان فرمایا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی عقل میں نقصان ہے۔ آج کل یہ سوال اس مسئلہ میں پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دو کی گواہی ایک کے برابر ہے۔ جواب حقیقی اور قاطع شغب تو یہی ہے کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ جس کی ہم تعیین نہیں کرتے اور اگر دین ہماری طرف سے تبرع ہے جواب تو اسی قدر کافی ہے۔

مردوں اور عورتوں کی خلقت میں فرق ہے | باقی ہم تبرعاً کہتے ہیں کہ

حکمت یہ ہے کہ عورتوں کی خلقت ہی میں نقصان ہے تمام قوی اور اعضاء میں اُن کے بہ نسبت رجال کے نقصان آفتاب نیمروز کی طرح آتا ہے اور جبکہ خلقت ناقص

ناقص ہیں تو حافظہ بھی ناقص ہوگا اور مدارِ شہادت کا حفظ پر ہے اس لئے دُور
 کی گواہی ایک کے برابر قرار دی گئی اور چونکہ حافظہ بھی معینِ عقل ہے اس لئے یہ
 علامت ہوگی ایک درجہ میں نقصانِ عقل کی۔ پھر اس میں سوال ہو سکتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ضعیف کیوں پیدا فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں
 تمدن کی حفاظت ہے، تاوقتیکہ ایک کو دوسرے کا تابع اور محتاج نہ بنایا جائے
 تمدن محفوظ نہیں رہ سکتا اور تبعیت دوساوی میں ہوتی نہیں، اسی واسطے فرماتے
 ہیں اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ لِمَا رَعَى الْغَوَّاسُ اور وجہ اس کے اُگے
 ارشاد فرمائی ہے۔ فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ

یعنی بسبب اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔
 اور جن لوگوں نے برعکس اس حکم کے عورتوں کو متبوع بنالیا وہاں کی خرابیاں
 پوشیدہ نہیں ہیں۔

آج کل اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ مرد عورتوں کے مزدور
 ہیں، سبحان اللہ! کیا تفسیر دانی ہے۔ ان مفسر صاحب کوئی پوچھے کہ فَضَّلَ اللَّهُ
 بَعْضَهُمْ اَللَّهُ تَعَالٰی نے بعض کو فضیلت دی کے کیا معنی ہیں؟ اگر حبرأت کر کے
 یہ کہیں کہ اس میں بھی بعضہم سے مراد عورتیں ہی ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے مسلم
 لیکن آگے جو فرماتے ہیں۔ وَبِمَا انْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

(اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں) اس میں تو ضمیر
 یقیناً رجال ہی کی طرف ہے کیونکہ متفق وہی ہیں تو کیا پھر فضل اللہ کی وہ تفسیر تراسر
 مہمل اور تحریفِ قرآن نہ ہوگی۔ اگر یہ معنی ہوتے تو لِلنِّسَاءِ فرماتے۔ علی جو کہ تسلط
 کے لئے ہے نہ فرماتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر خلقت بھی فضیلت ہے چنانچہ دوسرے

مقام پر ارشاد ہے :

أَخْمَنَ يُنْشَوُا فِي الْحُلِيِّ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ حَبِيبٍ -
 مُشْرِكِينَ جو ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے ان کا رد اس طرح فرماتے ہیں کہ
 کیا تم ایسی مخلوق کی حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہو جو کہ پست خیال ہے اور ہمیشہ
 بناؤ سنگار اور زیور میں نشوونما پاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن میں مقابلہ
 کے وقت قوتِ بیانیہ نہیں ہے واقعی یہ دو صفیتیں جو عورتوں کی ارشاد فرمائی
 ہیں کھلم کھلا نظر آتی ہیں۔ زیور اور آرائش اور بناؤ سنگار میں شب و
 روز رہتی ہیں اس سے آگے ان کا خیال ترقی ہی نہیں کرتا۔

غایت مقصود اپنا اسی کو سمجھتی ہیں اور مقابلہ اور مناظرہ کے وقت ان کے دلائل
 میں قوت بالکل نہیں ہوتی ادھر ادھر کی باتیں بہت کریں گی لیکن کسی امر پر
 دلیل صحیح ہرگز نہ بیان کر سکیں گی۔

کوئی عورت یہ نہ کہے کہ یہ زیور تو ہم کو ماں باپ نے پہنا دیا اس سے عادت
 ہو گئی۔ اس سے میلان کہاں ثابت ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر
 ماں باپ بھی نہ پہنا دیں تب بھی ان کا طبعی میلان نمائش و آرائش کی طرف ہے۔
 چنانچہ بہت سے واقعات اس کے مشاہد ہیں اور اسی طرح اگر کوئی صاحب
 دوسری جنس میں یعنی قوتِ بیانیہ میں کمی کے بارے میں فرمادیں کہ یہ اس
 وجہ سے ہے کہ ہماری عورتوں کی تعلیم نہیں ہوتی، اگر تعلیم و تربیت کامل ہو تو
 یہ نقصان ہرگز نہ رہے یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ جو عورتیں تعلیم یافتہ کھلاتی
 ہیں وہ بھی معلوم ہوا کہ لکچروں میں ناقص تقریر کرتی ہیں۔ ان کے شوہر اس لکچر
 کی تکمیل کرتے ہیں یہ حکمتِ برعابیان کر دی گئی ورنہ یہ کہنا کافی ہے کہ خدا تعالیٰ
 کی کوئی حکمت ہوگی ہمارا کوئی فائدہ اس کی تعین پر موقوف نہیں۔ اسی واسطے
 جو چیزیں فضول ہیں ان کی تحقیق و تفتیش سے منع کر دیا گیا ہے۔ ہم کو اس تحقیق سے

کیا فائدہ ہے کہ فلاں ناقص کیوں ہے فلاں کامل کیوں ہم کو تو اس کے نتائج و احکام پر عمل کرنا چاہیے۔ بہر حال تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نقصان عقل اضطراری اور خلقی ہے اور دوسرا نقصان یعنی نقصان صلوٰۃ جس کو نقصان دین فرمایا ہے جس کا سبب حیض کا آنا فرمایا ہے وہ تو ظاہر ہی ہے کہ خلقی ہے اور تین امر اختیاری ان کی طرف منسوب فرمائے کہ ان کا ازالہ ان کے اختیار میں ہے۔ وہ کفرانِ عشر و از باب لُبِّ رَجُلٍ حَازِمٍ وَ اَكْثَارُ لَعْنٍ چونکہ یہ اختیاری ہیں اس لئے ان کو نقص نہ کہنا چاہیے بلکہ ان کو شر کے نام سے موسوم کرنا مناسب ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ عورتوں میں دو نقص اور تین شر ہیں۔ جو نقص ہیں ان کا فکر تو بے سود ہے اس لئے کہ وہ معاملے زائل ہونے والے نہیں بلکہ اس کی تو تمنا سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے مردوں کے فضائل سن کر فرمایا تھا کہ يَا لَيْتَا كُنَّا رِحَالًا۔ یعنی اے کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی سی فضیلت ہم کو بھی ملتی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ،
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ

یعنی مت تمنا کرو اس شے کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شے سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے یعنی خلقی آگے فرماتے ہیں۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔
یعنی مردوں کے لئے حصہ ہے اس شے سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تمنا چھوڑ دو عمل میں کوشش کرو۔

اب اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر ہم عمل بھی کریں تب بھی ناتمام ہی رہیں گے۔ نقصان ہمارا کہاں دور ہو گا۔ تو اس کا جواب فرماتے ہیں۔

وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ -

یعنی اللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال کرو۔

مطلب یہ ہے کہ عمل نیک کرے۔ اگر خدا تعالیٰ کا فضل ہو تو تم مردوں سے بڑھ سکتی ہو۔

غرضیکہ جو نقص اضطرابی ہیں اسکی فکر تو بالکل فضول ہے اور جو اختیاری
میں جن کو ہم نے شر کہا ہے اس کی اصلاح واجب ہے اور وہ کل تین شر ہیں
اکثار لعن، کفران عشر، اذہاب لب و جہل

اکثار لعن یعنی لعنت ملامت زیادہ کرنا
لعنت ملامت کرنے کا مرض | چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ صبح سے شام تک

ان کا یہی مشغلہ ہے کہ جس سے دشمنی ہے اس کی غیبت کرتے ہیں اور جس سے
محبت ہے اس کو کوستی ہیں اپنی اولاد کو کوستی ہیں۔ اپنی جان کو کوستی اور
ہر شے کو خواہ وہ قابل لعنت ہو یا نہ ہو کوستی ہیں۔

یاد رکھو! ————— بعض وقت اجابت کا ہوتا ہے اور وہ کوسنا

لگ جاتا ہے۔ پھر نادام ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک شخص تشنج زدہ ہے جو
کہ چار پائی سے ہل نہیں سکتا اور سخت تکلیف میں ہے اُس کی ماں نے اس کو کسی
شرارت پر یہ کہا تھا کہ خدا کرے تو چار پائی کو لگ جاوے۔ خدا کی قدرت وہ
ایسا ہی ہو گیا اور اس کی مصیبت والدہ صاحبہ کو ہی اٹھانا پڑی۔

کفران عشر یعنی زوج کی ناشکری جس قدر ان کو دیا
ناشکری کا مرض | جاوے سب تھوڑا ہے۔ مجھ کو مولوی عبدالرب صاحب

کا ایک لطیفہ یاد آگیا کہ وہ فرماتے تھے کہ ان کے پاس کتنا ہی کپڑا ہو، جب پوچھو
کہ کپڑا ہے تو کہیں گی کہ کیا ہیں چار پتی تھڑے، اور کہتے جوڑے جوڑے کے ہوں مگر
پوچھنے پر یہی کہیں گی کہ کیا ہے دو لیتھڑے، اور برتن یکے ہی عمدہ اور کثرت سے

ہوں مگر یوں ہی کہیں گی کہ کیا ہیں چار ٹھیکرے۔ ایک عورت خود کہتی تھی کہ ہمارا حال تو دوزخ کا سا ہے کہ اس کو کھا جاوے گا **هَلْ اُمْتَلَاَتِ**؟ کیا تو بھر گئی؟ وہ جواب میں کہے گی **هَلْ مِمَّنْ مَزِيْدٌ** (کہ کچھ اور بھی ہے) ایک مرض ان میں اور بھی ہے جو کفران ہی کا شعبہ ہے کہ کوئی چیز خواہ وہ کارآمد ہو یا نہ ہو پسند آنا چاہیے۔ بے سوچے سمجھے اس کو خرید لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کام آ رہی جاتی ہے اور یہ شعبہ کفران کا اس لئے ہے کہ اضاعتہ مال شوہر کا ہے خود اپنے مال کی اضاعتہ بھی کفران میں۔ جیسا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُبْتَذِرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا
 ”بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے۔“

اور جب مال بھی دوسرے کا ہو تو کفران حق کے ساتھ کفران شوہر بھی ہے۔ مومن کا قلب تو زیادہ بکھڑے سے گھبرانا چاہیے گو کہ اسراف بھی نہ ہو اور بے ضرورت کوئی شے خریدنا تو صریح اسراف میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِصَْاعَةِ اَمْوَالِ

یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے ضائع کرنے سے۔

آج کل گھروں میں اور خصوصاً بڑے گھروں میں نہایت اسراف ہوتا ہے۔ برتن ایسے خریدے جاتے ہیں جو قیمت میں تو بہت زیادہ مضبوط خاک بھی نہیں ذرا ٹھیس لگ جاوے چار ٹکڑے اور پھر حاجت سے بھی زائد۔ بعض گھروں میں اس کثرت سے شیشہ و چینی وغیرہ کے برتن ہوتے ہیں کہ عمر بھر بھی ان کے استعمال کی نوبت نہیں آتی۔ علیٰ ہذا کپڑوں میں بھی بہت اسراف ہے۔ سے گز کا اور سے گز کا کپڑا بہت باریک ہو کہ علاوہ ممنوع ہونے کے کسی کام کا نہیں پہنتی ہیں۔ اگر کہیں سے نکل گیا تو کسی کام کا نہیں اور موٹا کپڑا اگر پڑانا ہو جاتا ہے کسی غریب ہی کے کام آ جاتا

ہے۔ یہ تمام مُصِیبت اس کی ہے کہ عورتیں اسکی کوشش کرتی ہیں کہ میرا جوڑا ایسا ہو کہ
 کبھی کے پاس نہ ہو اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتیں، ظروف و لباس مکان ہر شے میں شانِ نمود
 تفاخر۔ ریا کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ یہ حال تو روزمرہ کے برتاؤ کا ہے اور اگر کہیں
 کوئی تقریب پیش آجائے تو کیا ٹھکانا ہے۔ تمام رسوم پوری کی جاویں گی جن میں سراسر
 نمود ہی نمود ہے۔

بعض عورتیں فخر کرتی ہیں کہ ہم نے رسوم سب چھوڑ دیں۔ مگر رسمیں دو قسم کی ہیں
 ایک تو شرک و بدعت کی رسمیں۔ مثلاً چٹائی پر بھوکا بٹھانا، اس کی گود میں بچہ دینا کہ
 اس سے شگون لیتے ہیں کہ اولاد ہو، تو واقعی ایسے ٹونے ٹوٹے تو اکثر جگہ چھوٹ
 گئے۔ دوسری تفاخر اور نام آوری کی رسمیں۔ سو یہ دوسری قسم متروک نہیں ہوئی۔
 بلکہ بسبب تمول کے بہ نسبت پہلے کے کچھ بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانے میں اتنا تفاخر
 اور ریا اور نمود نہ تھا کیونکہ کچھ سامان کم تھا کچھ طبائع میں سادگی تھی۔ اب تو
 کھانے میں الگ تفاخر ہو گیا وہ پہلی سی سادگی ہی نہیں رہی۔ پلاؤ بھی ہو، کباب
 بھی ہوں، فیرنی، مینجن اور بریانی ہوں۔ اور کپڑے کے تکلفات کو اول بیان ہی کیا گیا
 ہے۔ ایک دلہن ایک جگہ ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا جہیز میں لائی تھی۔ شاید
 یہ کپڑا اس کے مرنے تک بھی ختم نہ ہوا ہو اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ دلہن مر گئی
 ہے اور یہ سب سامان ہزاروں روپیہ کا ضائع ہوا۔ پھر علاوہ دلہن کے تمام کپڑوں کے
 تمام کنبہ کے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو پسند بھی نہیں آتے اور ان
 میں عیب نکالے جاتے ہیں۔ کس قدر بے لطفی ہوتی ہے اور اس پر دعوت ہے کہ ہم نے
 رسمیں چھوڑ دی ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہیز کو دکھاتے تک نہیں۔ دیکھو ہم نے رسمیں چھوڑ
 دیں۔ سو جناب اس میں کیا کمال۔ اپنی بستی میں تو برسوں پہلے سے سامان جمع کر
 کر کے ایک ایک کو دکھلا چکی ہو جو ہمان آتی ہے اس کو بھی اور جو رشتہ دار آتی

ہے اس کو بھی ایک ایک چیز دکھلائی جاتی ہے اور خود سامان آنے میں جو شہرت ہوتی ہے وہ الگ۔۔۔ آج دھلی سے کپڑا آرہا ہے اور مراد آباد گئے تھے، وہاں سے برتن لائے ہیں اور اس کے بعد وہ دو لہا کے گھر جا کر کھلتا ہے اور عام طور پر دکھایا جاتا ہے اور اسی واسطے لڑکی کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے تو یہ قصداً اعلان نہیں ہے تو کیا ہے؟ ہاں اگر ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے بھی موافق تھا کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے اس کو دینا تو یہ ہے کہ سر دست اپنے گھر رکھو جب وہ اپنے گھر آئے اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھو اور کہو کہ یہ سب چیز تمہاری ہے تمہارا جب جی چاہے لے جانا بلکہ مصلحت یہ ہے کہ وہ اپنے لے جاوے کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جائیں گے اور اوفق للعقل ہونے کے ساتھ اس میں ریا رہی نہ ہوئی، اس وقت یہ دعویٰ ترک رسم کا صحیح ہوتا۔ مگر چونکہ اس میں کوئی تفاخر اور دکھاوا نہیں ہے اس لئے ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔

چالاکى و ہوشيارى کا مرض | تیسرا اذہاب لبّ رجل حازم، یعنی بڑے ہوشیار مرد کی عقل کو سلب

کر لینا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ ایسی اتار چڑھاؤ کی باتیں کرتی ہیں کہ اچھے خاصے عاقل بے عقل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لہجہ میں خلقتہ ایسا اثر رکھا گیا ہے کہ خواہ مخواہ مرد اس کے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ عقل میں مردوں سے زیادہ ہیں بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ مکر اور چالاکى ان میں مردوں سے زیادہ ہوتی ہے عقل اور شے ہے اور مکر اور چالاکى دوسری شے ہے۔ شیطان میں مکر اور چالاکى تھی عقل نہ تھی اسی واسطے دھوکہ کھایا جبکہ حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سجدہ نہ کیا اور خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَ مِنْ طِينٍ۔

مجھ کو تُو نے مٹی سے بنایا ہے اور اس کو تُو نے خاک سے پیدا کیا ہے (کہہ گزرا اور یہ نہ سوچا کہ جب حق تعالیٰ نے سجدہ کا حکم فرمایا ہے تو ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ اور مصلحت و حکمت تو بہت ہی ظاہر تھی چنانچہ فرمایا ہے :

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً -

یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی جانشین تختِ سلطنت پر بیٹھتا ہے تو اس کو نذریں گزاری جاتی ہیں۔ جو معاملہ منیب کیساتھ کیا جاتا تھا وہ اب نائب کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی حکم ہوا کہ ہم کو جس طرح سجدہ کرتے تھے اسی طرح آدم علیہ السلام کو کرو اس لئے کہ ہمارا خلیفہ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا وہ سجدۂ تحیّت تھا اور حق تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجدۂ عبادت ہے تو اتنی موٹی بات میں اس نے غلطی کی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس میں عقل نہ تھی ہاں چالاکی اور مکر میں بے شک بے مثل ہے۔ اس پر ایک میاں جی کی حکایت یاد آئی کہ ان کے پاس کہیں سے بتاشے آئے انہوں نے ایک مٹی کے بدھنے میں اٹال لگا کر بند کر کے رکھ دیئے تاکہ کوئی لٹو کا نہ کھا جاوے۔ لٹوکوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی ہونا چاہیے کہ بدھنے کا منہ بھی نہ کھلے تاکہ راز ظاہر نہ ہو اور بتاشے بھی وصول ہو جاویں، سوچتے سوچتے ایک تدبیر نکالی کہ پانی لا کر ٹونٹی کی راہ سے اس میں بھرا اور مشربت گھول کر پی گئے تو یہاں یہ نہ کہا جاوے گا کہ یہ لٹو کے بڑے عاقل تھے بلکہ یوں کہا جاوے گا کہ بڑے شریر اور چالاک و مکار تھے۔ کیونکہ عقل کا مقتضا تو اپنے استاد کی خدمت اطاعت ہے نہ کہ ضرر رسانی۔ کیونکہ عقل کے معنی لغت میں بستن کے ہیں عقل وہی ہے جو کہ مضرت سے بند رکھے روکے، بندر بہت عجیب عجیب کام کرتے ہیں مگر اس سے بندر کو عاقل نہ کہا جاوے گا بلکہ مکار کہیں گے۔

غرض عقل اور شے ہے اور چالاکی و مکر اور چیز ہے عقل محمود ہے اور
 اُس کا نہ ہونا مذموم اور چالاکی مذموم ہے اور اس کا نہ ہونا محمود چنانچہ شریعت
 میں یہ بھی محمود نہیں ہے کہ دوسروں کو ضرر پہنچائے کہ مکر ہے۔ اسی طرح یہ بھی
 کمال نہیں کہ اپنے کو مضرت سے نہ بچائے کہ کم عقلی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔
 لَا يُلْدَعُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جَعْرِ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ
 یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر مومن کو کسی جگہ سے ضرر پہنچے تو اس کی شان یہ نہیں
 ہے کہ پھر وہاں جاوے یا کسی آدمی سے تکلیف و نقصان پہنچا تو یہ مناسب نہیں ہے
 کہ پھر اس سے معاملہ کر لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کے لئے اپنی بیدار مغزی
 کمال کی بات ہے کہ اپنے کو مضرت سے بچائے۔ اسی واسطے دین کو نفع ہمیشہ عطا
 ہی سے ہوا ہے۔ انبیاء اور مقتدائے دین جس قدر ہوئے ہیں سب بڑے عاقل
 تھے۔ کسی نبی کی ایسی حکایت نہ سنی ہوگی وہ بھولے ہوں ان کو کچھ خبر نہ ہو۔
 ہاں چالاک و مکار نہ تھے۔ عاقل ہوشیار حکیم تھے اور یہی تو وہ شے ہے کہ
 جس کی بنا پر خلیفۃ اللہ بنا یا گیا ہے غرضیکہ عورتوں میں چالاکی اور مکر ہے عقل نہیں۔
 اس چالاکی اور مکر کی وجہ سے عاقل کی عقل کو سلب کر لیتی ہیں۔ چنانچہ تہائی میں ایسی
 باتیں کرتی ہیں جس سے شوہر کا دل اپنی طرف ہو جاوے اور سب سے چھوٹ
 جاوے۔ بیاہ کے بعد گھر آتے ہی سب سے اول کو شش ان کی یہ ہوتی ہے
 کہ شوہر ماں باپ سے چھوٹ جاوے۔ بڑے ظلم کی بات
 ہے کہ جس ماں نے مشقتیں اٹھا کر اس کو پالا اپنا خون جگر پلایا خود تکلیف
 میں رہی اس کو آرام سے رکھا اس کے تمام ناز برداشت کئے اور جس باپ نے دھوپ
 کھائی اور اولاد کے لئے گھر چھوڑا محنت کر کے ان کو پالا آج ان کی خدمات کا یہ

صلہ دیا جاتا ہے کہ اُن سے چھڑایا جاتا ہے، انا اللہ وانا الیہ راجعون پھر اگر یہ منتر
 الکاچل گیا تو اس پر بھی اکتفا نہیں کہتی ہیں کہ تم تو الگ ہو گئے مگر تمہاری کمائی تو
 ان کے پاس جا رہی ہے کبھی مال کو جو تالا دیا کبھی کچھ نقد دے دیا غرض کوشش
 کر کے اس میں بھی کامیاب ہوتی ہیں پھر اس پر بھی صبر نہیں آتا اس کے بھائی کے
 بہن سے اور اگر پہلی زوجہ سے اولاد ہو اُس سے چھڑاتی ہیں غرض شب و روز کی
 فکر میں گزرتا ہے اور یہی رات دن سعی ہوتی ہے کہ سوائے میرے اور میری اولاد کے
 کوئی نہ ہو اور انہیں کی بدولت بہت سے گھروں میں بلکہ بہت سے خاندانوں میں
 نا اتفاقی ہو جاتی ہے۔ مردوں میں یہ بے احتیاطی ہے کہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور
 اُس پر عمل کرتے ہیں اور خود اس کفران اور اذہاب کی وجہ دو ہیں اول تو انکو
 زوج کی مساداة کا زعم ہوتا ہے کہ ہم اس سے کیا کچھ کم ہیں چنانچہ یہاں تک کوشش
 ہوتی ہے کہ مناظرہ میں بھی ہم غالب رہیں جو بات شوہر کہتا ہے اُس کا جواب ان کے
 پاس تیار رہتا ہے کوئی بات بے جواب نہ چھوڑیں گی خواہ ناگوار ہو یا گوار ہو، خواہ
 معقول ہو یا نامعقول ہو اور کفران کے آثار اکثر اس دعوے مساداة سے پیدا
 ہوتے ہیں۔

اب میں اُن حضرات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو مساداة
حقوق زوجین | حقوق زوجین کی کوشش کرتے ہیں اُن سے التماس
 ہے کہ آپ حضرات جو اس سعی میں ہیں کہ رجال و نساء میں مساداة ہو جاوے تو
 قطع نظر سب جوابوں کے کہتا ہوں اگر آپ ہی کی بیگم صاحبہ آپ سے مساداة کا
 دعوے کرے اور مقابلہ میں آکر جواب سوال کرے تو سچ کہنا کہ آپ ناخوش نہ
 ہوں گے؛ ضرور ہوں گے ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ میرے اہل و عیال میرے تابع ہو
 کر رہیں اور خصوصاً جنس میں حضرات کہ مساداة تو کیا رکھتے معمولی حقوق بھی بیویوں
 کے ضائع کرتے ہیں بیویوں کو مردوں کے برابر کیسے ہو سکتی ہو تم ہر طرح اور ہر امر

میں پیچھے رکھی گئی ہو دیکھو تمہاری امامت جائز نہیں میراث شہادت امارت ولایت وغیرہ میں ہر طرح مردوں سے پیچھے ہو تم آگے کیوں بڑھنا چاہتی ہو؟ امام صاحب کا قول ہے کہ اگر صنف میں مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جاوے تو نماز فاسد ہو جلاوے گی جب عبادات میں مساوات نہیں ہے جس میں زیادہ ہمت زیادہ عقل کی بھی ضرورت نہیں تو معاملات میں کہ جن میں بہت سے اُن امور کی ضرورت ہے جو خاص مردوں میں پائے جاتے ہیں کیسے برابر ہو سکتی ہو اور تم تو برابری کا دعویٰ کرنا چاہتی ہو حالانکہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی غیر کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اور یہ نہیں فرمایا کہ لونڈی کو حکم دیتا کہ اپنے مولے کو سجدہ کرے معلوم ہوا کہ تمہارا مرتبہ لونڈی سے بھی کم ہے اور شوہر کا مرتبہ مالک سے بھی زیادہ ہے مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ خاوند سے دنیا نفس کے خلاف ہونے سے عار سمجھا جاتا ہے تم ان احکام کو دین ہی نہیں سمجھتیں بڑا شوق دین کا ہو گا تو وظائف اور سبحان اللہ اور الحمد للہ کی بہت سی تسبیح پڑھ ڈالیں گی میں کہتا ہوں کہ وظائف کا مرتبہ تو ان سب سے پیچھے ہے، بڑی فضیلۃ اسی میں ہے جس میں نفس کا خلاف ہو اور ان وظائف اجزاء دین میں اکثر نے انتخاب کیا ہے اُسکے اندر نفس کا ایک خفی کید ہے وہ یہ ہے کہ عام میں اس کی وجہ سے تعظیم و تکریم بہت ہوتی ہے عام بزرگ سمجھنے لگتے ہیں اس لئے اس میں نفس خوش ہوتا ہے اور خاوند کی حرمت اور تعظیم اور اطاعت نفس کے خلاف ہے اس لئے اس سے اعراض ہے، غرض کہ ایک وجہ خرابی کی تو زعم مساواة ہے۔

دوسری وجہ حسد ہے یہ مرض بھی عورتوں میں بہت ہے ذرا ذرا سی شے پر ان کو حسد ہوتا ہے مثلاً

حقیقت حسد نسواں

اسی پر حسد ہوتا ہے کہ ماں باپ کو یہ شے کیوں دیتا ہے اگر ماں باپ ہوتے تو یہ شے ہمارے پاس رہتی لیکن اے عورتو! میں تمہاری اس امر میں تعریف کرتا ہوں کہ تمہارا ایمان تقدیر پر بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے مردوں کو صد ہا سو سے پیش آتے ہیں علماء سے اُلجھتے ہیں لیکن تم کو اس میں شک و شبہ بھی نہیں ہوتا مگر معلوم نہیں کہ یہ تمہارا تقدیر پر ایمان لانا اس موقع پر کہاں گیا خوب سمجھ لو کہ جس قدر تقدیر میں ہے وہ تم کو مل کر رہے گا پھر حسد اور جلن کا ہے کئے لئے کرتی ہو اور یہی حسد ہے جن کی وجہ سے سوت سے ہمیشہ انکی لڑائی رہتی ہے لیکن کوئی عورت اس کا اقرار ہرگز نہ کرے گی۔ کہ مجھ کو حسد ہے بلکہ مختلف پیراؤں میں یہ جلنے لگالتی ہے کبھی کہتی ہیں کہ فلانی میں یہ عیب ہیں فلانی باہر کی ہے یا شرافت میں میرے برابر نہیں ہو سکتی۔

دعویٰ شرافت | ہمارے قصبات میں بالخصوص دعویٰ شرافت کا ایسا مرض ہے کہ باہر کی عورت یا مرد کیسا ہی شریف ہو مگر اپنی شرافت کے گھنڈ میں کسی کو منہ نہیں لگاتے اور مجھ کو تو اسی میں شبہ ہے کہ جو شریف کہلاتے ہیں آیا واقع میں ایسی ہی ہیں یا نہیں کیونکہ یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر شیوخ ہیں کوئی تو اپنے کو صدیقی کہتا ہے کوئی فاردی کوئی علوی کوئی عثمانی کوئی انصاری کیا ان چار پانچ صحابہ کے سوا نعوذ باللہ اور صحابہ منقطع النسل تھے کوئی اپنے کو یہ نہیں کہتا کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں یا حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں سب ان چار پانچ حضرات ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں شبہ ہوتا ہے کہ یہ سب تراشیدہ یا راں ہے شاہیر اور جلیل القدر والا شان صحابہ کو لے کر انکی طرف نسبت کرنے لگے جن کے پاس نسب نامہ محفوظ نہیں ظاہر ہے کہ ان کا بیان تو زبانی ہی قصہ ہے اور جن کے پاس

نسب نامہ ہے اُس میں بھی اُوپر سے اشتباہ ہے کوئی تحقیقی بات نہیں ہے چنانچہ ہم لوگ تھانہ بھون کے فاروقی مشہور ہیں مگر تاریخ سے اس میں شبہ پڑتا ہے اس لئے کہ ابراہیم بن ادھمؒ اس سلسلہ نسب میں موجود ہیں اور اُن میں اختلاف ہے کوئی اُن کو فاروقی لکھتا ہے کوئی عجمی کوئی تمیمی کوئی سید زیدی لکھتا ہے پھر ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم کہیں کہ فلانی کم قوم کی ہے خوب یاد رکھو قیامت کے دن صرف یہ پوچھا جاوے گا ۔ ہاذا التسمیت یعنی تو نے کیا کہا یا یہ نہ پوچھا جاوے گا ۔ جس انتسبت یعنی کس کی طرف منسوب تھا اور جس قدر اقوام ہیں سب کے مرجع اور منتہا یقینی طور پر رسوم علیہ السلام ہی ہیں مگر معلوم نہیں اُن کی طرف اپنے کو نسبت کیوں نہیں کرتے اگر جواب میں کہا جاوے کہ وہ بعید ہیں اور نسب میں قریب کا اعتبار ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر قریب کا اعتبار ہے تو میں ایک شے نہایت قریب بتاتا ہوں اسکی طرف نسبت کر دو وہ کیا ہے ایک آبِ ناپاک ایک بزرگ کے سامنے سے ایک شخص نہایت فخر اور تجر سے اکڑتا ہوا نکلا اُن بزرگ نے اس کو نصیحت کی کہ بھائی اِتر اؤ امت اُس نے کہا کہ تم مجھ کو نہیں جانتے میں کون ہوں ۔ فرمایا ہاں جانتا ہوں اولک نطفۃ فذرة واخرک جیفة قذرة وانت بین ذلک تحمل العذرة اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں آخرت میں تو واقعی نسب کوئی چیز نہیں ہے عمل ہی کام اُنے والا ہے لیکن دنیا میں وہ بے کار بھی نہیں ہے شریعت نے خود اس کا اعتبار کیا ہے اگر نسب کوئی شے نہ ہوتی تو غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا اور یہ قانون مقرر نہ ہوتا الا ئمة من قریش ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع نے بھی شرف

لہ تیری ابتدائی خلق ایک ناپاک پانی سے ، اور تیرا انجام ایک مردار بد بردار (لاشہ بننا) ہے اور تو ان دونوں حالات کے درمیان گزری کو اٹھانے والا ہے ۱۲

میں ضرورتاً تفاوت رکھا ہے اور یہ تفاوت مصالح تمدنیہ کی حفاظت کے لئے ہے
 اگر سب کے سب اس میں یکساں ہوتے تو تمدن ہرگز محفوظ نہ رہ سکتا نہ کوئی
 کام چل سکتا مثلاً اگر کوئی گھر بنانے کے لئے کسی کو کہتا تو وہ کہتا تم ہی ہمارا گھر
 تعمیر کر دو نائی سے خط بنانے کو کہتے وہ کہتا تم ہی میرا بنائیے دھوبی کپڑے نہ
 دھوتا غرض سخت مُصِیبت ہوتی اگر بڑھئی کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملتا اگر
 نوکر کی ضرورت ہوتی تو کمر نہ ملتا یہ ادنیٰ اعلیٰ کا تفاوت ہی ہے جس سے لوگوں
 کے کام چل رہے ہیں چنانچہ الائمتہ من قریش میں بھی ایک انتظامی مصلحت
 ہے قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے تو جب ائمہ اور امرا
 ان میں سے ہوں گے تو اوادوں کو ان کے اتباع سے عار نہ ہوگا اور ان کو دوسرے کے
 اتباع سے عار نہ ہوتا اور جنگ و جدال کی صورت قائم ہوتی اور نیز یہ قاعدہ ہے کہ
 آدمی اپنے خاندانی شے کی بہت حفاظت کیا کرتا ہے تو اگر قریشی امام ہوگا تو
 دین کی حفاظت دُوجہ سے کرے گا ایک اس وجہ سے کہ دین ان کے گھر کا ہے ،
 دوسرے مذہبی تعلق سے پس معلوم ہوا کہ نسب میں مصالح تمدنیہ ودیعت ہیں اس
 لئے وہ بے کار نہیں مگر نسب پر تکیہ کرنا اور فخر کرنا ہر حالت میں حرام ہے اور آج
 کل کے شرفاء میں تو نسب پر تکیہ ہی ہے مگر غیر شرفاء میں دوسرے طور پر تکیہ پایا جاتا
 ہے کہ اپنے کو شرفاء کے برابر سمجھتے ہیں اور اپنے میں اور ان میں کچھ فرق نہیں جانتے
 یہ بھی زیادتی ہے جو فرق اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے غرض
 یہ کہ تفاخر اور کبر بھی برابر ہے جیسا کہ عیان شرافت خصوص عورتوں میں ہے اور
 فرق مراتب نہ رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے جیسا دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے۔

میں اسکو بیان کر رہا تھا کہ ہماری عورتوں کے اخلاق
ضرورت اخلاق نہایت خراب ہیں ان کو اپنی اصلاح کرانا نہایت ضروری

ہے اور یاد رکھو بغیر اخلاق کے درست ہوئے عبادت اور وظیفہ کچھ کارآمد نہیں
 حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ
 فلاں عورت بہت عبادت کرتی ہے راتوں کو جاگتی ہے لیکن اپنے ہمسایوں کو ستاتی
 ہے۔ فرمایا: *ہی فی النار* اور ایک دوسری عورت کی نسبت عرض کیا گیا کہ وہ
 عبادت نہیں کرتی مگر ہمسایوں سے حسن سلوک کرتی ہے فرمایا: *ہی فی الجنة*
 مگر ہماری عورتوں کا سرمایہ بزرگی آجکل بیس اور وظیفہ پڑھنا رہ گیا، اخلاق
 کی طرف اصلاً التفات نہیں حالانکہ اگر دین کا ایک بھی جز کم ہوگا تو دین نامم
 ہوگا مگر آج کل لوگوں نے جیسے اور چیزوں کا سنت نکال لیا ہے اسی طرح دین کا بھی
 سنت نکال لیا ہے بعض نے تو نماز روزہ ہی کو دین سمجھ لیا ہے معاملات اخلاق وغیرہ
 کو چھوڑ دیا۔ اور بعضوں نے صرف اخلاق کو لے لیا اور عبادات و عقائد کو چھوڑ دیا،
 اگرچہ ان مدعیان اخلاق کے اخلاق بھی درست نہیں ہیں لیکن اگر ہوتے بھی تو بیکار
 تھے ایک جماعت وہ ہے کہ اُن کے عقائد و اعمال و معاملات اچھے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ
 ہم خوش عقیدہ ہیں اور اس پر تفاخر کرتے ہیں اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ تو ان
 میں اخلاق کی کمی ہے اسی طرح ہماری عورتوں نے عقائد اور وظائف و نماز کو لے لیا مگر
 اخلاق کو چھوڑ دیا صبح سے شام تک غیبت حسد لعن طعن کبر میں مبتلا ہیں اور اُس پر
 یہ سمجھتی ہیں کہ ہم بڑے بزرگ ہیں تو بزرگی صرف یہ نہیں ہے اسی طرح مردوں کو
 بھی کہا جاتا ہے کہ اخلاق کی اُن میں بھی کمی ہے وہ بھی اصلاح کریں بلکہ اخلاق کا
 بعض حیثیات سے اعمال سے بھی زیادہ اہتمام ہونا چاہیے اس لئے کہ اگر اعمال
 میں کمی ہوگی تو اُس کا ضرر اپنی ذات ہی تک محدود ہے گا اور اخلاق اگر خراب
 ہوئے تو اُس کا ضرر دوسروں کو پہنچے گا یہ حق العبد ہے افسوس ترک صلوٰۃ اور دیگر
 کبائر کو تو گناہ سمجھا جاتا ہے اور غیبت اور حسد و طمع زیور اپنی سوت سے لڑنا وغیرہ

وغیرہ خصال کو گناہ نہیں سمجھتیں خلاصہ تمام تر وعظ کا یہ ہوا کہ اس حدیث میں تین شر
 بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ تین شر ایسے ہیں کہ تمام شرور کا تعلق ان ہی تین سے ہے
 بعض شرور کا تعلق تو ان سے اتنا ہے اور بعض کا ملتا ہے یعنی بعض شرور ان سے
 پیدا ہوتے ہیں اور بعض شرور سے یہ پیدا ہوتے ہیں مثلاً کفرانِ عیش و سرور کا
 منشاء حرص و طمع ہے اکتارِ لعن سے غیبتِ نمائی وغیرہ ہوتی ہے۔
 اذہابِ لبِ رجلِ حازم سے نا اتفاقی جنگ و جدال آپس کی خانہ جنگیاں وغیرہ
 اسی طرح غور کرنے سے سب کا تعلق معلوم ہو سکتا ہے پس یہ تینوں واجب الاصلاح
 ٹھہرے اب طریقہ اصلاح کو غور سے سنا اور سمجھنا چاہیے اور اسی پر بیان ختم
 ہو جاوے گا اور وہ طریقہ اصلاح مرکب ہے علم و عمل سے اور علم یہی نہیں ہے کہ
 ترجمہ قرآن شریف پڑھ لیا تفسیر سورۃ یوسف پڑھ لی یا نور نامہ ذوات نامہ پڑھ
 لیا بلکہ کتاب وہ پڑھو جس میں تمہارے امراض کا بیان ہے یہ تو علم ہوا۔

اور عمل ایک تو یہ کہ اول تو زبان کو روک لو،
طریق اصلاح نسواں | تمہاری زبان بہت چلتی ہے تم کو کوئی بُرا کہے

یا بھلا تم ہرگز مت بولو اس سے کفرانِ عیش و اذہابِ لبِ رجلِ حازم
 اکتارِ لعن و حسد و غیبت وغیرہ جاتے رہیں گے اور جب زبان روک
 لی جاوے گی تو امراض کے مبان بھی قلب سے جاتے رہیں گے کیونکہ جب اس
 قوت سے کام ہی نہ لیا جاوے گا تو ان امراض کے مناشی بھی ضعیف اور مضحل ہو جاویں
 گے اور دوسرے یہ کہ ایک وقت مقرر کر کے یہ سوچا کرو کہ دنیا کیا چیز ہے اور یہ
 دنیا چھوٹنے والی ہے اور موت کا اور موت کے بعد جو امور پیش آنے والے ہیں
 جیسے قبر اور منکر نکیر کا سوال اور اس کے بعد قبر سے اٹھنا اور حساب و کتاب اور
 پُل صراط کا چلنا سب کو بالتفصیل روزانہ سوچا کرو اس سے حُبِ جاہ حُبِ مال تکم

حسد اور اس کے فروغ غیبت حسد وغیرہ سب امراض جلتے رہیں گے غرض
 حاصل معالجہ کا دوا جو بن ہوئے ایک علمی دوسرا عملی، علمی کا حاصل یہ ہے کہ قرآن
 کے بعد ایسی کتابیں پڑھو جس میں احکام فقہیہ کے ساتھ امراض قلب مثل حسد بکتر
 وغیرہ کا بھی بیان ہو کم سے کم بہشتی زیور ہی کے دست حصّہ پڑھ لو اور عملی جو
 کا حاصل دوا چیزیں ہیں کفّ لسان اور مراقبہ موت لیکن طوطے کی طرح بہشتی زیور کے
 الفاظ خود پڑھ لینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً
 پڑھ لو جب کہ گھر میں عالم ہو ورنہ گھر کے مردوں سے درخواست کرو کہ وہ کسی عالم
 سے پڑھ کر تم کو پڑھا دیا کریں مگر پڑھ کر بند کر کے مت رکھ دینا ایک وقت مقرر کر کے
 ہمیشہ اس کو خود بھی پڑھتی رہنا اور دوسروں کو بھی سناتی رہنا میں وعدہ کرتا ہوں
 کہ اس طریقہ سے انشاء اللہ بہت جلد اصلاح ہو جاوے گی اور یہاں اس سے زیادہ
 بیان کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ انشاء اللہ یہاں کی عورتیں خود سمجھ دار
 ہیں اور اصل الاصل ان تمام تر خرابیوں کا ایک ہی امر ہے اس کا اگر ازالہ ہو جاوے
 تو سب امور کی اصلاح ہو جاوے وہ یہ کہ آجکل بے فکری ہو گئی اگر ہر امر میں
 دین کا خیال رکھا جاوے کہ یہ امر جو ہم کرتے ہیں آیا دین کے موافق ہے یا نہیں
 نو انشاء اللہ چند روز میں اصلاح ہو جاوے اب دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ
 توفیق عطا فرماوے ————— آمین آمین آمین فقط :-



کسار النساء

حقوق مستورات اور مردوں کو تنبیہ کہ عورتوں کو حقیر نہ سمجھیں
 بعض امور میں عورتیں مردوں سے کم ہیں اور بعض میں برابر اور
 بعض میں بڑھ بھی سکتی ہیں۔

یہ وعظ پانی پت محلہ مخدوم زادگان عبدالحکیم صاحب کے زمانہ مکان
 میں ۲۷ صفر ۱۳۳۷ھ یوم دوشنبہ ۲ دسمبر ۱۹۱۸ء کو صبح آٹھ
 بج کر ۱۸ منٹ سے ۱۰ بج کر چھبیس منٹ تک کل وقت ۲ گھنٹے ۸ منٹ
 چوکی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔

حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری دمنشی عزیز الرحمن صاحب ایجوکروی
 خواجہ عزیز الحسن صاحب نے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد
 تقریباً ۱۰۰ تھی علاوہ مستورات۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تمہید دعا، خطبہ **اما بعد** : فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ
الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
فَاَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَفْ لَا اُصْنِعُ عَمَلًا مِنْكُمْ مِنْ
ذَكَرَ اَوْ اَنْتُمْ لِبَعْضِكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوا وَاُخْرِجُوا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَوْذُوْا فِیْ سَبِيْلِیْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَا كُفْرًا
عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلًا فِیْ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَ حَسَنِ الثَّوَابِ۔

یہ ایک آیت ہے جس کا ایک خاص جزو اس وقت بیان کرنے میں
مقصود ہے کیونکہ اُس خاص جزو میں عورتوں کے بتلانے کے قابل ایک بات
ہے اس واسطے ضرورت ہوئی اُسی کے مقصود بنانے کی میں اسکی تعیین ابھی
کر دوں گا۔ اُسی وجہ معلوم ہو جانے لگی، اس آیت کے اختیار کرنے کی۔ گو
میں نے آیت پوری پڑھی ہے مگر ترجمہ اسی جزو مقصود تک کروں گا۔

حقیقتِ عمل | اول سمجھ لیجئے کہ اس سے اُوپر حق تعالیٰ نے کچھ ذکر کیا ہے اہل طاعت کا اور اُن کے بعض اقوال و افعال ذکر

فرماتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ وہ ذکر کرتے ہیں حق تعالیٰ کا اور کائنات میں تفکر کرتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں وہ دعائیں نقل فرمائی ہیں اور نقل کیا فرمائی ہیں بلکہ تسلیم فرمائی ہیں۔ نہایت پاکیزہ پاکیزہ اور جامع دعائیں ہیں اُس کے بعد یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَلَمْ

جس کا مطلب ہے کہ اُن کی دُعا قبول ہوئی اور انکی درخواست منظور

کی گئی۔ اگلے جملے میں اس کی وجہ ارشاد ہے :

اَلَمْ يَكُنْ لَّكَ اُتْبِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ

یہاں لام مقدر ہے یعنی تقدیر لَمْ يَكُنْ ہے مطلب یہ ہوا کہ درخواست انکی اس وجہ سے منظور ہوئی کہ میری عادت یہی ہے کہ میں کسی شخص کا عمل اور کسی کام کو نیا لے کا کام ضائع اور برباد نہیں کیا کرتا چونکہ دُعا بھی عمل ہے اس واسطے اس کو بھی میں نے ضائع نہیں کیا بلکہ اُس کو منظور کر لیا اور وہ جو سوال کرتے ہیں وہ میں پورا کر دوں گا۔ ایک تو یہ تو جیسے اور ایک یہ ہے کہ اُن کی تقدیر لانی نہیں ہے اور یہ علت نہیں ہے فَاسْتَجَابَ کی بلکہ یہ جملہ مفعول ہے استجاب کا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے اس بات کو منظور فرمایا کہ اُن کا کوئی عمل ضائع نہیں کریں گے۔ اس میں دُعا بھی آگئی اور اعمال بھی آگئے۔ اور گو اُوپر اعمال کے ضائع نہ کرنے کی درخواست نہیں تھی پھر استجاب کے کیا معنی مگر اعمال تو مذکور ہیں یہ ذکر و تفکر و ن میں جواب اعمال کو شامل ہے۔

لَمَّا قَالَ كُلُّ مَطِيعٍ لِلَّهِ فَهُوَ ذَاكَ

اور جو شخص عمل کرتا ہے بہ نیت قبول کے کرتا ہے تو عمل کرنا بھی درخواست

ہے ضائع نہ کرنے کی پس اس طرح سے عدم اضاغہ کا استجاب کا مفعول بہ ہو گیا
یہ تو وجہ کا اختلاف ہے لیکن ہر حال میں خلاصہ مشترک اُس کا یہ ہے کہ یہ بات معلوم
کرادی گئی کہ خدا تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے یہ مضمون ایسا ہے کہ سب جانتے ہیں
اور جا بجا آیتوں میں مذکور ہے چنانچہ کئی جگہ آیا ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ اور مَنْ يَحْمِلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ

بہر حال اس میں کسی اختلاف نہیں اور ہمیں کوئی اشتباہ نہیں کہ خدا تعالیٰ
کسی کا کام ضائع نہیں کرتے۔ چونکہ یہ بہت ظاہر اور مسلم بات ہے لہذا اس وقت
یہ بیان سے مقصود بھی نہیں۔

مقصود وہ ہے جو آگے ہے یعنی تعمیم اس حکم کی کہ عامل
کوئی ہو خواہ مرد ہو یا عورت سب کے لئے یہ حکم

حقیقت تواضع

عام ہے جو نیک عمل کرے اُس کا عمل ضائع نہیں کیا جائے گا اور یہ امر مقصود بالبیان
اس واسطے تجویز ہوا کہ عورتیں یوں سمجھتی ہیں اور آج کل کی عورتوں پر کیا منحصر ہے پہلے
بھی ایسے ہی ہوا تھا کہ عورتیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم کوئی چیز نہیں ہیں بالکل ردی اور بیکار
چیز ہیں اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی چنانچہ شان نزول اس کی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ
نے عرض کیا کہ مردوں کے لئے ہجرت کے بڑے فضائل آئے ہیں عورتوں کا کچھ ذکر نہیں۔
اپر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ مضمون کچھ تو عورتوں کے ذہن میں خود ہی ہے اور
کچھ بعض مضامین کے سننے سے پیدا ہو گیا ہے جو داغظ بیان کرنے کو اٹھتا ہے
وہ عورتوں کی مذمت ہی کرتا ہے۔ اور اُن کے عیوب ہی بیان کرتا ہے۔

ایسے ہی مضامین سننے سنتے عورتوں کی طبیعتیں سرد ہو گئی ہیں اور یہ کلیہ اُنہوں نے
ذہن میں جمالیا ہے کہ ہم بُرے اور بیکار ہیں۔ وہ مضامین بہت سے صحیح بھی ہیں اور یہ
کلیہ جو اُن کے ذہن میں آیا ہے بہت کارآمد چیز ہے کیونکہ یہ تواضع ہے اور اپنے آپ کو

مٹانا ہے۔ مگر چونکہ ایک ہی قسم کے مضامین پر کفایت کی جاتی ہے اور دوسرا رُخ نہیں دکھلایا جاتا اس واسطے مفید نہ رہا۔ کیونکہ ہر چیز اپنے موقع پر ٹھیک ہوتی ہے جو عوتوں میں عیوب ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں لیکن صرف عیوب ہی نہیں ہیں کچھ اوصاف حمیدہ بھی ہیں عیوب کو اپنے موقع پر اور اوصاف حمیدہ کو اپنے موقع پر بیان کرنے سے نفع ہو سکتا ہے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے اور دونوں میں سے صرف ایک ہی شق کو بیان کیا جائے تو کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا بلکہ وہ بیان بالکل مہمل اور بیکار ہو جاتا ہے۔ اور گو اپنے آپ کو لاشے سمجھنا فی نفسہ بہت نافع ہے۔ کیونکہ تواضع ہے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو بالکل بیکار سمجھنا کسی عارض سے مضر بھی ہے۔ اگر طبیعت سلیم ہو تو اپنے آپ کو جس قدر کم سمجھے اُسی قدر نفع ہوتا ہے اور اگر طبیعت سلیم نہ ہو تو نفع نہیں ہوتا بلکہ ضرر ہوتا ہے تفصیل اُس کی یہ ہے کہ نیستی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اصل اللہ نے بڑی کوششیں کیں کہ اپنے آپ کو مٹا دیں کسی شمار ہی کا نہ رکھیں۔ انہوں نے اس کی کوششیں کیں اور منجانب اللہ اُن پر حالتیں بھی ایسی طاری ہوئیں جس سے ہستی بالکل مٹ جائے۔

باوجودت آواز نیا مد کہ منم

اُن کو یہ بھی کہتے شرم آتی ہے اور خدا نے تعالیٰ کی جانب سے بھی حالات اسی قسم کے پیش آتے ہیں کہ اُن کی ہستی بالکل مٹ جائے چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اُن کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی لوگ عقیدت کی وجہ سے اُن کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دعا کیجئے کہ بارش ہو جائے فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامت اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی اس کو معتقدین کب تسلیم کرتے عرض کیا کہ حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چنانچہ چنیں ہیں آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نحوست ہے ہمارے واسطے استغفار کر

دیجئے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرماویں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرماویں
 فرمایا میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی خواہش ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت
 نہ ہوگی۔ لوگ مجبور ہوئے اور اُن کو شہر سے باہر پہنچا دیا بس اُن کا شہر سے نکلنا تھا کہ
 فوراً بارش ہوگئی۔ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کے معاملات کا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اُنکی تربت
 کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب تک وہ شہر میں رہے بارش نہیں ہوتی۔
 گواہ میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ اس تواریخ پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوتی ہو غرض
 وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی اُن کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے
 ہیں کہ اُن کی ہستی بالکل مٹ جائے اپنے آپ کو مٹانے پر ایک اور حکایت یاد
 آئی ایک بزرگ تھے سید احمد رفاہیؒ یہ حضرت سیدنا غوث پاک کے معاصر ہیں
 یہ اتنے بڑے شخص ہیں کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے وہاں روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 کے اُوپر ذوق و شوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے

فی حالۃ البعد زوحی کنت ارسلاہا تقبل الارض منی وھی نا ئبتی
 وھذہ نوبۃ الاشباح قد حضرت فامدد یدیک لکی تحظی بہا شفتی

جن کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم دُور تھے تو اپنی رُوح کو بھیج دیا کرتے تھے۔ وہ
 روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر زمین بوس ہو جایا کرتی تھی اب جسم کے حاضر ہونے کی
 نوبت آگئی ذرا اپنے دست مبارک کو بڑھائیے تاکہ میرا لب اُس سے بہرہ ور ہو سکے۔
 ہونٹوں کو یہ دولت نصیب ہو جائے۔ جلال الدین سیوطی نے نقل کیا ہے کہ روضہ منور
 کے اندر سے ایک نہایت نورانی ہاتھ ظاہر ہوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک
 تھا۔ انہوں نے دُور کہ بوسہ دیا اور بیہوش ہو گئے۔ بس ہاتھ غائب ہو گیا مگر کیفیت یہ ہوئی
 کہ تمام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نور ہی نور پھیل گیا۔ ایسا نور کہ اُس کے سامنے آفتاب
 کی بھی حقیقت نہ تھی اور واقعی آفتاب کی اُس نور کے سامنے کیا حقیقت ہوتی جب

ان کو افادہ ہوا تو خیال ہوا کہ میری بڑی عظمت ظاہر ہوگی جس سے میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ بس کیا کیا کہ دروازہ پر جا کر زمین پر لیٹ گئے اور پکار کر کہا کہ میں سب کو قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے پہچاندتے ہوئے اور مجھ کو روندتے ہوئے جائیں یہ اس واسطے کیا کہ کیا عجب پیدا نہ ہو جائے کہ میں ایسا ہوں کہ میرے واسطے ایسا ایسا ہوا چنانچہ کوتاہ نظر عوام الناس نے یہی کیا کہ سب اُن کے اوپر کو پہچاندتے ہوئے گئے۔ اُن کو اس میں لطف آتا تھا اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ تھی کہ ابھی کیا شان تھی اور ابھی کیا گت بنے رہی ہے، ایک بزرگ سے جو کہ اُس مجمع میں موجود تھے اسی قصے کے بعد کسی نے پوچھا کہ آپ بھی اُن کے اوپر پہچاند کر گئے تھے کہا تو بہ تو بہ یہ کیسے ہو سکتا تھا خدا کا غضب فوراً نازل ہوتا اگر میں ایسا کرتا۔ عوام تو معذور ہیں کیونکہ ان کو پہچانتے نہ تھے، اور جو اُن کو پہچانتا ہو وہ بے ادبی کرے تو فوراً پکڑ لیا جائے گا۔ اُن بزرگ سے اُس شخص نے یہ بھی پوچھا کہ آپ کو رشک تو بہت ہوا ہوگا، فرمایا میں تو کیا اُس وقت ملا کہ کو بھی رشک تھا کہ ہمیں بھی یہ دولت نصیب ہوتی۔ تو اخفاء کمالات کی یہ حالت ہوتی ہے۔ اور کبھی کسی کمال کو ظاہر بھی کر دیا ہے تو وہ اُس اظہار کے ماذون بلکہ مامور تھے۔ سو جب اُس کے اظہار کے لئے کوئی حکم ہو جاتا ہے اس کو نہیں چھپا سکتے اُس وقت کوئی بات ظاہر ہو جاتی ہے سو کمالات کو چھپایا ہے بلاغات کو نہیں چھپایا ہے یعنی احکام کو پوشیدہ نہیں رکھا لیکن اس صورت میں بھی جبکہ حکم سے اُن کا کوئی کمال ظاہر ہو گیا تو انہوں نے دوسرے طریق سے اپنے آپ کو اس قدر مٹایا کہ کسی کو نیک گمان ان کی طرف سے ہی نہ سکے۔ یہ حالت تھی مٹانے کی۔ جو آپ نے ابھی سنی۔

نتائج تواضع | غرض اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں۔ بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے

کے واسطے بندگانِ خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی،

جسکی بدولت دُنیا بھر سے اسکو ترجیح دیتے تھے۔ تو یہ صفت جس درجہ تک بھی کسی
 میں ہو محسوس اور مقصود ہونی چاہیے۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر طبیعت سلیم
 نہ ہو تو اُس سے نقصان بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ مایوسی اور نا اُمیدی پیدا ہو جاتی ہے۔
 انسان سمجھنے لگتا ہے کہ میں تو کچھ ہوں ہی نہیں نہ میرا نماز روزہ کچھ ہے نہ اتنی طاقت
 ہے کہ مقصود تک پہنچوں۔ مقصود ہر طرح دُور ہی دُور ہے۔ بس اُس وقت شیطان
 بہکاتا ہے کہ ارے بیٹھ بھی رہ محنت بھی کرے گا دنیا کے لذات کو بھی چھوڑے گا اور
 ہوتا ہوا کچھ ہے نہیں۔ بس یہ شخص مایوس ہو کر کام چھوڑ بیٹھتا ہے۔ یہ سب اُسی تواضع کے
 نتائج ہیں جس کو غلطی سے علی الاطلاق محسود کہا جاتا ہے اور جس میں واقع میں
 تفصیل ہے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ دھوکہ عوام ہی کو لگتا ہے۔ درویشوں کو بھی لگتا ہے۔ ایک
 شخص ذکر اللہ کرتا تھا۔ تہجد کو اٹھتا تھا۔ شیطان نے کہا ارے بڑے سوجھ بوجھ کی ضرورت
 ہے اللہ اللہ کرنے کے لئے۔ تو نے اتنا اللہ اللہ کیا کیا فائدہ ہوا۔ دماغ خراب کیا۔
 مغز مارا مگر وہاں سے کوئی رسید ہی نہیں ملتی۔ بس وہ شخص مایوس ہو کر آرام
 سے مکان میں جا کر سو رہا۔ اور سوتے وقت ہی نیت کر لی کہ تہجد کو نہ اٹھوں گا۔
 فائدہ کیا جب اتنے دن محنت کی اور کچھ نہ ہوا تو آگے ہی کیا ہو گا۔ بس وہ کام سے
 رہ گیا۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ اعمال صالحہ پر جب ثمرات مرتب نہ ہوئے اعمال سے
 بدل ہو جاتے ہیں۔ دُنیا دار تو ظاہری ثمرات کو دیکھتے ہیں اور دین دار باطنی ثمرات
 کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ دُنیا داروں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا دُنیا کی فلاح میں دیر ہوئی
 تو دین سے بیزار ہو گئے۔ چنانچہ ہمارے عزیزوں میں ایک صاحب انسپکٹر تھے۔
 جو نماز نہیں پڑھتے تھے اور اُن کی بیوی نمازی تھی۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ
 آپ بھی نماز پڑھا کیجئے۔ کہنے لگے کہ تجھی کو نماز سے کیا وصول ہوتا ہے جو میں بھی پڑھا
 کروں۔ وصول کیا ہوتا۔ آج کل لوگ وصول اُسے سمجھتے ہیں جیسے ایک پیش کار صاف تھے۔

وظیفہ بہت تھ صبح کی نماز کے بعد مصلے ہی پر بیٹھ رہے اور وظیفہ پڑھتے رہتے
اشراق پڑھ کر مصلے اٹھایا جاتا۔ مگر اس مصلے پر ہی بیٹھ بیٹھ رشوت لیتے مصلے اور
رشوت کا بھی کیا جوڑ ملا یا ہے۔

ہر گناہ ہے کہ کئی در شب آدینہ بکن : تاکہ از صدر نشیناں جہنم پاشی
اہل معاملہ آتے اور رشوت کی بات چیت کرتے تو یہ منہ سے نہ بولتے اشاروں میں
جواب دیتے کہ ایک انگلی اٹھا دی مطلب یہ ہوا کہ ایک سولیس گے دو اٹھا دیں دو سو
لیس گے پانچ اٹھا دیں پانسولیس گے بولتے اس واسطے نہیں کہ وظیفہ خراب ہو جائے
گا یہ عجیب بات ہے کہ وظیفہ میں بولنا تو ناجائز مگر رشوت لینا جائز یہ تقویٰ کلابی کہلاتا
ہے کہ کتا ٹانگ اٹھا کر موتا ہے ایسا محتاط ہے کہ ٹانگ کو پیشاب سے بچاتا ہے مگر منہ
سے پانسخانہ کھاتا ہے پانوں موت میں آلودہ نہ ہو چاہے منہ گوہ میں بھر جائے —
اور گوہ پیٹ تک پہنچ جائے — اسی طرح یہ پیشکار صاحب زبان کو تو بچاتے
کہ وظیفہ خراب نہ ہو جائے مگر پیٹ کو رشوت سے بھر لیتے۔ کوئی کہتا اتنا لایا ہوں
پیشکار صاحب اشارہ سے کہتے نہیں اتنا لیں گے خیر اسی طرح لوٹ پھیر کر کے رشوت
اشاروں ہی میں طے ہو جاتی ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزِ نیت : کراگا کاتبین را، ہم خبر نیت
جب اشراق پڑھ کر اٹھتے تو ڈیڑھ سو دو سو تین سو روپے مصلے کے نیچے سے
لے لیتے۔ یہ روز کی آمدنی تھی کسی منحوس دن میں ایسا ہوتا کہ دس بیس روپے ہوتے۔
یہ بار آور نماز تھی اسی کو وصول سمجھا جاتا ہے تو انسپکٹر صاحب نے جو بیوی سے سوال کیا
کہ تجھے نماز سے کیا وصول ہوتا ہے یہی وصول مراد ہو گا۔ اسی بنا پر جو نماز پڑھی اور روپیہ
نہ ملا تو ان کا کہنا ٹھیک ہے کہ فائدہ کیا ہوا۔

بعضے لوگ اسی واسطے اعمال کرتے ہیں کہ دنیا حاصل
حقیقت دین و دنیا ہو۔ روپیہ پیسہ ملے۔ دنیا کی حاجتیں پوری ہوں یہ

تو اہل دنیا کے قصے ہیں۔ ان قصوں کو سنکر دیندار ہنستے ہیں کہ کیا دینداری ہے
 کہ دین کو ذریعہ بنایا دنیا کے حاصل کر نیکا مگر یہ لوگ سُن لیں کہ آپ میں سے بھی بعضے
 اُنہیں کی طرح دنیا میں مبتلا ہیں اور دین سے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح مبتلا ہیں
 کہ ذکرِ شغل سے خاص ثمرات کے طالب ہوتے ہیں اس طرح کے فقیر بنیں لوگوں میں شہوہ
 ہو کہ یہ بزرگ ہیں اور مجاہدے کرتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں انکی عزت ہو اگر
 کبھی کسی وجہ سے اُن کی عزت میں فرق آگیا تو سمجھے کہ ہمارا ذکرِ شغل بیکار ہے، کیونکہ
 اس کا ثمرہ نہیں پایا جاتا۔ یہ تو طالبِ جاہ ہیں اور بعضے طالبِ کیفیات ہوتے ہیں اگر
 کبھی کیفیات نہ طاری ہوئیں تو دل گھٹ گیا۔ یہ طلبِ کیفیات کسی درجہ میں طبعی بات
 ضرور ہے مگر سمجھدار آدمی کو کیفیات پر نظر نہ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح جاہ کی حالت ہے
 کہ اکثر دیندار کی عزت ذہنوں میں ہوتی ہے لیکن ذکر سے اس عزت کو مقصود بنانا چاہیے
 اس طرف التفات ہی نہ کرنا چاہیے کوئی عزت کی نظر سے دیکھے یا ذلت کی نظر سے
 ان کو اسکی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے ورنہ یہ ہوتا ہے کہ بعض وقت
 جو کم فہموں میں انکی عزت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے قلب میں دین ہی کی وقعت نہیں
 ہوتی تو یہ اس ذلت کو دیکھ کر عمل ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ غرض وہ شخص جو رسید کا منتظر
 تھا یہ نیت کر کے سو گیا کہ میں تہجد کو نہ اٹھوں گا۔ خواب میں فرشتہ کے ذریعہ
 سے اس کو متنبہ کیا گیا۔ بات یہ ہے کہ اُس نے تو ذکر کو چھوڑنا چاہا مگر حق تعالیٰ
 نے نہ چاہا کہ اُس کو اس طرح چھوڑ دیں۔ فرشتے نے کہا کہ بھائی حق تعالیٰ یوں فرماتے
 ہیں کہ آج تو نے میرا نام کیوں نہیں لیا۔ کہا میں عرصہ سے نام لیتا تھا مگر ادھر سے کچھ جواب
 ہی نہ ملتا۔ میں یہ سمجھا کہ میرا عمل قبول نہیں ہوتا۔ جب عمل قبول نہیں ہوتا تو اُس کا کرنا

فضول ہے میں پکارتا ہوں مگر اُدھر سے نہ سلام ہے نہ جواب ہے۔ بس میری ہمت
ٹوٹ گئی جواب میں ارشاد ہوتا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں ۷

گفت آں اللہ تو لبیک است
وہ نیاز و سوز و دردت پیک است

یعنی وہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہمارا جواب ہے اگر ہم کو تیرا اللہ اللہ کہنا پسند نہ
ہوتا تو دوبارہ توفیق ہی نہ ہونی تمام عالم بھرا پڑا ہے اللہ اللہ کون کرتا ہے سوا اُس کے
جس کو ہم توفیق دیں۔ جب ہم نے توفیق دی تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم کو تیرا عمل پسند ہے
یہ بات ذاکرین کے لئے کس قدر تسلی دہ اور ہمت بڑھانے والی ہے گو ہمارا ذکر
ہرگز اس قابل نہیں کہ قبول کیا جاسکے مگر اُن کی رحمت ہے کہ ایسے ذکر کو بھی قبول کر
لیتے ہیں مولانا دوسری جگہ فرماتے ہیں ۷

ایں قبول ذکر تو از رحمت است

چوں نماز مستحاضہ رخصت است

دیکھئے مستحاضہ کی اور بیماری کی کیا نماز ہے خون پیپ بہہ رہا ہے حکم الحائضین
کے دربار میں ان نجاستوں کے ساتھ کھڑے ہونے کی کیا ہمت ہو سکتی ہے مگر یہ حکم
ہے کہ اسی طرح پڑھ لو، خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسی نماز بھی قبول کر لی جاتی ہے۔
خیر اس شخص سے فرشتہ نے کہا کہ تو نے غلط سمجھا ایک بار کے بعد دوبارہ ذکر کی
توفیق ہوئی تو قبول ہی کی علامت ہے اس کو سُن کر اُس کا دل بڑھا اور اُٹھ بیٹھا
اور تہجد پڑھا اور ذکر کرنے لگا۔ غرض دل گھٹنے سے عمل میں قصور رہتا ہے کیونکہ عمل
کرنیوالوں سمجھتا ہے کہ میرا عمل کسی کام کا تو ہے نہیں پھر میں کیوں تکلیف اٹھاؤں اور
دوسرے کاموں میں کیوں خسر چ کر دوں۔ ؟

مقصد و غلط بعضے واعظ ایک طرف سے سب کو ایک ہی طرح مانگنا شروع کر دیتے ہیں اُن کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب ہوتی ہے انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ بس اُن کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں تمہارا روزہ کچھ نہیں حج تمہارا بیکار زکوٰۃ تمہاری فضول۔ اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے نماز روزہ اور اعمال کی اصلاح کریں بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ بُرا بھلا عمل کرتے تھے اُس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے کہ گاؤں میں ایک واعظ صاحب آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ جب تک نیت نہ کرے روزہ نہیں ہوتا۔ اور نیت بتائی کہ یوں کہنا چاہیے بصوم عنہ نیت۔ کوئی ایسے ہی ٹٹ پونجیا واعظ ہونگے جیسے گشتی واعظ اور کھانے کمانے والے ہوا کرتے ہیں ورنہ نیت کی حقیقت بھی بیان کر دیتے پھر غلطی نہ ہوتی۔ اگلے دن کیا دیکھتے ہیں کہ دن میں چودھری صاحب بے دھڑلک حقہ پی رہے ہیں کہا مرد و درمضان ہے تو نے روزہ نہیں رکھا۔ کہا مولوی جی خفامت ہو تم ہی نے تو مسئلہ بیان کیا تھا کہ بے نیت کے روزہ نہیں ہوتا اور جو نیت تم نے بتائی تھی وہ مجھے یاد نہیں ہوئی اب اسے یاد کر کے روزہ رکھا کروں گا۔ آج میں نے سوچا کہ جب روزہ تو ہوا ہی نہیں پھر حقہ کا ذائقہ کیوں چھوڑوں۔ اس حکایت کو سن کر ہم لوگ ہنستے ہیں اور اُس روزہ نہ رکھنے والے کو گنوار اور بیوقوف سمجھتے ہیں مگر انصاف سے کہیے کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ قصور واعظ کا ہے کہ بات کہی مگر ادھوری مسئلہ اس طرح بتایا کہ اُس گنوار سے اُس پر عمل نہ ہو سکا جب اُس نے دیکھا کہ اس طرح عمل کرنا میرے بس کا نہیں ہے تو عمل ہی کو چھوڑ دیا۔ یہی اثر اُن واعظوں کے بیان کا ہوتا ہے جو زری ترہیب ہی ترہیب بگھارتے ہیں۔ اور اسکی تائید میں بڑے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے اپنی پناہ چھوڑ دیا تھا فلاں بزرگ نے جو تا پہننا چھوڑ دیا تھا۔ فلاں

بزرگ نے تمام عسر میں اتنے جو کھائے تھے تم کیا کر سکتے ہو۔ تمہاری کیا نماز ہے
تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے، کیا شغل ہے۔ بس سُننے والے سمجھ لیتے ہیں
کہ ہم ایسے تو ہو نیسے رہے اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہذا قصہ ختم کرو۔
کہ کچھ بھی نہ کرو۔

طریق تعلیم | میں مشورہ دیتا ہوں اہل تربیت کو کہ کبھی ایسی سخت تعلیم
نہ کریں۔ اگر کسی سختی کی ضرورت بھی ہو تو عنوان اُس کا

نرم ہونا چاہیے۔ اس میں راز وہی ہے کہ طالب کو وحشت نہ ہو جاوے اور اس
کو گراں سمجھ کر اصل کام سے بھی نہ رہ جائے۔ اتنی تنگی نہیں چاہیے کہ وہ اس کو تکلیف
مالا یطاق سمجھ لے۔ میں بعض دفعہ دوستوں کو مستحبات کی تاکید نہیں کرتا اسوجہ سے
کہ کہیں وہ تنگ ہو کر ضروریات سے بھی نہ رہ جائیں۔ اس واسطے میں کہتا ہوں کہ
موقع اور محل اور مخاطب کی خاص حالات کی رعایت کی نہایت ضرورت ہے بعض
لوگ سختی کرتے ہیں اور طالبین کو مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔ میں مخاطب کی رعایت
بہت زیادہ کرتا ہوں حتیٰ کہ بعض وقت کسی کے ساتھ بہت نرمی کی جاتی ہے اور
کسی فعل پر روک ٹوک نہیں کی جاتی جو ظاہراً مباح نہ ہو مگر ہی معلوم ہوتی ہے اس پر
بعض دیکھنے والے کہتے لگتے ہیں کہ اُس شخص کو یہ ٹوک دیتے یا اس کام کا امر کر دیتے
تو یہ شخص ضرور مان لیتا۔ ایسے موقع پر چوکنا نہ چاہیے تھا۔ بات یہ ہے کہ ہر کام کا

۱۵ جیسے ایک ڈپٹی صاحب کو ریل کے سفر میں نماز کے وقت حضرت دالانے نماز کیلئے
نہ کہا اور خود نماز پڑھی جس کو انہوں نے دیکھا لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ معتقد ہیں اگر حضرت دالا
ذرا اشارہ کرتے تو نماز میں ضرور شریک ہو جاتے لیکن اس چشم پوشی کا یہ اثر ہوا کہ وہ
خود بہت شرمندہ ہوئے اور ہمیشہ کے لئے نمازی بن گئے ۱۲

ایک آدمی ہوتا ہے وہ اُس کے موقع محل کو سمجھتا ہے۔ اُس کو مشورہ دینے کی ضرورت نہیں اور مشورہ دینا بھی ہو تو اُس وقت نہیں دینا چاہیئے یہ تو اعتراض کی صورت ہے اگر خیر خواہی اور دلسوزی ہے تو کسی وقت تنہائی میں کہہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت دوسروں کی سمجھ میں اس کے فعل کی غایت نہیں آتی۔ کیونکہ نتیجہ کچھ زمانہ کے بعد مترتب ہوینوالا ہوتا ہے جس کو یہ سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھتا اس لئے وہ اس فعل کو فضول سمجھ رہا ہے۔ دیکھئے اناج ربیع میں بویا جاتا ہے بوقتے وقت کوئی ناواقف دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ اتنا اناج مٹی میں غارت کیا جا رہا ہے لیکن بونے والا جانتا ہے کہ اُس کا نتیجہ چند روز میں نکلے گا اور اس تلف شدہ اناج کا بدلہ دو چند سے چند ملے گا۔ غرض جس شخص کو کسی کام کا اہل مان لیا جاوے اُس کے افعال پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے اگر کسی کے فعل کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو کسی وقت اُس سے بطور عرض کے سوال کیا جاسکتا ہے اعتراض کی اصلاً گنجائش نہیں کیونکہ اُس کو جاننے والا تسلیم کیا جا چکا ہے اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ بعض لوگ مدرسوں میں جاتے ہیں تو طرح طرح کی رائے دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ کورس ایسا ہونا چاہیئے کوئی کہتا ہے خود داری کی تعلیم ہونا چاہیئے۔ تم کیا جانو جو لوگ اس کے اہل ہیں جن کے ہاتھ میں مدرسہ ہے وہ اُس کے نشیب و فراز کو سمجھ سکتے ہیں یا آپ؟ بس جب آپ نے اُن کے ہاتھ میں مدرسہ دے دیا ہے تو اُن کی رائے میں دخل نہ دیجئے ہاں اگر ان میں نااہلیت ثابت ہو جاتے تو اُن کو معزول کر کے کسی دوسرے اہل کے ہاتھ میں مدرسہ دیدیجئے۔ اور اس دوسرے کے بارہ میں بھی یہی کہوں گا کہ اس کی رائے میں دخل مت دینا یہ بڑی غلطی ہے کہ ایک شخص کو کسی کا اہل مان کر پھر اس کی رائے کو نہ مانا جائے اور اُس کے مقابلہ میں رائے زنی کی جائے۔ غرض جو آدمی جس کام کا ہو اُس کو کام

کرنے دو۔ میرے یہاں بعض وقت کسی پر تشدد بھی کیا جاتا ہے جس پر بعض دفعہ
دوسروں کو رحم آتا ہے لیکن میرے یہاں (میں دعوے سے نہیں کہتا) بفضلہ تعالیٰ
جس کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اخیر میں اکثر وہ اسی کا اہل ثابت ہوا۔ یہ کچھ میرا کمال
نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تائید ہے خلاصہ یہ کہ مخاطب کی رعایت کرنا عموماً نہایت
ضروری ہے اور خصوصاً اہل تربیت کے لئے تو بہت ہی لازم ہے اور یہ طریقہ مفید
نہیں کہ جب بیان ہو تو ترہیب ہی کا ہو جیسا آجکل واعظوں کی عادت ہو۔

اعمالِ نسواں

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی، دوزخی کہا جائے گا تو
دُعا بیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل
ہی چھوڑ دیں گی یا کہ بیگی مگر دل تجھا ہوا ہے گا رحمت سے مایوسی ہو جائے گی اور
آپ نے سنا ہو گا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے یہ عجیب بات ہے کہ
واعظ صاحب ممبر پر تو بیٹھتے ہیں تقویٰ سکھانے کو اور طرزِ بیان ایسا ہے جس نے
ایک مومن کو کافریا قریب بکھر بنا دیا یا اُس کا دل شکستہ کر دیا جسے کہ وہ بیچاری
اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگی میں نہیں سمجھتا کہ آخر عورتوں کو بات
بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں
روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں غرض جس طرح مرد عمل کرتے
ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اگر اُن کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے تو کیا مردوں
کے سب اعمال باکار ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ حقیقت پر اگر نظر کی جاوے تو عمل
تو سب ہی کے بیکار ہیں حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا۔ پھر
کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے عمل کو باکار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بے کار۔
اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے ایسے بیکار اعمال کے قبول ہو جانے کی
امید ہو سکتی ہے تو دوسرے فریق کو کیوں نہیں ہو سکتی؟ اول تو نجات کا اصلی

مدارِ رحمت پر ہے مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اُس سے محروم نہیں عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں تو سب کو ایک لکڑی بانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ واعظوں کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں علی العموم یہ بات جسم گنی ہے کہ ہمارے اعمال بالکل نیکے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی ہے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں۔ میں کہتا ہوں یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے نہ کسی کے ساتھ اُس کو خصوصیت ہے تمہاری نماز لنگڑی لنگھی کیسی بھی ہے اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔ بیسیو! ہمت نہ ہارو اور ایسے واعظوں کو کہنے کو مت سنو حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اُسی وقت متوجہ ہو گئی جب تم کو نماز کی توفیق دی رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا؟ یہ قول بہت اچھا ہے، مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے۔ اور ایک حیثیت یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اسکی توفیق دی اس معنی کہ یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے نماز لنگڑی لنگھی ہو اس حیثیت سے کہ عطیہ خداوندی ہے بہت بڑی نعمت ہے اگر اسکی بھی توفیق نہ ہوتی تو کیا کرتے۔ اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک مار کر کھانا کفرانِ نعمت ہے کیونکہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا؟

وقت تواضع | اب واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو

دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو
 ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی
 چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہیئے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر
 رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجہ میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں
 تکلیف ہوتی ہے تو ایسے موقع پر میں اُس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ کھڑے میں سفر
 کرنے کو اپنی وضع بنالیا جاوے ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر
 کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اُس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس
 میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر بھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق
 نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اُس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے
 لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک
 وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔ انہوں نے وہ خرافات
 آپس میں بکنا شروع کی کہ سُننے والا شرما جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف
 بھی اسی ڈبہ میں آ بیٹھے۔ عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مذہب کا آدمی تھا۔ جنٹلمینوں
 نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کئے منصف صاحب کی کنبختی آئی کہ کسی
 شعر پر آپ بول اُٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھیے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ
 پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں
 اُس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اُس
 جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈے ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر تیسرا بولا
 آپ یقینی شاعر ہیں آپ کا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہ ماہ تو یہ شعر آپ ہی
 کا ہے ۵

مسکین خراگم یہ بے تمیز است : چوں بارہے برد عزیز است

غرض پچارے کو ایک مشغلہ بنا دیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کا خود ہی جی چاہا مسخرہ بنے کہ ایسے بھانڈوں کو چھڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دسترخوان بچھایا اور کھانا رکھا گیا تو ایک بولے آئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بدتمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اُس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہیئے۔ اسی کا نام تواضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چادر لپیٹ کر ایک طرف کو لیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شاید وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر اُن کی کبھنتی نے خود ہی دھکا دیا کہ اپنے آپ بچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف اتنی مناسبت سے یاد آگئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہیئے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جٹلمینوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی کا نمونہ تھا۔ کھانے کو گوہ موت کہنا تواضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلاً دال روٹی یا آب و نمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت کہ وہ خدا کا رزق ہے اسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظّم و مکرم ہے غرض یہ اُن کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لئے ایسے الفاظ بہودہ استعمال کئے۔

حقیقت تقویٰ | اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ والوں کے یہاں جیسی دیکھی کہیں نہیں دیکھی چنانچہ ایک بار حضرت مولانا شاہ

فضل الرحمن صاحب قدس سرہ کے یہاں میں مہمان تھا جب میں نے کھانا شروع کیا
 مولانا نے پوچھا کیا کھانا ہے۔ میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے فرمایا سبحان اللہ
 خدا کی بڑی نعمت ہے، دیکھو صحابہ کرام نے جہاد میں ایک ایک چھوٹے پر پورا
 دن گزارا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض وقت بدون سالن کے
 روٹی کھاتے تھے کبھی سرکہ سے کھا لیتے۔ واقعی اللہ کے بندے ایسے ہی شاکر ہوتے
 ہیں۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی کھانا کھلاتا ہے تو اس میں دس
 قسم کے اعتراضات نکالتے ہیں اور جگہ جگہ گاتے پھرتے ہیں کہ فلانے کے
 یہاں گھی کم تھا گوشت سخت تھا، گلا گھونٹ پلاؤ تھا، گھونے مار مار کر حلق
 سے اُتار اگیا، یہ کیا بیہودگی ہے اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں کہ پلاؤ قورمہ بھی
 نظر میں نہیں آتا اگر واقعی کھانا خراب ہی تھا اور تمہیں پسند نہ آیا تو اس کو نہ
 کھاتے واپس چلے آتے مگر اس کی نسبت تحقیر کے الفاظ کہنا بجا گاتے پھرنا
 یہ کہاں کی تہذیب ہے دیکھو مولانا نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا اور فرمایا
 کہ صحابہ کرام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھایا کرتے تھے اور حضور
 صلی اللہ علیہ کے زمانہ میں تو جو کو پیس کر پھونک سے بھوسی اُڑا کر کھالیا جاتا
 تھا پھر کس کا منہ ہے کہ پلاؤ قورمہ سے بھی ناک چڑھائے میں نے اپنے ایک استاد
 کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخشش
 دیا میں نے پوچھا کس بات پر بخش دیا فرمایا ایک ذرا سی بات پر وہ یہ کہ ایک
 روز گھر میں کھچڑی پکی تھی اس میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ میں نے اس کو حق تعالیٰ
 کی نعمت سمجھ کر چُپکے بیٹھ کر کھا لیا کچھ تکرار نہیں کیا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری
 یہ بات پسند آئی لہذا تم کو بخش دیا ہم تو اس بنا پر اُن کے معتقد تھے کہ
 وہ بڑے متقی تھے نماز ایسی پڑھتے تھے ذکر و شغل کرتے تھے بڑے پابندِ شرع

تھے مگر بخشش اُنہی اسپر ہوئی کہ بے نمک کی کھجوری خوشی سے کھالی تھی۔ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کوئی بھی یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل اُن کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظر عنایت سے ہو سکتی ہے۔

جس کے لئے سببِ ادنیٰ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ پھر اُس سبب میں کیا مردوں ہی کا حصہ ہے عورتوں کا نہیں ہم لوگ حدیث پڑھتے ہیں جو لوگ پلاؤ و قورمہ پر ناک مارتے ہیں وہ حدیث میں دیکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو کھانا پسند نہیں آیا اُس کو چھوڑ دیا۔ نہ کھایا نہ کوئی بُرا لفظ اس کے متعلق فرمایا آج کل افراط و تفریط دونوں ہیں یا تو پلاؤ و قورمہ پر ناک ماریں یا باوجود رغبت نہ ہونے کے کھائے چلے جاویں اور اس کو بڑی نفس کشی سمجھیں کہ طبیعت لیتی نہیں مگر زبردستی حلق سے اُتائے چلے جاتے ہیں اسے نفس کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام زہد خشک ہے شریعت میں اعتدال ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ حُضُورِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ جی نہ چاہتا ہو تو خواہ مخواہ کھا ہی لو بلکہ تعلیم

دی ہے کہ جی چاہے تو کھاؤ نہ چاہے تو چھوڑ دو مگر اس کو بُرا کہنے کی اجازت نہیں دی اعتدال وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیا کھانا پسند آیا کھالیا نہ پسند آیا چھوڑ دیا۔ حدیث میں ہے۔ لَمْ یَعِبْ طَعَامًا یَعْنِیْ کَسِی کَھَانِے میں کبھی عیب نہیں نکالا جیسا ہم کرتے ہیں کہ گھی کم ہے کچا ہے لکڑا ہے یہ سارے نخرے اس لئے ہیں کہ خُدا نے دے رکھا ہے۔ کھانے کی قدر بھوکے سے پوچھو اُس کو یہ نہیں سوجھتا کہ روٹی تازی ہے یا بائی گھی کم یا زیادہ۔ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا غرض کھانے کو کسی حال میں بُرا نہ کہنا چاہیے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں

کہ باورچی کیسا ہی خراب اور بے ترکیبی سے پکائے اُس کو تینہہ بھی نہ کی جائے، یہ بات نہیں پکانے والے کو سمجھا دینا چاہیے مگر کھانے سے ناک منہ چڑھایا جاوے کہ منہ میں رکھا اور ذرا نمک کم ہے تو تھوک دیا اٹھا کر برتن پھینک دیا بی بی یا خادمہ کے سر پر سالن لوٹ دیا۔ بعض لوگ برتن بہت توڑتے ہیں، ارے برتن نے کیا خطا کی تھی بلکہ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جرمانہ کس پر ہوا آپ نے جو اپنے گھر کا آٹھ آنہ کا پیالہ توڑا یہ تو آپ ہی کے اُد پر جرمانہ ہوا جس سے لازم آیا کہ خطا وار تم ہی ہو غصہ میں یہ بھی نہیں سوچھا کہ خطا وار نوکر ہے یا تم خود ہو اور جرمانہ کس پر ہو رہا ہے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنا یَحْزَنُ یُون بَيُوتَهُمْ بِأَيِّ مِثْمَةٍ کا مصداق بننا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک گروہ کفار کی حالت میں بیان فرمایا ہے کہ اُن پر یہ عذاب الہی نازل ہوا کہ بھاگتے وقت اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے تھے گھر میں رہنا تو کیا بلتا اسی طرح کھانا تو تم سے چھین ہی لیا گیا تھا کہ بھوکے رہے اور یہ جرمانہ ہوا کہ برتن بھی ٹوٹ گئے بُری بات ہے۔ کھانے میں عیب لگانا تکبر کی بات ہے اور اتنا بڑا عیب لگانا کہ اُس کو گوہ موت کہنا۔ یہ سب اُن کا مسخرہ پن تھا۔ اور اس کو تواضع میں ٹھونسنے تو زری شرارت تھی اس کو تواضع نہیں کہتے یہ تو ایسا ہے جیسے تم کسی کے پاس جاؤ اور وہ پوچھے تم کون ہو تو جواب میں یوں کہو کہ گدھا ہوں اور اس کو تواضع سمجھو تو ہرگز کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرے گا اپنی نسبت کوئی تعظیم کا لفظ نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو کہ انسان سے گدھے بن جاؤ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ اس کا نام ناشکری اور بدتمیزی ہے۔ اسی طرح اپنی نسا ز کو بالکل رائیگاں اور بیکار سمجھ لینا یہ بھی تواضع نہیں ہے اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ نماز کو اس حیثیت سے کہ اپنا فعل ہے ہیج سمجھے مگر اس حیثیت سے کہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے یوں سمجھے کہ جس نماز کی توفیق ہم کو دی گئی ہے ہم اس کے بھی قائل نہ تھے یہ محض

حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے نالائقوں کو ایک دین کے کام کی توفیق دی ہے

کہاں میں اور کہاں یہ نہکتِ گل : نسیم صبح تیری مہربانی

خلاصہ یہ ہے کہ ناز نہ کرے بلکہ شکر کرے اس کا فائدہ
تواضع و مایوسی | یہ ہوگا کہ آگے چل کر اس سے اچھی عمل کی توفیق ہوگی اور

جب تم اپنے عمل کو ناقص و حقیر جلانتے ہو تو اُس کی اصلاح کرو اور اصلاح میں کسی خاص
 درجہ پر اکتفا نہ کرو جو جو خرابیاں اُس میں ہیں سب کی اصلاح کرو اور پوری طرح سنوار
 لو صحیح طریقہ یہ ہے نہ یہ کہ اُس کو لاشے محض سمجھو اُس کی بقدری کرو بلکہ ہر
 درجہ میں اُس کو ایک لحاظ سے خُدا کی نعمت سمجھو اور دوسرے لحاظ سے اُس کو کسی
 قابل نہ سمجھو ہر وقت تکمیل اور اصلاح کی فکر میں لگے رہو اس سے نہ ناز ہوگا
 نہ ہمت ٹوٹے گی بہر حال مطلب یہ ہے کہ زیادہ تواضع کرنے سے آدمی مایوس ہو
 جاتا ہے اور رحمت سے ناامیدی ہو جاتی ہے ہم نے ایسے مسلمان دیکھے ہیں جو گناہ
 میں مبتلا ہوئے پھر اُنکے دل میں کھٹکا پیدا ہوا لیکن بتلانے والوں نے اُنکو اُمید
 نہیں دلائی بلکہ ڈرا ڈرا کر مایوس کر دیا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اور زیادہ گناہ میں مبتلا
 ہو گئے۔ میرٹھ میں ایک مسلمان سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اُن کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی عیب
 دنیا کا نہیں تھا ہو اُن میں نہ ہو بہت ہی بڑا ظالم اور بے رحم آدمی تھا جب اُن
 سے یہ کہا جاتا کہ یہ کیا حالت ہے تو کہتے کہ میں دوزخی تو ہو ہی چکا پھر کیوں کسر رکھوں
 ایسی بہت نظریں ہیں یہ خُدا ہی ہے مایوسی کی جس سے بعض دفعہ ایمان کے جلتے
 رہنے کا ڈر ہو جاتا ہے اور ایمان نہ بھی جاوے تو آدمی پریشان تو ضرور رہے
 گا اور بھی کچھ نہیں عمل میں تو کمی کرے، ہی گامی بھی نہ کرے تو ناشکری تو ضرور
 کرے گا چنانچہ بعض دفعہ ایسے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمیں کیا دیا حق تعالیٰ نے نہ نماز
 کی توفیق دی نہ روزہ کی اس ناشکری اور گستاخی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ

ان کی طبیعت میں مایوسی جاگزیں ہو گئی ہے اسی لئے وہ کچھ بھی ہمت سے کام نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب تک بندہ میں طلب و ہمت نہ ہو اس وقت تک توفیق نہیں دیتے پس خدا کی شکایت کرنا کہ ہم کو نماز روزہ کی توفیق نہیں دی دراصل اپنی شکایت کرنا ہے ایک ضرر تو مایوسی کا یہ ہے دوسرا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ نماز روزہ کرتے بھی ہیں وہ نہایت بد دلی کے ساتھ کرتے ہیں کیونکہ یہ خیال جسم گیا ہے کہ ہماری نماز کیا ہے روزہ کیا ہے یہ سب بیکار باتیں ہیں اس لئے وہ صرف ایک رسم سی ادا کر لیتے ہیں۔ عورتوں پر یہ اثر زیادہ دیکھا جاتا ہے زیادہ عورتیں آپ کو اسی خیال کی ملیں گی جو یہ سمجھے بیٹھی ہیں کہ ہمیں دین حاصل ہو ہی نہیں سکتا نہ ہماری نماز کچھ ہے نہ روزہ کچھ ہے اور اگر آپ تجسس کریں گے تو اس کو حضرات واعظین ہی کی برکت کا نتیجہ پائیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ جب مستورات کے مجمع میں بیان کرتے ہیں تو صرف یہی حدیث پڑھتے ہیں کہ عورتیں زیادہ دوزخ میں جائیں گی۔ مستورات کو اول تو بیان سننے کے مواقع ہی کم ملتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو یہی بات کان میں پڑتی ہے کہ تم دوزخی ہو دوزخ میں تم زیادہ ہو گی اس سے اُن کے دل میں یہ خیال مستحکم ہو جاتا ہے کہ ہمارے اعمال بیکار ہیں اور چونکہ عورتوں میں بوجہ ضعف تاثر کا مادہ بہت ہوتا ہے اس لئے وہ واعظوں کی ہر قسم کی باتوں سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں۔

اس تاثر کی ایک اور فسرع یاد آگئی وہ یہ کہ بعض فضول خیرچی چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں، تاکہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ اُن پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہو جاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کے دل کو کیا لگتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مال مفت دل بے رحم۔ دوسرے یہ کہ ان بیمار یوں میں عقل بھی کم ہوتی ہے موقع و محل کو نہیں سمجھتیں جوش

میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ اُن کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی قصہ رقت آمیز سنا دیا اور یہ پانی پانی ہو گئیں۔ ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں سونے چاندی سے خالی نہیں ہوتیں سب کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ضرور ہوتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ دے ہی دیتی ہیں اور مرد تو جیب میں روپیہ پیسہ لانا کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ اور ایسے حضرات و اعظین کو حدیث بھی ایک ہی یاد ہے

يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ قَصِدْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ ۝

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیورہائی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ حدیث اپنے موقع پر صحیح ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں میں بوجہ کثرۃ بھل کے کوتاہیاں بہت ہیں اس لئے وہ دوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے بالکل ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کا علاج کرنا چاہیے وہ یہ کہ اُن کوتاہیوں کو دور کیا جائے اور اعمالِ صالحہ زیادہ کئے جا دیں اُن ہی اعمالِ صالحہ میں سے ایک خیرات بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے تمام کوتاہیوں کا (مثلاً نماز نہ پڑھے اور خیرات کر دے یا حج نہ کرے اور خیرات کر دے یا روزہ باوجود قدرت کے نہ رکھے اور خیرات کر دے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کاتب ۱۲) ان پیشہ ورداعظوں نے حدیث بھی اختیار کی تو وہ جس میں اُن کا فائدہ ہو یعنی چسندہ ملے۔

حدیث مذکور میں یہ بات بھی تو قابلِ غور ہے کہ حضور

مسئلہ ملکیت | صلے اللہ علیہ وسلم نے حج حلیکن فرمایا ہے۔ من حلی

الزواج نہیں فرمایا جس کا مطلب ہوا کہ خیرات کرنے کی ترغیب اپنے مملوک زیور

میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک میں عرب کی عادت تھی کہ اثاثہ البیت میں سے ہر
 چیز شوہر اور بیوی کے درمیان بٹی ہوئی ہوتی تھی عورت کی الگ مرد کی الگ جیسے
 آجکل یورپ میں ہے کہ صاحب کی چیزیں الگ ہوتی ہیں میم صاحب کی الگ۔ تو
 من حلیکن کے معنی یہی ہوں گے کہ اس زیور میں سے خیرات کر دو جو تمہاری
 ملک ہو نہ اس زیور میں جو تم پہنے ہوئے ہو اور خاوند کی ملک ہو آجکل ہم لوگوں
 کی معاشرت اس قدر گندی ہو گئی ہے کہ کسی کے حق کی بھی پرواہ نہیں رہی اور
 جہالت کی یہ حد ہے کہ ہم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ صفائی معاملات اور تمایز حقوق
 کا طریقہ ہمارے یہاں کا تھا جو اب یورپ میں ہے۔ معاملہ کی صفائی اسی کو مقتضی
 ہے کہ میاں بیوی کے اہلک ممتاز ہوں۔ ہندوستان میں بھی یہی رواج ہو جاوے
 تو اچھا ہے مگر ہمارے یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھروں میں یہ بھی نہیں معلوم کہ
 یہ چیز کس کی ہے اور وہ چیز کس کی۔ اسکی چیز پر وہ قابض ہے اور اسکی چیز پر
 یہ۔ عورت کے پاس زیور ہوتا ہے تو اس میں امتیاز نہیں کہ
 کون سا باپ کے گھر کا ہے اور کونسا خاوند کے گھر کا پھر وہ عورت کی ملک کر
 دیا گیا ہے یا عاریت ہے اگر کوئی مرد اپنے گھر میں اسکی تیقح کرنا چاہے کہ میری
 ملک کو لینی اور دوسرے کی کو لینی تو اس پر بڑی انگشت نمائی ہوتی ہے اور سارے
 کنبہ میں بدنام کیا جاتا ہے کہ لو صاحب اپنی ذرا ذرا سی چیز فلاں شخص الگ کرتا

۱۷ حدیث میں بروایت عمرو بن العاصؓ آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو
 جائز نہیں ہے کہ کچھ دنیا بلا اجازت خاوند کے اور بروایت ابو امامہ آیا ہے کہ نہ خرچ کرے
 عورت خاوند کے گھر میں سے کچھ بلا اذن خاوند کے عرض کیا گیا کہ کھانا بھی کسی کو نہ دے۔ فرمایا کھانا تو
 سب بہتر مال ہے ۱۲ کاتب از جمع الفوائد باب فضل الصدقہ۔

ہے۔ اور اس قدر کنجوس ہے اس قدر بخیل ہے کہ اپنی چیز کو کسی کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں کرتا مطلب یہ کہ سخی وہ ہے جو بالکل بد انتظام مغفل اور مجہول ہو جس کو نہ اپنی ملک کی خبر ہو نہ دوسرے کی پھر اس سخاوت کا لطف جب آتا ہے جب ان میں سے کوئی کھسک جاوے اور ترک تقسیم کیا جاوے، اُس وقت ایک کہتا ہے یہ چیز مرنے والے نے مجھ کو دے دی تھی۔ ایک کہتا ہے یہ چیز میت کی نہیں تھی میری تھی۔ ایک عورت کہتی ہے یہ سامان میرے باپ کے گھر کا ہے۔ دوسری کہتی ہے میرے باپ کے گھر کا ہے اب کوئی سبیل نہیں کہ اس جھگڑے کو جس طرح طے کیا جائے پھر وہ جوتی پزار ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہنستے ہیں اور جو کوئی خاندان بڑا مہذب ہوا تو وہاں یہ جوتی پزار تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ باتیں تہذیب اور شرافت کے خلاف ہیں مگر دلوں میں رنجشیں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں شکایتوں کی نوبت آتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر جل خانہ بن جاتا ہے۔

دین و معاشرت | یہ تو اس معاشرت میں دنیا کی خرابی ہے اور دین کی خرابی یہ ہے کہ دوسرے کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے اور وہ چیز ضائع ہو جاوے تو ضامن ہوتا ہے قیامت کا معاملہ بہت نازک ہے تین پیسے جس کے ذمہ رہ جاویں گے اس کی سات سو مقبول نمازیں چھین کر صاحب حق کو دلوادی جاویں گی یہ جس قدر خوف کی بات ہے ساری عمر نماز پڑھی اور قیامت میں سب چھین لی گئی۔ یہ نتیجہ ہے گول مول باتوں کا دنیا بھی برباد کیونکہ رنجشیں پیدا ہوتی ہیں جس سے سارے گھر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی برباد کہ کی کرائی عبادت اپنے پاس نہ رہی۔ ہمارے یہاں ایک شخص آئے کہ میری بی بی مر گئی ہے اُس کا ترکہ موافق قواعد شریعت کے تقسیم کر دو میں نے کہا کہ بی بی

کی مملوک چیزوں کی فہرست بنا کر میرے پاس لاؤ اس سوال کے جواب میں ان کو اس قدر مُصیبت ہوئی کہ پریشان ہو گئے کیونکہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کون چیز ان کی ملک تھی اور کون چیز بیوی کی۔ میں نے کہا اس مُصیبت کے ساتھ یہ جُرمِ مانہ الگ ہے کہ جس چیز میں شبہ ہے وہ سب بی بی کی ملک سمجھی جائے سب دار ثوں کو جمع کر دے سب اپنی اپنی چیزیں الگ کر لیں جس میں شک ہو وہ سب میت کی ملک سمجھو اس میں میراث جاری ہوگی چنانچہ یہی کیا اور بڑی مشکل سے ترکہ تقسیم ہو سکا یہ بھی اُسی شخص کی دینداری تھی کہ مُصیبت اُٹھائی اور کام کر کے چھوڑا غرض جیتے جی تو سب کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سب سامان گڑ بڑ ہے اور کسی چیز میں کسی کا نام لگانا گوارا معلوم ہوتا ہے مگر ایک کے مرنے کے بعد بڑی مُصیبت پیش آتی ہے اس خسارِابی کی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت گندی ہے اور بات گول مول رہتی ہے ہم کو ابتداء ہی میں لازم ہے کہ جب کوئی زیور یا کوئی چارپائی بنے یا کوئی چیز خریدی جائے تو اُسی وقت زبان سے کہہ دیں کہ یہ سامان تمہارا ہے یا ہمارا ہے بس معاملہ صاف ہو جائے۔

مسئلہ تصریح | یہ تو اثاثہ البیت کے متعلق ہوا گھر کا خرچ دینے میں بھی یہی گڑ بڑ ہے میاں جو کچھ کہتے ہیں بی بی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بی بی سمجھتی ہے کہ یہ سب مجھے دیدیا یعنی میری ملک کر دیا اور جس طرح چاہتی ہیں کھاتی اُڑاتی ہیں اُسی میں سے خیرات کرتی ہیں اُسی میں سے اپنے میکہ والوں کو خوب دل کھول کر دیتی ہیں کیونکہ اطمینان ہے کہ میری ملک ہے بعض وقت جب میاں دیکھتے ہیں کہ اس بے دردی کے ساتھ میری کمائی اُڑائی جا رہی ہے اور باز پرس کرتے ہیں تو بی بی صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ رقم تم نے مجھے دیدی تھی لہذا مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں خرچ کروں میاں کہتے

ہیں میں تجھے کیوں دیتا میں نے تو بطور امانت دیا تھا غرض خوب تکرار ہوتی ہے
یہ خرابی اُسی گول مول بات کی ہے۔ معاملہ صاف رکھو جو کچھ دو اُس کے
متعلق تصریح کر دو کہ یہ کس مد میں دیا ہے میری رائے یہ ہے کہ بیوی کو جو کچھ
گھر خرچ کے لئے بھی دو اُس کے متعلق بھی تصریح کر دو کہ یہ رقم امانت ہے
گھر کے خرچ میں ہی صرف کر سکتی ہو لیکن بی بی کا یہ بھی حق ہے کہ اُس کو
کچھ رقم ایسی بھی دے جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب
خرچ کہتے ہیں اُس کی تعداد اپنی اور بیوی کے حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے
مثلاً روپیہ دو روپیہ دس بیس پچاس روپیہ جیسی گنجائش ہو یہ رقم خرچ سے
علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم تو صرف گھر کے خرچ کی ہے اور
یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے یہ تمہاری ملک ہے اُس کو جہاں چاہو خرچ
کر و جب تم جیب خرچ الگ دو گے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہو گا کہ یہ رقم جو
گھر کے خرچ کے لئے دی ہے امانت ہے کیونکہ آدمی کے پیچھے بہت سے
خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذات خاص کے ساتھ ہیں، اگر بیوی کو
کوئی رقم ذات خاص کے خرچ کے لئے نہ دی گئی کہ جس کو جیب خرچ کہتے
ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی اس صورت میں اُس پر تشدد کرنا
اک گونہ ظلم اور بے حیثی ہے یہ طریقہ ہے صحیح معاشرت کا اس میں جانبین کا
دین محفوظ رہ سکتا ہے مگر ہم لوگوں کے رسم و رواج کچھ ایسے خراب ہو گئے
ہیں کہ اگر اب ایسا کیا جاوے کہ گھر کی چیزوں کو الگ الگ بیاں بیوی کے نامزد
کیا جاوے تو ایک اچھٹھے کی بات معلوم ہوگی اور سب ناک بھول چڑھانے
لگیں گے تمام کنبہ اور برادری میں چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ ہمارے یہاں ایک
بی بی نے ایک کٹورا ہدیہ دیا تو میں نے پوچھا یہ تم نے کس کو دیا ہے مجھ کو یا گھر کے

لوگوں کو تو اب سوچنے لگیں کہ کیا جواب دوں کیونکہ وہ تو رسم درواج کے موافق اس واسطے لائی تھیں کہ گھر میں کام آوے گا اس سے کیا بحث کہ کس کی ملک ہوگا جب وہ پہلے سے نیت کر کے لائی ہی نہ تھیں تو میرے سوال کے جواب میں کیا کہتیں؟ آخر بہت سوچنے کے بعد یوں کہا اچھی میں نے تو دونوں کو دیا ہے میں نے کہا خیر یہی معلوم ہو گیا کہ یہ کٹورا مشترک ہے۔ "اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں ایک چیز بھی گول مول نہیں مثلاً چار پائیاں گھر میں ہیں اُن میں ایک چار پائی میری ہے ایک دوست نے ایک اچھی سی چار پائی دی تھی اُس کو میں نے اپنے نام کر لیا ہے باقی چار پائیاں گھر کے لوگوں کی ہیں اسی طرح ہر چیز بٹی ہوئی ہے یوں برتنے میں سب کے آتی ہیں مگر یہ تو معلوم ہے کہ یہ ملک کس کی ہے موت حیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اگر کوئی آدمی گھر میں سے کم ہو جائے تو صاف معاملہ کی صورت میں گڑبڑ تو نہ ہوگی کہ یہ چیز کس کی ہے اور یہ کس کی وہ کہے فلا نے کی ہے وہ کہے فلا نے کی۔ سارے گھروں میں یہ انتظام ہونا چاہیے اور اس سے جو لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور بُرا مانتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسم عام نہیں ہے اگر ایک دو آدمی ایسا کرتے ہیں تو نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اگر یہی رسم عام ہو جاوے تو نہ کوئی بُرا مانے گا نہ اس سے وحشت ہوگی اور اسکے فوائد دیکھ کر سب قائل ہو جاویں گے اور تحسین کرنے لگیں گے زیور میں بھی یہی چاہیے کہ جب بنوایا جاوے تو تصریح کر دی جاوے صاف کہہ دیا جاوے کہ بیوی تمہاری ملک ہے اور اگر انجی ملک کرنا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا جاوے کہ ملک میری ہے۔ اور تمہارے واسطے عاریت ہے صرف پہننے کی اجازت ہے اب جو ایسا نہیں کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کے متعلق جو حقوق شرعی ہیں انہیں یہی کوتاہی ہوتی ہے مثلاً زکوٰۃ کہ میاں بے فکر ہیں کہ میرے کام میں تھوڑا

ہی آرہا ہے میرے اوپر زکوٰۃ کیوں ہو اور بیوی بے فکر ہیں کہ میری ملک تھوڑا ہی ہے نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا، جب خاوند کھسک گئے تو اب بیوی صاحب کہتی ہیں کہ یہ میری ملک ہے اُنھوں نے مجھے دیدیا تھا عجیب بات ہے کہ یہ زیور تمام عسمر تو پہننے کے لئے تھا اس لئے زکوٰۃ شوہر کے ذمہ واجب کی جاتی تھی اور بعد مرنے کے ملک بننے کے لئے بیوی صاحب موجود ہیں غرض خرچ کے لئے تو خاوند ملک اور آمدنی کے لئے بیوی یہ خسرا بی کا ہے سے پیدا ہوئی صرف اس وجہ سے کہ ملک علیحدہ نہیں کی گئی اور اگر بنوانے کے بعد ہی تصریح کر دی جاتی کہ یہ کس کی ملک ہے تو یہ کوتاہی نہ ہوتی اور زکوٰۃ دینے کے وقت یہ حیلہ بھی ذہن میں نہ آتا کہ ہر چیز میری تھوڑا ہی ہے بس معاملہ صاف ہونا چاہیے۔ اگر زیور بیوی کی ملک کر دیا گیا ہے تو زکوٰۃ اُسی کے ذمہ ہوگی اور اگر عاریۃ دیا گیا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی (یہ اور بات ہے کہ بیوی کی طرف سے بھی اُس کی اجازت سے خاوند ادا کر دے زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے کا تب)

ایک خرابی اور لیجئے کہ زیور ہزاروں روپے کا بی بی صاحب کو دیتے جاتے ہیں مگر یہ تصریح نہیں کرتے

مسئلہ حق العبد

ہیں یہ زیور مہر میں محسوب ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو سب کچھ دیدیا مگر مہر کا ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہوا، لاکھ روپے خرچ ہو گئے مگر قرض دار کے قرض دار ہی ہے جو حق العبد ہے اور حق العبد کا جو نتیجہ ہے وہ آپ سُن چکے ہیں کہ تین پیر کے بدلہ سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہوئی کہ خرچ تو دیں مہر سے زیادہ ہو گیا مگر قرضہ بدستور ذمہ باقی رہا۔ ہاں جب دنیا میں مہر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بیوی مرگئیں اور وارثوں نے مہر کا دعویٰ کیا یا طلاق کا اتفاق ہوا اور بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو اب شوہر صاحب کہتے ہیں کہ یہ سب زیور میں نے مہر میں دیا تھا کوئی اس سے پوچھے کہ خدا کے بندے خدا تو

نیت کو جانتا ہے بندوں کو نیت کی کیا خبر؟ تو نے کب کہا تھا کہ یہ زیور مہر میں ہے یوں تم کسی کو لاکھ روپے بخش دو۔ اگر اُس کا ایک پیسہ آپ کے ذمہ قرض ہے تو وہ تمہارے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ قرض جب ادا ہوتا ہے جب تک کہہ کر دو کہ یہ قرض کی رقم ہے تو اگر زیور مہر میں دینا ہے تو دیتے وقت تصریح کر دینا چاہیے کہ یہ مہر میں ہے اور اُس کا حساب لکھو یا ذہن میں رکھو۔ غرض گول مول بات کیوں رکھتے ہو یہ حقوق کا معاملہ ہے ایک پیسہ بھی رہ جائے گا تو قرض ہی رہے گا غرض جو کام ہو باضابطہ ہو گول مول نہ ہو۔

فضائل نسواں | بیان یہ ہو رہا تھا کہ عرب میں یہی دستور تھا کہ میاں کے املاک علیحدہ بیوی کے املاک علیحدہ ہوتے تھے تو جب حدیث میں لفظ من حلیکن ہے تو اس کے معنی یہی ہونگے کہ اُس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری ملک ہے نہ کہ اُس میں سے جو خاوند کی ملک ہے مگر پیشہ در و اعطاس کا کچھ خیال نہیں کرتے وہ عورتوں کو ڈرانا ہی جانتے ہیں کہ تم دوزخی ہو خیرات کرو اور جو کچھ ہے سب دے ڈالو خواہ کسی کا ہو تمہاری ملک ہو یا خاوند کی ایسی گڑ بڑ جیسی ہندوستان میں ہے کہیں بھی نہیں ہے عرب میں مہر کے متعلق اب تک یہ رسم ہے کہ عورتیں مردوں کی چھاتی پر چڑھ کر مہر وصول کرتی ہیں اور ہندوستان میں اس کو بڑا غیب سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی عورتیں مہر کو زبان پر بھی نہیں لاتی ہیں اور خاوند کے مرتے وقت اکثر بخش ہی دیتی ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان کی عورتیں حوری ہیں حسن و جمال میں نہیں بلکہ اخلاق میں یہاں کی عورتیں حور مقصورات فی الخیام کی مصداق ہیں ایک بڑی صفت عفت کی تو ان میں ایسی ہے کہ اُسکو دیکھتے ہوئے ان پر یہ آیت صادق آتی ہے فیہن قاصرات الطرف لعلیٰ یطمثن انہن قبلہم ولا جان۔ گھروں میں بیٹھنے والیاں تو

ہیں ہی یہاں کی باہر پھرنے والیاں بھی اکثر پاک صاف ہیں جب گھر سے نکلتی ہیں تو
 لگا ہیں نیچی کئے ہوئے گھونگٹ نکالے ہوئے راستہ میں کسی کو سلام تک نہیں
 کرتیں سلام کرنا فی نفسہ ہنر سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی مگر عورتیں غایت حیا سے
 آپس میں بھی سلام نہیں کرتیں انکو مردوں سے تو شرم ہے ہی غیر عورتوں سے اور بڑی
 عمر والی عورتوں سے بھی شرم آتی ہے غالباً اس شرم ہی کی وجہ سے زبانی سلام
 متروک ہوا گو ایسی شرم قابل ترک ہے جس سے سنت متروک ہو جاوے۔
 عورتیں مردوں کو سلام نہ کریں مگر آپس میں تو سلام کر لیا کریں اور مردوں
 میں بھی جو محرم ہوں ان کو سلام کر لیا کریں۔ تو مطلقاً سلام ترک کرنا خوبی کی
 بات نہیں مگر منشاء اس کا وہی فرط حیا تھی اس حیا کی ایک فرط یہ
 ہے کہ اگر کوئی مرد ان سے کوئی بات پوچھے تو اکثر جواب نہیں دیتیں یا دیتی
 ہیں تو صرف اشارہ سے حتیٰ کہ باہر پھرنے والیوں کی عفت کا بھی یہی حال ہے
 کہ اپنے مرد کے سوا دوسری طرف کبھی تمام عمر بھی ان کا خیال نہ گیا ہوگا۔
 یوں سوچا پس میں کوئی ایک بد ذات ہو جاوے تو قابل شمار نہیں اور
 اگر عورتوں کو کسی میں یہ عیب معلوم ہو جاوے تو اس کو برادری سے خارج
 کر دیتی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ مرد فی صدی ایک نکلے گا جو نظر یا خیال
 محفوظ ہو اور عورتوں میں فی صدی شاید ایک نکلے جو ناپاک ہو۔ غرض عورتوں
 میں خصوص ہندوستان کی عورتوں میں عیب ہی عیب نہیں بہت سے فضائل
 بھی ہیں۔ مردوں کی جاں نثار اس قدر ہیں کہ خاوند سے لڑیں گی روئیں گی
 جھکیں گی مگر کب تک جب تک بے فکری اور فرصت ہو اور جہاں خاوند
 کا ذرا کان گرم ہوا اُسی وقت لڑائی جھگڑا سب بھول گئیں اب یہ حالت ہے
 کہ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پہننے کا ہوش ہے رات رات بھر کھڑے گزر

گئی۔ کسی وقت بچھا ہاتھ سے نہیں گھرتا کوئی دیکھنے والا نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ہیں جو ایک وقت میں لڑ رہی تھیں۔ بس اُس وقت اپنے آپ کو فٹا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ہیں عورتوں میں ایسا اس قدر ہے کہ روزمرہ کھانا اس وقت کھاتی ہیں جب مردوں کو پہلے کھلا لیتی ہیں اور اچھے سے اچھا کھانا اوپر کا تار مردوں کے لئے نکالتی ہیں نیچے کا پلچھٹ اور بچا کھچا اپنے واسطے اگر کسی وقت کوئی مہمان بے وقت آگیا تو خاوند کی بات کو عزت کو ہرگز نیچا نہ کریں گی بلکہ جو کچھ گھر میں ہے فوراً مہمان کو کھلا دیں گی۔ خود فاقہ کر دیں گی۔ یہ اخلاق ایسے پاکیزہ ہیں کہ ان سے بڑے بڑے درجے حاصل ہو سکتے ہیں اکثر مردوں کو یہ اخلاق حاصل ہی نہیں۔

زبانِ نسواں | البتہ ہماری عورتوں میں ایک تھوڑی سی کسر ہے اگر وہ ہٹ جائے تو یہ سچ سچ کی حوری بن جائیں گی۔ وہ کسر کیا ہے؟ کہ ان کی زبان نہایت خراب ہے ان کی زبان وہ اثر رکھتی ہے جیسے بچھو کا ڈنک کہ ایک ذرا سی حرکت میں آدمی بلبلاتا ہے۔

اکبر نہ دب سکے کبھی برٹش کی فوج سے

لیکن شہید ہو گئے بیوی کی نوج سے

ایک بزرگ نے اس کا خوب علاج کیا تھا۔ اُن سے ایک عورت نے شکایت کی کہ خاوند سے روز لڑائی رہتی ہے کوئی تعویذ ایسا دیجئے کہ لڑائی نہ ہو، انہوں نے کہا کہ ایک بوتل میں پانی لے آؤ میں پڑھ دوں گا۔ اُس سے لڑائی نہ ہوگی۔ وہ بوتل میں پانی لائی انہوں نے اس پر کچھ جھوٹ موٹ پڑھ دیا اور فرمایا کہ جب خاوند گھر میں آیا کرے تو اس پانی کا ایک گھونٹ منہ میں لے کر بیٹھ جایا کر، پھر لڑائی نہ ہوگی۔ اُس نے ایسا ہی کیا واقعی لڑائی ختم ہو

گئی۔ پانی کا دم کرنا تو برائے نام تھا۔ اصل تدبیر یہ تھی کہ جب پانی منہ میں لے کر بیٹھ جائے گی تو زبان قینچی کی طرح نہ چلے گی اور لڑائی ہوتی تھی اُس کی بد زبانی سے اس لئے اُن بزرگ نے اس کے بند کرنے کی یہ حکیمانہ تدبیر کی اب بھی عورتیں اگر کسی طرح زبان بند کر لیں تو واقعی کبھی لڑائی نہ ہو۔ لوگ آج کل اس کے لئے تعاون و غیہ مانگتے پھرتے ہیں سب واہیات ہے ہاں یہ عمل اگر کوئی کراوے جو ان بزرگ نے کیا تھا، تو مسکو تو میں بھی کر دوں گا کہ توں میں پانی لاوے میں جھوٹ موٹ پڑھ دوں گا اور جب میاں بیوی کی لڑائی شروع ہو بیوی ایک گھونٹ پانی کا منہ میں لے کر بیٹھ جائے اور اُن بزرگ کی توجہ و میں بھی کچھ اثر ہو گا۔ یہاں چھو میں تو کچھ اثر ہے نہیں مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ لڑائی بند ہو جائے گی۔ خدا جانتا ہے بے مثل علاج ہے یہ تو حکمت عملی تھی اصل بات یہی ہے کہ عورتوں کی بد زبانی جسٹ ہے بگاڑ کی۔ یہ عیب عورتوں میں سے نکل جاوے تو یہ سچ سچ کی عورتیں بن جاویں اور عورتوں کے یہ فضائل جو میں نے بیان کئے ہندوستان میں بھی یہ زیادہ تر ہمارے نواح کے ساتھ خاص ہیں بڑے شہروں میں عورتوں میں یہ فضائل کم پائے جاتے ہیں۔ بھوپال میں سنا ہے کہ کئے دن عورتیں قاضی کے یہاں کھڑی رہتی ہیں ذرا اُن کے کسی آرام میں کمی ہوئی اور عدالت میں پہنچیں، یہاں کی طرح نہیں کہ عورتیں عدالت کے نام سے بھی کانپتی ہیں۔ چاہے مر جائیں مگر عدالت میں نہیں جا سکتیں یوں آپس میں عزیزوں میں ہزار باتیں ہزار شکایتیں کر لیں گی۔ یہ تو ان کا مشغلہ ہی ہے مگر جب کچھری کا نام آوے گا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گی کہ خدا نہ کرے جو حاکم کے یہاں ہم جاویں یہ میں نہیں کہتا کہ ہمارے اطراف میں کوئی عورت بھی ایسی نہیں جو عدالت میں جاتی ہو۔ ہزاروں میں ایک دو ایسی بھی نکلیں گی مگر

غالب حالت عورتوں کی اس نواح میں یہی ہے کہ عدالت میں جانے سے گھبراتی ہیں یہاں ایک بزرگ حافظ صاحب تھے اُن کے صاحبزادے بیوی کی رعایت بہت کرتے تھے اور واقعی بیوی کی یہ رعایت کرنا بھی چاہیے خواہ وہ پھوہڑ ہو یا بدتمیز ہو کیونکہ اُس نے تمہارے واسطے اپنی ماں کو چھوڑا، باپ کو چھوڑا، سارے کنبہ کو چھوڑا اب اُس کی نظر صرف تمہارے ہی اُپر ہے جو کچھ ہے اس کے لئے ایک شوہر کا دم ہے بس انسانیت کی بات یہی ہے کہ ایسے وفادار کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور جو کچھ اُن سے بدتمیزی یا بے ادبی ہو جائے اُس کو ناز سمجھا جائے کیونکہ اُن کو عقل کم ہے تمیز نہیں ہے اُن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں اس لئے گفتگو کا پیرایہ ایسا ہو جاتا ہے جس سے مردوں کو تکلیف پہنچتی ہے مگر اس بدتمیزی کی حقیقت ناز ہے آخر وہ تمہارے سوا اور کس پر ناز کرنے جائیں دنیا میں ایک تمہیں اُن کے خریدار ہو۔ مصرعہ "ناز براں کن کہ خریدار تست" صاحبو! سوچنے کی بات ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محکوم ہیں وہ ہماری کیا کیا رعایتیں کرتے ہیں وہ کون سی بدتمیزی ہے جو بندے خدا تعالیٰ کے ساتھ نہیں کرتے۔ مگر دیکھئے اُس کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ کیسا ہے کہ رزق برابر دیتے ہیں کوئی عذاب نازل نہیں فرماتے اور وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب میرے محکوم ہیں میرے سوا ان کا کون ہو سکتا ہے اور جو کچھ بدتمیزیاں کرتے ہیں اپنی حماقت سے کرتے ہیں اس واسطے بندوں کی ہر طرح رعایت فرماتے ہیں یہی معاملہ ہم کو اپنے محکومین کے ساتھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ جن بزرگ کے صاحبزادہ کا ذکر کر رہا ہوں وہ اپنی بیوی کی بہت رعایت کرتے تھے، حالانکہ وہ فضول خرچ تھے لیکن یہ اُس کو نباہتے تھے اور انہوں نے اپنی اُس فضول خرچ بیوی کا نام بادی رکھا تھا جب اُس کی کوئی بات کرتے

تویوں کہا کرتے تھے کہ میری باولی ایسی ہے اور میری باولی ویسی ہے وہ
 اللہ والے تھے اُن کی نظر عیبوں پر نہ پڑتی تھی بلکہ ایک خوبی پر پڑتی تھی جس
 کے سامنے سب عیوب مٹ جاتے تھے وہ ایک بہت بڑی صفت تھی خدا کے
 فضل سے ہمارے یہاں کی شریف بیبیوں میں سب ہی میں وہ صفت موجود ہے
 جو بہت ہی زیادہ قابلِ قدر ہے اور جب کبھی کوئی اُس بی بی کی مذمت کرتا تو وہ
 اُسی خوبی کا ذکر فرما کر جواب دیتے وہ یہ کہ اگر خاوند بے توجہی سے یا اور کسی وجہ
 سے لڑ بھڑ کر یا ناداری کی وجہ سے یا قید ہو کر گھر سے چلا جائے اور بچا کس
 برس تک باہر رہے اپنی خبر تک بھی نہ دے کہ مر گیا ہوں، یا زندہ ہوں اور بیوی
 کی کوئی معاش بھی نہ ہو اس پر بھی وہ جس وقت آئے گا بیوی کو اُسی کو نے
 میں بیٹھا دیکھ لے گا جس میں چھوڑ گیا تھا آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ نامراد مر
 رہی ہے مڑ رہی ہے مُردوں سے بدتر حالت ہے مگر یہ نہیں ہوا ہو گا کہ
 امانت میں خیانت کی ہو یا کسی اور پر لگاؤ ڈالی ہو یہ صفت ایسی ہے کہ اس
 کے واسطے سب ناز گوارا کئے جاسکتے ہیں اس صفت کے سامنے کسی عیب پر
 بھی نظر نہیں پڑنا چاہیے۔

حقیقت اہل اللہ | جنکو سُن سُن کر تعجب ہوتا ہے اُن کا منشا ایسے
 ہی صفات تو ہیں وہ زنِ مُرد نہ تھے بلکہ قدر شناس تھے انہوں نے اچھی اچھی
 نیتوں سے تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ایک بزرگ تھے جنکی بیوی اُن کو بہت ستاتی
 تھی یہاں تک کہ لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی ان کو بہت دق کرتی ہے بعض
 لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی بیوی کو طلاق دیدینا چاہیے، فرمایا کہ طلاق تو
 میرے اختیار میں ہے مگر یہ تو سوچو کہ اگر اُس نے کسی اور سے نکاح نہ کیا تب

تو تکلیف اٹھائے گی اور اگر کسی اور سے نکاح کیا تو اس مسلمان کو تکلیف پہنچے گی اس سے اچھا یہ ہے کہ میں ہی تکلیف اٹھا لوں اور مسلمانوں کا وقایہ بن جاؤں کہ جب تک میں موجود ہوں کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف کیوں پہنچے غرض عورتوں میں بدزبانی کا تو بڑا عیب ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ صفت بھی ہے کہ ان کم بدخبتی ماریوں کے دل میں خاوند کی محبت بید ہوتی ہے جو موقع پر ظاہر ہوتی ہے چنانچہ لکھنؤ کا ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ کی بیوی بہت ہی بدزبان تھی انہوں نے اسکی اصلاح کی بہت تدبیریں کیں کچھ نفع نہ ہوا۔ ایک دن انہوں نے کہا کم نجت تو بہت ہی بد قسمت ہے کتنی کتنی دور سے میرے یہاں لوگ آتے ہیں اور ان کو نفع ہوتا ہے تو میرے یہاں کتنی مدت سے ہے مگر تجھے کچھ نفع نہیں ہوتا بولی میں بد قسمت کیوں ہوتی ہیں تو بڑی خوش قسمت ہوں کہ ایسے بزرگ ولی اللہ کے پلے سے بندھی ہوں میری برابر کوئی ہو تو لے بد قسمت تم ہو کہ تمہیں مجھ جیسی بڑی عورت ملی اللہ کی بندی یہاں بھی زبان درازی سے نہ چوکی خاوند کو بد قسمت بنا کر چھوڑا مگر اس بد تمیزی میں بھی اعتقاد ٹپکتا ہے کہ ان کو بزرگ اور ولی اللہ کہتی جاتی ہے اس کا منشا وہی محبت ہے میں تجربہ سے لقسم کہتا ہوں کہ یہاں کی عورتیں کے رگ رگ میں خاوند کی محبت گھسی ہوتی ہے مگر ان میں تھوڑا سا پھوہڑ پنا ہے کہ زبان کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں۔ اور اس میں قصور اللہ رحم کرے ماں باپ کا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام و اہتمام بالکل نہیں کرتے

تعلیم نسواں | اور تعلیم سے میری مراد ایم اے بی اے نہیں ہے۔ یہ ایم اے بن کر کیا کریں گی یہ تو میمیں ہیں اور بی اے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بی تو خود ہیں اے بڑھانے کی کیا ضرورت ہے آجکل یہ بھی رواج چلا ہے کہ عورتوں کو بھی ایم اے بی اے بناتے ہیں کیا

ان کو نوکری کرنا ہے جو اتنی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی جائیں۔ انگریزی نے
مردوں ہی کو کیا فلاح دی ہے جو عورتوں کو دے گی۔ آجکل نو جوانوں میں عورتوں
کی تعلیم کے متعلق رواج بھی بکھلا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کا پنور میں اپنی بیوی
کو جغرافیہ پڑھاتے تھے میں نے ایک وعظ میں کہا عورتوں کو جغرافیہ کی کیا
ضرورت ہے کہنے لگے اور اگر یہ ضرورت بتلائی جاوے کہ ان میں روشن دماغی
پیدا ہوگی۔ میں جواب میں عرض کرتا ہوں کہ جی ہاں بجا ہے اور یہی مصلحت ہے
کہ اگر بھاگنے کا ارادہ کریں تو کوئی وقت بھی نہ ہو کیونکہ جغرافیہ سے ان کو
معلوم ہو چکا ہے کہ ادھر جنکشن غازی آباد میں ہے ادھر لکھنؤ میں ہے۔
اس طرح جہاں چاہیں پہنچ سکتی ہیں۔ اس شخص پر اس بات کا اس قدر
اثر ہوا کہ وعظ کے بعد ملے اور اسی وقت توبہ کی کہ اب لڑکیوں کو جغرافیہ
نہیں پڑھاؤں گا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کو مذہبی تعلیم دیجئے، فقر پڑھائیے
تصوف پڑھائیے۔ قرآن کا ترجمہ تفسیر پڑھائیے جس سے اُن کی ظاہری و
باطنی اصلاح ہو یہ کیا واہیات ہے کہ جغرافیہ پڑھا رہے ہیں۔ اصل میں
جغرافیہ کی ضرورت بادشاہوں کو ہے کہ اُن کو کہیں چڑھائی کرنا ہو تو ہولت
ہو یا تاجروں کو مال منگانے بھیجنے میں آسانی ہو عام لوگوں کو اس سے کیا
فائدہ؟ خصوصاً عورتوں کو اور اگر جغرافیہ محض اس لئے حاصل کیا جاتا
ہے کہ علم شئی بہتر از جہل ہستی تو میں کہوں گا کہ دنیا میں سینکڑوں علوم و
فنون ہیں آخر کس کس کو حاصل کیا جاوے گا سب حاصل کرنا تو محال ہے لامحالہ
ترجیح پر عمل کیا جاوے گا اور کسی علم کو دوسرے پر ترجیح محض ضرورت کی وجہ
سے ہو سکتی ہے یعنی جو فن جس کے لئے کار آمد اور ضروری ہو اس کو حاصل
کرنا چاہیے کیونکہ غیر ضروری کے پیچھے پڑنے سے آدمی ضروری سے رہ جاتا ہے اور

اُس کا حماقت ہونا ظاہر ہے مگر آجکل یہ جھوٹا علم ہو رہا ہے کہ ضروری اور غیر ضروری سے بحث نہیں کرتے بس ہونے سامنے آگیا اُسی کے پیچھے پڑ گئے، غرض سلاطین کو چاہیے کہ وہ جغرافیہ پڑھیں اصل ضرورت تو اُن کو ہے مگر خیر ہندوستان میں مرد بھی اس واسطے پڑھ سکتے ہیں کہ نوکری کی مصیبت اُن کے سر پہ جو بدن دُگری حاصل کئے نہیں مل سکتی اور دُگری بدون جغرافیہ کے نہ ملے گی۔ مگر عورتیں کیا نوکری کرنے جائیں گی۔ اُن کو جغرافیہ کی کیا ضرورت ہے ان کو صرف مذہبی تسلیم دینا چاہیے تاکہ اخلاق درست ہوں اور تہذیب و آداب اور سلیقہ پیدا ہو۔ مگر اس وقت عورتوں میں یہ تسلیم بھی نہیں اسی وجہ سے ساری خرابیاں ہیں اور اگر کسی کو تسلیم نسواں پر توجہ ہوئی بھی تو اُس نے تعلیم سے مراد انگریزی تعلیم لے لی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جنت کی

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

یہ تسلیم تو جہل سے بھی بدتر ہے جہل میں اتنی خرابیاں نہیں جتنی اس تسلیم میں ہیں حضرت ہم نے پرانی تسلیم یافتہ عورتیں بھی دیکھی ہیں کہ سبحان اللہ نہایت مہذب بڑی باحیا بہت ہی شائستہ اور سلیقہ شعار ہوتی تھیں۔ اور نئی تعلیم یافتہ عورتوں کو بھی دیکھا ہے یعنی اُن کے مضامین اخبارات و رسائل میں نظر سے گزرے ہیں خدا کی پناہ یہ اس قدر بے شرم اور آزاد اور بد سلیقہ و بیباک ہوتی ہیں کہ مضمون دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی پردہ نشین حیا دار عورت کا لکھا ہوا ہے۔ یاد رکھو! ہر علم مفید نہیں بلکہ بعضے علوم مضر بھی ہوتے ہیں خواہ اُن علوم ہی کی خاصیت ایسی ہو یا سیکھنے والے کے لحاظ سے مضر ہوں اسی کی نسبت مولانا فرماتے ہیں

بدگھر را علم و فن آموختن

دادن تیغ است دست را ہزن

دیکھنے تلوار مفید اور ضروری چیز ہے مگر نہ ہر شخص کے لئے بلکہ صرف
اس شخص کے لئے جس میں قوت ہو اور اُس کا چلانا جانتا ہو ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ
اپنے ہی ہاتھ پر کاٹ لے گا اگر کوئی یہ سمجھ کر کہ تلوار مفید چیز ہے ذرا سنبے کے
سامنے رکھ دے تو عجب نہیں کہ اُس کا گلا ہی کٹ جائے اسی طرح یہ قاعدہ
کلیہ صحیح نہیں کہ ہر علم مفید ہے نہ ہر علم مفید ہے اور نہ ہر شخص میں ہر علم کے حاصل
کرنے کا حوصلہ ہے جامعیتِ علوم مردوں کا حوصلہ ہے عورتوں کو اُنکی ریس کرنا
حوصلہ سے باہر بات کرنا ہے اس جامعیت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو صفات عورتوں
میں ہونی چاہئیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گی چنانچہ رات دن اس کا تجربہ ہوتا
جاتا ہے مجھ سے ریل میں ایک جنٹ صاحب نے اپنے تجربہ کی بنا پر کہا تھا کہ میں نے
یہ تجویز پاس کی ہے کہ عورتوں کو جامع معقولات و منقولات نہیں بنانا چاہئے
معقولات تو صرف مردوں ہی کو پڑھانا چاہئے۔ عورتوں کو صرف منقولات پڑھانا
چاہئے دیکھئے تسلیم جدید کی خرابیاں اب اُن لوگوں کو بھی محسوس ہو چلی ہیں جو
اس کے حامی بلکہ موجد تھے وہ جنٹ صاحب کہتے تھے کہ تاریخ اور جغرافیہ
عورتوں کو کچھ نفع نہیں۔ آج کل کے نوجوانوں پر علمِ ارس کا قول تو حجت نہیں۔
مگر ایسے لوگوں کا قول ضرور حجت ہے جو اُن ہی کے ہم خیال تھے اور تجربہ کے
بعد دوسری رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے اور درحقیقت بات یہی ہے
کہ مرد تو تمام علوم کے جامع ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں ہو سکتیں جامعیت کے
لئے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے جو عورتوں میں نہیں ہے مگر آج کل سب کو
عقل کا ہیضہ ہو رہا ہے آزادی کا زمانہ ہے ہر ایک خود مختار ہے چنانچہ

عورتیں بھی کسی بات میں مردوں سے پیچھے رہنا نہیں چاہتیں ہر علم و فن کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں تصنیفیں کرتی ہیں اخبارات میں مضامین بھیجتی ہیں چنانچہ ان ہی دنوں ایک کتاب میرے پاس بھی رائے لینے کے لئے آئی تھی۔ اس میں اس قسم کے مضامین تھے کہ اول تو مسلمانوں کی شکایت تھی کہ یہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتے نہ دین کی نہ دنیا کی (دین کا نام تو برائے نام لیا جاتا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی ترقی نہیں کرتے)۔ قوم کی قوم پستی میں جا پڑی ہے۔ مسلم جماعت دوسری قوموں کی نظر میں سخت حقیر ہو رہی ہے اور حقیر بن کر رہنا اسلامی حیثیت کے خلاف ہے اس کے بعد اس کتاب میں لکھا ہے کہ آج کل کے مسلمان ہاتھ پیر تو بالکل نہیں ہلاتے نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں نہ کہلاتے ہیں جب ان سے کسی کام کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بلا تقدیر کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور جب پریشان ہوتے ہیں تو و خلیفے پڑھتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ پھر اس دعا کے مضمون کے بعد لکھا ہے کہ اللہ میاں کہتے ہیں کہ بھائی مجھے اور بھی کچھ کام ہے یا تمہاری ہی سنتا رہوں تم تو ہر وقت دعا ہی مانگتے رہتے ہو میں نے جو تم کو ہاتھ پاؤں دیدیے ہیں اُن کو ہلاؤ اُنہی سے اپنا کام نکالو مجھے کیوں ستائے جاتے ہو نعوذ باللہ! گویا یہ بی بی اللہ میاں کے یہاں کی پیشکار ہیں کہ اللہ میاں نے ان سے ہی یہ خاص خاص باتیں کہہ دی ہیں پھر ان کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچائی جاتی ہیں کیا کوئی مسلمان ایسی کتاب میں موافقت رائے کر سکتا ہے اور آج کل یہ بھی پیسے کمانے کی ایک آسان ترکیب ہے کہ علماء کے پاس ایسی کتابیں بھیجی جاتی ہیں اور ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ان میں کوئی نقص ہو تو اسکی اصلاح کر دی جائے اصلاح تو جیسی مقصود ہوتی ہے معلوم ہے اصلی غرض یہ ہے کہ ان پر تقریظ لکھ دی جائے تاکہ زیادہ اشاعت ہو سکے۔ چنانچہ بعض بااخلاق علماء

تقریباً لکھ بھی دیتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ اس سے
 اُنکو اس سے اس بہودہ تسلیم کی اور تائید مل جاتی ہے مجھ سے کوئی پوچھے تو
 ان کتابوں کی اصلاح یہ ہے کہ سب کو جمع کر کے ایک دم جلادیا جائے کیونکہ
 ہر چیز میں اعتبار غالب کا ہوا کرتا ہے اور ایسی کتابوں میں غالب مثر ہی ہے
 اور مثر کا علاج یہی ہے کہ سب کو جلادور۔

خواتین و اخبار | ایک اور آفت نازل ہوئی ہے کہ تسلیم یافتہ
 عورتیں اخباروں میں مضامین دیتی ہیں اور ان میں

اپنا نام اور میاں کا نام اور پورا پتر حتہ کہ محلہ کا نام اور گلی اور مکان نمبر بھی ہوتا
 ہے یہ شاید اس واسطے کہ لوگوں کو اُن سے خط و کتابت میں میل ملاقات میں دقت
 نہ ہو نہ معلوم اُنکی غیرت کہا اڑ گئی۔ ان بیبیوں نے تو حیار کو بالکل ہی بالائے
 طاق رکھ دیا اور خدا جانے ان کے مردوں کی غیرت کہاں گئی۔ اُنہوں نے اس کو
 کیونکر گوارا کیا یوں کہتے کہ بس طبیعتیں ہی مسخ ہو گئی ہیں۔ میرے پاس ایک
 ماہواری پرچہ آیا تھا جس میں ایک بی بی کی اپنے پر کی شان میں غزل تھی جس
 میں پر کو اس طرح خطاب تھا جس طرح عاشق و معشوق میں ہوا کرتا ہے۔ تمنائے
 وصال کا اظہار خط و حال کی تعریف اس کو پڑھ پڑھ کر غیرت آتی تھی۔ میں نے
 لکھ دیا کہ آج سے یہ رسالہ میرے پاس ہرگز نہ آئے مجھے اس قدر جوش غیرت
 ہوتا تھا کہ پھاڑ کر پھینک دوں تعجب کی بات ہے کہ پڑھنے والے کو غیرت آئے
 اور جس کے کھر کا قصہ ہے اُس کو غیرت نہ آئے ایک اور لڑکی کی تصنیف کردہ کتاب
 میرے پاس آئی جس کو میں نے پڑھا تو وہ بہت نافع معلوم ہوئی۔ اُس میں کوئی
 نقصان کی بات نہ تھی مگر اخیر میں مصنفہ کا پورا نام اور پتر لکھا ہوا تھا کہ فلاں
 فلاں محلہ کی رہنے والی۔ میں حیران ہوا کہ اگر تصدیق کرتا ہوں تو پورا پتر لکھنے کے

واسطے بھی سند ہو جائے گی کیونکہ نام اور پتہ وغیرہ سب لکھا ہوا ہے اور تصدیق
 کرتا ہوں تو سوال ہو سکتا ہے کہ اس میں کونسی بات مضرت تھی جو تصدیق نہ کی اسی
 تردد میں تھا کہ ایک ترکیب سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ میں نے مصنف کا نام کاٹ
 دیا اور بجائے اُس کے لکھ دیا راقم الشکر کی ایک بندی اور تقریظ میں لکھ دیا کہ
 یہ کتاب نہایت عمدہ ہے اور سب سے زیادہ خوبی اس میں یہ ہے کہ یہ ایک ایسی
 بی بی کی تصنیف کردہ ہے جو بڑی حیا دار ہیں کہ انہوں نے اپنا نام بھی اس پر
 نہیں لکھا یہ ترکیب نہایت اچھی رہی اس واسطے کہ اگر وہ میری تصدیق اپنی کتاب
 پر چھاپیں گی تو اپنا نام نہیں لکھ سکتیں اور اگر اپنا نام لکھیں گی تو میری تصدیق نہیں
 چھاپ سکتیں۔ چلو میرا بچھا چھوٹا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو اپنی تصنیف
 پر اپنا نام لکھنے سے کیا مقصود ہوتا ہے؟ اگر ایک مفید مضمون دوسری عورتوں کے
 کان تک پہنچانا ہے تو اُس کے لئے نام کی کیا ضرورت ہے مضمون تو بغیر نام کے
 بھی پہنچ سکتا ہے پھر نام کیوں لکھا جاتا ہے اس کی وجہ سوا اس کے کیا ہو سکتی
 ہے کہ وہ دوسروں سے تعلقات پیدا کرنے ہیں۔ سو بیویو! یاد رکھو کہ تم کو تو تعلق
 ایک ہی شخص سے رکھنا ہے یعنی شوہر سے تمہارا ساتھ تو تمام عمر کے لئے اُسی کے
 ساتھ ہے۔ اول تو مردوں کے واسطے بھی میں کہتا ہوں کہ کتاب پر نام لکھنے کی ضرورت
 نہیں کیونکہ مقصود خدمتِ خلق ہے خدمتِ نام سے نہیں ہوتی تو نام لکھنے میں
 سوائے شہرت اور نفس پرستی کے کیا ہے مگر خیر مردوں کے لئے پختاں حرج بھی
 نہیں بلکہ اس میں ایک مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ مصنف کے ثقہ یا غیر ثقہ
 ہونے سے کتاب کا درجہ اور اس کی روایات کا درجہ بھی متعین ہو جاتا ہے۔ مگر
 عورت کے لئے تو کسی طرح بھی نام لکھنا مناسب نہیں ہے عورت کو تو کوئی تعلق
 سوائے خاوند کے کسی سے بھی نہ رکھنا چاہیے اس کا مذہب تو یہ ہونا چاہیے

دلارامے کہ داری دل درو بند

وگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

بلکہ قرآن مجید اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو یہ تسلیم دی گئی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جس سے نفرت پائی جائے نہ کہ محبت و اُلفت استغفر اللہ! اس کو لوگوں نے تہذیب سمجھ لیا ہے۔

حالانکہ عورت کے لئے تہذیب یہی ہے کہ غیر آدمی سے **عورت کی تہذیب** روکھا برتاؤ کرے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے

قرآن کو چھوڑ دیا حق تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں :

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْحَ الْأَذَىٰ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا

یعنی کسی سے نرم لہجہ سے بات نہ کرو دیکھتے اس آیت کے مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں یعنی ازواج مطہرات انکی طرف کسی کی بُری نیت جا ہی نہیں سکتی تھی مگر اُن کے لئے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دوسری عورتیں تو کس شمار میں ہیں چنانچہ اس کے شروع میں ہی یہ لفظ موجود ہے لستن کا حد من النساء یعنی تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو بلکہ اوروں سے افضل ہو۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجہ سے بات مت کرو جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو جس سے مخاطب سمجھے کہ بڑی کھڑی اور بڑی اور تلخ مزاج ہیں تاکہ لا حول ہی پڑھ کر چلا جائے نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کر دو کہ میں آپکی محبت کا شکر یہ ادا کرتی ہوں مجھے جناب کے الطاف کریمانہ کا خاص احساس ہے جیسا کہ آجکل کے رسالوں میں عورتوں کے مضامین نکلتے ہیں یہ مضامین زہر قاتل ہیں آفت ہیں طرح طرح کے مفاسد اس پر مرتب ہوتے ہیں بعض لوگ اس پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب بتلائیے کیا فساد ہو رہا ہے ہم کو تو نظر نہیں آتا میں کہتا

ہوں کہ اول تو فساد موجود ہے اور اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لادے گا اس وقت سب کو معلوم ہوگا اور مجھ کو اس وقت معلوم ہو رہا ہے جیسے کہا گیا ہے ۵

من از آل حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دستم
کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را

اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کسی وقت میں رنگ لائے گی اور اسکی دلیل بھی خود اس آیت ہی میں موجود ہے کہ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کے بعد ہی بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں : فَيَطْمَعُ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ کہ اگر خضوع فی القول یعنی نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے اُس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ یہاں قابو چل سکتا ہے پھر وہ اسکی تدبیریں اختیار کر لے گا دیکھئے خود حق تعالیٰ لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتا رہے ہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ الفاظ قرآنی صاف بتاتے ہیں عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنا یہ اثر رکھتا ہے کہ انکے دلوں میں طمع پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد یہ حکم بھی ہے وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو۔ ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لئے پسند نہیں کرتی۔ شریعت نیچے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر بات کو سوچ کر کہو کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جاوے مختصر ترجمہ معروف کا معقول ہے تو یہ معنی ہوتے کہ معقول بات کہو، معقول بات دہی ہوتی ہے جس سے کوئی بُرا نتیجہ پیدا نہ ہو جب ثابت ہو چکا کہ لہجہ کی

زنی سے بھی عورتوں کے لئے بُرا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو محبت پیار کی باتوں سے
 کیوں بُرا نتیجہ پیدا نہ ہوگا جس کو آجکل تہذیب میں داخل سمجھا گیا ہے تو اس
 قسم کی باتیں عورتوں کے لئے معقول نہیں بلکہ نامعقول ہیں اور یہ کچھ تعجب کی
 بات نہیں ہے کہ ایک بات ایک کے لئے معقول ہو اور دوسرے کے لئے
 نامعقول ایک کے لئے سختی سے بات کرنا اور بے رنجی سے جواب دینا معقول
 ہو سکتا ہے اور دوسرے کے لئے نامعقول تمہارے لئے یعنی مردوں کے واسطے
 باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ زنی سے بات کر دیکسی کو سخت جواب نہ دو ،
 روکھا پن نہ برتو۔ اور عورتوں کے لئے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ زنی
 سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور روکھا برتاؤ کریں ۵

در حق او مدح در حق تو ذم

در حق او شہر در حق تو سم

مولانا فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات کسی کے لئے داخل مدح ہوتی ہے اور
 دوسرے کے لئے داخل ذم ہوتی ہے جیسے اُس شبان کی گفتگو جو حق تعالیٰ کی شان
 میں کھم رہا تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ میں آپ کو دودھ پلاؤں اور کپڑوں کی جوئیں
 دیکھوں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گفتگو سن کر غصہ آ گیا اور
 اُس کو ڈانٹا مگر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مستنبہ فرمایا کہ ہمارے ساتھ
 ہر شخص کا تعلق جداگانہ ہے اس حکایت کا حاصل یہی ہے کہ یہ باتیں تمہارے
 حق میں بُری ہیں مگر اُس کے حق میں بُری نہیں۔ اسی اعتبار سے اس وقت میں نے
 یہ شعر پڑھا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ہی بات مردوں کے لئے بُری اور عورتوں
 کے لئے اچھی ہو سکتی ہے عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب غیر مردوں سے
 بات کریں تو خوب روکھے اور سخت لہجہ میں اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ

کریں۔ اول تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہیے، مگر بجز درت بولنا ہائز ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سختی سے گفتگو ہو تا کہ دوسرے کے دل میں کشش اور میلان پیدا نہ ہو اور یہ طریقہ عورتوں کے لئے علاوہ شرعی حکم ہونے کے طبعی بھی ہے افسوس ہے کہ ایک فطری اچھی خصلت کو قصداً بگاڑا جا رہا ہے۔ دیہات میں دیکھئے کہ بھنگن و چاری سے بھی خطاب کیجئے تو وہ منہ پھیر کر اول تو اشارے سے جواب دے گی مثلاً راستہ پوچھیے تو انگلی اٹھا کر بتا دے گی کہ ادھر ہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت تھوڑے سے الفاظ میں مطلب کو ادا کر دے گی نہ اس میں القاب ہوں گے نہ آداب نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ نہ آواز نرم ہوگی بلکہ اس طرح بولے گی جیسے کوئی زبردستی بات کرتا ہے چونکہ دیہات والوں میں یہ اخلاق طبعی موجود ہوتے ہیں اور ان سے انحراف کے اسباب وہاں نہیں پائے جاتے اس واسطے دیہاتیوں کے اخلاق و عادات اپنی جبلی حالت پر ہوتے ہیں۔

حقیقت معیار | حیا عورت کے لئے طبعی امر ہے اور اس کے آثار ان دیہاتی عورتوں میں جن پر زوالِ حیا کے اسباب نے اثر نہیں کیا ہے موجود ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبعی بات عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر مردوں سے میل جول نہ کرے اور کوئی ایسی بات قول میں یا فعل میں اختیار نہ کرے جس سے میل جول یا کشش پیدا ہو یہی شریعت کی تعلیم ہے تو شریعت فطرت کے بالکل موافق ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل طبعی اخلاق سے بعد ہو گیا ہے اور جو باتیں بُری سمجھی جاتی تھیں وہ اچھی سمجھی جانے لگیں حتیٰ کہ اس قسم کے مضامین اور ایسے خیالات اور ایسے جذبات جن سے خواہ مخواہ میلان ہو آج کل ہنر سمجھے جانے لگے۔ اس سے بہت ہی پرہیز کرنا

چاہئے اللہ محفوظ رکھے۔ یہ اثر اس نئی تعلیم کا ہے اس لئے یہ تعلیم تعلیم نہیں
 بلکہ تہذیب ہے اور عورتوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے۔ عورتوں کے لئے تعلیم
 کا وقت بچپن کا وقت ہے مگر آج کل شہروں میں بچپن ہی سے لڑکیوں کو نئی تعلیم
 دی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے آثار و نتائج اُن کی رگ و پے
 میں سرایت کر جاتے ہیں پھر دوسری کوئی تعلیم اُن پر اثر کرتی ہی نہیں لڑکیوں
 کی مثال بالکل کچی نرم لکڑی کی سی ہے اُس کو جس صورت پر قائم کر کے خشک کر
 دو گئے تمام عمر ویسی ہی رہے گی۔ جب بچپن ہی سے نئی تعلیم دی گئی نئے اخلاق
 سکھائے گئے نئی وضع نئی قطع نیا طرز معاشرت اُن کی نظروں میں رہا تو
 وہ اُسی میں نچتے ہو گئیں بڑی ہو کر اُنکی اصلاح کسی طرح نہیں ہو سکتی لہذا
 ضرورت ہے کہ بچیوں کو بجائے نئی تعلیم کے پرانی تعلیم دیجئے تاکہ وہی
 تعلیم اُنکی رگ و پے میں رچ جائے پھر آپ دیکھیں گے کہ بڑی ہو کر وہ کیسی
 با حیا سلیقہ شعار دیندار سمجھدار ہوں گی بعض جگہ ہم نے دیکھا ہے کہ لڑکیوں
 کو اشعار یاد کرائے جلاتے ہیں وہ اُن کو گاتی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تصوف
 کے اشعار ہیں جن سے اخلاق کی درستی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں تصوف بیشک
 ایسی ہی چیز ہے تصوف ہر خوبی کی جان ہے مگر اشعار کا نام تصوف نہیں
 ہے نظم کے ساتھ اُس کو کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تصوف نام ہے
 درستی ظاہر و باطن کا تو کیا ظاہر و باطن کی درستی نظم ہی سے ہو سکتی ہے؛ نہ
 سے نہیں ہو سکتی بلکہ میں کہتا ہوں کہ درستی اخلاق نہ ہی سے ہو سکتی ہے
 نظم سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اصلاح اخلاق مجاہدہ اور مشقت سے ہوتی ہے
 جس میں ترک لذات کرنا پڑتا ہے اور شعر شاعری اور نظم اور غزل خوانی تو
 لذات میں داخل ہے۔ اس سے اصلاح کیا ہوتی۔ غرض تصوف نام شعر شاعری اور

دیوان حافظ پڑھنے کا نہیں ہے صرف یہ دیکھ کر کہ یہ شعر دیوان حافظ کا ہے۔
یہ سمجھ لینا کہ اس کا پڑھنا داخل تصوف ہے اور یہ کسی حال میں مضر نہیں ہو
سکتا محض غلطی ہے کیونکہ ان حضرات کے اشعار سب کو مفید نہیں ہوتے
بلکہ بہت سے لوگوں کو مضر ہوتے ہیں یہ لوگ اہل حال تھے اُن کے حال کا اثر
ان کے کلام میں بھی موجود ہے، اور ہر شخص اُس حالت کا تحمل نہیں کر سکتا خاص
عورتیں کیونکہ یہ ضعیف القلب ہوتی ہیں ان پر تو اندیشہ ہے کہ اگر کوئی اچھی حالت
غالب ہوگئی تو بیمار ہو جائیں گی۔ تصوف تو عورتوں کو ان اشعار سے کیا
حاصل ہوتا، صحت جسمانی بھی جاتی رہے گی۔ غرض شعر اشعار کا پڑھنا پڑھانا،
عورتوں کے لئے ٹھیک نہیں بلکہ فتنہ ہے عورتوں کے لئے تو بس ایسی کتابیں
مناسب ہیں جن سے خدا کا خوف جنت کی طمع — دوزخ سے ڈر
پیدا ہو اس کا اثر عورتوں پر بہت اچھا ہوتا ہے اب اس تعلیم کو تو لوگوں
نے چھوڑ دیا اور وہ تعلیم اختیار کر لی جو مضر ہے جو تعلیم مفید اور ضروری تھی اُس
میں تو کمی ہوتی جاتی ہے بلکہ ناپید ہوتی جاتی ہے، اُسی تعلیم کے نہ ہونے
کے یہ نتائج ہیں کہ عورتوں کے اخلاق درست نہیں ہوتے اور باوجودیکہ ان میں
محنت اور جاں نثاری اور ایثار کا مادہ بہت زیادہ ہے پھر بھی خاوند سے انکی
نہیں بنتی کیونکہ مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اُن میں پھوہڑپنا اور
بے باکی موجود ہے کہ جو کچھ زبان پر آجائے بے دھڑک بک ڈالتی ہیں جس
سے خاوند کو تکلیف پہنچتی ہے اور خانہ جنگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ زندگی تلخ ہو جاتی
ہے اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ عورتوں کو وہ تعلیم جس کو پُرانی تعلیم کہا جاتا
ہے اور وہی تعلیم مصلح اخلاق ہے بقدر کفایت ضرور دینا چاہیے جس سے
انکی آخستہ اور دنیا سب درست ہو جائیں عقائد صحیح ہوں عادات درست

ہوں معاملات صاف ہوں اخلاق پاکیزہ ہوں پھر ہم دیکھیں معاشرت کیسے اچھی نہیں ہوتی معاملات کی صفائی ہی کا بیان ہو رہا تھا جس پر اتنا مضمون بڑھ گیا۔ بیان یہ تھا کہ گھروں کے اندر بہت گھال میل ہے جس سے معاشرت خراب اور زندگی وبال جان ہوتی ہے آپس میں رنجشیں ہوتی ہیں اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ کیونکہ اہل حقوق کے حقوق تلف ہوتے ہیں جس پر آخرت میں سخت مواخذہ ہوگا۔

فَرْضِ دَاعِظ عورتوں میں جو داعظ و عظ کہنے کے لئے پہنچتے وہ بھی ضروریات کی مثلاً معاملات کی صفائی اور

گھر کے سامان میں گھال میل نہ ہونے کی تعلیم نہیں کرتے۔ پس داعظوں کو تو وہی حدیث یاد ہے یا مَعَاشِرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ بس ان کو چپ نہ دے دو چاہے کسی کا مال ہو اور اس حدیث میں سے بھی صرف تَصَدَّقْنَ کا لفظ اُن کا مطلع نظر ہوتا ہے حالانکہ آگے مِنْ حُلِيِّكُنَّ بھی موجود ہے جس کا مطلب میں نے ابھی بیان کیا کہ اپنے مملوک زیور میں سے دو اور اسی پر یہ مضمون چلا تھا کہ عرب میں مرد و عورت کے مملوکات متمیز ہوتے تھے مگر ہمارے یہاں انہیں گڑ بڑ ہے خود ان کے زیور میں بھی شبہ ہے کہ ان کا ہے یا شوہر کی شرکت کا۔ سودا عظوں کا یہ طرزِ عمل ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہیں قرآن شریف کی کون آیت سب سے زیادہ پسند ہے کہا کُلُوا وَاشْرَبُوا۔ کہا دُعا کون سی پسند ہے کہا رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ۔

یعنی اے اللہ لگا لگایا خوان کھانے کا اُتار دیجئے کہ سوا کھا لینے کے کچھ نہ کرنا پڑے۔ اس شخص کو اپنے مطلب ہی کی آیت اور مطلب ہی کی دعا یاد تھی ایسے ہی ہمارے داعظ صاحبان کو بھی اپنے مطلب کی ایک ہی حدیث

یاد ہے یا مَعَا شَرِ النَّسَاءِ تَصَدَّقْنَ کہ بس خیرات کر دو اور زیور ان کو دید و جگنو اُتار دو چپا کلی اُتار دو کانوں کی سب بالیاں اُتار دو یہ بھی مت دیکھو کہ اپنی ہیں یا دوسرے کی اور اُن کا دینا بھی جائز ہے یا ناجائز اور داخل خیرات ہے یا داخل سیمات بس یہ حدیث پڑھ کر بیچاریوں سے چندہ وصول کر لیتے ہیں اور اُس کے لئے طرح طرح کی ترکیبوں سے کام لیتے ہیں واعظوں کا بیان بڑا لچھے دار ہوتا ہے جس سے عورتیں بہت جلدی بچھل جاتی ہیں چنانچہ ایک جگہ مسجد زیر تعمیر تھی سارا کام ہو گیا تھا صرف فرش باقی تھا تو ایک بزرگ واعظ نے عورتوں میں دعوت کہنا شروع کیا اول تو مسجد بنانے کے فضائل بیان کئے پھر کہا اس وقت ایک مسجد زیر تعمیر تھی مگر وہ پوری ہو چکی جس کی قسمت میں جتنا ثواب تھا اُتنا حصہ اُس نے لے لیا مگر افسوس ہے کہ بیچاری عورتیں محروم رہ گئیں یہ ان کی قسمت ہے یہ غریب گھروں میں بیٹھنے والی ہیں ان کو کیا خبر کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے کیا کیا دولتیں لٹ رہی ہیں واقعی بہت افسوس ہوا کہ عورتیں اس ثواب میں شامل نہ ہو سکیں جب واعظ صاحب نے دیکھا کہ عورتوں پر رنج و حسرت کا کافی اثر ہو چکا تو آپ فرماتے ہیں کہ اٹھا خوب یاد آیا میاں ابھی فرش تو باقی ہی ہے اور مسجد میں اصل چیز فرش ہی تو ہے ، فرش ہی پر نماز ہوتی ہے درود گزار پر تھوڑا ہی پڑھی جاتی ہے واقعی عورتیں بڑی خوش قسمت ہیں کہ اصل چیز انہیں کے واسطے رہ گئی اب بیویوں کو حصہ لینے کا خوب موقع ہے اور اے بیوی اگر فرش تم نے بنوا دیا تو کیسا لطف کا واقعہ ہو گا کہ مرد اسپر نماز پڑھیں گے اور فرشتے اُن کی نمازیں لیکر دربار الہی ہی میں جائیں گے۔ تو یوں کہیں گے کہ لیجئے حضور بندوں کی نمازیں اور بندوں کی جائزین بس یہ کہنا تھا کہ پردہ کے پیچھے سے چھنا چھن کی

آواز آنے لگی کسی نے پازیب اُتار کر پھینکی کسی نے جھانور اور کسی نے پہنچی کسی نے
 ہار بندہ خدا نے ایک شاعرانہ جملہ میں ہزاروں روپیہ کا زیور لے لیا مجھے تو یہ
 ترکیبیں پسند نہیں یہ تو پالیسی ہے، شریعت نے ہم کو پالیسی کی تعلیم نہیں
 کی بلکہ حدود کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے خواہ چندہ آئے یا نہ آئے اسی طرح ایک
 واعظ صاحب کا قصہ ہے کہ اُن کے وعظ میں ایک عورت نے اپنی ایک پازیب
 دی تو فرمانے لگے کہ ایک پاؤں تو جنت میں گیا ایک پاؤں دوزخ ہی میں ہمارا
 خیال تو کیجئے یہ کیسی ترکیبیں کرتے ہیں۔ اُس بیچاری نے دوسری بھی دیدی۔
 واعظ کو آگے نہیں سوجھی اور نہ یوں کہنے لگتے کہ ہائے افسوس ٹانگیں تو جنت
 میں گئیں مگر اوپر کا جسم جنت کے باہر ہی رہا نتیجہ یہ ہوتا کہ عورتیں سر سے پیر تک
 کا زیور سب اُتار کر اُن کے حوالہ کر دیتیں عورتیں اکثر بھولی بھالی اور اُن پڑھ
 ہوتی ہیں واعظ صاحب جو کچھ کہیں وہ اس کو اللہ میاں کا حکم سمجھتی ہیں اور اُس
 کی تعمیل کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں، ہم تو ان ترکیبوں کو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں
 اگر خدا کا کام کرنے کو کھڑے ہوئے ہو اُسی طرح کام کر جس طرح خدا نے
 بتایا ہے کہ نہ کسی پر بار ڈالو، نہ پالیسی سے کام لو بس سیدھے سیدھے
 الفاظ میں ضرورت کو بیان کر دو پھر اگر وہ کام واقعی خدا کا کام ہے تو نہ سجد
 رُکے گی نہ مدرسہ رُکے گا اور اگر خدا کا کام نہیں یا خدا کے واسطے نہیں بلکہ
 محض تمہارے نفس کی خواہش اور عرض ہے تو اس کا پورا نہ ہونا ہی اچھا ہے
 اور اگر کسی کو ترکیب ہی کرنا ہو تو اس کے لئے حدیث و قرآن کو کیوں آڑ بنایا
 جائے یہ تو بہت سخت بات ترکیبوں کے لئے قرآن و حدیث سے کام لیا جائے۔

حافظاے خور و رندی کن و خوش باش دے

دام تزدیر مکن چوں دگراں قسراں را

اگر ناجائز کام کرنا ہی ہے تو ناجائز طریقے سے کر دو، دینے کو اس کے لئے ذریعہ کیوں بناتے ہو؟

غرض واعظوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے

بیانِ ترہیب

کہ اگر ان کو اپنا کوئی مطلب نکالنا ہوتا ہے تو عورتوں کو عذاب سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اور ترکیبوں چالاکیوں سے جو کچھ ہو سکتا ہے ان سے وصول کر لیتے ہیں اور اگر فی الوقت کوئی مطلب نکالنا نہیں ہوتا تو پھر ایسے مضامین بیان کریں گے جن سے وہ غریب مایوس ہو جائیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ عورتوں کو وعظ سن کر خدا تعالیٰ کی رحمت کی کچھ اُمید ہوتی ہو ہاں مایوسی ضرور ہو جاتی ہے اسی لئے عورتیں بھی ایسی بہادر ہیں کہ ادھر وعظ سنا ادھر دو تین منٹ ہی کے بعد اس کے خلاف عمل شروع ہو گیا کہ اُسے کاٹنا اسے کو سا۔ ابھی وعظ میں تو رو رہی تھیں اور ابھی چیخ و پکار کر رہی ہیں دوسروں سے لڑ رہی ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ وعظ میں خوف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ان کو نجات سے مایوسی ہو جاتی ہے وہ بھی سمجھ لیتی ہیں کہ ہم دوزخی تو ہیں ہی پھر نفس کو مارنے میں کیا فائدہ نیک و بد سے کیا واسطہ؟ جس حال میں ہیں اُسی حال میں کیوں نہ رہیں آپ نے دیکھا ہو گا جس شریر بچے کو بار بار پٹیا جائے اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات کا معاملہ رکھا جائے وہ بے حیا ہو جاتا ہے پھر وہ کسی سے بھی نہیں دبتا اسی طرح واعظ صاحبان نے ترہیب کے مضامین بیان کر کر کے عورتوں کو نڈر کر دیا ہے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ جہاں ترہیب کی ضرورت ہے وہاں ترہیب کی بھی ضرورت ہے اسی لئے قرآن مجید میں ترغیبِ ترہیب دوش بدوش ہیں۔ میں نے یہ آیت اس وقت اسی لئے اختیار کی ہے کہ ہمیں عورتوں کے لئے ترغیب کا مضمون ہے۔

ضرورتِ عمل

چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں :

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَفِيْضًا لَا أُضِيْعُ عَمَلًا

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرَ اَوْ اُنْثٰى :

میں اُوپر کہہ چکا ہوں کہ اس وقت مقصودِ بیان صرف تعمیمِ رحمت حق کا ظاہر کرنا ہے جس پر مِّنْ ذَكَرَ اَوْ اُنْثٰى کا لفظ دال ہے اور اسی جُز و کا مجھے بیان کرنا مقصود ہے۔ فرماتے ہیں میں کسی کام کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت یعنی ہمارے یہاں نیک عمل ہر مومن کا مقبول ہے یہ نہیں کہ عورت کے عورت ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مردود ہو جائے یا مرد کے مرد ہونے کی وجہ سے کوئی عمل مقبول ہو جائے۔ دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ :

یعنی جو کوئی نیک عمل کرے لگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو حیاتِ طیبہ نصیب کریں گے اور اُس کو جزا دیں گے اچھے عمل کی آپ کو معلوم ہو گا کہ اُصول کا قاعدہ ہے کہ جن آیات میں کوئی تصریح عورت یا مرد کی نہیں ہوتی اُن کا مضمون مردوں اور عورتوں سب کو عام ہوتا ہے اس بناء پر اس تصریح کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ عمل کرے یا لا مرد ہو یا عورت پھر ان آیتوں میں لفظ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى کے لانے کا کیا سبب ہے؟ اس کا پتہ شانِ نزول سے چلتا ہے۔ شانِ نزول حسب روایت ترمذی یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے ایک دفعہ بطورِ حسرت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قرآن شریف میں عورتوں کا ذکر کہیں نہیں آتا اُن کی خاطر سے حق تعالیٰ نے بعض آیات میں صراحتاً عورتوں کا ذکر فرمادیا تاکہ یہ حسرت نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ

ہم کو یاد نہیں فرماتے۔ دیکھو عورتوں کی خاطر اللہ میاں کو کس قدر منظور ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے تصریح کے ساتھ عورتوں کا ذکر بھی کر دیا اسکی قدر ہم کو اس وجہ سے نہیں کہ جب سے ہوش سنبھالا قرآن سنا تو اس میں بہت جگہ ایسے الفاظ سنے جو عورتوں کی شان میں ہیں بس سنتے سنتے مسادات ہو گئی اب جب ایسی آیتیں پڑھتے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی اس کی قدر ان عورتوں کے دل سے پوچھو جن کو یہ حسرت ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ذکر نہیں فرماتے پھر ان کی حسرت کو حق تعالیٰ نے پورا کیا یہ بیچاری قرآن میں ہر جگہ مردوں ہی کا ذکر پاتی تھیں اس سے ان کا دل مرجھاتا ہو گا اور یہ خیال ہوتا ہو گا کہ کیا ہم عورتیں حق تعالیٰ کے نزدیک کسی شمار میں بھی نہیں جو کہیں ہمارا ذکر نہیں فرماتے اب سوچئے کہ جس وقت انکی تمنا کے موافق قرآن میں الفاظ اترے ہوں گے تو ان کا کیا حال ہوا ہو گا۔ اس کا لطف دوسرا کوئی کب سمجھ سکتا ہے۔

بہوش محبت ایک صحابی میں حضرت اُبی بن کعب شخین کی روایت میں ہے کہ ان سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُبی خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تم کو سورہ لم یکن پڑھ کر سناؤں۔ یہ سن کر ان کو وجد سا آگیا اور عرض کیا اللہ ستمانی یعنی کیا اللہ میاں نے میرا نام لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا واقعی اُس وقت جو حالت بھی ان کی ہوئی ہو کم ہے سوچئے تو کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام انکو سنایا ہو گا، اگر انکو شادی مرگ ہو جاتی تو تو بجا تھا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا، لَعَنَ اللَّهُ سَمَّاكَ یعنی ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا بس یہ سن کر وہ پھوٹ کر رو پڑے اس حالت کا اندازہ کوئی کیا کر سکتا ہے رہا یہ کہ پھر رونا کس لئے تھا تو حضرت

یہ رونا زشادی کا تھا نہ رنج کا تھا بلکہ گرمی عشق کا تھا اسکی تحقیق مشکل ہے۔
 بعضے سمجھتے ہیں کہ خوشی کا رونا تھا مگر یہ بات نہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 کی بھی تحقیق ہے کہ یہ رونا محبت کے جوش کا تھا کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ اے
 اللہ! میں اس قابل کہاں تھا کہ آپ میرا نام لیں۔ اس خیال سے محبت کا جوش
 اُٹھا اور گریہ طاری ہوا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک
 مثالی قصہ کے پیرایہ میں اس حقیقت کو ذکر کیا ہے فرماتے ہیں ۵
 بلبلے برگ گلے خوشترنگ درمنقار داشت
 داندراں برگ نوا خوش نالہائے نارداشت
 یعنی ایک بلبل پھول کی پنکھڑی چونچ میں لئے ہوئے بہت کچھ آہ و نالہ
 کر رہا تھا ۵

گفتش درعین وصل ایں نالہ و فریاد چہیت
 گفت مارا جلوہ معشوق در ایں کار داشت
 یعنی میں نے اُس سے کہا کہ تجھے تو اسوقت وصل گل حاصل ہے چونچ میں
 پنکھڑی لئے ہوئے ہے یہ تو خوشی کا وقت ہے اسوقت نالہ و فریاد کیسا اُس
 نے جواب دیا کہ جلوہ معشوق کا اثر یہی ہے کہ نالہ و فریاد کیا جائے اُس
 کی تجلی کے ظہور کا اثر یہی ہے کہتے ہیں نا ۵

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
 کیوں صاحب ایسے وقت میں کہ محبوب گھر میں آجائے گھر کا کیا دیکھنا،
 بات یہ ہے کہ غایت قرب کے تجرّ پیدا ہو جاتا ہے اور بار بار یہ خیال ہوتا ہے
 کہ ہم اور ہمارا گھر اس قابل کہاں تھا کہ وہ تشریف لائیں اس واسطے حیران ہو

مگر کبھی اپنے آپکو دیکھتا ہے اور کبھی گھر کو اور سمجھتا ہے کہ میں اور میرا گھر تو اس قابل تھا نہیں کہ یہ دولت نصیب ہو اسی کا نام تھیر ہے اسی طرح وہ بلبل عین وصال کے وقت تھیر میں تھا یہی حالت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر طاری ہوئی یہ ہوشِ محبت تھا انکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں اس قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ میرا نام لیں واقعی وجد کی بات ہے چنانچہ اُن پر وجد طاری ہوا اور رونے لگے۔ محبوب کی مجلس میں عاشق کا ذکر ہی آجاوے تو وجد کے لئے کافی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ۷

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

غرض اسوقت اس لفظ او انٹھ کی اس لئے قدر نہیں محسوس ہوتی کہ تمام عمر سے ہمیں قرآن میں یہ لفظ موجود ملا ہے اسکی قدر اُن سے پوچھی جائے جن کی حسرت و تئنا کے بعد یہ لفظ نازل ہوا اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک عاشق کو محبوب کے دربار کے قریب تک پہنچنے کا موقع تو ملتا ہے مگر محبوب کبھی اسکی طرف توجہ نہیں کرتا دوسروں سے ہی بات چیت کرتا رہتا ہے اور یہ اس حسرت میں گھلا جاتا ہے کہ افسوس میرا نام بھی تو کبھی اُس کی زبان پر نہیں آتا اُس نے کسی خاص مقرب بارگاہ سے اپنی حسرت کو ظاہر کیا اُس نے محبوب کے کان تک بات پہنچا دی دوسرے وقت محبوب نے مجلس میں کوئی چیز مثلاً پان تقسیم کئے اور خادم سے کہا کہ سب صاحبوں کو پان دیدو اور فلاں صاحب کے ضرور دینا عاشق کا نام لے کر کہا تو آپ اندازہ کیجئے کہ اسوقت اس عاشق کی کیا حالت ہوگی یقیناً اس کو وجد آجاوے گا اور ناچتا پھرے گا مگر دوسرے حضار مجلس کے نزدیک یہ بات بھی کچھ نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ اُس کو بڑی تئنا کے بعد یہ دولت نصیب ہوئی ہے اور دوسروں کو بلاتئنا کے نصیب تھی۔

خواتین اور قرآن حکیم | صاحبو! ہم لوگوں کو قرآن پورا مکمل جمع شدہ
 مل گیا ہے۔ ہم اس قسم کی آیتیں ہر دور میں
 پڑھتے ہیں اور کبھی اس طرف خیال بھی نہیں جاتا کہ ان میں کیا دولت بھری ہوئی
 ہے اس کو حضرت ام سلمہؓ سے یا اسوقت کی دوسری بیبیوں سے پوچھنا چاہیے کہ
 ان آیتوں کو سن کر انکی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اے بیبیو! کیا یہ تھوڑی بات ہے
 کہ حق تعالیٰ نے تم کو خاص طور سے یاد فرمایا اور یاد بھی کس طرح فرمایا کہ مردوں کی
 برابر بٹھا دیا کیونکہ اس آیت میں جن باتوں کا وعدہ کیا ہے اُن میں مردوں اور عورتوں
 میں کچھ فرق نہیں کیا تو یہ کتنا صحیح ہے کہ عورتوں کو مردوں کی برابر بٹھا دیا گو بائیں طرف
 بٹھایا ہے کیونکہ آیت میں پہلے لفظ من ذکر ہے اس کے بعد اَوّ انتی ہے اور یہ بات معلوم ہے
 کہ قرآن عربی زبان ہے اور عربی زبان کا خط دائیں سے بائیں طرف کو ہوتا
 ہے تو دائیں طرف والیکو اول اور بائیں طرف والے کو دوم کہہ سکتے ہیں۔
 قرآن کی تحریر انگریزی نہیں ہے کہ بائیں طرف سے دائیں طرف کو ہو اور بائیں طرف
 والیکو اول اور دائیں طرف والے کو دوم کہہ سکیں۔ یہ اس واسطے کہہ دیا کہ
 آج کل انگریزیت کا غلبہ ہے کوئی ذہین بی بی یہ استدلال نہ کر بیٹھیں کہ بائیں
 طرف والا اول اور دائیں طرف والا دوم ہوتا ہے، خیر یہ ایک لطیفہ سا ہے
 مگر یہ بات شریعت میں ثابت ہے کہ عورت کسی قدر مرد سے درجہ میں گھٹی ہوئی
 ہے (بدلیل و للرجال علیہنّ درجۃ و مثاہم من الایات جامع)
 اور گو اس آیت میں کسی بات میں مرد و عورت میں فرق نہیں کیا گیا لیکن
 چونکہ ترتیب عبارت میں عورتیں مؤخر ہیں مردوں سے اس واسطے میں نے یہ کہا
 کہ اُن کو بائیں طرف بٹھایا یا یوں سمجھ لو کہ عورتیں جسم میں بائیں آنکھ ہیں اور مرد
 دائیں آنکھ ہیں اور بائیں آنکھ کسی بات میں داہنی سے کم نہیں نہ ضروری ہونے

میں نہ کام دینے میں باقی یہ بات ضرور ہے کہ شریعت نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ من کل الوجوہ مساوات نہیں دی جیسا کہ اس زمانہ کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا خیال ہے۔

مسئلہ مساوات مرد و زن | وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ نا انصافی ہے کہ ایک صنف کو دوسری صنف سے

سے گھٹا دیا جائے۔ بیہوش تمہارا بائیں طرف رہنا ہی سلامتی کی بات ہے ہر چیز اپنے موقع پر اچھی ہوتی ہے۔ سُر کی چیز سُر ہی پر اچھی ہوتی ہے اور پاؤں کی چیز پاؤں میں اور اس میں سلامتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں عقل کم

ع راقم کہتا ہے کہ یہ غلطی ہے کہ ہر جگہ ایک صنف کو دوسری صنف کے برابر رکھا جاوے بلکہ لئے دو صنف کی ضرورت ہے بادشاہ کی اور رعایا کی کیا بادشاہ اور رعایا کو برابر کیا جاسکتا ہے گاڑی کے لئے ضرورت ہے مالک اور سائیس کی۔ کیا دونوں کو برابر کیا جاسکتا ہے بلکہ قاعدہ فطری یہ ہے کہ اگر دو چیزیں ایک چیز کا جزو ہوں اور دونوں میں کوئی وجہ ترجیح نہ ہو تو انکو باہم مرتبط رکھنے کے لئے ایک تیسری چیز کے ماتحت کر دیا جاتا ہے جیسے جگر و دماغ بدن کے اجزاء ہیں دونوں کو مرتبط رکھنے کے لئے دل کا تحت کر دیا گیا اسی واسطے دل ایک ہی ہوتا ہے ورنہ دو دل ہوں گے تو ان کو مرتبط رکھنے کے لئے تیسرے دل کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر وہ دونوں چیزیں برابر کی نہ ہوں بلکہ

ایک میں کوئی وجہ ترجیح کی ہو تو اس کو ایک دوسرے پر حاکم اور دوسرے کو محکوم بنایا جاتا ہے جیسے رعایا اور بادشاہ اور گاڑی کے مالک اور سائیس کی مثال گزری بنا بریں جب کہ عورت و مرد و صنف ہیں انسان کی اور ایک میں وجہ ترجیح کی موجود ہے اور وہ قوت عقلیہ و جسمانیہ کا زیادہ ہونا ہے تو عورت کو مرد کی برابر کرنا خلاف فطرت

ہوتی ہے اور جس میں عقل کم ہو اُس سے ہر کام میں غلطی کرنے کا احتمال ہے
لہذا اُس کے واسطے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ عقل والے کا تابع ہو،
اسی واسطے حق تعالیٰ نے مردوں کو اُن پر حاکم بنایا چنانچہ فرماتے ہیں :

الرجال قوامون على النساء

تاکہ ان کے کام سب انکی نگرانی میں ہوں اور غلطی سے حفاظت رہے
اس کا نام سختی نہیں ہے بلکہ یہ تو عین عدل و حکمت و شفقت ہے دیکھو
بچے ناقص العقل ہوتے ہیں اب اگر اُن کو خود سر بنا دیا جاوے اور وہ
کسی کے تابع ہو کر نہ رہیں تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ پس یہ حق تعالیٰ کی نہایت
رحمت ہے کہ عورتوں کو خود سر نہیں بنایا ورنہ ان کا کوئی کام بھی درست
نہ ہوتا دین اور دنیا سب کاموں میں ان سے غلطیاں ہوا کرتیں خود سری میں
بڑی مصیبت ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

واعلموا ان فيكم رسول الله لو يطيعكم في كثير

من الامر لعنتم۔

یعنی خوب سمجھ لو اے مسلمانوں کہ تمہارے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر بہت سی باتوں میں یہ تمہارا کہنا مانتے تو تم بڑی مصیبت
میں پڑ جاتے مطلب یہ ہے کہ تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو کر رہنا چاہیے
نہ یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے تابع ہوں اگر ایسا ہوتا کہ رسول صلی اللہ
علیہ وسلم تمہارے تابع ہوتے تو تم مصیبت میں پڑ جاتے معلوم ہوا کہ عافیت
اور سلامتی اسی میں ہے کہ چھوٹا بڑے کا اور ناقص العقل کامل کا تابع ہو کر
رہے غور کرنے کی بات ہے کہ آیت میں یہ نہیں فرمایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے
تابع ہو کر رہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے گی بلکہ یہ فرمایا کہ خود تم مصیبت میں
پڑ جاتے معلوم ہوا ————— کہ چھوٹے کو بڑے کا تابع ہو کر

رہنے میں خود چھوٹے کا نفع ہے اسی طرح اگر تم مردوں کے تابع رہو تو یہ تمہارے
 ہی واسطے سلامتی اور عافیت ہے۔ غرض اس کو بڑی رحمت سمجھو کہ حق تعالیٰ
 نے تم کو خود سر نہسیں بنایا ورنہ تمہارے لئے بڑی مصیبت ہوتی۔ کیونکہ اول
 تو عورتوں میں سمجھ کم ہوتی ہے۔ دوسرے ان میں ضد کا مادہ بھی ہے کہ جس کام
 پر اڑ جائیں گی اُس کو کر کے ہی چھوڑیں گی تو ان کو دُور سے تکلیف پہنچتی ہے
 ایک تو عقل کم ہونے سے کہ جو کام کرتیں بے سوچے سمجھے اور بلا غور و فکر کے
 کرتیں۔ پھر ضد کا مادہ ان میں اس قدر ہے کہ جو چڑھ گئی سو چڑھ گئی گو معلوم
 بھی ہو جاوے کہ یہ کام مضر ہے مگر اُس کو چھوڑ نہیں سکتیں (چنانچہ دیکھا ہوگا کہ
 ذرا ذرا سی بات پر عورتیں کنویں میں کود پڑتی ہیں اس حماقت کا منشاء کم عقلی
 اور ضد ہی تو ہے) پس عورتوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو تابع بنایا جاوے
 انکے اوپر کوئی ایسا حاکم مسلط رہے جو ان کو ہر وقت سنبھالتا رہے۔ جیسے پیر
 مرید کی اصلاح کیا کرتا ہے مگر ان کے لئے بیعت کا پیر کافی نہیں کیونکہ وہ ہر وقت
 اُن کے پاس کیسے رہ سکتا ہے اُن کے لئے بیت کا پیر چاہئے یعنی گھر کا پیر
 جو گھر میں ہر وقت موجود رہے وہ کون ہے؟ وہی گھر والا یعنی خاوند۔ یہ پیر
 اور قسم کے پیروں سے بہتر اور افضل اور انکے لئے نفع ہے اور اسی کا رتبہ
 سب سے زیادہ ہے اور بعض عورتوں کے لئے بجائے بیعت کا بیت کا پیر بہت نافع ہے
 یعنی جو عورتیں مہذب اور شائستہ سمجھدار ہیں ان کے لئے تو بیت کا پیر کافی ہے یعنی خاوند
 اور جو عورتیں غیر مہذب اور کم سمجھ اور بدتمیز ہیں اُن کے واسطے پیر کا پیر ہونا
 چاہئے جو آلہ ضرب ہے۔ رتبہ کے لفظ پر ایک کام کی بات یاد آگئی عورتوں
 میں مشہور یہ ہے کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ سب سے زیادہ ہے یہ محض غلط
 ہے اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔

حقوق والد و پیر | اسی طرح مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا

نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے امیر اُن کے پاس کوئی

شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے جس کے مقدمات یہ ہیں لغوی باپ سے

تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا، اُس کا رتبہ اُس باپ

سے زیادہ ہونا چاہیے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو۔ ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم

ہے کہ پیر روحانی باپ ہے مگر یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ روحانی باپ کا رتبہ جسمانی

باپ سے زیادہ ہے اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ آئے ہیں۔

اُن کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اُسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا

ہے۔ پس بدون حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے

صحیح ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقتہً باپ ہے وہ باعتبار دنیا

کے باپ ہے۔ اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے پس حقیقی باپ کی

طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔

ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔

اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپ کا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں

میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اُس سے منع کرے

تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اس وقت نماز فرض پڑھو اور باپ

کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے اُس میں حرج ہوگا اس وقت

نسازمت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں

کہا جاوے یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتا دینا والا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ

خدا کا حکم سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدم اُن ہی احکام

میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی

اُس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ

نہیں محض مرغوب فیہ نہیں اور اگر پیر یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کر لو اور باپ کہتا ہے کہ وہاں شادی مت کرو تو اس صورت میں باپ کا حکم مقدم ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ بڑا بڑا مت کرو ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھو افراط و تفریط نہ کرو پیر کا رتبہ ہر بات میں باپ سے زیادہ نہیں بہت سے مرد بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں کہ پیر کا رتبہ مطلقاً باپ سے زیادہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے عرض کی اور عورتوں میں تو اس غلطی میں مبتلا ہیں ہی کہ پیر کا رتبہ خاوند اور باپ دونوں سے زیادہ سمجھتی ہیں اور انہیں عورتوں کا تو قصور ہے ہی کہ وہ جاہل ہیں مگر زیادہ قصور آجکل کے پیروں کا ہے کہ ان کی تعلیم ہی یہ ہے کہ پیر کا حق مطلقاً سب سے مقدم ہے۔

حقیقت پیری مریدی | آجکل کے پیروں نے دین کا ناس کر دیا ہے پیر ہو ایسا ہو جیسا ہمارے حضرت حاجی صاحب تھے حضرت نے میرے واسطے میری حاضری مکہ کے وقت یہ تجویز فرمایا تھا کہ ہمارے پاس چھ مہینے رہو اس وقت والد صاحب بھی حج کو تشریف لے گئے تھے میں نے اُن سے اجازت چاہی تو والد صاحب نے فرمایا، میرا جی گوارا نہیں کرتا مجھے مفارقت سے رنج ہوتا ہے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ والد صاحب یوں فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ باپ کا حکم مقدم ہے باپ کی اطاعت فرض ہے تم اب توجاؤ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی آؤ گے۔

۱۵ راقم کہتا ہے کہ موٹی بات ہے کہ پیر کا رتبہ باپ سے کتنا ہی زیادہ سمجھا جاوے مگر وہ لوگ بھی جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اس کے قائل نہیں کہ میراث میں بھی باپ سے پیر مقدم ہے کہ اگر کوئی مر جاوے اور باپ و پیر کو چھوڑ جاوے تو ترکہ بچائے باپ کے پیر کو دے دیں یا کچھ بھی اس کا حصہ قرار دیں۔ ۱۲ جامع وعظ :

اللہ کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے زندگی بھی اتنی دی کہ دوبارہ جانے کی توفیق ہوئی اور روپیہ بھی دیا کہ چھ مہینے کامل حضرت کی خدمت میں رہنا نصیب ہو گیا واقعی شیخ ہو تو ایسا ہو کوئی دوسرا شیخ ہوتا تو اُسی وقت خفا ہو جاتا اور کہتا بس میاں جاؤ گھر بیٹھو جب باپ تمہیں نہیں چھوڑتا اور تم باپ کو نہیں چھوڑتے تو پیری مریدی کا نام کیوں لیتے ہو۔ جاؤ باپ کے پاس رہو مگر ہمارے حضرت شریعت کے پابند تھے، سنت کے پابند تھے آپ نے شریعت کا لحاظ مقدم رکھا اطاعت والدین کو ضروری سمجھا اس اتباع سنت کی یہ برکت ہوئی کہ دونوں دولتیں نصیب ہوئیں یعنی والد صاحب کی اطاعت بھی نصیب ہوئی اور حضرت کی خدمت میں رہنا بھی ہو گیا اسی طرح خوب سمجھ لو کہ خاوند کی برابر پیر کا حق نہیں ہے۔ اب عورتوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ خاوند سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتیں جب جی چاہا پیر صاحب کے یہاں چلیں اور بعضی تو یہ غضب کرتی ہیں کہ پیر سے پردہ بھی نہیں کرتیں اور خاوند کو چھوڑ کر پیر صاحب کے یہاں پڑی رہتی ہیں وہیں رہنا اختیار کر لیا ہے اور پیر صاحب اس پر فخر کرتے ہیں کہ اتنی عورتیں ہماری مسخر ہیں بے شک وہ تو مسخر ہو گئی ہیں مگر تم مسموخ ہو گئے ہو۔ افسوس ایک طوفان بے تمیزی پھیلنا ہوا ہے آج کل کے پیروں کو خاوند کے حقوق کی پرواہ ہے نہ بال بچوں کی نہ اعزاکم کی بس اس کا نام فقیری رکھ لیا ہے کہ تمام اہل حقوق کے حقوق ضائع کر کے پیر صاحب کے حقوق ادا کئے جائیں یہ سب باتیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں یاد رکھو جو شریعت کے خلاف کرے گا وہ پیر نہیں ہو سکتا پیر تو رسول کا نائب ہوتا ہے کہ جو تعالیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اُسکو بصیرت اور تجربہ کے ساتھ مریدوں تک پہنچاتا ہے تو جو شخص منیب کے خلاف

عمل و تسلیم کرتا ہے تو اُس کو منیب کا نائب کہنا کہاں درست و جائز ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہیں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بمبئی میں سنا ہے کہ ایک پیر ایسے تھے جو عورتوں کو زبردستی اپنے سامنے بلاتے تھے اور کہتے تھے دیکھو جی تم ہم سے اس لئے مُرید ہوئی ہو تاکہ قیامت میں تم کو بخشوائیں گے سو جب ہم تمہیں دیکھیں گے نہیں تو ہم قیامت میں کیسے پہچانیں گے اور کیسے بخشوائیں گے۔ ایک شخص نے اس کے جواب میں خوب کہا کہ قیامت میں تو ننگے اٹھیں گے اور تم نے یہاں اپنی مُریدنیوں کو کپڑا پہنے دکھا ہے تو وہاں ننگیوں کو کیسے پہچانوں گے لہذا ان کو بالکل ننگا کر کے دیکھنا چاہیے۔ بس پیر صاحب سے اس کا جواب کچھ نہ آیا اور اپنا سامنے لے کر رہ گئے ایک پیر صاحب کی حکایت سنی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مُرید سے رخصت کے وقت کہا کہ چند روز کو اپنی بیوی کو یہاں چھوڑ جاؤ وہ غیرت مند آدمی تھا اُس نے کہا کہ حضرت یہ تو نہیں ہو سکتا بس پیر صاحب ناراض ہو گئے۔ کانپور میں ایک پیر اپنے مُرید کے یہاں آئے اس نے اُن کو باہر مردانہ مکان میں ٹھہرا دیا تو وہ خفا ہو گئے کہ ہم کو زنانہ مکان میں کیوں نہ ٹھہرایا آج کل پیروں کے یہاں یہ آفت ہے کہ خود عورتوں کو پردہ نہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

صاحبو! یہ پیری مُریدی ہے یا رہزنی اور ڈاکہ ہے پیر تو خدا کا مقرب بنانے کے لئے ہوتا ہے مگر ان کی حرکیتیں خدا سے دُور کر نیوالی ہیں۔ یہ پیر خود خدا سے دُور ہیں دُوسرے کو کیا مقرب بنائیں گے۔

حقوق خاوند و پیر | بیہو! خوب سمجھ لو کہ دین کے کاموں اور احکام شرعیہ کے سوا باقی سب کاموں

میں خاوند کا حق پیر سے زیادہ ہے یعنی خاوند اگر ایک کام کا حکم کرے اور پیر اُس کو اس لئے منع کرے کہ وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس صورت میں خاوند کا

حکم نہ مانا جاوے گا بلکہ پیر کے حکم کو مانا جاوے گا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شریعت کے حکم کو مانا جاوے گا اور شریعت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو کہتے ہیں تو یوں کہو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خاوند کا حکم نہ مانا جاوے گا اور انہیں پیر والی عورت اور بے پیری سب برابر ہیں اگر کوئی عورت بے پیری بھی ہو تب بھی اُس کو وہی کرنا چاہیے جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو خلاصہ یہ کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تو بیشک خاوند کے حق سے زیادہ ہے باقی اوکھی کا حق خاوند سے زیادہ نہیں مگر چونکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عوام کو خود نہیں معلوم ہو سکتا بلکہ علماء یا مشائخ کے واسطے سے معلوم ہوتا ہے تو مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ احکام شرعیہ اور دین کی باتوں میں پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے اور اگر خاوند کا حکم دین کے خلاف نہ ہو تو اب اُس کے مقابلہ میں کسی کے حکم کو بھی ترجیح نہ ہوگی تو خاوند کا حکم سب سے زیادہ ہوا اس لئے میں نے کہہ دیا تھا کہ ان کے لئے بجائے بیعت کے پیر کی بیعت کا پیر سب سے افضل ہے اور یہ بیعت کا پیر کیسا اچھا پیر ہے کہ دین کی درستی بھی کرتا ہے اور کھانے پہننے کو بھی دیتا ہے دین کا بھی تمکفل ہے دنیا کا بھی بیعت کے پیر میں یہ بات کہاں دنیا کا نفع تو اُن سے کچھ ہے ہی نہیں بلکہ اُن کو اور گھر سے نذرانے دینا بیڑتے ہیں اور دین کا نفع بھی اُتنا نہیں ہو سکتا جتنا خاوند سے ہو سکتا ہے کیونکہ پیر صاحب سے اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ جب کبھی اُن سے کچھ پوچھا جاوے تو بتا دیں گے یا کبھی اُن کے پاس جانا ہو تو کچھ اصلاح ہو جاوے سو اسکی نوبت کہیں برسوں میں آتی ہے خصوص عورتوں کے لئے اور خاوند تو ہر وقت پاس موجود ہے وہ بات بات کی نگرانی کر سکتا ہے پس عورتوں کا خیال غلط ہے کہ پیر کا حق خاوند سے زیادہ ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ پیر سے ماں باپ کا حق بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے تم کو بڑی

محنت مشقت سے پالا اور محض محبت سے پالا ہے ————— کسی عوصی کی اُمید پر نہیں پالا اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اپنے آرام پر بچہ کے آرام کو ترجیح دی۔ یہ بات پر صاحب میں کہاں ہے وہ تو ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جلتے ہیں پھر نذرانہ بغیر ملتے ہی نہیں ہاں وہ قید دین کی ضرورت یاد رکھئے کہ ماں باپ کا حق دین کی باتوں میں پیر سے زیادہ نہیں یعنی اگر ماں باپ کسی دین کی بات کے خلاف حکم کریں۔ اور پیر کا حکم شریعت کے موافق ہو اس صورت میں ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی اور اسکی حقیقت وہی ہے کہ پیر کا یہ حکم دراصل خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو خداوند اور ماں باپ سب کے حکم پر ترجیح ہے۔ ہاں دین کی باتوں کے علاوہ دیگر امور میں پیر کے حکم پر ماں باپ کے حکم اور خداوند کے حکم کو ترجیح ہے۔ دیکھو! میری اس تقریر کو خوب سمجھ لینا اس میں غلطی نہ کرنا بہت لوگ یہ احکام عورتوں کے کانوں تک اس لئے نہیں جانے دیتے کہ اس سے پیروں کی وقعت اُن کے ذہن سے کم ہو جاوے گی مگر مجھے اسکی پرواہ نہیں مسلمانوں کا دین درست ہونا چاہئے اُن کے دل میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت ہونا چاہئے خواہ کسی اور کی ہو یا نہ ہو اس تقریر کو سنکر پیر صاحبان ضرور خفا ہوں گے اور دل میں کہیں گے کہ لو ہمارا زور گھٹا دیا ہم تو پیر تھے ہی اُس نے خداوند کو پیر بنا دیا بلکہ ہم سے بھی بڑا پیر بنا دیا اور ماں باپ کو بھی ہم سے بڑھا دیا میں کہتا ہوں کہ جب خدا نے ہی ان کو بڑھایا ہے تو کسی کا کیا اختیار ہے کہ ان کو گھٹا دے۔

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے جو عورتوں کو درجات مرد و زن | محکوم اور خداوند کو حاکم بنایا ہے اس کو سختی اور ظلم

نہ سمجھنا چاہئے بلکہ عورتوں کے حق میں یہ عین رحمت و حکمت ہے کیونکہ تابع ہونے میں بڑی راحت ہے اور مساوات میں کبھی نظام اور تمدن قائم نہیں ہو سکتا ہمیشہ جھگڑا

اور فساد ہی ہوتا ہے خوب یاد رکھو کہ دنیا اور دین دونوں کا نظام اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو۔ لوگ آج کل اتفاق و اتحاد کے لئے بڑی لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں اور تجویزیں پاس کرتے ہیں مگر جڑ کو نہیں دیکھتے یاد رکھو اتفاق و اتحاد کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو بڑا مان لیا جاوے اور سب اس کے تابع ہوں جس جماعت میں متبوع اور تابع کوئی نہ ہو سب مساوات ہی کے مدعی ہوں اُن میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو مساوات کا خیال تو عورتوں کو اپنے دل سے نکال دینا چاہیئے کیونکہ یہی فساد کی جڑ ہے اب دو ہی صورتیں رہیں یا تو عورتیں متبوع ہوں اور مرد تابع یا مرد متبوع اور عورتیں تابع اس کا فیصلہ انصاف کے ساتھ خود عورتوں کو ہی اپنے دل سے کر لینا چاہیئے کہ متبوع بننے کے قابل وہ ہیں یا مرد ہیں سلیم الفطرت عورتیں کبھی اس کا انکار نہیں کر سکتیں کہ عقل میں اور طاقت میں مرد ہی بڑھے ہوئے ہیں وہی عورتیں کی حفاظت و حمایت کر سکتے ہیں عورتیں مردوں کی ہرگز حفاظت نہیں کر سکتیں پس مردوں کو ہی متبوع اور عورتوں کو تابع ہونا چاہیئے یہی شریعت کا فیصلہ ہے اور اسی لئے اس جگہ بھی مردوں کا ذکر عورتوں سے مقدم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں مَنْ ذَكَرَ اَوْ اُنْثٰی اور یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں کا ذکر فرمایا آگے پیچھے کا فرق تو بہت تھوڑا فرق ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کی اس قدر ہمت بڑھائی ہے کہ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مردوں کی برابر ہی ہیں گو میں نے دوسری آیتوں کی وجہ سے اصل مسئلہ کی تحقیق بیان کر دی کہ فی الجملہ دونوں کے رتبہ میں فرق ہے ورنہ اس آیت سے تو مساوات کا بھی شبہ ہو سکتا ہے گو تقدیم و تاخیر پر نظر کر کے مساوات کے استدلال کو روکا جاسکتا ہے بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مرد و عورت دونوں اس قانون میں برابر ہیں کہ ہم کسی کا عمل ضائع نہ کریں گے پھر آگے بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ میں اسکی اور بھی تائید فرمادی یعنی

تم سب ایک دوسرے کے جُز و ہو یہ جملہ بمنزلہ تعیل کے ہے ماقبل کے لئے کہ
مرد و عورت اس قانون میں برابر کیوں نہ ہوں یہ تو آپس میں سب ایک ہی ہیں ایک ہی
نوع کے دونوں افراد ہیں خلقت میں بھی برابر ہیں کیونکہ مردوں کی خلقت عورتوں پر
موقوف ہے اور عورتوں کی خلقت مردوں پر وہ اُنکے لئے سبب ہیں اور یہ اُن کیلئے
اس مقام پر میں ایک علمی اشکال کو رفع کر

مساوات حقوق مرد و زن

دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن مجید میں بعض

آیتیں اس قسم کی بھی ہیں جن سے سرسری نظر میں مردوں اور عورتوں کی مساوات ثابت ہوتی
ہے مثلاً وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ
مِنْ بَعْضٍ جِسْمُكَ حَاصِلُ يہ ہے کہ اُپر محرمات کا بیان تھا اُس کے بعد بیان فرمایا
کہ اُن کے سوا جن عورتوں سے چاہو نکاح کر سکتے ہو ہاں مہر دینا ہوگا اور جنکو آزاد
عورتیں میسر نہ ہوں بوجہ اُن کے اخراجات زیادہ ہونے کے تو اُن کو چاہیے کہ مسلمان
لوٹریوں سے نکاح کر لیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ
اور تمہارے ایمان کا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ (لیکن ظاہری ایمان کے اعتبار سے)
تم سب ایک دوسرے سے بنے ہو غرض یہاں بھی وہی لفظ ہے بَعْضُكُمْ مِنْ
بَعْضٍ یعنی تم سب ایک ہی ہو مگر یہ آیت اپنے سیاق سے مساوات میں بظاہر اُس
سے زیادہ صاف ہے پہلی آیت میں تو احس کا بیان ہو رہا ہے یعنی فَأَسْتَجَابَ
لَهُمْ رَبُّهُمْ بِالْخَيْرِ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ کے ساتھ اس کا بھی بیان ہے کہ مساوات اس
بات میں ہے کہ کسی کا عمل ضائع نہ کیا جاوے گا چاہے
مرد ہو یا عورت عدم اضاعتِ عمل میں سب مساوی ہیں مگر اس آیت میں بظاہر
کوئی بھی قید نہیں کہ کس بات میں مساوات ہے بس مطلقاً فرمادیا بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ۔

پھر مساوات بھی ایسی عام کہ لونڈی باندی کو آزاد مسلمانوں کے ساتھ، غرض اس آیت سے بھی بظاہر عدم تفاوت ثابت ہوتا ہے گو جو از نکاح میں بعض امثہ کے قول پر من کل الوجہ مساواة نہ ہو کیونکہ آیت میں یہ قید لگی ہوئی ہے کہ جس کو آزاد عورتوں کی قدرت نہ ہو وہ باندیوں سے نکاح کرے معلوم ہوا کہ آزاد عورت اور باندی برابر نہیں سو یہ تفاوت ایک امر خاص میں ہے یہ اس مساوات میں خارج نہیں جس کو میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ خاص خاص صفات میں تو مردوں میں بھی تفاوت ہو سکتا ہے مثلاً بڑے چھوٹے میں یا امیر غریب میں باپ بیٹے میں عالم جاہل میں وغیرہ وغیرہ سو اس قسم کا تفاوت قابل اعتبار نہیں آخر بعضکم من بعض کے کچھ تو معنی ہیں، ایک آیت اور یاد آئی یہ وَلَكُمْ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهَا بِالْمَعْرُوفِ یعنی عورتوں کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں جیسے اُن کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں، یہ وہ آیات ہیں جن سے عورتوں کی مساوات مردوں سے مفہوم ہو سکتی ہے۔ مگر اسکے ساتھ دوسری آیتوں کو بھی بلانا چاہیے جن میں مردوں کی فوقیت عورتوں پر ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے :

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ
نیز ارشاد ہے :

وَاللِّرِّجَالُ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

اور یہ آیات مردوں کی فوقیت اور فضیلت ثابت کرنے میں بالکل صریح ہیں اور جن آیات سے مساوات ثابت ہوتی ہے وہ اس مدلول میں صریح نہیں بلکہ قرآن مقامیہ سے خاص امور میں مساوات بتلاتی ہیں چنانچہ اَقِفْ لَا اُضِيعُ عَمَلِ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذِكْرِهِمْ اَوْ اَمْنًا بِعَضُنْكُمْ مِنْ بَعْضٍ

میں عدم اضاعت عمل میں مساوات بتلائی گئی اور وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ میں انسانیت اور آدمیت یا ایمان میں مساوات بتلائی گئی ہے کہ

باندی کو حقیر نہ سمجھو تم سب آدم و حوا کی اولاد ہو یا سب اہل ایسان ہو اور
 وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے
 حقوق بھی لزوم و وجوب میں مردوں کے حقوق کی برابر ہیں گو باعتبار نوعیت کے
 دونوں کے حقوق میں تفاوت ہو ورنہ مساوات کلی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عورتوں پر بھی
 مردوں کے لئے مہر اور نان نفقہ لازم ہو حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں باقی اس سے انکار
 نہیں کہ بعض حقوق اور بعض امور میں یعنی حقوق مشترکہ میں عورتیں مردوں کی برابر ہیں
 وہ ایسی گھٹیا نہیں ہیں، جیسا مردوں نے انہیں سمجھ رکھا ہے مگر افسوس آج کل
 ہم عام طور سے یہ شکایت سنتے ہیں کہ غریب عورتیں کہتی ہیں کہ مردوں کے تو کیا کچھ حقوق
 ہمارے اوپر ہیں اور ہم بالکل جانوروں کی طرح اُن کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ ماریں پیٹیں یا ذبح
 کریں ہم کچھ نہیں بول سکتے پس سن لو کہ اللہ سبحانہ کیا فرما رہے ہیں اور مرد بھی سن لیں
 ذرا کان کھول لیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے ان کے اوپر مردوں کے حقوق ہیں ویسے
 ہی ان کے بھی مردوں پر ہیں پھر یہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی کہ ہم جانوروں کی طرح ہیں
 اس شکایت کی اصل وجہ یہ ہے کہ مردوں نے اُن کے کان میں اتنا ہی ڈالا ہے کہ ہمارے
 حقوق تمہارے اوپر استقدر ہیں اور یہ بات بالکل اُن کے کان تک نہیں پہنچائی کہ تمہارے
 بھی کچھ حقوق ہمارے اوپر ہیں اور عام مرد تو ایسی بات اُن کے کان تک کیوں ہی پہنچنے
 دیتے کیونکہ اپنے خلاف ہے۔

مگر غضب تو یہ ہے کہ واعظ صاحبان نے بھی
حقیقت حقوق العباد | کبھی اس مضمون کو بیان نہیں کیا جب بیان

کیا تو یہی کہ عورتیں ایسی بُری ہیں اُن میں یہ عیب ہے اور وہ عیب ہے عورتیں تو سرتاپا
 عیب ہی عیب ہیں گویا دورخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں اس سے بیچاری عورتیں
 یہ سمجھ گئیں کہ ہم ایسی بُری ہیں اور سرتاپا عیب ہیں تو ہمارے حقوق مردوں کے ذمہ

کیا ہوتے بس یہی بہت ہے کہ ہم کو نان و نفقہ دیدیا جاوے۔ صاحبو! جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے حقوق مقرر فرمائے ہیں تو اُن کو کون بدل سکتا ہے مرد اگر اُن کا حق نہ دیں گے تو حق العبد کے گنہگار ہوں گے جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں دیکھ لیجئے کس قدر صاف ہیں اس باب میں اور اُن سے کس قدر حقوق عورتوں کے ثابت ہوتے ہیں صرف نان و نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اسکی دلجوئی کی جائے حدیث میں **اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ** یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو ہر طرح اُس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جو انمردی کے خلاف ہے۔ دلجوئی کے معنی

لے پوری حدیث یہ ہے۔ **الاداء استوصوا بالنساء خيرا فانما هن عوان عندكم ليس تملكون منهن شيئا غير ذالك الا ان يأتين بفاحشة مبينة فان فعلن فاستجروهن في المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح فان اطعنكم فلا تغروا عليهن سبيل الا ان لكم على نسائكم حقا والنساء لكم عليكم حقا فحکم عليهن ان لا يرطنن فرشکم من تکرهون الا وحقن علیکم ان تحسنوا اليهن في کسوتهن وطلعهن** ترجمہ اسن لو میری نصیحت عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق قبول کرو کیونکہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں اس سے زیادہ کچھ اختیار تم کو ان پر نہیں ہے لیکن وہ اگر کوئی نامناسب کام کریں تو اُن کو الگ سلاؤ اور (اگر یہ کافی نہ ہو تو) ان کو مارو مگر سخت مار نہ ہو پھر اگر وہ مطیع ہو جاویں تو ان کو کچھ نہ کہو سن لو کہ کچھ تمہارے حق عورتوں پر ہیں اور کچھ حقوق عورتوں کے تمہارے اوپر ہیں تمہارے حق عورتوں پر ہیں کہ تمہارے فرش پر ایسے شخص کو نہ بٹھلا دیں جس کو تم ناگوار سمجھتے ہو یعنی گھر میں بلا اجازت کسی کو آنے نہ دیں۔ سن لو اُن کا حق تمہارے اوپر یہ (بھی) ہے کہ اُن کو اچھی طرح کھانے پہننے کو دو ۱۲ رکاتب۔

یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کر جس سے اُس کا دل دُکھے، دل کو تکلیف ہو، بیہوش ہو، اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو۔ نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مت کر و بھلا اسکی تحدید کیسے ہو سکتی ہے۔ اب کہا جاسکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں اس حدیث میں ایک اور نکتہ پر متنبہ کرتا ہوں کہ لفظ عوان سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ مقید ہی ہو کر رہنے کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشاء حیل ہے اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا اپنی ظلم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے اگر کوئی عورت اس کو بجانے دلجوئی کے ظلم سمجھے تو وہ غور نہیں اُس سے اس وقت کلام نہیں یہاں اُن عورتوں سے بحث ہے جن میں عورتوں کی فطری حیا موجود ہو، بے حیاؤں کا ذکر نہیں افسوس ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں فطری اُمور کو بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

ترغیب پردہ نسواں | صاحبو! پردہ اول تو عورت کے لئے فطری امر ہے دوسرے مصالح عقلیہ بھی اسی کے مقتضے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے مگر آجکل بعض ناواقبت اندیش پرے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ پردہ کے توڑنے میں قطع نظر خلاف شرع اور گناہ ہونے کے اتنی غرابیاں ہیں کہ آج جو عقلاء پردہ کی مخالفت کرتے اور پردہ اٹھا دینے کی کوششیں کرتے ہیں اُن غرابیوں کو دیکھ کر بعد میں خود ہی یہ تجویز کریں گے کہ پردہ ضرور ہونا چاہیے مگر اس وقت بات قابو سے نکل چکی ہوگی اب تو بنی بنائی بات ہے اس کو نہیں بگاڑنا چاہیے پھر بچھتا میں گے اور کچھ بھی نہ ہو سکے گا آج کل

ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ کوئی پردہ کو خلاف فطرت کہتا ہے کوئی قید اور حبس عجیب کہتا ہے ایک مسلمان انجینئر تھے اُن سے ایک پادری انجینئر نے کہا کہ مسلمان مذہب بہت اچھا ہے اسمیں سب خوبیاں ہیں سو اسکے کہ عورتوں کو قید میں رکھا جاتا ہے مسلمان انجینئر نے کہا کہاں؟ ہم نے تو کسی مسلمان عورت کو قید میں نہیں دیکھا کیا وہی قید جس کا نام تم نے پردہ رکھا ہے قید کے لفظ پر یاد آیا کہ ایک انگریز نے بہاولپور میں شاہی محلات کی سیر کی تو یہ داد دی کہ ہاں مکانات تو بہت اچھے ہیں مگر مہذب جیل خانے ہیں (خیر معذب جیل خانے تو نہیں ہیں) تو ان مسلمان انجینئر صاحب نے پادری سے کہا کہ پہلے آپ یہ بتلائیے کہ قید کس کو کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قید جس خلاف طبع کو کہتے ہیں اور جو جس خلاف طبع نہ ہو اُس کو قید ہرگز نہ کہیں گے ورنہ پاخانہ میں جو آدمی پردہ کر کے بیٹھتا ہے اس کو بھی قید کہنا چاہیے کیونکہ پاخانہ میں آدمی تمام آدمیوں کی لگا ہوں سے چھپ جاتا ہے سب الگ ہو جاتا ہے مگر اس کو کوئی قید نہیں کہتا کیونکہ یہ جس خلاف طبع نہیں بلکہ موافق طبع ہے اس لئے کوئی یہ نہیں کہتا کہ آج ہم اتنی دیر قید میں رہے اور فرض کرو اگر اُسی پاخانہ میں کسی کو بلا ضرورت بند کر دیا جاوے کہ باہر سے زنجیر لگا دیں اور ایک پہرہ دار کھڑا کر دیا جاوے اور اُس سے کہہ دیا جاوے کہ خبردار یہ آذنی یہاں سے نکلنے نہ پاوے تو اس صورت میں بے شک یہ جس خلاف طبع ہوگا اور اس کو ضرور قید کہیں گے اور اس صورت میں بند کر نیوالے پر جس بیجا کا مقدمہ قائم ہو سکتا ہے بتلائیے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں جس خلاف طبع نہیں اور دوسری میں خلاف طبع ہے پس ثابت ہوا کہ مطلق جس کو قید نہیں کہہ سکتے بلکہ جس خلاف طبع کو کہتے ہیں پس آپ کو پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں جو پردہ میں رہتی ہیں وہ انکی طبیعت کے موافق ہے یا خلاف اس کے بعد یہ کہنے کا حق

تھا کہ پردہ قید ہے یا نہیں میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ پردہ مسلمان عورتوں کے خلاف طبع نہیں ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لئے حیا۔ امر طبعی ہے لہذا پردہ جس موافق طبع ہوا اور اس کو قید کہنا غلط ہے اُن کی حیا کا مقتضا یہی ہے کہ پردہ میں مستور ہیں بلکہ اگر اُنکو باہر پھرنے پر مجبور کیا جاوے یہ خلاف طبع ہوگا اور اس کو قید کہنا چاہیئے۔ غرض عوان کے لفظ سے پردہ ثابت ہوتا ہے مگر نہ ایسا پردہ جو قید کا مصداق ہو یعنی پردہ تو ضرور ہو مگر پردہ میں اُسکی دلجوئی کے سامان بھی مہتیا ہوں یہ نہیں کہ میاں صاحب نماز کو جاویں تو باہر سے تالا لگا کر جائیں کسی سے اُس کو ملنے نہ دیں نہ اُس کی دُسر اہت کا سامان کریں بلکہ مردوں کو لازم ہے کہ پردہ میں عورتوں کی دلچسپی کا ایسا سامان مہتیا کریں کہ اُن کو باہر نکلنے کی ہوس ہی نہ ہو سمجھنے کی بات ہے کہ اگر مردوں کو کسی وقت وحشت ہوتی ہے تو باہر جا کر ہمجنسوں میں دل بہلا سکتے ہیں بے چاری عورتیں پردہ میں کیسی کس طرح دل بہلائیں تم کو چاہیئے کہ یا خود اُسکے پاس بیٹھو یا تم کو فرصت نہیں ہے، تو کسی اُسکی ہمجنس عورت کو اُس کے پاس رکھو اگر کسی وقت کسی بات پر شکوہ شکایت بھی کرے تو معمولی بات پر بُرا مت مانو تمہارے سوا اُس کا کون ہے جس سے وہ شکایت کرنے جائے اُسکی شکایت کو نازِ محبت پر محمول کرو۔

عشق خاوند | کیونکہ ہماری عورتوں میں محبت کا مادہ اس قدر ہے کہ سچ بچ عشق کا مرتبہ ہے۔ کا پنور میں دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتوں

نے خاوند کے ظلم اور مار پٹائی سے تنگ آ کر قاضی جی کے یہاں جا کر طلاق لینے کی درخواست کی قاضی جی نے کوشش کر کے طلاق دلوادی ساری عمر کی مصیبتوں اور مار پٹائی کی وجہ سے طلاق لے تولی مگر طلاق کے وقت زار زار روتی تھیں اور یہ حالت تھی کہ ابھی مرجائیں گی یا زمین پھٹ جائے تو اُس میں سما جائیں گی۔ عورتوں کی یہ بات بہت قابلِ قدر ہے کہ اُن کو خاوند سے عشق ہوتا ہے پھر کیا اُس کی یہی

قدر ہے کہ اُن کو تکلیف دی جائے یا ذرا ذرا سی ناگواری پر اُن کو الگ کر دیا جائے
کسی نے خوب کہا ہے :

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرے

عذرش بس از کند ز بعرے سخن

کہ جس سے ہر وقت راحت پہنچے اُس سے کسی وقت اذیت بھی پہنچے تو چشم پوشی
کرنا چاہیے حضرت لقمان علیہ السلام نے جو حکیم تو سب کے نزدیک ہیں اور بعض کے
نزدیک سچمیر بھی ہیں ایک باغ میں نوکری کر لی اس سے سبق لینا چاہیے کہ حلال پیشہ
کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے (مالک باغ ایک روز باغ میں آیا اور اُن سے ککڑیاں منگوائیں
اور اُس کو تراش کر ایک ٹکڑا اُن کو دیا یہ بے تکلف بکر بکر کھاتے رہے اُس نے
یہ دیکھ کر کہ یہ بڑے مزے سے کھا رہے ہیں یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے ایک
قاش اپنے منہ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی نہ ہر تھی فوراً تھوک دی اور بہت مزہ بنایا
پھر کہا اے لقمان تم تو اس ککڑی کو بڑے مزے سے کھا رہے ہو یہ تو کڑوی زہر ہے۔
کہا جی ہاں کڑوی تو ہے کہا پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے۔ کہا میں کیا کہتا مجھے
یہ خیال ہوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے اگر اُس ہاتھ سے ساری
عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اُس کو کیا منہ پر لاؤں۔ یہ ایسا اصول ہے کہ اگر اسکو
میاں بیوی دونوں یاد رکھیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو اور کوئی بدمزگی پیش نہ آوے بیوی
یاد کرے کہ میاں نے ہزاروں طرح کے ناز میرے اٹھائے ہیں ایک دفعہ سختی
کی تو کچھ بات نہیں اور خاوند خیال کرے کہ بیوی ہزاروں قسم کی خدمتیں میری کرتی ہے
ایک بات خلاف طبع بھی سہی حق تعالیٰ نے بھی یہ مضمون قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔
سفرش قرآن | مردوں کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس عمدہ پیرایہ
میں عورتوں کی سفارش کی ہے فرماتے ہیں :

وَعَمَلُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ
تَكُنَّ هُوَ أَشْيَاءً وَيَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

یہ ہے کتاب اللہ کہ اُس کی ایک اسی تسلیم کو دیکھ کر عقل سلیم والا کہہ اُٹھے گا کہ بے شک قرآن کتاب اللہ ہے فرماتا ہے عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اگر اللہ تعالیٰ اُس میں بہت بھلائیاں رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ ناپسند ہونا کسی وجہ ہی سے ہوگا اور زیادہ تر عورتوں کے ناپسند ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور یہ بات مرد کے لئے باعث اذیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا گویا وعدہ ہے کہ عورتوں کی بد اخلاقی وغیرہ کو بھی خیر کثیر کا سبب بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مثلاً اُس سے اولاد ہی ہو جائے گی جو قیامت میں اس شخص کی دستگیری کرے گی۔ (کیونکہ قیامت میں ایسا بھی ہوگا کہ کسی شخص کے گناہ اس قدر ہوں گے جس کی وجہ سے اُس کو دوزخ میں ڈال دینے کا حکم ہوگا مگر اس کا کوئی بچہ صغیر سن مر گیا ہوگا وہ کہے گا کہ میں اس وقت تک جنت میں نہ جاؤں گا جب تک میرا باپ نہ جائے گا چنانچہ اُسکی خاطر سے باپ کو جنت مل جائے گی حدیث میں اس قسم کی خبریں بکثرت آئی ہیں۔ کاتب انیز عورتوں کی زباں درازی کی صورت میں خیر کثیر اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ مرد اُسکی ایذا رسانی پر صبر کرے اور صبر کی جزا جنت ہے ہی اور جنت کا خیر کثیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو عورت سے تکلیف پہنچی وہ تھوڑی تھی چند روزہ تھی اور اُس کے غرض جو راحت آخرت میں حاصل ہوگی وہ یقیناً زیادہ ہوگی کیونکہ وہ باقی اور دائمی ہوگی تو عورتوں کا سبب خیر کثیر ہونا صحیح ہو گیا ان صورتوں میں مرد کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھے اور بیوی کی بد اخلاقی پر نظر نہ کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی کو روک ٹوک بھی نہ کرے اصلاح ضرور کرے مگر نرمی کے ساتھ

اور کبھی دھمکانا بھی بُرا نہیں مگر ستاوے نہیں اور زیادہ دھمکانا بھی اچھا نہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے اخلاق بیبیوں کے ساتھ ایسے عجیب تھے کہ اُجکل کے مدعیان تہذیب سُنیں تو شاید حیرت کریں مگر ہمیں اُنکی حیرت و استعجاب کی پرواہ نہیں ہم اُنکی بیوقوفی پر ہنسیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و افعات کو کسی کی نکتہ چینی کے خوف سے مخفی نہ رکھیں گے۔ ہمارا مذہب ایسا نہیں جس کی باتوں کو چھپا چھپا کر رکھا جادوے ہم علی رؤس الاشہاد اُنکو پیش کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دنیا میں سب لوگ بیوقوف ہی نہیں بستے بہت سے اہل عقل بھی دنیا میں موجود ہیں جو اُن باتوں کی قدر کریں گے۔

اخلاق رسول مقبول | کیونکہ ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بناوٹ

اور تصنع نام کو بھی نہ تھا اور یہ خاص دلیل ہے آپ کے سچا ہونے کی بناوٹ اور تصنع سے جھوٹا آدمی خالی نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے اپنی بیبیوں کے ساتھ حضرت عائشہؓ چونکہ سب بیبیوں سے کم عمر تھیں تو آپ اُنکی عمر کے موافق اُنکی دلجوئی فرمایا کرتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اُن کے ساتھ دوڑے بھی ہیں چونکہ حضرت عائشہؓ بچی اور چھریرے بدن کی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عمر کے تھے آپ کا جسم مبارک بھاری ہو چکا تھا اس دوڑ میں حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل گئیں کچھ عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ایک مرتبہ دوڑے اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے کیونکہ اب حضرت عائشہؓ کا ذرا بدن بھاری ہو گیا تھا عورتیں بہت جلد بھاری ہو جاتی ہیں ان کا نشوونما جلدی ہوتا ہے اس وقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ نکل سکیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم پہلے آگے نکل گئی تھیں۔ سبحان اللہ کیا ٹھکانا آپ کے اخلاق کا۔ میرے متعلقین میں ایک شخص ہیں جو مجھ سے

بیعت بھی ہیں ان میں متانت اور سنجیدگی زیادہ ہے جہاں بیٹھتے ہیں بڑے وقار کے ساتھ بیٹھتے ہیں کیا مجال ہو مہنسی آجاوے یا کسی سے کھل کر بات بھی کر لیں ایک دفعہ اس کے متعلق میں نے یہ تقریر کی کہ یہ سنجیدگی ہمیں پسند نہیں آدمی کو چاہیے کہ ہنستا بولتا رہے یہ کیا کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے ایسے آدمی سے کسی کو انس نہیں ہوتا آپ نے اس کا نام وقار رکھا ہے مگر دراصل یہ کبر ہے۔ بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون باوقار ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خذہ پیشانی تھے صحابہ کے ساتھ بولتے تھے لوگ جس قسم کی بات چیت کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک رہتے۔ ہمارا وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ میری عادت ہے کہ میں مدرسہ میں بیٹھ کر دوستوں کے سامنے اپنے گھر کے واقعات و حالات بھی کہہ ڈالتا ہوں (یعنی محالوں کے سامنے نہیں) اس سے بھی اُن صاحب کو اختلاف تھا وہ کہتے تھے کہ گھر کی باتیں مجمع میں بیان کرنا خلاف متانت ہے۔ انہوں نے تو یہ بات خیر خواہی سے کہی ہوگی لیکن میں اس کو غلط سمجھتا ہوں میں نے کہا مولانا متانت اسکو نہیں کہتے متانت بھی وہی ہے جو سنت سے ثابت ہو آپ اس متانت کی بدولت بعض سنتوں سے محروم ہیں اچھا سچ سچ بتاؤ کبھی تم نے اس سنت پر بھی عمل کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی نبی کے ساتھ دوڑنا اور بحمد اللہ مجھے یہ دولت نصیب ہوئی ہے ہم نے اس سنت پر عمل کیا ہے تم اس متانت ہی میں رہو گے جس کی بدولت سنت معاشرت مع الازواج پر کبھی عمل نصیب ہوگا یہ متانت نہیں بلکہ تکبر ہے یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دودھ لیتے ترکاری کاٹ لیتے اور گھر کے کاموں میں گھردالوں کی مدد فرماتے الحمد للہ اسپر بھی غسل کی توفیق ہوئی ہے حضرت یاد رکھیے طریق سنت یہ ہے کہ مسلمان سیدھا سادہ رہے بڑا بن کر نہ رہے یہ کیا کہ جہاں بیٹھیں ایسے بیٹھیں جیسے مجمع کے سردار ہیں ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تو اس طرح مل جل کر رہتے تھے کہ مجمع میں کوئی یہ بھی تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ سردار کون ہے۔ گھر کے اندر یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ بیبیاں روٹھ جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹال دیتے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیبیوں سے روٹھ گئے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئے تو دروازہ میں سے حضرت عائشہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا چلا کر بات کرتے ہوئے سنا غصہ آیا جب اندر پہنچے تو صاحبزادی عائشہؓ سے کہتے ہیں میں بھی سُن رہا ہوں کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بول رہی ہے۔ یہ کہہ کر ٹھانچہ مارنے کو ہاتھ اٹھایا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک لیا جب حضرت صدیقؓ چلے گئے تو حضور حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں دیکھا میں نے تم کو کیسا بچا لیا ورنہ پٹ گئی ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بعض ازواجِ مطہرات

حقیقت تاز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور سے بولتیں اور ضد کے ساتھ فرمائشیں کرتی ہیں وہ آئے تو اس وقت حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی بیٹی (موجود تھیں) اُن کو ڈانٹا کہ تم ڈرتی نہیں ہو۔ دوسری عورتوں کی ریس میں تم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور زور سے بولنا شروع کیا ہے یاد رکھو ہلاک ہو جاؤ گی (ازواج کا یہ زور زور سے بولنا اس وجہ سے تھا کہ وہ جانتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض نہ ہوں گے ورنہ رفع صوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سخت معصیت تھا) قصہ انکس میں جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں وحی نازل ہوئی تو اُن کے والدین نے اُن سے کہا قَوْمِیْ اِلَیْہِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ کا شکریہ ادا کرو تو آپ فرماتی ہیں : لَا وَاللّٰہِ لَا اَقُوْمُ اِلَیْہِ وَلَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰہُ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ بَرَاءَتِیْ اَدَکُمَا قَالَ

یعنی نہیں والدین تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں ہوا اللہ کے

اسی نے میری برائت نازل فرمائی۔ ظاہر میں یہ کتنا سخت لفظ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ ہی پر کہتی ہیں کہ میں تو نہیں اٹھتی نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاً ملال نہ ہوا کیونکہ ناز محبوبانہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں پہچان جاتا ہوں جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہوتی ہو عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح پہچان لیتے ہیں۔ فرمایا جب تم راضی ہوتی ہو تو اپنی بول چال میں یوں کہتی ہو لا و رب محمد۔ اور جب ناراض ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو لا و رب ابرہیم۔ (اس وقت رب محمد نہیں کہتی) کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی آپ کا خیال ٹھیک ہے مگر میں غصہ کی حالت میں بھی صرف آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں اپنی دل سے آپ کو نہیں بھولتی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ بہت تعلق تھا۔ حضرت عائشہؓ بھی سب سے زیادہ آپ کی عاشق تھیں ان ہی کا یہ شعر ہے

لواحي زلنجا لو رائن جبینہ
لاثرن بالقطع القلوب علی السید

حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق زار تھیں مگر پھر بھی کبھی اینٹھ جاتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ کہتے کیونکہ درحقیقت یہ ناراضی نہیں تھی بلکہ ناز تھا یہ ایسا ہے جیسے کبھی رعایا بادشاہ سے خفا ہو جاتی ہے اور وہ ان کو سزا نہیں دیتا بلکہ ان کے کہنے کے موافق کر دیتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ انتقام سے عاجز ہے بلکہ نہایت درجہ شفیق ہے اور رعایا کی ناز برداری کرتا ہے یہ ہے طرز معاشرت سنت کے موافق اب جو لوگ تسامت و وقار کو لئے پھرتے ہیں وہ اسی میں رہیں۔ ہم نے ایک دلی ملک کی زیارت کی ہے (ان کا نام نہیں لیتا ہوں) وہ اس قدر خلیق اور نرم تھے کہ ان کی بیوی کبھی کبھی ان کو پیٹ بھی لیتی تھیں۔ خیر یہ تو دواہیات ہے کہ میاں بیوی

کے ہاتھ سے پٹا کرے مگر اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ وہ کس قدر خلیق تھے ؟
 ورنہ ایک کے دو لگاتے یہ بنی بنی صاحب کی بدتمیزی تھی کہ وہ میاں پر ہاتھ اٹھاتی تھیں
 اور میاں کا ڈھیلا پن تھا کہ بنی بنی کو اتنا گستاخ کر دیا گیا تھا صرف نواب صاحب کی وسعت
 اخلاق دکھلانے کے لئے یہ حکایت زبان پر آگئی باقی بیوی کے ہاتھوں سے پٹنا پٹانا تو
 بڑا دہیات ہے میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر اپنا رعب اتنا نہ بڑھانا چاہیئے کہ میاں
 بالکل ہوا ہی ہو جاوے کہ ادھر میاں نے گھر میں قدم رکھا اور بنی بنی کا دم فنا ہوا ہوش
 ہوا اس بھی جاتے رہے بیچاری کے منہ سے کوئی بات نکلی یا کوئی چیز مانگی اور ڈانٹ ڈپٹ
 شروع ہو گئی کہ تم بہت فضول خرچ ہو اس چیز کی کیا ضرورت تھی، اس چیز کی کیا
 ضرورت ہے ————— ؟

بعض لوگ ضروری کھانے پینے میں بھی عورت پر تنگی کرتے
 ہیں اور اسی کے لئے اصول مقرر کرتے ہیں مثلاً چار آنے روز

خسریہ زوجہ

سے زیادہ نہ دیں گے چاہے کوئی مہمان آوے یا کوئی بیمار ہو جاوے بات بات پر کہتے
 ہیں کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے گا بھلے مانس عورت تو اہل وصول ہے اہل اصول نہیں
 ہے۔ تم بڑے اہل اصول ہو تو ذرا اپنی ذات کے لئے پابندی کر کے دکھلاؤ اپنے
 واسطے تو کوئی رقم دو آنہ چار آنہ یا روپیہ کی مقرر کرو کہ اس سے زیادہ کسی حال میں
 خرچ نہ کرو گے خواہ بیماری ہو یا شادی یا غنی ہو یا کوئی آفت ناگہانی مثلاً
 کوئی مقدمہ آپ کے سر پر جاوے پھر دیکھیں کہ آپ اصول کی پابندی کہاں تک کرتے
 ہیں سب اصول رکھے رہ جائیں گے ذرا سی دیر میں سینکڑوں روپیہ پر پانی پھر جاوے
 گا پھر غریب بیوی کے ساتھ ہی کیوں اصول بگھارتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں
 کو فضول خرچی کی اجازت دیدی جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جتنی وسعت تم کو
 دی ہے جیسا تم اپنی ذات کے لئے خرچ کرتے ہو ویسا ہی اس کو بھی خرچ کرنے

دو شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو اس کو پریشان اور تنگ مت کرو نہ ان نفقہ فراغت کے ساتھ اس کی دلجوئی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو اور حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر نظر رکھو۔ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُنَّ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔

مسلمانوں کو بیبیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل و معاشرت کی موافق عمل کرنا چاہیے متانت وغیرہ کو بالائے طاق رکھنا چاہیے متانت وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال میں ہے خوب سمجھ لو۔

بیان یہ ہو رہا تھا کہ قرآن میں عورتوں اور مردوں کے متعلق مسئلہ تساوی | آیتیں مختلف مضامین کی آئی ہیں ایک وہ آیت ہے جس کا

بیان ہو رہا ہے جس سے مردوں عورتوں کی تساوی معلوم ہوتی ہے اور بعض آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے مثلاً وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے زیادہ ہے اس کے آگے ہے۔

یہ جملہ تعلیلیہ ہے جس کا حاصل یہ ہوا اس فضیلت میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی ہے جو غالب ہیں ان کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں اور یہ حکم نزاحا کما نہ بھی نہیں کیونکہ وہ حکم بھی ہیں انہوں نے جو کچھ بھی حکم دیا ہے حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لہذا کچھ چوں و چہراں کی گنجائش نہیں ایک آیت اور یاد آئی وہ یہ ہے : وَلَا تَمْتُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ :

جس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہ نے حسرت کے ساتھ تمنا کی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد کرتے۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں حق تعالیٰ نے ایسی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ممانعت کا عنوان یہ ہے کہ ہم نے

جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اسکی تمنا ایک دوسرے کو نہ کرنی چاہیے
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اسی لئے تو
حضرت ام سلمہؓ نے مرد ہونے کی تمنا کی تھی۔ آگے اس آیت میں ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

یعنی مردوں کو ان کے عمل کی جزا ملے گی اور عورتوں کو ان کے عمل کی اس جگہ میں
عورت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدار عمل پر ہے اور جب مدار عمل پر ہے تو اگر عورت
عمل زیادہ کرے تو مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے حاصل یہ کہ یہ تین آیتیں ہیں ایک سے
تساوی ثابت ہوتی ہے مرد و عورت میں اور ایک سے فضیلت مردوں کو عورتوں پر
اور ایک سے یہ کہ عورت مرد سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ ان آیتوں میں سے کسی ظاہرین کو
تعارض کا شبہ ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں ہے اور اس کا فیصلہ خود
قرآن کی آیتوں میں موجود ہے اور یہ خاص شان ہے قرآن کی کہ لَفِیْسَرُ بَعْضُهُ بَعْضًا
یعنی قرآن اپنی شرح خود کرتا ہے اسکو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آتا ہے ۵

آفتاب آمد دلیل آفتاب

مگر دلیلت باید از دے ردمتاب

سورج کے وجود کی دلیل یہی ہے کہ دیکھ لو سورج نکلا ہوا ہے اور دلیل
کیا ہوتی ہے یہی قرآن کی شان ہے کہ جہاں کوئی اشکال پیدا ہو غور کرو، وہیں اس کا
حل بھی ہوگا اب آیتوں میں غور کیجئے پہلے میں ایک قاعدہ بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ
لیجئے پھر دیکھئے کہ آیتوں میں تعارض کہاں ہے؟

وہ قاعدہ یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں ایک خلقی اور ایک
مکتبہ خلقی کہتے ہیں پیدائشی کو اور مکتبہ کہتے ہیں اُن صفات

کو جو اختیار اور کسب سے حاصل ہوتی ہیں تو صفات خلقیہ میں تو مرد و عورتوں سے بڑھے

ہوئے ہیں جیسے کمال عقل شجاعت قوت عمل، تدبیر ان ملکات میں حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ عورت چاہے کیسی امیرزادی ہو کتنی ہی حسین و جمیل ہو چونکہ ان صفات میں وہ مردوں سے گھٹی ہوئی ہے اس لئے فرمایا گیا وَلِلرِّجَالِ عَلَىٰ هَٰذِهِ الدِّجَةُ اور جو صفات مکتسب ہیں یعنی جو حاصل ہوتی ہیں اور عمل اور اختیار سے جیسے اصلاح اخلاق و اعمال وغیرہ ان میں نہ مرد کو بڑھا ہوا کہہ سکتے ہیں نہ عورت کو بلکہ جو زیادہ کام کرے اور اخلاق فاضلہ اختیار کر لیا وہی بڑھا ہوا ہوگا اگر مرد کوشش کر لیا تو مرد بڑھ جاوے گا عورت کوشش کرے گی تو عورت بڑھ جاوے گی یہ حاصل ہے وَلِلرِّجَالِ فَضِيلَةٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ فَضِيلَةٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ : کا ان دونوں کے علاوہ ایک قسم فضیلت کی اور ہے جس کو اصطلاح میں فضیلت اضافی کہنا چاہیے کیونکہ اس فضیلت کا منشأ خالق و عید کا تعلق ہے یعنی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہ ہونا، سو یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے اس میں مرد و عورت دونوں مساوی ہیں عمل

کسی کا ضائع نہ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ ہر عامل کے عمل میں تفاوت ہو لیکن اس قانون میں مساوات ہے گی کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ تین قسم کے فضائل ہوئے فضائل خلقیہ اور فضائل مکتسبہ اور فضائل اضافیہ۔ اول میں مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ دوسرے میں کبھی مرد بڑھے ہوئے ہوں گے کبھی عورتیں تیسرے میں دونوں برابر ہیں اب جو فضائل خلقیہ ہیں ان کی تمنا کرنا اور نہ حاصل ہونے پر دل شکستہ ہونا فضول بات ہے۔ جیسے عورتیں یوں کہیں کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے اور اس حسرت میں رات دن رویا کریں تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں : وَلَا تَمْتَنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

کیونکہ جو چیز محض وہی ہے اور ہمارے اختیار کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں نہ ہم اس کو اپنی سعی و کوشش سے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کے لئے رونار بج کرنا بیہودہ حرکت نہیں تو اور کیا ہے؟ رسولؐ نے تضحیح وقت کے اس میں کچھ بھی نہیں پھر اس

کی دھن میں آدمی دوسرے ضروری کاموں سے بھی رہ جاتا ہے جن کا حصول اختیاری ہے تو کون عقل مند اس صورت کو پسند کر لگا کہ وہی غیر اختیاری کے فکر میں رات دن مریں اور اس کے لئے رویا کریں اور تعطل سے مضرت میں پڑیں پس شریعت کی یہ تعلیم عین مطابق عقل اور بالکل صحیح تسلیم ہے کہ ایسی باتوں کی فکر میں مت پڑو جو تمہارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً کوئی رات دن اس رنج میں رویا کرے کہ مائے ہم نہی نہ ہوئے تو یقیناً احمق ہے، کیونکہ نبوت تو ایک وہی چیز ہے کسبے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی تو رونے سے کیا فائدہ؟ اور فضائل مکتبہ میں تمنا کرنا جائز ہے مگر صرف تمنا کرنا کافی نہیں بلکہ عمل کسب اور ہمت کی ضرورت ہے اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

بَلِّغْ جَالٍ نَحِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنَّسَاءِ نَحِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

کہ فضائل مکتبہ اکتساب سے حاصل کرو کہ ان کا مدار صرف کسب پر ہے، ہمت کرو نری تمنا سے کچھ نہیں ہوتا۔

امور اختیاری و غیر اختیاری | غرض خلاصہ تسلیم کا یہ ہوا کہ امور غیر اختیاری کی تو تمنا بھی نہ کرو اور امور اختیاریہ میں

ہمت کرو اور یہ وعدہ یاد رکھو کہ کسی کا عمل ضائع نہ ہو گا یہ کیسی پاکیزہ تعلیم ہے اور یہ تسلیم صالحین کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ سالک کو چاہئے کہ اس کو ہر وقت پیش نظر رکھے یہ ایک بڑا بھاری دستور العمل ہے کہ جو بات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کے درپے نہ ہو اور جو بات اختیار میں ہو اس میں ہمت کرے مثلاً ذکر و شغل ہے ذوق و وجد ہے ان میں ذکر شغل اختیاری چیزیں ہیں اور ذوق اور وجد اختیاری نہیں تو سالک کو چاہئے کہ ذکر شغل جس قدر ہو سکے کرے یعنی جس قدر اس کا مربی تسلیم کرے اس کی پابندی رکھے اور ذوق و وجد کے پیچھے نہ پڑے۔ بعض لوگ جب ذکر شغل کرتے ہیں اور ذوق و وجد پیدا نہیں ہوتا تو دیگر ہوتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ صاحب ہم کو ذکر شغل کرتے ہوئے اتنے دن ہوئے

اب تک کوئی بات ہی نہیں پیدا ہوئی یعنی ذوق و جذبہ کشف وغیرہ وغیرہ حاصل نہیں ہوا میں کہتا ہوں خدائے بندے اگر یہ امور اختیاری ہیں (حالانکہ یہ غلط ہے) تو شکایت کیوں کرتے ہو کوشش کئے جاؤ پیدا ہو جاویں گے اور غیر اختیاری ہیں تو ان کے پیچھے کیوں پڑے اور کیوں رنج کیا۔ غرض رنج کرنا اور شکایت کرنا تو ہر حال میں بے سود ہے کام کرنا چاہئے جس کسی کو یہ امور حاصل ہوتے ہیں ان کے اختیار اور کسب کو اس میں دخل نہیں ہوتا ایسی ہی امور کے بارہ میں ارشاد ہے۔
لَا تَسْتَمْتُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ -

کہ ان باتوں کی تمنا مت کرو اپنا کام کئے جاؤ۔ غیر اختیاری امور تمنا سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے درپے ہونے سے بید پریشانی اٹھانا پڑتی ہے کبھی اس پریشانی میں قبض ہو جاتا ہے پھر آدمی ذکر و شغل سب کچھ کرتا ہے مگر دل نہیں کھلتا کیونکہ یکسوئی نہیں ہوتی ہر وقت دل میں ایک بند لگا ہوا معلوم ہوتا ہے کبھی آدمی ان پریشانیوں سے گھبرا کر کام ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے حتیٰ کہ ضروری اعمال سے بھی محروم ہو جاتا ہے ایسے ہی وقت کے لئے عارف شیرازی فرماتے ہیں یہ بزرگ گو صاحبِ حال ہیں مگر حال کے اندر بھی مسائل کی تسلیم فرماتے ہیں۔

باغباں گر پنج روزے صحبت گلِ بایدش
برجفائے خارِ ہجراں صبرِ بلبلِ بایدش
اے دل اندر بتدرِ نقش از پریشانی منال
مرغِ زیرک چوں بدام افتد تحملِ بایدش

حاصل یہ ہے کہ قبض کی حالت میں گھبرانا نہیں چاہئے صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اعمال کو چھوڑنا نہیں چاہئے سالک کو عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں کبھی قبض ہوتا ہے اور یہ تسلیم اسی کے متعلق ہے اور کبھی بسط ہوتا ہے اور اپنے عمل پر

نماز ہو جاتا ہے اس کے واسطے بھی تعلیم فرماتے ہیں ۵
 تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافری است
 راہ روگر صد ہنر دار و توکل بایدش

یعنی اپنے عمل اور ذکر شغل کو کچھ مت سمجھو۔ ان سے کچھ نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا
 ہے حق تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہ حضرت حافظؒ کی پوری غزل ہے اور اس میں سب
 مسائل ہی مسائل بیان فرمائے ہیں۔ میں نے ان اشعار کو تعلیم الدین میں تفصیل سے
 لکھ دیا ہے اس وقت سب اشعار کو نہیں پڑھتا ہوں کیونکہ یہ جلد مشاعرہ کا نہیں
 ہے نہ سب اشعار کی اس وقت ضرورت ہے۔

میں بیان یہ کر رہا تھا کہ امور غیر اختیاریہ کے
حقیقت فعل غیر اختیاری | پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس سے سولے پریشانی کے

اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ حاصل نہ ہوں تو شکایت مت کرو۔ اور جو امور اختیار
 ہیں ان کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کر وہاں تک اختیار کو دخل ہے۔ اور جس درجہ
 میں وہ بھی اختیار سے خارج ہوں اس کے بھی پیچھے مت پڑو یہ اصول سالیکن کے
 لئے بہت ہی کار آمد ہیں اور بالکل صحیح ہیں ان کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب
 کوئی پریشان ہو چکا ہو اس کے بعد اس کے کان میں یہ علوم پڑیں تو اس کو ایسا معلوم
 ہوگا کہ پہلے مردہ تھا اب زندہ ہو گیا۔ ایک اور مثال سنئے مثلاً کوئی تہجد کا شوقین ہے
 تو ظاہر ہے کہ تہجد کا قصد کرنا تو فعل اختیاری ہے لہذا اس کو چاہیے کہ ہمت کرے اور
 آنکھ کھلنے کا اہتمام کرے اس کی تدبیر بھی پوری طرح کرے۔ مثلاً کھانا ذرا سویرے
 کھاوے اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو رہے اور کھانے میں دو چار لقمے کم کھاوے
 پانی کم پیئے یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے اب فرض کرو کہ کوئی شخص یہ
 سب تدبیریں کر کے سویا اور ارادہ تھا کہ تہجد پڑھیں گے مگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلی

آنکھ اُس وقت کھلی جبکہ تہر کا وقت ختم ہو چکا تھا تو اب یہ روتا اور پریشان ہوتا ہے
 اور کہتا ہے میں بڑا بد نصیب ہوں شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جو تہجد سے محروم
 رہا لیکن اگر یہ بات اس کے کان میں پڑی ہوتی ہے تو بہت کام دے گی کہ امر غیر اختیاری
 کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے اس کے فوت ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اس بات کے بتلانے
 کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا کرادی تاکہ سائیکین
 کو اس واقعہ سے تسلی ہو جائے حدیث میں لیلۃ التعلیس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ منہ شکر کے سفر میں تھے رات کے آخری حصہ میں
 ایک میدان میں قیام کیا فجر کی نماز کے لئے جاگنے کا پورا اہتمام کیا گیا کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تاکہ صبح کے وقت ہم کو
 اٹھا دے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے لئے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف
 منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو میں اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں خدا کی قدرت کہ سب
 تو سو ہی رہے تھے انکی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد
 سب کے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی لوگ گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور
 ڈر گئے کہ آج نماز قضا ہو گئی۔ خدا جانے کیا وبال آوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں سبحان اللہ کیسی عجیب تسلیم اور کیسا استقلال اور
 کیسا عرفان ہے پھر فرمایا لَا تَفْرِيطُوا فِي التَّوَمُّمِ سونے میں کچھ تقصیر نہیں
 کیونکہ غیر اختیاری بات ہے اِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي التَّقِظَةِ تقصیر تو سب داری کی حالت
 میں ہوتی ہے اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دُور چل کر قضا نماز پڑھی۔ کیا ٹھکانا ہے
 اس شفقت کا خدا کی حکمت و رحمت ہے کہ غم بھر میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کی نماز بھی قضا ہو گئی اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل سلوک تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مرہی جاتے
 حق تعالیٰ نے ایک نظیر قائم کر دی جس سے اہل سلوک کو تسلی ہو سکتی ہے کہ امام العارفین

اور سلطان العابدین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پیش آئی تو ہم کیا چیز ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو فرض نماز قضا ہو گئی تھی تا بنفل چہ رسد۔ اس بات کے کہنے کو توجی نہیں چاہتا تھا کیونکہ شاید کم ہمتوں کو اس سے سہارا مل جاوے مگر جب حدیث میں واقعہ منقول ہے تو یہ دین کی ایک بات ہے اور دین کی بات کو چھپانا دین کے خلاف ہے اس لئے ظاہر کر دیا نیز جیسے تھوڑے سے ضرر کا احتمال ہے اس سے زیادہ نفع کی اُمید ہے کیونکہ اہل ہمت کو بعض وقت معمولات کے فوت ہونے سے بہت پریشانی ہو جاتی ہے ان کے لئے اس واقعہ میں بہت کار آمد اور ضروری بات موجود ہے جس سے ان کی زندگی ہو سکتی ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ کی پوری تائید ہو گئی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے آدمی کو چاہیے کہ جتنا ہو سکے کوشش کرے۔

اختیاری اعمال میں کوتاہی نہ کرے اگر اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اب معاملہ اختیار سے باہر ہے اس کے پیچھے نہ پڑے اور کامیابی نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہو دیکھو لیلیۃ التعریس کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے تدبیر پوری کی کہ حضرت بلالؓ کو پہرہ پر بٹھا دیا یہاں تک تو اختیاری فعل تھا اس کے آگے غیر اختیاری معاملہ تھا جب اختیاری فعل میں کوتاہی نہیں کی گئی اور پھر بھی کامیابی نہیں ہوئی تو آپ نے صحابہ کو رنج و غم کرنے سے منع کیا ان کو تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ تم کو کچھ گناہ نہیں ہوا رنج نہ کرو مگر اب تو یہ حال ہے کہ بعض لوگ تہجد کا شوق ظاہر کرتے ہیں تو میں پہلے تو انکو آنکھ کھلنے کی تدبیریں بتلاتا ہوں بعض اس پر بھی شکایت کرتے ہیں کہ ساری تدبیریں کہیں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ تہجد اب بھی قضا ہو جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ عشاء کے بعد وتر سے پہلے تہجد پڑھ لیا کرو۔ اس پر ان کے دل کو قناعت نہیں ہوتی اور یوں کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد تہجد پڑھنے سے توجی بھلا نہیں ہوتا اس خود رانی پر مجھے غصہ آتا ہے آخر مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بھائی مجھے چھوڑو اور اس کے پاس جاؤ جو

تمہارا جی بھلا کرے خبردار جو پھر مجھ سے کوئی شکایت کی جب تم کو ایک بات بتائی جاتی ہے تو اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اور اگر عمل کرنا نہیں ہے تو پوچھتے کیوں ہو؟

صاحبو! یہ بھی نفس کا ایک حیلہ ہے کہ جی بھلا نہیں ہوتا

ضرورتِ عمل

اس حیلہ سے نفس تمکو اول شب کے صلوٰۃ اللیل سے بھی

محروم کرنا چاہتا ہے اور آخر میں آنکھ نہیں کھلتی تو انجام یہ ہوتا ہے کہ تہجد بالکل نصیب نہیں ہوتا بتلاؤ یہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ کچھ تو نصیب ہو جاوے، ہاں ایک صورت تمہارا جی بہلانے کی یہ ہے کہ مجھے ایسی کرامت دلوادو کہ میں تمہارے پاس آکر ڈنڈے مار کر اٹھا دیا کروں گویا میں انس پیکر بن جاؤں۔ خوب یاد رکھو کہ کام اپنے ہی کرنے سے ہوتا اگر اول شب میں تہجد پڑھنے سے جی بہلا نہیں ہوتا تو ہمت کر کے اخیر شب میں اٹھا کر مشکل یہ ہے کہ بعض لوگ سہل تسلیم کی قدر نہیں کرتے اور دشوار تسلیم پر ان سے عمل نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام ہی رہ جاتا ہے جب آنکھ نہ کھلنا غیر اختیاری بات ہے تو جتنا اختیاری ہے یعنی اول شب میں بڑھ لیٹ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اخیر شب کا تہجد نہ سہی اول شب کا تو ہو جاوے گا نہ ہونے سے تو اچھا ہو گا پھر جب تمہارا ارادہ اخیر شب میں پڑھنے کا ہے تو یہ ارادہ فعلِ اختیاری ہے اپنے یہ کر لیا تو باوجود تہجد ناغہ ہو جانے کے بھی اس کا ثواب ملے گا اگر آنکھ کھل گئی تو خوش قسمتی ہے نہ کھلی تو پریشان نہ ہو جائے۔ حاصل یہ کہ آیت لَا تَمْنُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ میں یہ تسلیم ہے کہ امورِ اختیار یہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے یہ بات سالیکن کے لئے بڑے ہی کام کی ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ یہ بات درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر آگئی۔

تمنا کی حقیقت

اصل بیان عورتوں کے متعلق ہو رہا تھا کیونکہ آیت لَا تَمْنُوا کی اصل مخاطب عورتیں ہی ہیں جیسا کہ شانِ نزول سے

معلوم ہوا حضرت ام سلمہؓ نے تمنا کی تھی کہ ہم مرد ہوتے تو اچھا تھا۔ اس پر یہ آیت
 اتری جس میں بتا دیا گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے۔ یہ تو قانونی جواب ہے کہ منع کر دیا
 گیا کہ ایسی تمنا فضول ہے۔ یہ تو قانونی جواب ہے کہ منع کر دیا گیا کہ ایسی تمنا مت کر دو
 اور اس میں ایک راز بھی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو مرد بنایا اس کے لئے یہی
 مناسب تھا اور جس کو عورت بنایا اس کے لئے بھی یہی مناسب تھا ہر شخص کو خدا تعالیٰ
 نے وہی دیا ہے جو اس کے لئے مناسب تھا اسکی تفصیل کہاں تک کی جاوے اہل بصیرت
 خود سمجھ سکتے ہیں اور ذرا سے غور سے ہر موقع پر سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس کو جیسا
 حق تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا۔ گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر
 یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے
 دیکھئے اور سوچئے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے مناسب وہی حالت ہے جس میں خدا
 نے مجھ کو رکھا ہے آجکل بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ دوسروں کی حالتوں کو سن کر تمنا
 کرتے ہیں کہ ہم فلاں ہوتے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب تھے جو پڑھے لکھے ذی استعداد
 تھے حدیث میں حضرت عائشہؓ کے فضائل پڑھاتے ہوئے یہ تمنا کی تھی کہ ہائے میں
 عائشہؓ ہی ہو جاتا۔ میں نے کہا جابندہ خدا، تمنا ہی کرنا تھی تو یہ تمنا کی ہوتی کہ میں ابو بکر صدیق
 ہوتا آپ مرد سے عورت بننا چاہتے ہیں۔ وہی صاحب ایک دفعہ جنت کے فضائل دیکھتے
 ہونے لگے کاش میں جنت کا اتو ہی ہو جاتا۔ میں نے کہا پھر آپ جنت کو بھی ویران
 کرنے (یہ نظریہ کلمہ بنا بر قول مشہور ہے کہ اتو کے بیٹھنے سے ویران ہو جاتا ہے ورنہ اس
 کی کچھ اصل نہیں) خیر وہ تو جنت ہی کا اتو بننا چاہتے تھے مگر آجکل کا زمانہ عجیب طرح کا
 ہے کہ لوگ ہندوستان اور پنجاب کے جانور بننا چاہتے ہیں کوئی شیر پنجاب بننا ہے،
 کوئی طوطی ہند، کوئی بیل ہند لوگ انسان سے جانور بننا چاہتے ہیں۔ خدا خیر کر آج تو شیر
 اور بیل بنے ہیں کل کو گاؤں ہند اور خر ہند بھی بننے لگے گا۔ کیا وہیات ہے خدا نے تم کو
 انسان بنایا تم پسند پرند کیوں بننے ہو حق تعالیٰ نے تو تم کو مرد بنایا تم عورت کیوں

بننے ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں اصلاح کیوں دیتے ہو۔ دوسروں کو دیکھ کر ان کی برابر ہونے کی تمنا کرنا ٹھیک نہیں اسی کی ایک فرسٹ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ جوشِ جنت میں کہا کرتے ہیں ہائے ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کیوں نہ ہوتے۔ غلط! ہر میں تو یہ لفظ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی دلیل ہے۔ مگر ذرا سوچو تو کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے اور ہم ہم ہوتے یعنی ایسے ہی ہوتے جیسے اب ہیں (اور اگر ایسے نہ ہوتے بلکہ کچھ اور ہوتے تو اس سے بحث نہیں کیونکہ اس وقت ہم ہم نہ ہوتے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے ہونے کا نتیجہ کیا ہوتا کہ جب جہاد کی آیت نازل ہوتی تو ہم کیا کرتے ذرا دل کو ٹٹول کر دیکھئے کہ اس وقت ہماری کیا گت ہوتی، حالت تو یہ ہے کہ رات کو پیشاب کرنے کو بھی اٹھتے ہیں تو بی بی سے کہتے ہیں ذرا کھڑی ہو جانا میں پیشاب کر لوں اور آیت میں حکم ہوتا اہل فارس کے مقابلہ میں جانے کا جو بڑے ساز و سامان والے اور بڑے لڑنے والے تھے تو سو اس کے کہ ادھر ادھر دیکھتے پھرتے ہم اور کیا کرتے پھر ہماری اس حرکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج دینے کا وبال جتنا سخت ہے معلوم ہے تو بجائے اس کے کہ ہم کو اس زمانہ میں ہونے سے کچھ فائدہ پہنچتا سخت سے سخت نقصان پہنچتا۔ خدا جانے ہمارا کیا حشر ہوتا پس بڑی خیر ہوئی کہ ہم اس زمانہ میں نہ ہوئے اور اگر جہاد کی آیت بھی نہ اترتی تب بھی کبھی تو ایسی صورت پیش آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری کسی بے عنوانی پر خفا ہوتے۔

حقیقتِ رسول مقبول | کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف حکیم ہی نہ تھے بلکہ حکیم بھی تھے کبھی خفا بھی ہوتے تھے نرمی کے موقع

پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی فرماتے تھے کیونکہ ہر جگہ نرمی کا رآمد نہیں بلکہ ہر چیز اپنے موقع پر ہی کارآمد ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضول باتوں پر ناخوش بھی ہوتے تھے اس قسم کے بہت سے قصے حدیثوں میں موجود ہیں اب سوچئے کہ اس وقت ہم کیا

کہتے ہیں لوگوں کی جو کچھ حالت ہے وہ معلوم ہے۔ تو حضرت جو کچھ محبت اور ہوش
 ہم اس وقت ظاہر کر رہے ہیں جس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہونے کی
 تمنا کی جاتی ہے اسکی پوری حقیقت کھل جاتی نیز اگر ہم سے کوئی بے عنوانی ہو جاتی اور
 فرض کیجئے بطور معالجہ کے کوئی ایسی صورت تجویز فرماتے جس سے مجمع عام میں ہماری ذلت
 ہوتی اس وقت ہم جیسوں کو کیسی مشکل پیش آتی کیونکہ دیکھتے ہیں اسوقت طالبین کی حالت یہ
 ہے کہ علماء اور بزرگوں اور استادوں کے سامنے منہ بنانے لگتے ہیں ذرا سی سختی کے تحمل
 نہیں ہوتے مگر یہ حضرات تعزبی نہیں ہیں ان کے سامنے منہ بنانے کا نتیجہ اتنا ہی ہے کہ
 ان کے فیوض و برکات اور تسلیم سے محروم رہے مگر نبی کے ساتھ قلب میں کدورت ہونا
 ان کے حکم سے ناگوار و لینا تو کفر ہے سو ہمیں اس زمانے میں ہونے سے یہ حاصل ہوتا
 اچھے صحابی بنتے کہ اخیر میں کافر اور مرتد ہی بننا پڑتا۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ خدا نے بڑی خیر
 کی کہ ہم اس زمانہ میں نہ ہوئے ورنہ ہلاک ہی ہو جاتے۔ بس ہماری تو دور ہی کی محبت ٹھیک
 ہے اسوقت دل میں کیا کیا ولولے اٹھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق غالب
 ہے مسلمان کا بس نہیں کہ ایک نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیں ورنہ ہر مسلمان کی دالہ
 یہ حالت ہے کہ سارا مال اور ساری اولاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر نثار کرنے
 کو تیار ہے گو اس میں زیادہ حصہ زبانی ہی جمع خرچ ہو مگر خیر کچھ تو محبت بھی ہے مگر اس
 صورت میں تو قلعی کھل جاتی اور زبانی محبت بھی نہ رہتی۔ عرض ہمارے مناسب حال یہی
 ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہوئے۔ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زمانہ کے مناسب حضرات صحابہؓ ہی تھے جن کے صدق و محبت و عشق کے کارنامے دنیا
 کو معلوم ہیں۔

عرض جس کو جس حال میں خدا تعالیٰ نے رکھا اس کے

لئے وہی مناسب تھا اگر مرد عورتیں بن جائیں اور عورتیں مرد

مرتبہ نسواں

تو خدا جانے کیا کیا آفتیں کھڑی ہو جائیں خدا تعالیٰ نے مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کی ہیں اور ہر نوع کو جدا جدا حالات دینے ہیں سو ہر نوع اسی حالت کے قابل ہے جو اس کے لئے تجویز ہوئی اس مضمون کو کسی نے کیا خوب کہا ہے

بگو شش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست

بغذیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

اہل طائف نے آیت **وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ** کی تفسیر میں فرمایا ہے اے بسان الاستعداد کہ جس میں جیسی استعداد تھی ویسا ہی اس کو دیا۔ جب ثابت ہو گیا کہ جس کو حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس کے مناسب وہی تھا تو اس کے خلاف کی تمت کرنا فضول اور بیکار ہے بلکہ حق تعالیٰ کے فعل میں اصلاح دینا ہے لہذا عورتوں کو یہ تمنا کرنا کہ ہم مرد ہوتے بیجا ہے۔ اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں ہر طرح مردوں سے گھٹی ہوتی نہیں جیسا غم طور سے مشہور ہے بلکہ بعض باتوں میں مردوں کی برابر ہیں یعنی فضائل اضافیہ میں جس کے بارہ میں یہ آیت ہے **أَفِيَتْ لَا أُضَيِّعُ عَمَلَكُمْ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرِكُمْ أَوْ أَتَنُحْ**

اور بعض باتوں میں مردوں سے بڑھ بھی سکتی ہیں یعنی فضائل مکتبہ میں جس کے متعلق یہ آیت ہے **لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ** — ہاں بعض باتوں میں عورتیں مردوں سے گھٹی ہوتی ہیں اور وہ امور خلقیہ ہیں جیسے قوت شجاعت تدبیر وغیرہ تو جس بات میں وہ مردوں کے برابر ہیں یعنی عدم ضیاع عمل اور جس بات میں ان سے کم ہیں یعنی امور خلقیہ یہ دونوں ان کے اختیار سے خارج ہیں کیونکہ امر اول یعنی عدم ضیاع عمل تو وعدہ ہے حق تعالیٰ کی طرف سے جس میں محض اپنے فضل سے حق تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کی برابر رکھا ہے تو وہ حق تعالیٰ کا فعل ہے نہ ان کا اور چونکہ اس کا وعدہ ہے اس لئے اس کی تمنا کے کچھ معنی نہیں ہاں اُن کا

اس کے لئے بھی مندوب ہے اور دعا کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو اس قابل بنا دیجئے کہ ہم محل وعدہ بن سکیں اور امور خلقیہ کا خارج عن الاختیار ہونا ظاہر ہے اور چونکہ ان میں حق تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت دی ہے عورتوں پر لہذا اس کے خلاف کی تمنا کرنا یا دُعا کرنا بھی جائز نہیں جیسے عورت تمنا کرے کہ مرد بن جائے۔ اب رہ گئے وہ امور جن میں عورتیں مردوں سے بڑھ بھی سکتی ہیں ان کا خلاصہ ہے اعمال شرعیہ اور اس سے بھی مخفی لفظ ہے دین سو وہ اختیاری ہے اسمیں جتنی جس کی ہمت ہو ترقی کر سکتا ہے مرد ہمت کریں تو عورتوں سے بڑھ سکتے ہیں۔ عورتیں ہمت کریں مردوں سے بڑھ سکتی ہیں جس کو شوق ہو ہمت کرے میدان وسیع پڑا ہوا ہے پس عورتوں کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم لاشی محض ہیں یا دوزخ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں یا کسی طرح مردوں کی برابر نہیں ہو سکتیں خدا کا فضل بہت وسیع ہے قدم بڑھاؤ اور ہاتھ پیر مارو۔

اب یہاں سے ایک مسئلہ فقہیہ اور لکھتا ہے وہ یہ کہ **حقیقت مرد و زن** | جن باتوں میں حق تعالیٰ نے مرد اور عورت میں فرق رکھا

ہے ان میں عورت کو مردوں کی برابری ظاہر کرنا اور ان کے مشابہ بننا جائز نہیں اسی کو تشبیہ بالرجال کہتے ہیں یعنی مردوں کی سی صورت شکل چال ڈھال اختیار کرنا حرام ہے مگر آج کل عورتوں میں یہ خبط بھی پایا جاتا ہے وضع قطع میں مرد بننا چاہتی ہیں ان کا بس چلے تو پیچ مچ مرد ہی بن جائیں مگر کیا کریں یہ تو ان کے اختیار سے خارج ہے لہذا اتنا ہی کرتی ہوئی مردانہ کھڑا ہوتا ہی پہن لیں۔ بی بیو خدا سے ڈرو کہیں تمہارے ڈاڑھی نہ نکل آوے خدا تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں یاد رکھو! کہ جب حق تعالیٰ نے ان باتوں کی تمنا کرنے سے بھی منع کر دیا ہے جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں تو تکلف ان کے اختیار کرنے کو کب جائز رکھیں گے۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک دفعہ داڑھی منڈائی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کو سزا ملی کہ داڑھی میں بال خورہ لگ گیا پھر تمام عمر داڑھی

نہ نکلی خدا تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے ان کو اس پر بھی قدرت ہے کہ عورت کے
 دائرہ ہی نکال دیں یا مرد کی دائرہ ہی ندارد کر دیں بلکہ عورت سے مرد یا مرد سے عورت بنا
 دیں چنانچہ بہت عرصہ ہوا کہ ضلع اعظم گڑھ سے میرے پاس ایک سوال آیا تھا کہ ایک
 عورت مرد بن گئی ہے اب اس کا ہر خاوند کے ذمہ واجب رہے گا یا نہیں اور دیگر
 حقوق واجب کیا حکم ہے مجھے یہ سوال نہایت منکر معلوم ہوا کیونکہ یہ خیال ہوا کہ
 محض فرضی سوال ہے بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ عورت مرد بن جائے اس
 زمانہ میں جوانی کا جوش تھا میں نے ٹھان لی کہ جس طرح ہو گا اس سوال کو حل کر کے
 رہوں گا چنانچہ ساری فقہ کی کتابیں اُلٹ ڈالیں اور تمام شقوں کے جواب دلائل فقہیہ
 سے لکھے۔ اب جب عمر ڈھلی تو مجھے اپنے اس نیکر پر ہنسی آئی کہ ہمیں تعجب کی کیا بات
 بقی خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا بڑی بات ہے کہ عورت مرد بن جاوے چنانچہ
 بعد میں ایک شخص اسی موضع کے رہنے والے ملے انہوں نے کہا یہ تو ہمارے ہی گاؤں
 کا قصہ ہے اور واقعی وہ عورت مرد بن گئی تھی (بن گئی کہوں یا بن گیا) پھر وہ شخص (شخص
 کہوں یا شخصہ) حج کو گیا (یا گئی) غرض اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ عورت کو مرد اور مرد
 کو عورت کر دیں پس اے بیویو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کہیں تشبہ بالرجال کرنے
 سے تمہارے منہ پر دائرہ ہی نہ نکل آوے۔ ہم نے لکھنؤ میں ایک تمباکو فروش عورت کو
 دیکھا ہے اس کے دائرہ ہی نکل آئی تھی تو اس میں امکان عقلی اور امکان وقوعی دونوں
 موجود ہیں ممکن ہے کوئی بیبی ایسی بہادر ہوں کہ وہ اس کو بھی گوارا کر لیں اور کہہ دیں کہ
 اس میں ہرج کیا ہے میں کہتا ہوں کہ بہت اچھا تم نے اس کو تو گوارا کر لیا مگر اس کا کیا
 علاج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی ہی
 وضع بنائے اس لعنت کو مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے حدیث میں ہے کہ لعنت کی
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر جو عورتوں جیسی وضع بنائے اور اس

عورت پر جو مردوں جیسی وضع بنائے۔ علماء نے اسی حدیث سے عورتوں کے لئے کھڑے
 جوتے کو حرام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں کو پھڑا جوتا پہننا چاہیے۔ ہمارے
 قصبات میں تو اس عورت کو بازاری عورت سمجھا جاتا ہے جس کے پیر میں کھڑا جوتا ہو، مگر
 شہروں میں ایسی آزادی پھیلی ہے کہ بعض شہروں میں عورتیں اچکن بھی پہنتی ہیں اور یہ راج
 تو عام ہو چلا ہے کہ عورتیں گرگابی جوتا پہنتی ہیں اور اس میں قصور عورتوں کا تو ہے ہی
 کچھ ڈھیلان مردوں کا بھی ہے کہ وہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کر عورتوں پر روک ٹوک نہیں
 کرتے حالانکہ یہ باتیں خفیف نہیں ہیں لعنت سے زیادہ اور کیا سختی ہوگی جب ان باتوں
 پر لعنت آئی ہے تو خفیف کیسی مگر یوں کہیے کہ لوگوں کو دین کا اہتمام ہی نہیں سالن
 میں ذرا نمک تیز ہو جاوے تو مرد ایسے خفا ہو جاتے ہیں کہ کھانا نہ کھا دیں اور رکابی بی بی
 کے منہ پر دے ماریں اسے مارنے پینے کو کھڑے ہو جاویں مگر لعنت کے کام پر ذرا حرکت
 نہیں ہوتی بلکہ بعضے مرد تو ایسے آوارہ مزاج ہیں کہ باہر والی عورتوں کو دیکھ کر ان کے
 دل میں خود ہی شوق اٹھتا ہے کہ گھر والیوں کو ان ہی جیسا بنائیں افسوس —
 کہاں گئی ان کی غیرت اور کہاں گئی شرافت؟ کیا شریف بیبیوں کو بازاری بنانا چاہتے
 ہیں؟ گھر میں رہنے والی عورتیں تو بس اول جلول ڈھیلی ڈھالی وضع ہی میں اچھی لگتی
 ہیں یہ کیا کہ کسی کسائی پھرتی ہیں یہ کوئی سپاہی ہیں جو ہر وقت کمر کسی ہوئی ہے ہاں
 یہ ضروری ہے کہ میلی کچیلی نہ رہیں کیونکہ صفائی اور زینت یہ زوج کا حق ہے مگر یہ
 مناسب نہیں کہ استینیں بھی کسی ہوئی ہیں پا جامے بھی ایسے چست ہیں کہ چکی لو تو کھال چکی
 میں آجاوے جوتا بھی جڑھا ہوا ہے یہ کیا لغو حرکتیں ہیں خدا تعالیٰ نے تو تم کو عورت
 بنایا ہے تم مرد کیسے بن سکتی ہو؟ یہ تو قلب موضوع ہے بیان بطور تفریع کے ہو گیا ورنہ
 اصلی بیان ختم کر چکا ہوں۔

فضائل نسواں

خلاصۃ الخلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر علی الاطلاق فضیلت ہے اور عورت مرد کے مقابلے میں مطلقاً

کوئی چیز نہیں، یہ غلط ہے بلکہ بعضی باتوں میں عورت مرد کے برابر ہے اور بعضی باتوں میں مرد سے بڑھ بھی سکتی ہے یعنی اعمال میں کہ نماز روزہ زیادہ کرے تو مرد سے زیادہ درجہ حاصل کر سکتی ہے اس کا مطلب نہیں کہ جو عورت خاوند سے زیادہ دیندار ہو اس کو خاوند کی اطاعت اور تعظیم لازم نہ رہے گی بلکہ خاوند کو اس کی اطاعت و تعظیم کرنا پڑے گی یہ مطلب ہرگز نہیں کیونکہ فضیلت کی دو حیثیتیں ہیں ایک باعتبار زوجیت کے اس اعتبار سے عورت کو خاوند پر کسی طرح بھی فضیلت حاصل نہ ہوگی بلکہ اس حیثیت سے ہمیشہ خاوند ہی کو بی بی پر فضیلت ہے گو حقوق بی بی کے بھی ہیں خاوند پر لیکن خاوند کو بہر حال فضیلت ہے اور ایک فضیلت باعتبار دین اور اعمال کے ہے سو اس میں بی بی خاوند سے بڑھ سکتی ہے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اس کے احسانات اور درجات زیادہ ہوں کیونکہ اس کا مدار اعمال پر ہے مگر اس فضیلت سے بیوی خاوند کی مخدوم نہیں بن سکتی بلکہ خادمہ ہی رہے گی مگر ہر صورت میں مردوں کو اپنی بیبیوں کی قدر کرنا چاہیئے دو درجہ سے ایک تو بی بی ہونے کی وجہ سے کہ وہ انکے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جو انمردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ تم مسلمان ہو وہ بھی مسلمان ہیں جیسے تم دین کے کام کرتے ہو وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے یہ کوئی بات ضروری نہیں کہ عورت مرد سے ہمیشہ گھٹی ہوئی ہو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد کی برابر بلکہ اس سے زیادہ ہو پس عورتوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی

مقبول فرمالتے اور اسکے درجے بڑھا دیتے ہیں پس کیا عجب ہے کہ جن عورتوں کو تم نے بوجہ ان کی بیکسی اور بے بسی کے حقیر سمجھ رکھا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے زیادہ مقبول ہوں لہذا مردوں کو عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہیے اور عورتوں کو اپنے مردوں کی اطاعت کرنا چاہیے زبان درازی سے پیش نہ آنا چاہیے۔

ضرورت اصلاح | بس یہ تھا وہ ضروری مضمون جو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا تھا اور اس سے دو قسم کے لوگوں کی اصلاح مقصود ہے ایک تو عورتوں کی کہ وہ مایوس اور دل شکستہ نہ ہوں یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو دوزخ ہی کے واسطے ہیں۔ دوسرے مردوں کی کہ وہ بھی عورتوں کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں۔ اب ختم کرتا ہوں۔ اور نام اس بیان کا کسار النساء رکھتا ہوں۔ کسار چادر کو کہتے ہیں چونکہ لباس جسم کے لئے ساتر و محافظ ہوتا ہے اور اس میں ایسے علوم صحیحہ اور اعمال صحیحہ کی تعلیم ہے جو عورتوں کے لئے ہر قسم کی آفتوں سے محافظ اور ساتر ہیں اس لئے یہ بیان عورتوں کے لئے بمنزلہ چادر کے ہوا دوسرے اس نام میں قافیہ کی بھی رعایت ہے اس لئے یہ نام اچھا معلوم ہوا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم سب کو بالخصوص عورتوں کو درستی اخلاق کی توفیق دیں اور سب مسلمانوں کو دین کی پابندی اور صراطِ مستقیم پر پختگی عطا فرمائیں۔ آمین! و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ واصحابہ اجمعین ۛ

التاسع کاتب

احقر نے یہ وعظ اپنی والدہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے لکھا ہے۔ بتوفیقِ خداوندی ان کی دینداری کی یہ حالت تھی کہ والد ماجد تین سال علیل رہے ان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پلانا سب والدہ کو کرنا پڑتا تھا اور گھر میں اور مرلیض بھی تھے غرض ایک منٹ کی فرصت

ان کو نہ تھی مگر اسی عظیم الفرستی کی حالت میں کئی پارے قرآن کے حفظ کئے ایک آیت کو لے لیتیں اور چلتے پھرتے اسی کو رتی رستیں یہاں تک کہ کئی پارے ہو گئے اور ٹوٹکے ٹوٹنے شرک و بدعت سے حد درجہ متنفر تھیں گھر میں متعدد موتیں ہوئیں مگر کسی نے آواز رونے کی نہ سنی حتیٰ کہ اہل محلہ کہتے تھے کہ یہ عجیب عیس بی بی ہیں نہ ان پر خوشی کا کوئی اثر ہوتا ہے نہ غمی کا ناظرین وعظ ان کے واسطے اور میرے والد ماجد مرحوم مغفور کے واسطے دعا کریں سب ارحمہما کے ہاں ربیانی صغیرا ربنا اغفر لہ ولوالدی وللؤمنین یوم یقوم الحساب طربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم ۵۔

اور اس وعظ کے لکھنے میں میرے ایک مکرم عبدالحمید صاحب بنارس نے بہت زیادہ اعانت کی بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ہمت نہ دلاتے تو احقر سے اس کا پورا ہونا ناممکن تھا ناظرین انکے واسطے بھی دعا فرمادیں اور زیادہ مدد خواجہ عزیز الحسن صاحب کے مسودہ سے ملی لہذا ان کے واسطے بھی دعا فلاح دارین کریں اور سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا و مرشدنا مظلہم العالی کے صحت و تندرستی اور عموم فیض اور زیادت برکات کے لئے خاص طور سے دعا کرتے رہیں کہ ۷۔

شکر فیض تو چین چوں کند لے ابر بہار
کہ اگر خار و گمر گل ہمہ پروردہ تست

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلاماً على المرسلين الحمد لله

رب العالمین — قد وقع الفراغ من التبیض ۹ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

اشرف علی

فی بلدہ میرٹھ احقر محمد مصطفیٰ بجنوری مقیم میرٹھ

۱۱ صفر المنظر ۱۳۵۲ھ ہجری

العاقلات الغافلات

یہ وعظ گورکھ پور ڈپٹی صاحب کی کوٹھی پر مستورات میں جن میں
کچھ مزد بھی شریک تھے۔ مورخہ سولہ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو ساڑھے
تین گھنٹے بیان فرمایا۔ مولانا محمد یوسف بجنوری نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الحمد لله بحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن
 به ونؤكل من عليه ونعوذ بالله من شره ورائفسنا
 ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا
 هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد
 ان سيدنا ومولانا محمدًا عبدًا ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم والہ واصحابہ وبارک وسلم ۝

اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم ۝ بِسْمِ اللَّهِ
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ
 الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ
 عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

قبل اس کے کہ میں اس آیت کے متعلق کچھ عرض کروں مستورات کی خدمت
 میں یہ التماس ہے کہ زیادہ تر یہ وعظ آپ ہی لوگوں کی ضرورت سے کیا گیا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس لئے اہتمام کے ساتھ متوجہ ہو کر سُنیں۔ کیونکہ آپ کو بہت کم موقع ملتا ہے ایسے مضامین سُننے کا بوجہ اس کے کہ مستورات میں لکھی پڑھی بہت کم ہوتی ہیں کیونکہ ان کو وقت نہیں ملتا اپنی ضرورتوں کی وجہ سے خواہ واقعی ضرورتوں میں مشغول ہوں یا خیال ضرورت میں بہر حال طرز ایسا ہی واقع ہو رہا ہے جس میں کسی قدر کسل کو بھی دخل ہے اور دوسرے اسباب بھی ایسے مجتمع ہیں کہ ان کو بہت ہی کم وقت ملتا ہے مضامین سُننے کا ایسے میں اگر کبھی موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور وعظ سے جو اصل مقصود ہے اس کو وعظ سُننے کے وقت پیش نظر رکھنا چاہیے جس کی حقیقت میں بیان کرتا ہوں آپ کو اس کی نیت کر لینا چاہیے اور نیت فعل اختیاری ہے آپ اس کو درست کر سکتے ہیں اگر پہلے سے کوتاہی واقع ہوئی ہے تو اس وقت اسکی اصلاح کر سکتے ہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ وعظ ایک روحانی مطب ہے یعنی باطنی اصلاح کی تدبیروں کا نام ہے جس سے باطنی امراض کا علاج ہوتا ہے بس یہ حاصل ہے وعظ کا۔

مقصد وعظ | سو جو صاحب وعظ سُننے والے ہیں وہ وعظ سُننے سے پہلے اپنی نسبت سمجھ رکھیں کہ وہ بیمار لوں میں مبتلا ہیں وعظ سے ان کا علاج مبتلا یا جا رہا ہے۔ بس اس کی تدبیریں سُنکر حالت درست کر لینے کا عزم کر لیا جائے۔ آج کل وعظ سُننے سے لوگوں کی غرضیں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض کی غرض تو محض ادا تے رسم ہی ہوتی ہے جیسے بہت سے کام دن رات ہوتے ہیں ایسے ہی یہ بھی ایک کام کر لیا، بعض کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وعظ ایک برکت کی چیز ہے اس کے ہونے سے گھر میں برکت ہو جائے گی اللہ رسول کا نام لیا جائے گا۔ بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریک ہو کر اتنی دیر گناہوں سے بچے رہیں گے، ثواب لکھا جاوے گا۔ بجز اول نیت کے پچھلی دو نیتیں دین کی

یعنی جس کے قلب ہو یا کانوں کو متوجہ کرے۔ مُراد یہ کہ قلب کو حاضر کرے اور کان لگائے اس کے واسطے اس میں نصیحت ہے اور ایسے ہی شخص کو نفع بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہیں :

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

کہ آپ نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے وہ اس نفع کی وہی ہے کہ وہ قلب کو حاضر کر کے اور کان لگا کر سنتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعظ مسلمانوں کو نفع دیتا ہے اور جب وعظ کا نافع ہونا حق تعالیٰ بیان فرماتا ہے تو نعوذ باللہ یہ تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ حق تعالیٰ کا بیان فرمایا ہوا کوئی امر خلاف واقع ہو مگر ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف سے تو اس کا نافع ہونا معلوم ہوا مگر باوجود اس کے بعض جگہ نفع نہیں ہوتا یہ کیا بات ہے تو جواب اس کا یہی ہے کہ نفع کی وہی شرط ہے۔

مَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

سو واقع میں یہ شبہ قرآن شریف پر نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ طبیب کہتا ہے کہ دوا نافع ہے سو معنی اس قول کے یہ ہیں کہ اس کا نفع بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے سو اگر کہیں نفع ظاہر نہ ہو تو یہ نہیں کہ دوا نافع نہیں۔ نافع یقیناً ہے مگر بوجہ فقدان شرائط کے اس کا نفع ظاہر نہیں ہوتا۔ پس جس طرح اطباء دوا کی خاصیت بیان کرتے ہیں اسی طرح حفرة حق سبحانہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کی خاصیت بیان فرماتے ہیں پس جیسے اس دوا کی غایت کا ظاہر ہونا مشروط ہے بشرائط۔

شرائط وعظ | اسی طرح اعمال کے لئے بھی شرائط ہیں اور وہ شرائط حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے :

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

اور بھی جا بجا قرآن شریف میں اُن شرائط کو بیان کیا ہے کہیں سے یتدبرون کہیں سے یتذکرؤن کہیں سے یتفکروُن کہیں سے یتدبرُوا آیاتہ۔

کسی جگہ ہے ویتذکرُوا اولاً لباب۔ یہ آیتیں بتلا رہی ہیں کہ جو شخص سوچے یا درکھے خیال کیا کرے قصد بھی کرے ہمت بھی کرے تو اُس کو نفع ہوگا اگر کوتاہی

ہو جاوے تو بہ کرے متوجہ ہو جاوے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ نہ سوچتے ہیں نہ یاد رکھتے ہیں نہ قصد نہ ہمت نہ عمل۔ تو نفع بھی نہیں ہوتا۔ سو نفع نہ ہونے پر تعجب

کرنا ہی بے بنیاد ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ وعظ سے اگر توفیق ہو کر گناہ کم ہونے لگیں تو اتنا نفع کیا کم ہے بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر گناہ ترک نہ ہوں محض توبہ

کی توفیق ہو کر گزشتہ ہی گناہ مُعاف ہو جاویں تو خود یہ کتنا بڑا نفع ہے۔ خواہ پھر گناہ ہی کیوں نہ ہونے لگیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی بُخار میں مبتلا ہوتا ہے یا اور

کوئی شکایت ہو جاتی ہے موسم میں ہم نے نہیں دیکھا کہ اُس نے علاج نہ کیا ہو محض اس خیال سے کہ اگر اچھا بھی ہو گیا تو اگلے سال پھر بیمار ہو جاؤں گا۔ وہاں تو علاج

کو نافع سمجھ کر کر لیا جاتا ہے مگر یہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسی توبہ سے کیا فائدہ کہ پھر گناہ ہو جاوے اس لئے جب ساری عمر گزر چکے گی اُس وقت توبہ کر لیں گے۔ سچ

یہ ہے کہ ہم یہی نہیں سمجھتے کہ ہمارے اندر امراض بھی ہیں ورنہ امراض جسمانی کا سا معاملہ یہاں بھی ہوتا اور اس وقت وعظ کو وعظ سمجھ کر سُنتے اب یہ نہیں تو یہی وجہ

ہے کہ وعظ کا نفع باقی نہیں رہتا دوسری بات یہ قابلِ عرض ہے کہ زیادہ مقصودِ خُوبکہ اس وقت سنانے سے مستورات ہیں اس مستورات کو چاہیے کہ اسکا خیال رکھیں اور بہت متوجہ ہو کر

سُنیں۔ یہ مستورات کی خدمت میں عرض تھی مختصر۔ اب دوسرے حضرات کی خدمت

میں یہ عرض ہے چونکہ خطاب سے زیادہ قصد مستورات کے لئے ہے اور بوجہ اسکے کہ مستورات کی تعلیم بھی کم ہوتی ہے اُن کا فہم بھی سادہ ہوتا ہے انکے خطاب میں سلاست کی رعایت ضروری ہوتی ہے اس لئے اور صاحب یہ خیال نہ کریں کہ مضامین علمی ہوں۔ ایک بات مستورات کے متعلق یہ ہے کہ وعظ میں مستورات پر وہ کا خاص اہتمام نہیں کیڑا پردہ کا مٹنے نہ پاوے اس واسطے کہ بہت جگہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ مستورات مردوں کے سامنے ہو جاتی ہیں چنانچہ بعض جگہ ایسا ہوا تو میں متحیر رہ گیا۔ اس وقت یہ خلاف تہذیب گفتگو اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر مستورات مردوں کے سامنے ہوتی ہیں تو نظر اور ذہن اُس طرف چلنے لگتا ہے اس لئے اُنکو احتیاط رکھنا چاہیے کہ مردوں کے سامنے نہ ہوں۔ ایک بات یہ ہے کہ مرد خیال نہ کریں کہ جب مستورات مخاطب ہیں اور اُن کے متعلق بیان ہوگا تو پھر مردوں کو وعظ سے کیا فائدہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ اول تو مضامین اکثر مشترک ہوتے ہیں اور اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ بعض مضامین خاص عورتوں کے ہی متعلق ہوں گے تو بھی آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ مستورات کی تعلیم کا طریقہ ہی معلوم ہو جائے گا۔

حقیقتِ حق | اس واسطے کہ آپ حضرات کے ذمہ اُن کی تعلیم بھی ہے، حدیث میں ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

مرد اپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے۔ قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا اور محض نان و نفقہ ہی سے حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیاتِ دنیا تک ہے آگے کچھ بھی نہیں اس لئے صرف اس پر اکتفا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ یعنی اُنکی
تعلیم کرو حقوق الہی سکھاؤ ان سے تعمیل بھی کراؤ جب قدرت ہو اس میں
آپ معذور نہ ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیا رسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا۔ آپ ایک
دفعہ کہنے میں سبکدوش نہ ہوں گے اگر یہی مذاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کر دیں
تو اُس وقت بھی اسی مذاق پر عمل کیا جائے کہ ایک بار کہہ دیا کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے
کہ کھایا نہیں جاتا یہ کہہ کر فارغ ہو جائے۔ پھر اگر ایسا اتفاق ہو تو کچھ نہ کہئے
حالانکہ وہاں ایسا نہیں کرتے بلکہ اُس پر ناراض ہوتے ہیں اگر پھر کرے تو مارنے کو
تیار ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہے اور دین کے
معاملہ میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسا کریگی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھتے تو وہاں
ضرر ہی کیا پہونچا صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی — — —
یہاں تو دین کا ضرر ہے — — — بس اب سمجھ لیجئے جیسے سکوت سے
وہاں آپ کا ضرر ہے سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے۔
کہ ان کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی یہ کیا تھوڑا ضرر ہے اب دوسری
مذاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں کوئی آپ کا چاہتا بچہ ہو وہ دوار نہ
پئے تو آپ زبردستی دوار پلاتے ہیں بے متردتی گوارا کرتے ہیں اگر ویسے نہ پئے
تو چیخ سے اُس کے منہ میں ڈالتے ہیں اس خیال سے کہ یہ تو بیوقوف ہے، نادان ہے،
انجام پر اُسکی نظر نہیں، مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اُسکو آزاد
نہیں چھوڑتے ہر طرح سے اُسکی حفاظت رکھتے ہیں سو کیا وجہ ہے کہ وہاں تو
اس مذاق سے کام لیا جاتا اور یہاں نہیں لیا جاتا۔ سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین
کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری، مگر
مگر غیر ضروری ہے تو دین۔

دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے اگر دین کی مضرت

پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہو گا۔ پھر وہ مضرت مگر ایمان کی حد میں ہے، تب تو چٹکارا بھی ہو جاوے گا مگر نقصان جب بھی ہو گا گو دائمی نہ ہو اور اگر ایمان کی حد سے بھی

نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے ۵

چوں چنین کالے ست اندر رہ ترا | خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

اور اسی بے فکری کا ایک شعبہ ہے کہ مرد عورتوں کی تعلیم کو اپنے **تعلیم نسواں** ذمہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ بعض کی رائے تو یہ ہے کہ تعلیم مضر ہے

مگر اسکی ایسی مثال ہے کہ کسی نے اپنے گھر والوں کو کھانا کھلایا، اتفاق سے بی بی بچہ سب کو ہینڈ ہو گیا۔ اب آپ نے رائے قائم کی کہ کھانے پینے سے تو ہینڈ ہو جاتا ہے

اس لئے سب کا کھانا پینا بند اور دل میں جمالیا کہ کھانے کی برابر کوئی چیز بُری نہیں۔ سو تعلیم سے اگر کسی کو ضرر پہنچ گیا تو یہ تعلیم کی بد تدبیری سے ہے نہ کہ تعلیم سے ہاں یہ

امر زیر بحث ہے کہ کونسی تعلیم ہونی چاہئے مختصر یہ ہے کہ تعلیم دین کی ہو ہاں حساب کتاب کا گھر کا یا دھوبی کے کپڑے لکھنے اسکی ضرورت بھی انکو داتع ہوتی ہے سوا تنہا حساب کتاب

بھی یہی اور فی نفسہ مردوں کو بھی دنیوی تعلیم کی ضرورت نہ تھی مگر معاش کی ضرورت نے مجبور کر دیا۔ اور اگر محض اس ضرورت سے آگے کمال حاصل کرنے کے لئے اُن کو

تعلیم دی جاتی ہے تو بھلا یہ بھی کوئی کمال ہے کہ فلاں راجہ مر گیا فلاں بادشاہ فلاں سنہ میں ہوا تھا۔ فلاں جگہ اتنے دریا ہیں فلاں موقع پر اتنے گاؤں ہیں کلکتہ ایسا شہر ہے

بمبئی میں اتنی تجارت ہوتی ہے اور اگر اسکو بھی کمال سمجھ لیا جاوے سو کمال بھی جب ہی معتبر ہوتا ہے جبکہ مضرت نہ ہو۔ ہم تو مٹا ہوا کرتے ہیں کہ اس نئی تعلیم سے مضرت

پہنچتی ہے اور عورتوں کو بہت ہی زیادہ۔ اس وجہ سے انکی تعلیم میں تو یہ امور ہرگز بھی نہ ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ہر وہ تعلیم جس سے دینی ضرورت پیش آئے رہا ضروری تعلیم کے

بعد اگر آپ کی سویر تدبیر سے ضرر ہو گیا تو آپ کا یہ حکم لگانا کہ تعلیم مضر ہے غلط ہے تعلیم

دین تو مضر ہو ہی نہیں سکتی جب اُس کے ایسے ایسے فضائل ہیں اور اُس کے منافع دیکھ بھی جاتے ہیں تو پھر وہ کیسے مضر ہو سکتی ہے غرض یہ کہ تعلیم عورتوں کی مردوں کے ذمہ ہے انکی ذمہ داری صرف کھانا کپڑا دینے سے پوری نہیں ہوتی پس اس سے یہ تو معلوم ہو ہو گیا کہ تعلیم ضروری ہے۔

طریق تعلیم نسواں | اب اس کا بیان ہونا چاہیے کہ اُس کا طریقہ کیا ہے اس سے مردوں کو یہ نفع ہو جائے گا کہ لڑکا تعلیم معلوم ہو جائے گا اُس کا انتظام کر سکیں گے اور مرد اگر تدبیر سے کام لیں تو یہ مضامین بچوں سے عورتوں مردوں سب کے لئے نافع ہو سکتے ہیں اگرچہ ظاہراً خاص ہیں مستورات کے ساتھ پس میں نے جو آیت تلاوت کی تھی :

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعَنُوا
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ط

اس میں یہی ضروری تعلیم مذکور ہے اور یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے اس واقعہ کے تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں حکایات بیان کرنے کے لئے نہیں بیٹھا ہوں بلکہ ان واقعات میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اور وہ فیصلہ ہے ضرورت عامہ کا اُس کے بیان کرنے کی ضرورت ہے، غرض آیت گو ایک واقعہ خاص میں نازل ہوئی ہے مگر مخصوص نہیں ہے اس واقعہ کے ساتھ، کیونکہ ہر واقعہ کے لئے ایک قانون ہوتا ہے سو اگر قانون اس واقعہ کے قبل بنا ہوا ہے تب تو فہما اور اگر بنا ہوا نہیں ہے تو اُس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور جب تک حکومت رہتی ہے وہ قانون جاری رہتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ واقعات کا انحصار ہو نہیں سکتا اس لئے قوانین کلیہ بنائے جاتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت واقعات کو ان قوانین میں داخل کر سکیں اس سے فقہاء کے اس کہنے کا راز معلوم

ہو گیا کہ : لَا عِبْرَةَ لِحُصُوصِ الْمَوْرِدِ بَلْ لِعُمُومِ الْأَلْفَاظِ ۔

یعنی خصوص مورد کا اعتبار نہیں بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے مثلاً کوئی گیت کسی خاص موقع میں نازل ہوئی تو وہ اسی موقع کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو واقعہ بھی اُس کی مثل پیش آئے گا تو وہ اُس کو بھی شامل ہوگی جیسے :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا كَانُوا عَلَى النَّاسِ يُسْتَوْطُونَ

إِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْزَارًا فَيُخْسِرُونَ ۚ

بعض اہل کیل دوزن کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر اُن ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ جو بھی کم ناپے، تولے گا سب کو اس آیت کی وعید شامل ہوگی۔ اسی طرح بہت سی آیات ہیں کہ موارد اُن کا خاص ہے مگر حکم عام ہے اور یہ عقلی مسئلہ ہے اس میں زیادہ تفصیل کرنے کی حاجت نہیں اسی طرح یہ آیت باوجودیکہ واقعہ خاص میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اب سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کیا فرماتے ہیں حق تعالیٰ اس آیت کے اندر ایک مضمون خاص بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں اُن عورتوں کو جو محفوظ ہیں اور جنہیں خبر نہیں اور ایمان والیاں ہیں اُن پر دنیا میں بھی لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہوگا (آخرت میں) یہ تو ترجمہ کا حاصل ہے کہ پاک عورت کو تہمت لگانے والے پر لعنت ہے۔ اب سمجھتے کہ کسی کلام سے جو مقصود ہوتا ہے اُس کو اصطلاح میں عبارة النص کہتے ہیں اور وہ مقصود ہی ہے جو ترجمہ کے حاصل میں بیان کیا گیا، مگر مجھ کو اس وقت اُس مقصود کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اُس کا ایک اور مدلول بھی ہے جو مقصود نہیں مگر آیت اُس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصطلاح میں اشارة النص کہتے ہیں۔

اس وقت اس کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ مضمون
صفاست نسواں | یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں عورتوں کا اچھی صفت

بیان کی ہیں اور وہ صفات اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مجھ کو ان صفات میں گفتگو کرنا مقصود ہے تاکہ عورتیں اپنے اندر ان صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کریں، سو آیت میں غور کرنے سے اور لفظوں کے دیکھنے سے وہ مین صفات ہیں جن سے متصف ہونیوالیوں کو تہمت لگانے والے پر لعینوا کو مرتب کیا ہے تو وہ صفات پیدا کرنی چاہئیں پس ایک صفت الْمُحْصَنَاتُ ہے۔ ایک صفت الْخَفِلَاتِ ہے ایک صفت الْمُؤْمِنَاتِ ہے حاصل ترجمہ محصنات کہ ہے پارسا عورتیں۔ اور لفظی ترجمہ سے حفاظت کی گئیں یعنی ان کو پارسائی کے خلاف باتوں سے محفوظ رکھا گیا دوسری صفت یہ ہے غَافِلَاتِ یعنی بے خبر بھولی بھالیاں تیسری صفت ہے الْمُؤْمِنَاتِ یعنی ایمان والی۔ سو آیت میں بظاہر یہ صفات منتشر یعنی غیر مربوط اور غیر مرتب معلوم ہوتی ہیں کیونکہ پہلے الْمُحْصَنَاتِ ہے پھر الْخَفِلَاتِ پھر الْمُؤْمِنَاتِ حالانکہ ظاہراً مقتضائے ترتیب یہ تھا کہ المؤمنات کو پہلے لاتے کیونکہ ایمان کا درجہ مقدم ہے سب چیزوں سے مگر ایسا نہیں کیا بلکہ محصنات کو مقدم کیا۔ مومنات پر اس میں ضرور کوئی بڑا نکتہ ہے۔ بات یہ ہے کہ کلام حق تعالیٰ کا ضروری رعایتوں کا نہایت جامع ہے اور اس میں اسقدر تدقیق ہے کہ ضروریات اصلاح کے متعلق جتنے امور ہیں ان کا ضبط اس میں اسقدر کافی ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہو سکتا پس نظر غائر کرنے سے یہ صفات آپس میں مربوط بھی ہیں یعنی ان میں باہم علاقہ بھی ہے اور مرتب بھی ہیں۔

کمالات دین و دنیا | اسکے لئے پہلے ایک مقدمہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ انسان میں دو کمال پیدا کئے گئے ہیں اور ان ہی کمالات کو بڑھانا انسان کو ضروری ہے ایک کا نام قوتِ علمیہ اور دوسرے کا قوتِ عملیہ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہو اس میں اختلاف رکھتا ہو خواہ وہ دنیا کا طالب ہو یا دین کا طالب ہو وہ دنیا دار ہو یا دیندار، وہ جاہل ہو یا عالم، وہ منطقی ہو یا فلسفی

ہو۔ آخر کوئی نہ کوئی کام تو کرے ہی گا اور کرنے کا تعلق ہے قوتِ عملیہ سے۔ اگر قوتِ عملیہ سے نہ ہو تو اُس کام کو کر ہی نہ سکے گا اور قوتِ عملیہ سے اُس کی حقیقت جانے گا، اور اگر اتفاقی طور پر اس طرح کرے کہ قصد کو اختیار کر اُس میں دخل ہی نہ ہو تو وہ بحث سے خارج ہے مثلاً کوئی تجارت کرتا ہے تو اُس کو ایک تو تجارت کے اصول جاننا چاہیئے اور پھر وہ اصول برتنا چاہیئے۔ کوئی شخص کھیتی کرتا ہے تو پہلے طریقہ کھیتی کا معلوم کرے پھر کھیتی کرنا چاہیئے۔ اسی طرح نوکری ہے کہ پہلے اس کے اصول جاننا چاہیئے اس کے بعد قوتِ عملیہ سے کام شروع ہوتا ہے میں کہاں تک مثالیں عرض کروں۔ یہ بات اس قدر ظاہر ہے کہ زیادہ مثالوں کی محتاج نہیں، غرض انسان میں ایک قوتِ عملیہ ہے جس سے نفع و ضرر کو پہچانتا ہے دوسری قوتِ عملیہ ہے اور انسان میں اصل بھی دو کمال ہیں، باقی جتنے کمال ہیں وہ سب اسی کی فرع ہیں اور عورتیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں پس اُن کے بھی کمالات یہی دو ہوں گے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اور اسی طرح جتنی کتابیں دین کی ہیں اُن میں اُن ہی کمالات سے بحث ہوگی جو دین کے متعلق ہوں، گو دنیا کے کمالات کی تحصیل بھی ناجائز نہیں سو قرآن شریف کے دو کام ہوں گے ایک تو کمالاتِ دینی کا بتلانا دوسری جس عمل میں مصرتِ آخرت کی ہو اُس سے روکنا جیسے طبیب کا کام ایک پرہیز کا اور دوسرے دوا کا بتلانا ہے یہ اُس کے ذمہ نہیں کہ لذیذ کھانوں کی ترکیب بتلایا کرے حکیم محمود خاں کے ذمہ یہ ہے کہ دوا اور پرہیز بتلادیں گلگلہ پکانے کی ترکیب بتلانا یہ کام حکیم محمود خاں کا نہ ہوگا۔ اگر مرلیض نے اجازت چاہی کسی کھانے کی تو ترکیب اُس کھانے کی خوانِ نعمت میں ملے گی۔ طبیب ہونے کی حیثیت سے ترکیب کھانے کی اُن کے مطب میں نہ ملے گی۔ اگر کوئی اُن سے کھانے کی ترکیب پوچھنے لگے تو اُن کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارا کام یہ نہیں ہے جاؤ کسی باورچی سے سیکھو۔ اگر خوش

ہو کر بتلا دیں تو یہ انہی غایت ہوگی مگر ان کے ذمہ نہیں ہاں ان کا یہ منصب ہے کہ جو چیز مریض
 کو مُضر نہ ہو اسکی اجازت دے دیں اور اگر مُضر دیکھیں تو روک دیں اسی طرح سے علماء کے
 ذمہ جو کہ قرآن شریف کے نقل کر نیوالے ہیں یا یوں کہیے کہ قرآن شریف کے ذمہ دو چیزیں ہیں
 ایک امراض روحانی کی دوا بتلانا دوسرے پر ہیز بتلانا۔ اور یہ اُس کے ذمہ نہیں کہ
 وہ دنیا کے کمالات کے طریقے بتلایا کریں کہ ربیع میں فلاں چیز بڑھتی ہے خریف میں یہ بڑھتی
 ہے مشین یوں چلتی ہے گھڑی یوں بنتی ہے پتلی گھڑیوں طیار ہوتا ہے کپڑا یوں بُنا
 جاتا ہے۔ یہ قرآن شریف کے ذمہ نہیں ہے ہاں اگر آپ ان چیزوں کو کمال سمجھیں تو
 قرآن شریف اجازت دیتا ہے کہ ان کے کرنے میں عرج نہیں مگر یہ اجازت ہی تک
 ہے کہ آخرت کی مُضر نہ ہو۔ جیسے طبیب جب کسی غذا میں مریض کے لئے مُضر دیکھتا
 ہے تو اُس کو فوراً روک دیتا ہے اسی طرح شریعت جس وقت دیکھے گی کہ فلاں امر میں
 مُضر ہے آخرت کی اور یہ بات مریض روحانی کو مُضر ہوگی تو فوراً روکے گی۔ سو
 قرآن شریف کی تعلیم کافی ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس میں زراعت بھی ہو
 تجارت بھی ہو مشین چلانے کی ترکیب بھی ہو کپڑا بننے کا طریقہ بھی ہو بلکہ اُس میں آخرت
 کی قوانین ہیں بعض تو مفصل ہیں اور جہاں کلام اللہ مجمل ہے وہاں حدیث سے اسکی تفسیر
 ہو گئی ہے اور یہ سب قرآن شریف ہے جو مختلف رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے باقی یہ کہ
 اُس میں تجارت بھی ہو زراعت بھی ہو سو یہ عیب ہے کسی فن کی کتاب کے واسطے کہ اکیس
 مقصوداً دوسرے فن کے مسائل ہوں مثلاً طب اکبر میں امراض کا بیان ہے اس لئے
 کہ وہ طب کی کتاب ہے۔ ایک شخص نے خیال کیا کہ کبھی ضرورت جوتے سینے کی پڑ جاتی
 ہے کبھی ضرورت تجارت و زراعت کی بھی واقع ہو جاتی ہے اس لئے اُس نے طب اکبر
 میں یہ تصرف کیا کہ شروع میں دو ورق تو امراض راس کے لکھے پھر جوتیاں سینے کا بیان
 لکھ دیا۔ پھر دو ورق امراض حلق کے لکھ دیئے اس کے بعد تجارت یا زراعت کے
 متعلق کچھ لکھ دیا یا پھر دو ورق امراض معدہ کے لکھے۔ پھر کچھ مضمون کپڑا سینے کا

لکھ دیا بتلانے انصاف سے کہ ایسی کتاب کو دیکھ کر عقلاء کیا کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ اب مذاق اڑائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طب اکبر کا کمال نہ ہوگا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں طب ہی کے مسائل ہوں

اسی طرح قرآن شریف میں اگر ایسا ہوتا تو قرآن شریف کا کمال نہ ہوتا اس کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں دین کے طریقے بتلانے جائیں ہاں معاش سے ممانعت نہ ہونی چاہیئے جبکہ طریقہ مباحہ سے ہو مقصود میرا ہے کہ میں اپنی اس وقت کی تقریر میں جب لفظ کمال کہوں گا تو اس سے کمال دینی مراد ہوگا۔ سو کمال دینی ڈو چیزیں ہیں ایک قوت علمیہ اور ایک قوت عملیہ۔ اور یہی دو کمال عورتوں کے لئے بھی ہیں پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر تین کلمے ارشاد فرمائے ہیں ایک المحسنات یعنی حفاظت رکھی ہوئی بچائی ہوئی عورتیں دوسرا المؤمنات یعنی ایمان والی تصدیق کر نیوالی عورتیں۔ میں پہلے ان ہی دو کلموں کو لیتا ہوں (الغافلات کا بیان آئندہ ہے) سو سمجھئے کہ ایمان نام ہے خاص علوم کا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کی اطلاع رسولؐ کی معرفت دی ہے اور ان باتوں کو سچا جاننا۔ ان علوم کا نام درجہ یقین میں ایمان ہے پس اس ایک لفظ میں اشارہ ہے قوت علمیہ کی طرف یعنی المؤمنات میں اور دوسرے میں اشارہ ہے قوت عملیہ کی طرف یعنی المحسنات میں۔

اور یہ دونوں کمال جب عورتوں کی طرف منسوب ہیں، تو معلوم **کامل نسواں** ہوا کہ جیسے مرد کامل ہو سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کامل ہو سکتی ہیں اور جیسے خود مردوں کی نوع میں تفاوت ہے ایسے ہی عورتوں کی نوع میں بھی تفاوت ہے۔

اور عورتوں کے کمال کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرد جیسے کامل ہوتے ہیں یہ ویسی ہو جائیں۔ بلکہ مطلب ہے کہ اپنی استعداد کے موافق کامل ہو سکتی ہیں خواہ مردوں کی برابر نہ ہوں اور عورتوں کے کمال کے حکم پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو بڑے نص نائنص ہیں پھر انکو

کامل کیسے کہا جاسکتا ہے بات یہ ہے کہ عورتوں میں دو قسم کے نقصان ہیں ایک تو مردوں کے نوع کے مقابلہ میں۔ سو اس کا تدارک تو غیر اختیاری ہے اور اکتساب کو اس میں دخل نہیں اور ایک اپنی نوع کے لحاظ سے اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور وہ مکتسب اور اختیاری ہے اور یہ نقصان مبدل کمال ہو سکتا ہے بہر حال عورتوں کو بھی ایک کمال علمی حاصل ہو سکتا ہے جس کو ایمان کہا گیا ہے دوسرا کمال عملی حاصل ہو سکتا ہے جس کو احسان فرمایا گیا ہے اور چونکہ ایمان نام ہے علوم خاصہ کا اور علم مقدم ہوتا ہے عمل پر اس لئے اس کا مقتضایہ تھا کہ المومنات کو مقدم لایا جاتا۔ المحصنات پر المحصنات کو مقدم لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ علم مطلقاً فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ اس کا زیادہ حصہ ذریعہ ہے عمل کا اور مقصود علم سے عمل ہی ہے۔

علم و عمل پس چونکہ اس اعتبار خاص سے عمل مقدم ہے علم پر اس لئے المحصنات کو پہلے لائے اور المومنات کو بعد میں یہاں یہ نکتہ ہے مقدم لانے میں اور اعتبار خاص سے میں نے اس لئے کہا کہ دوسرے اعتبار سے علم مقدم ہے عمل پر وہ یہ کہ بدون علم کے عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر ہیں دونوں ضروری علم بھی اور عمل بھی۔ یہ نہیں کہ جو شخص عمل نہ کرتا ہو وہ علم بھی حاصل نہ کرے جیسا بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عمل ہی نہیں ہو سکتا تو احکام جاننے سے وعظ سننے سے کیا فائدہ۔ بات یہ ہے کہ جب دونوں فرض ہیں تو جس نے علم حاصل کیا گو عمل نہ کیا تو وہ ایک ہی جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے ایک ہی ضروری چیز کو چھوڑا اور جس نے علم بھی حاصل نہ کیا وہ دو جرم کا مجرم ہوا کیونکہ اس نے دو ضروری چیزوں کو ترک کیا اور اس کا یہ عذر مقبول نہ ہوگا کہ علم اس لئے حاصل نہیں کرتا کہ علم سے پھر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ عمل تو پھر بھی فرض ہی رہے گا۔ اس جاہلانہ عقیدہ پر ایک حکایت یاد آئی ایک شخص نے مسئلہ سنا تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ آپ گھر کے اندر گھس کر بیٹھ رہے کو اڑ بند کر لئے کہ نہ چاند

دیکھوں گا نہ روزہ فرض ہو گا۔ کئی روز وہیں گزر گئے وہاں ہی کھانا وہاں ہی
 بگنا۔ بی بی پانچخانہ اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہو گئی۔ بس ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کیا
 جنگل میں آپ پہنچے قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی تالاب کے کنارہ پر پہنچے بہر
 جھکاتے ہوئے تھے کہ کہیں چاند نظر نہ پڑ جائے۔ سچا رہا اتنا جانتا تھا کہ پانی کے
 اندر عکس ہوتا ہے تالاب کے کنارہ بیٹھے تو پانی میں چاند نظر پڑا اور روزہ فرض ہو
 گیا آپ کہتے بھلے ہیں ہم تو تجھے دیکھتے نہیں تو زبردستی آنکھوں میں گھسا جاتا ہے
 پس جیسے اُس نے سمجھا تھا کہ جو چاند نہ دیکھے روزہ فرض نہیں ہوتا ایسے ہی بعض
 لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر علم حاصل نہ کریں گے تو عمل ہی فرض نہ ہو گا۔ سو یاد رکھئے کہ
 فرض دونوں چیزیں ہیں علم بھی عمل بھی اور اس اعتبار سے علم کا حاصل کر لینے والا
 گو اُس نے عمل نہ کیا ہو اُس سے اچھا ہے جس نے علم و عمل دونوں حاصل نہ کئے
 ہوں ہاں زیادہ مقصود بے شک عمل ہے اور اسی وجہ سے المومنات کو مقدم لانے
 المومنات پر گویا اس میں عمل کی مقصودیت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہم یہاں اسکو
 اس لئے مقدم کرتے ہیں کہ عمل کو زیادہ مقصود سمجھو اور اس میں رد ہو گیا اُن لوگوں
 کا جو محض تسلیم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اور عمل کا اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض لوگ
 علم دین حاصل کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا کمال حاصل کر لیا میں نے اس مذاق کے
 علماء دیکھے ہیں کہ بس علم حاصل کر کے اپنے کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں اور سارے
 مسلمانوں کو بیچ دربیچ سمجھتے ہیں اور اُنکو ناز ہوتا ہے اپنے علم پر حق تعالیٰ ایسے
 ہی لوگوں کے بارہ میں فرماتے ہیں فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ
 کہ جو علم اُن کے پاس تھا اُس پر اترانے لگے۔

اور خاص کر عورتیں جو ذرا بھی تسلیم یافتہ ہو جاتی ہیں
نصابِ تعلیم نسواں اُن کے ناز کا تو انتہا ہی نہیں رہتا حالانکہ اُن کا نصابِ
 علمی بس یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھ لیا اس کے بعد اگر بہت معراج ہوئی

تو قرآن شریف کے ترجمہ کا شوق ہوا مگر نرے ترجمہ سے کیا ہوتا ہے تا وقتیکہ کوئی عالم تفسیر نہ بتلائے بس عورتیں اتنا پڑھ کر عالم فاضل ہو گئیں۔ سمجھنے لگیں کہ ہم بھی کچھ ہیں اس کے بعد وہ یہ کرتی ہیں کہ اردو کی کتابیں خریدیں ناول خرید لیں، معجزہ آل نبی خرید لیا۔ خدا جانے یہ کس نے گھڑا ہے حضرت علی کی نسبت، اس میں تو اہانت ہے انکی، اُس میں لکھا ہے کہ آپ کے یہاں ایک فقیر آیا تھا آپ نے اپنے صاحبزادوں کو ہمہ کر دیا تھا محض مہمل قصہ ہے مگر چھپا ہوا موجود ہے عورتیں شوق سے منگاتی ہیں سمجھتی ہیں کہ اس میں بڑا ثواب ہے، ملتا ہے بزرگوں کے قصے ہیں مُصنّف بندہ خدا نے یہ نہ سوچا کہ آزاد شخص پر یہ تصرف کب صحیح ہے اور خود حضرت حسنینؑ کی بھی اہانت ہے کہ اُن کو غلام بنایا گیا اور بہت سے اسی قسم کے قصے ہیں۔ ساپن نامہ، درخت کا مُعجزہ، ایک پہل رسالہ چھپا ہے اس میں ایسے ایسے یہودہ قصے ہیں جن کا سرتہ پاؤں اور پھر تعریف یہ کہ بعض قصوں کی نسبت لکھ دیا ہے کہ جو انکو پڑھے گا۔ اسپر دوزخ کی آبخ حرام ہو جاوے گی یا یہ عورتیں نعت کی کتابیں منگاتی ہیں اور اُن میں کہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کہیں حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے گویا ان مذاہن کو بیماری شریعت معاف ہو گئی جس کی شان میں چاہا گستاخی کر دیں، رسول کی شان میں اللہ کی شان میں، غرض اُن کتابوں میں بہت سے اشعار خلاف شریعت ہیں جن کا پڑھنا بھی جائز نہیں غرض یہ نصاب ہے عورتوں کی تعلیم کا اس نصاب پر ناز ہے اور اگر نصاب کامل بھی ہوتا تو بھی ناز کرنا کہاں زیب تھا چہ جائیکہ نصاب بھی ایسا پاکیزہ اور علم پر ناز ہی کیا اتنا تو سمجھنا چاہیے کہ ہر جلنے کا کوئی نتیجہ بھی تو ہوتا ہے ایک شخص کہتا ہے کہ میں تجارت کے طریقے جانتا ہوں مگر اُس پر عمل نہیں کرتا تو ایسے شخص پر تو زیادہ حسرت ہوتی ہے۔

ضرورت عمل

خوب سمجھنا چاہیے کہ نرے علم پر ناز کرنا ہی نادانی ہے اور اگر اُس پر عمل ہوا تو وہ عمل ہی ناز کے ترک کو مستلزم ہے خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے المحسنات کے تقدّم سے بتلا دیا کہ نرے علم کچھ مفید نہیں اور علم کے ناکافی ہونے کی تقریر کی ایک فرع اور وہ یہ ہے کہ جیسے آجکل اس مذاق کے لوگ کہ نرے علم کو کافی سمجھتے ہیں اسی طرح بہت لوگ اس مذاق کے بھی ہیں کہ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے جو کہ ایک فرد ہے علم کی بس سارے اعمال سے سبکدوش ہو گئے اور اس مذاق پر استدلال کرتے ہیں کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ بس اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو سچا سمجھئے پھر جو چاہے کرے میں کہتا ہوں یہ بتلائیے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی رحیم ہے؟ جواب بھی یہی ہوگا کہ نہیں۔ رسول سے بڑھ کر کوئی شفیق ہے؟ جواب بھی ہوگا کہ نہیں۔ جب یہ ہے تو معاملہ رحمت و شفقت کا اثر تو یہ ہونا چاہیے کہ ایسے شفیق و رحیم کا بتلایا ہوا کام کوئی دشوار سے دشوار بھی نہ ٹالا جاوے نہ یہ کہ سارے احکام کو بالائے طاق رکھ دیا جاوے۔ اچھی قدر کی خدا کی رحمت اور رسول کی شفقت کی ایک مقدمہ اور سنئے طبیب کامل شفیق وہ ہے جس کو نسخہ سہل لکھنے میں ہمارت ہو بلکہ جنگل کی دوا سے علاج کرتا ہو جس قدر سہولت کی رعایت ہوگی وہ دلیل ہوگی کمال اور شفقت اور رحمت کی۔ جب یہ سمجھ گئے تو سنیے کہ آسان طرلقہ تو یہ تھا کہ نہ نماز کی ضرورت ہوتی نہ زکوٰۃ کی نہ حلال و حرام کے اہتمام کی نہ رشوت چھوڑنے کی نہ تکبر چھوڑنے کی بس لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، کہہ کر نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے یہ نہایت سہل طرلقہ تھا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تجویز فرماتے تو لوگ نہایت آسانی سے اسلام قبول کر لیتے مگر باوجود اس کے آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اعمال کی بھی تاکید اور تعلیم فرمائی اس سے معلوم

ہوا کہ صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ — کافی نسخہ نہیں ہے دوسرے اجزاء کی بھی ضرورت ہے مگر آج کل اہل الرائے کی عجیب حالت ہے چنانچہ ایک شخص نے یہاں تک رائے دی کہ اگر سب علماء مل کر نماز کو اسلام سے خارج کر دیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو اور اس کے باقی رکھنے سے اسلام کی ترقی رک رہی ہے کیونکہ جب کوئی شخص سُنتا ہے کہ اسلام لا کر نماز گلے مڑھی جائے گی تو وہ اسلام لانے سے رک جاتا ہے بہت سے لوگ اسلام لانے پر آمادہ ہیں مگر نماز کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی اس لئے اس کو حذف کر دینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز نہ ہوتی تو مسلمان ہونا کچھ بھی مشکل نہ تھا بہت سہل ہوتا، مگر باوجود اس کے پھر کیا وجہ ہے کہ نماز فرض فرمائی گئی اور اس کے تارک پر وعید ارشاد فرمائی اور وعید بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ یوں فرمایا: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مَتَعْتِدًا فَقَدْ كَفَرَ کہ جس نے عداً نماز کو چھوڑا تو وہ کافر ہو گیا۔ یہاں ایک بات سمجھئے کہ مولویوں کی عجیب کم نختی ہے کہ جب اس قسم کا مضمون بیان کرتے ہیں تو لوگ ان کو یوں کہتے ہیں کہ بس جی انکو تو کافر بنانا آتا ہے۔ بھائی یہ تو رسول کا فتویٰ ہے مولویوں کے گھر کی تو بات نہیں اور اگر کہو کہ حدیث کوئی چیز نہیں چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعض اسکے بھی قائل ہیں تو صاحبو! قرآن شریف کا سیاق و سباق بھی تو تارک نماز کو مُشْرک بتلا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

أَقِمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ط

تو کیا قرآن شریف کو بھی حجت نہ کہا جاوے گا۔ حاصل یہ کہ اس درجہ جو نماز کی تاکید کی گئی یا حج و زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے بارے میں وعید سنائی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض ایمان لانا کامیابی کے لئے کافی نہیں بلکہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے یہ معنی ہی نہیں کہ کوئی عمل نہ

کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کا بھی اقرار کرے اور اس کے مقتضائے پر عمل بھی
 کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ
 اور اس قاعدے میں کسی عاقل کو کلام نہیں بالکل ظاہر بات ہے میں اس کے
 متعلق چند مرتبہ مثالیں پیش کر چکا ہوں، ایک بہت ظاہر مثال اس وقت بھی عرض
 کرتا ہوں مثلاً "کسی شخص کا نکاح کیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے فلاں لڑکی
 کو اتنے مہر پر قبول کیا؟ وہ کہتا ہے قبول کیا ظاہر ہے کہ اس کے معنی بلاشبہ یہی ہوتے
 ہیں کہ میں نے مکان دینا بھی قبول کیا کھانا کپڑا بھی قبول کیا اور بھی تمام اخراجات
 بی بی کے قبول کئے اور یہ معنی اُس قاعدہ کی بنا پر ہیں کہ الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ
 اب فرض کیجئے کہ یہ شخص ناکح اس مذاق کا تھا کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا
 اللَّهُ کے محض لفظی معنی کا قائل تھا نکاح کے چند روز بعد ماں باپ نے علیحدہ کر دیا کہ
 کماؤ کھاؤ جب علیحدہ ہوئے تو بی بی نے کہا کہ میاں گھٹی چاہتیے آٹا چاہتیے دسوں قسم
 کے جھگڑے بتلا دیئے اُس نے سُن کر کہا کہ نکاح میں کب ٹھہرایا تھا کہ یہ بھی لاؤں گا
 اور وہ بھی لاؤں گا اس کا تو ذکر تک بھی نہ ہوا تھا نہ اس کو میں نے قبول کیا تھا۔
 عرض تکرار بڑھا سارا محلہ جمع ہو گیا میں اُن صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ
 کے سامنے ایسے شخص کا مقدمہ پیش ہو اور آپ جج ہوں تو آپ کیا فیصلہ کریں۔
 ظاہر ہے کہ آپ یہی فیصلہ کریں کہ یہ جملہ ضروریات اُس کے ذمہ ہیں اور کسی عورت
 کو نکاح میں قبول کرنے کے معنی یہی ہیں کہ میں نے آٹا لانا بھی قبول کیا کھانا کپڑا دینا
 بھی قبول کیا جملہ ضروریات قبول کیں نکاح کے قبول کرنے میں یہ سب چیزیں بھی آ
 گئیں بس اسی طرح لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی سمجھ لو کہ جس نے لَا إِلَهَ
 إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کیا تو اسی میں یہ سب اقرار بھی آ گئے کہ نماز بھی پڑھوں گا روزہ بھی
 رکھوں گا زکوٰۃ بھی دوں گا حج بھی کروں گا تمام احکام کا اقرار اسی میں آ گیا۔ اب
 حدیث میں جو ہے دخل الجند کہ وہ شخص جنت میں داخل ہو گا تو یہ بالکل صحیح

ہے اس پر اگر کوئی یوں شبہ کرے کہ اس حدیث میں یہ بھی تو ہے : **وَإِنْ زَاغَ وَانْ سَرَقَ** کہ جس نے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ لیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ زنا اور چوری کرے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ کر چاہے جو کرے سمجھ لیجئے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ان افعال پر اصرار نہ کرے یعنی اگر گناہ بھی ہو جاوے تو توبہ کر لے کیونکہ توبہ بھی تو **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہی کے اقرار میں داخل ہے پس توبہ کے بعد پھر پہلی حالت ہو جاوے گی اور یہ معنی نہیں کہ فقط **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ کر فارغ ہو گئے اور کچھ ذمہ ہی نہیں رہا۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایمان لا کر کسی چیز کو ضروری ہی سمجھتے بلکہ بعض تو صرف مسلمان کے گھر پیدا ہونے کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور بعض کو خود اس ایمان کی بھی خبر نہیں کہ کیا چیز ہے؟

اہمیتِ دین | صاحبو! اس بے خبری کا علاج سیکھنا ہے۔ دین سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے مگر افسوس آج کل ادنیٰ درجہ کی چیزیں تو سیکھی جاتی ہیں مگر دین نہیں سیکھا جاتا۔ اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حتیٰ الامکان دین کے سیکھانے والے ایسے تجویز کئے جائیں جو خود بھی دین رکھتے ہوں اپنے کو ان کے پُر دکرنا چاہیے۔ دیکھئے مدارس دینی میں لوگ تسلیم کے متعلق سب باتیں استاد کے پُر د کرتے ہیں اور جس چیز کا جو کورس ہے اس میں اسی کو دلیل بناتے ہیں مگر اُس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے تو دین کے باب میں نہیں کرتے اور پورا دین سیکھنے ہی سے ایمان بھی پورا ہوتا ہے تھوڑے دین کے سیکھنے سے ایمان بھی پورا نہیں ہوتا کہ وہ محض لفظی ایمان ہوگا اور ایمان لفظی کیا کام دے سکتا ہے مگر حضرت اس وقت وہ حالت ہے کہ : **لَا يَبْقَى مِنَ الدِّينِ إِلَّا اسْمُهُ** سو حق تعالیٰ نے اس آیت میں المحسنات کو مقدم کر کے اشارہ اس طرف کیا ہے کہ فقط ایمان پر قناعت کرنا بدون عمل کے کافی نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص

بغاوت کرتا ہو ہم کے گولے چھوڑتا ہو مگر گورنمنٹ کو بھی مانتا ہو کیا خوشنودی
سلطنت دامن وعافیت کے لئے محض یہ مان لینا بدون اطاعت کے کافی ہو جائے
گا۔ سب جانتے ہیں کہ کافی نہیں ہو سکتا تو حق تعالیٰ کی جناب میں بھی یہ مان لینا
کیسے کافی ہو گا جب تک عمل نہ ہو۔ یہ نکتہ تھا المحصنات کے مقدم کرنے میں المؤمنات
پر غرض حق تعالیٰ ان دونوں کلموں میں قوتِ علمیہ و عملیہ دونوں کو بیان کر رہے
ہیں یہ حاصل ہوا اس بیان کا۔ اب صرف اس کی ضرورت رہ گئی کہ اس علم اور عمل
کی فہرست بیان کر دی جائے پس سُنئے کہ علم سے مراد علمِ دین ہے علمِ دنیا نہیں۔
اور اس کے یہ معنی نہیں کہ علمِ دنیا کی ممانعت ہے جس چیز کی ضرورت واقعی ہو اس کو
کتاب و سنت منع نہیں کرتی بلکہ اگر دین کی نیت سے سیکھے تو وہ دنیا بھی دین ہی ہو
جاتی ہے البتہ وہ دینِ لغیر ہے اپنی ذات میں دین نہیں ہے یہ اسوجہ سے عرض کر دیا
کہ بعضی ذہین بیبیاں سُنکر بہت خوش ہوں گی کہ یہ تو بڑی اچھی بات بتلائی کہ دنیا
میں بھی دین ہو جاتا ہے نیت سے بس وہ کفایت کر لیں گی کھانے پکانے پر اور خانہ داری کما کر
اور سمجھ لیں گی کہ بس دین کا کام تو کر ہی لیا۔ اب آگے کیا ضرورت رہی نماز
وغیرہ کی۔ اس لئے میں نے کہا ہے کہ یہ چیزیں اپنی ذات میں دین نہیں ہیں یہ اعمال
نماز روزہ کے قائم مقام نہ ہوں گے بعض اسی کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں کہ گھر کا کام
کر لیا شوہر کو آرام پہنچا دیا خانہ داری کا بندوبست کر لیا بس آگے اور کچھ نہیں۔
بہت سی ایسے مذاق کی بھی ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ نماز روزہ تو اپنی ذات میں
دین ہے اور یہ چیزیں اپنی ذات میں دین نہیں بلکہ یہ ملحق بہ عبادت ہو جاتی ہیں قائم مقام
نہیں ہو سکتیں کجا وہ (نماز روزہ) کجا یہ (خانہ داری کا کاروبار) مگر ہاں دین ہے
ایک خاص اعتبار سے اب رہی یہ بات کہ وہ نیت کیا ہو گی جس سے یہ چیزیں
عبادت ہو سکیں تو نیت یہ ہو گی کہ ہم شوہر کی خدمت کریں گے اُس کو آرام
پہنچائیں گے تو اس کا حق ادا ہو گا بس اس نیت سے دنیا دین ہو جاوے گی۔

اسی طرح تعلیم دینا بھی اگر دین کی نیت سے ہو تو وہ بھی دین ہو جاتا ہے مگر محض اُس تعلیم پر کفایت نہ کرنا چاہیے۔

ضرورتِ علمِ دین | تم کو اصل ضرورتِ علمِ دین کی ہے اب میں اُسکی فہرست بتلاتا ہوں سب سے پہلے بچہ کو کلمہ شریف سکھا دو خواہ ایک ہی کلمہ ہو جس کو عورتیں بہت آسانی سے سکھا سکتی ہیں نیز بچہ کو زبانی تعلیم احکام کی بھی دیتی رہو مثلاً اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنا اور یہ بتلانا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ بتلاؤ مثلاً سب چیزوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے وہی مارتے ہیں وہی جلاتے ہیں اُنکو خبر ہے تمام چیزوں کی اگر بچہ شرارت کرے تو کہو کہ اللہ میاں خفا ہوں گے جو جو علوم اُن کے مناسب ہیں عورتیں اُن کے ذہن میں خوب ڈال سکتی ہیں بار بار کہتے رہنے سے بچہ کو یقین ہو جاوے گا کہ خدا تعالیٰ کو سب چیز کی خبر ہے عورتوں کو چاہیے کہ اُن کے خیالات درست کریں اُس کے بعد جب اُن کو اور ہوش ہو تو چھوٹی چھوٹی سورتیں قرآن شریف کی یاد کرا دیں جب سات برس کے ہوں تو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلا دیں دس برس کی عمر میں مار کر پڑھوائیں۔ اب تو نماز کے بارہ میں کوئی بھی کچھ نہیں کہتا اگر کوئی بچہ امتحان میں فیل ہو جاوے تو اُس پر تو افسوس ہوتا ہے لیکن نماز اگر برس روز تک بھی نہ پڑھے تو ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا۔ زبانِ حال سے اسلام شکایت کر رہا ہے کہ افسوس میری طرف بالکل توجہ نہیں رہی میں تم کو غیرت دلاتا ہوں یہ بتلائیے کہ اسکی حفاظت آپ کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں نہیں کی جاتی کیا نصارا و یہود اسکی حفاظت کریں گی یا مجوس و ہنود اسکی حمایت کریں گے جب اپنے اسباب کی مالک ہی حفاظت نہ کرے تو اور کون کر لگا شاید یوں خیال ہو گا کہ مولوی تو اسکی حفاظت کر رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ دین کیا صرف مولویوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ سب ہی کا ہے جب سب کا ہے تو وہ ایک جائدادِ مشترک

ہوا اور ظاہر ہے کہ جو جائداد مشترک ہوتی ہے اُس کی حفاظت جملہ شرکار کے
 ذمہ ہوتی ہے تو پھر اس مشترک جائداد کی سب کیوں نہیں حفاظت کرتے خاص کر
 جبکہ حفاظت آسان بھی ہو اور حفاظت یہ ہے کہ اُس کی ضروریات کی پابندی کر دے
 سو یہ کیا مشکل ہے اور اگر مشکل ہے تو ایسی مشکل ہے جیسے ایک معمولی کام کا اگر
 ارادہ نہ کر و تو وہ مشکل نظر آتا ہے۔ سو ارادہ نہ کرنے سے ہر کام مشکل معلوم ہونے
 لگتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص کو آدھی رات پیاس لگے اور اس وقت ہمت نہ ہو اٹھ
 کر پانی پینے کی کہ اس وقت کہاں جائے اور اسے پیاسا پڑا رہے فرض کیجئے اگر اُسی وقت
 اتفاق سے کلکٹر کا اردلی آیا اور کہا کہ صاحب کلکٹر کو آپ کے خاص بات کہنی ہے اور
 اسی وقت بلایا ہے اور وقت بھی ایسا کہ بارش ہو رہی ہے اور بجلی چمک رہی ہے
 یہ صاحب وہی ہیں کہ چار قدم بھی پانی پینے کو نہیں جاسکتے تھے مگر یہی وہ ہیں کہ
 باران کوٹ پہن سوار ہو کر چل دیئے اور ایک میل پہنچے اور جب وہاں سے آئے تو
 خوش بہ خوش فخر کرتے ہوئے آئے کہ ہم سے صاحب کلکٹر نے مشورہ لیا اسی
 کا تذکرہ ہے اسی کا چرچا ہے ان ہی کو پہلے چار قدم جانا مشکل تھا اور اب آٹھ
 فرلانگ چلے گئے آخر اس میں تفاوت کیا ہے بس بات یہی ہے کہ چار قدم جانے
 کا تو ارادہ نہ تھا اور ایک میل جانے کا ارادہ ہو گیا۔ ارادہ نہ کرنے سے وہ مشکل
 ہو گیا اور ارادہ کرنے سے یہ آسان ہو گیا کبھی سردی میں سفر کا ارادہ ہوتا ہے تو حاکم
 یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ پاؤں ٹھٹھڑے ہوئے ہیں گلے جاتے ہیں مگر سفر کر رہے
 ہیں بات یہ ہے کہ ارادہ نہیں کرتے دین کا اسلئے دین مشکل معلوم ہوتا ہے۔
 بس چونکہ ہم میں ارادہ نہیں اس لئے نماز جیسی آسان چیز بھی مشکل معلوم ہوتی ہے
 حاصل یہ کہ بچوں کی تعلیم کی ابتداء نماز سے کی جائے اور اس کو عادت ثانیہ
 بنایا جائے جب بچہ دس برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اُس کو مارو پیٹو۔
 غرض بچپن ہی میں نماز کا طریقہ تعلیم کر دو۔ جب سیانا ہو جاوے لڑکی

ہو یا لڑکا اس کو علم دین پڑھائیں قرآن شریف بڑی چیز ہے کسی حالت میں ترک نہ کرنا چاہیے۔ یہ خیال نہ کرے کہ وقت ضائع ہو گا۔

حقیقت قرآن حکیم | اگر قرآن شریف سارا نہ ہو آدھا ہی ہو یہ بھی نہ ہو ایک ہی منزل پڑھا دی جاوے اخیر کی طرف سے اس

میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں کام آئیں گی اور قرآن شریف کی یہ بھی برکت ہے کہ قرآن کے حافظ کا دماغ ایسا مناسب ہو جاتا ہے دوسرے علوم کے لئے کہ دوسروں کا نہیں ہوتا۔ یہ تجربہ ہے رات دن کا صابو! بھلا ایک منزل پڑھانے میں کیا وقت صرف ہوتا ہے؟ جمل قرآن شریف کے پڑھانے میں ایک اور بہانہ کیا جاتا ہے کہ اس طرح پڑھانے سے یعنی بے معنی طوطے کی طرح پڑھانے سے کیا فائدہ میں کہتا ہوں کہ اگر اسی طرح پڑھانے سے کسی بڑے عہدہ کا وعدہ ہو جائے تو انعام کی توقع کے بعد بھی کیا کوئی صاحب یوں کہیں گے کہ کیا فائدہ اور پھر معنی ہی میں فائدہ کو منحصر سمجھنا خود یہی غلط ہے کیا ثواب فائدہ نہیں ہے سوا اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے میں ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں تو کیا نیکی روپیہ سے بھی گئی گزری ہے مگر نیکی وہ سکتے ہیں جس کی قیمت دنیا میں معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یہ سکہ دوسرے ملک میں چلتا ہے۔ سودی اسی کو کہتے ہیں۔

قیامت کہ بازار مینو نہند مراتب باعمال نیکو دہند
کہ بازار چند انکو آگت رہ تر تہیدست رادل پراگندہ تر
غرض آخرت میں ایک بازار لگایا جائے گا اور وہ سکہ وہاں چلے گا۔ پھر تو جس کے پاس یہ سکہ نہ ہو گا اسکی یہ حالت ہوگی تہیدست رادل پراگندہ تر، پاس کچھ نہیں مارے مارے پھر رہے ہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں اس وقت قدر ہوگی اس سکہ کی۔ سودیکھے کتنا بڑا انعام ہے کہ ایک حرف پر دس نیکی اسی

کو تو کہتے ہیں ۵

خود کہ باید اس چُنیں بازار را کہ بیک گل می خردی گلزار را
ہاں اگر مسلمان ہو کہ یہ کہہ دیں کہ آخرت میں بھی ضرورت نہ پڑے گی تو بس
صبر آجاوے پھر ان کو خطاب ہی نہ کیا جاوے لیکن ضرورت بھی مانتے ہیں اور
پھر محض لفظ ہی لفظ ہیں اس سے جی کڑھتا ہے صبر نہیں آتا۔ غرض قرآن شریف
ضرور پڑھنا چاہیے۔

اہمیتِ صحبت | اس کے بعد ضرورت اس کی ہے کہ اگر کوئی شخص فارغ
صاحبِ ثروت نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور چاہیے کہ مکمل نصاب
اُردو کا پڑھ لے اور اس نصاب کے لئے اس وقت اُردو میں کافی ذخیرہ موجود ہے
علماء سے اس کو منتخب کرا کر آدھا دن دین کی تعلیم کے لئے اور آدھا دنیا کی
تعلیم کے لئے مقرر کر لیں مگر یہ ضرور ہے کہ تعلیم ایسے شخص سے ہو جو مذہبی آدمی ہو
اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ایسی معمولی استعداد سے جو اُردو پڑھنے سے حاصل ہوگی۔
کیا فائدہ — اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قلب میں دین کی عظمت پیدا ہو
جاوے گی اور رگ وریشہ میں دین رچ جاوے گا خصوصاً بچوں کو ایسے لوگوں کے پُر دیکھئے
جو بے طمع خوش اخلاق لوگ ہوں۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں جو کتنی تعلیم کا طریقہ تھا
بہت ہی اچھا طریقہ تھا انکی صحبت کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ پُرانے مکتب
میں پڑھے ہوئے ہیں ان کے قلب میں بزرگوں کی دین کی عزت اور عظمت ہے
جس کا نئی تعلیم میں نام و نشان بھی نہیں وجہ یہ کہ نری زبان سے کچھ نہیں ہوتا جب
تک قلب کے اندر کوئی بات پیدا نہ ہو اور دل میں پیدا نہیں ہوتی جب تک صحبت
نہ ہو اس لئے صحبت کی بڑی ضرورت ہے خواہ کتابیں تھوڑی ہی پڑھائی جاویں مگر
صحبت زیادہ ہو۔ رہی لڑکیوں کی تعلیم سو اگر گھر کے مرد ذی علم ہوں تو وہ پڑھاویں
ورنہ اگر مستورات پڑھی ہوئی ہوں تو خود پڑھائیں ورنہ دوسری نیک بیویوں

سے پڑھوائیں اور نصاب وہی ہوں جو میں نے ذکر کیا ہے اور یہ میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا کہ زمانہ مکتب قائم کیا جائے جیسے مردانہ مکتب باقاعدہ ہوتے ہیں اس باب میں واقعات اس کثرت سے ہیں کہ اُن واقعات نے یقین دلادیا ہے کہ ایسے مکتبوں کا اثر اچھا نہیں ہوتا اور امتحان ہو جانے کے بعد ہمیں وجہ بیان کرنے کی حاجت نہیں جیسا مقناطیس کی کشش کی بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خاص تعلق کے موقع پر تسلیم ہونا چاہیے لڑکیوں کی تجربہ سے معلوم ہوا کہ خاص تعلق کے گھر میں جتنی حفاظت ہوتی ہے وہ عام جگہ نہیں ہو سکتی لیکن یہ میری رائے ہے میں فتویٰ نہیں دیتا ہوں۔ اگر تجربہ سے دوسری تجویز مفاسد سے خالی ہو تو اس پر عمل کیا جاوے مگر عورتوں کو تسلیم ضرور دینا چاہیے لیکن مذہبی تسلیم نہ کہ تعلیم جدید اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک اور کام بھی کرنا چاہیے وہ یہ کہ لڑکیاں کسی تسلیم کے خلاف عمل کریں تو اُن کو روکو۔ بلکہ اُن کے خلاف عمل کرنے پر یوں کہو کہ جب کبھی غیبت کریں کتاب منگا کر اور وہ مضمون دکھلا کر تنبیہ کرو۔ اگر اس طرح سے عمل رہا تو انشاء اللہ ایسا پاکیزہ نشوونما ہو گا جس کا کچھ کہنا ہی نہیں۔

دوسرے گھر یعنی سسرال میں جا کر نیک نامی ہوگی اور یہ بھی شاہد سے سبکو معلوم ہو جائے گا دیندار ایسی چیز ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اخلاق درست ہوں گے اعمال درست ہوں گے اس سے زیادہ کیا راحت ہوگی کہ اخلاق بھی درست ہوں اعمال بھی درست ہوں غرض کافی تسلیم سے دونوں باتیں نصیب ہوں گی۔ آسائش دین اور آسائش دنیا بلکہ ایسوں سے دوسروں کو راحت ہی پہنچتی ہے کیونکہ ایسے لوگ دشمنوں تک سے بھی مخالفت نہیں کرتے اسی کو کہتے ہیں ۵

شنیدم کہ مردان راہِ خُدا دلِ دشمنان ہم نکر و نڈ تنگ

ترا کے میسر شود این مقام کہ بادوستانت خلافِ ست جنگ

طریق تعلیم ناخواندہ نسواں | بس انکی تعلیم کا یہ طریقہ ہے اور یہ طریقہ

ہوں اور جہاں پڑھنی ہوئی نہ ہوں تو عورتوں پر لازم ہے کہ وہ مردوں سے پڑھانے کی التجا کریں پھر عورتوں کے پڑھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مردان کو کتابیں سننا دیا کریں اس کے متعلق میں ایک کام کی بات بتلاتا ہوں مردوں کو بھی عورتوں کو بھی او وہ بڑے کام کی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو عادت ہے کہ جس کسی کتاب کے ساتھ مولوی کا نام لکھا ہوا پایا اس کتاب کو لے لیا یہ نہ چاہیے دیکھئے دنیا میں اطباء بہت سے ہیں مگر آپ سب کو برابر نہیں سمجھتے ہر کسی کا علاج نہیں کرتے حکیم وہ تجویز کیا جاتا ہے جو باقاعدہ طب پڑھا ہوا ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کے ہاتھ میں شفا بھی دی ہو اس کو مریضوں پر شفقت بھی ہو عریض و طماع بھی نہ ہو اے اللہ حکیم کے واسطے تو آپ نے اتنی صفیتیں لگا دیں اور دین میں یہ حالت کہ ایک کتاب دیکھی کہ فلاں مولوی صاحب کی ہے بس اُسے خسرید لیا یہ بحث ہی نہیں کہ انہوں نے باقاعدہ کہیں پڑھا بھی ہے وہ اہل فن کے نزدیک معتبر بھی ہیں باقی محض مولوی نام ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

آج کل خطابات بہت سستے ہو رہے ہیں یہ حالت ہے کہ جو تحقیقت خطاب | قدوری بھی نہیں پڑھا سکتے ان کو مولوی کا خطاب مل جاتا ہے بہت سے شمس العلماء ایسے ہیں کہ اگر ان کے سامنے کوئی چھوٹی سی کتاب بھی پڑھانے کے لئے رکھ دو تو پڑھانہ سکیں۔ میں تو ایسے لوگوں کو شمس مکسوف کہا کرتا ہوں تعجب ہے کہ لوگ یہ بھی تو نہیں دیکھتے کہ حکام کا کسی کو کوئی خطاب دیدنا کہاں تک حجت کمال کی ہے اسپر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک نائی کسی بادشاہ کی جہانت بنایا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ اپنے وقت پر جہانت کے لئے نہ پہنچا۔ بادشاہ انتظار کر کے سو رہے نائی گیا تو خبر ملی کہ بادشاہ

سو رہے ہیں وہ یہ سُن کر فکر میں پڑ گیا کہ نہیں معلوم بیدار ہونے کے بعد کیا حکم
 دیں اُس نے دربان سے سازش کر کے سوتے ہی میں جحامت بنادی کہ
 بادشاہ کو خبر بھی نہ ہوئی بادشاہ نے اُٹھ کر آئینہ میں جو خط بنا ہوا پایا پوچھا تو معلوم
 ہوا کہ سوتے میں بنا گیا ہے اس پر بادشاہ نے خوش ہو کر نائی کو اُستاد کا خطاب
 عطا کیا یہ خبر جب پھیلی تو اُس نائی کے یہاں برادری کی عورتیں جمع ہوئیں اور اسکی
 نائن سے کہا کہ بہن تجھے مبارک ہو بادشاہ نے تیرے میاں کو اُستاد کا خطاب دیا
 ہے نائن نے سُن کر کہا کہ یہ تو کوئی خوشی کی بات نہیں بادشاہ نائی تھوڑا ہی ہے
 جو فن کو جانتا ہو خوشی کی بات تو جب تھی کہ اپنے چار بھائی مل کر خطاب دیدیتے
 بادشاہ کا خطاب دینا معتبر تھوڑا ہی ہے جبکہ وہ اس پیشہ ہی کو نہیں
 جانتا۔ واقعی یہ ہے کہ اس نائن کی عقل ہم سے زیادہ تھی۔ تو گورنمنٹ کے خطاب
 دینے سے کسی کو شمس العلماء سمجھ لینا محض حماقت ہے گورنمنٹ خود ہی شمس العلماء
 نہیں ہاں شمس السلاطین کہہ دو تو خیر، کھلم کھلا دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ صرف و
 نحو بھی پوری نہیں جانتے خدا کے واسطے ذرا جس درست کیجئے اور جس طرح بعضوں
 نے تو غیر واقعی مولویوں کو مولوی سمجھ لیا بعضوں نے واقعی مولویوں کو بھی مولوی نہ
 سمجھا اُنہوں نے یہاں تک حد سے تجاوز کیا ہے کہ سارے ہی مولویوں کو بے ایمان
 سمجھ لیا کیا سارے مولوی تمہارے نزدیک بے ایمان ہیں بات ہے کہ آپ نے اُن
 مولویوں کو دیکھا ہے جو آپ کے دروازوں پر آتے ہیں کبھی آپ نے اُن کی بھی
 تلاش کی ہے جو کسی کے دروازوں پر نہیں جاتے اگر آپ اُن کو تلاش کرتے
 تب آپ کو اُن کا حال معلوم ہوتا آپ کو خبر ہی نہیں کہ مولوی کیسے ہوتے
 ہیں کیونکہ آپ گتے ہی نہیں سو ذرا اُن کو تلاش کر لو جیسا مولانا کہتے ہیں ۷
 خواب را بگذار امشب اے پدر ۶ یک شبے در کوئے بے خواہاں گزر

یعنی تلاش کرنے سے معلوم ہوگا کہ نہ سونے والوں میں کیسے کیسے ہیں مگر
 کبر و نخوت تلاش سے مانع ہے اس کو چھوڑو تو وہ ملیں اور اسوقت یہ مضامین
 سمجھ میں آویں جو عارف شیرازی فرماتے ہیں ۷
 ہمیں حقیر گدایانِ عشق را کیس قوم ۷ شہان بے کمر و خسرواں بے کاراند
 اور فرماتے ہیں ۷

گدائے میکدہ ام یک وقت مستی ہیں ۷ کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کم
 مگر اُنکے پاس قیمتی کپڑے نہ ہوں گے نہ انگریزی لباس ہوگا ان دونوں سے
 عسریاں ہوں گے اُن میں بناوٹ نہ ہوگی اور اُن کو جب اپنی جان کی بھی پرواہ
 نہیں تو کپڑے وغیرہ کی تو کیا ہوگی اُن کی تو یہ حالت ہے ۷

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند ۷ فرزند و عزیز و خاں و ماں را چہ کند
 میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں مستغنی ہیں بس ایسے لوگوں
 سے رجوع کیجئے اس کے ساتھ میں ایک اور کام کی بات بتلاتا ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے
 کہ ہر شخص اپنے ایمان کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور اُس کے ذمہ بھی ہے ایمان کی
 حفاظت۔ سو ایمان کی حفاظت تجربہ سے آجکل اسی میں ہے کہ کسی ایک عالم متبع سنت
 کو اپنا مقتدا اور ہادی بنالے یہ نہیں کہ جس کو مولوی دیکھا بس اُسی کو قبلہ و کعبہ بنالیا دیکھ
 بھال کر خوب سمجھ بوجھ کر ایک معین کر لیا جاوے پھر جب معین ہو جاوے تو ہر بات
 کو اُسی سے پوچھو اسی سے پوچھ کر کتابیں سُنانے اور پڑھانے اور دیکھنے کے لئے
 منتخب کرو خیال کیجئے کہ دنیاوی معاملات میں ہر شخص ایک معتمد کو تجویز کر لیتا ہے
 اور اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک کے معین کر لینے میں انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے
 اور اس معتمد کو بھی تعلق و توجہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ دیکھئے جس وکیل کے یہاں ہمیشہ
 مقدمات لے کر جاتے آتے ہیں جیسی وہ غایت کر لگا دوسرا نیا آدمی نہیں کر سکتا

کہ اُن کی صحبت سے خدا کی محبت بڑھتی جاوے اور دنیا سے دل مُرد ہوتا جاوے
مگر یہ مطلب نہیں کہ تعلقاتِ دنیویہ بالکل ترک ہو جاویں بلکہ مطلب یہ ہے کہ
دنیا سے دلچسپی نہ رہے اور دنیا کو قبلہ و کعبہ نہ بناوے۔

انتخابِ کتب | بس ایسے شخص سے رجوع کرو اور جو بات پوچھو اسی
سے پوچھو، کتابیں بھی اُسی سے انتخاب کرو۔ جو کتابیں دیکھنا
چاہو پہلے اُس کو دکھلا لو۔ ہر کتاب کو مت دیکھنے لگو۔ ورنہ یہ ہوگا
شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا

آج اُسکی کتاب دیکھ لی کل اُس کی دیکھ لی یہ نہیں چاہیے اس سے بڑی خرابی
پیدا ہوتی ہے پہلے اُسی شخص کو جس کو تجویز کیا ہے دکھلا لو اگر وہ اجازت
دے تو دیکھو ورنہ مت دیکھو محتاط امر کی عادت ہوتی ہے کہ کھانا کھاتے ہیں تو
اول حکیم سے پوچھ لیتے ہیں اگر وہ اجازت دیتا ہے تو کھاتے ہیں ورنہ نہیں۔ یا بعض
محتاط مرصیوں کی عادت ہے کہ اگر کوئی شخص اُن کو کوئی دوا کھلانا چاہے تو کہتے ہیں کہ
بجائے ہمارے فلاں طبیب سے اس دوا کی بابت کہو اگر وہ کہے گا تو استعمال کر
لوں گا ورنہ نہیں۔ ایسا ہی یہاں کرو۔ پھر ایک ادب اس شخص کا یہ ہے کہ ایسے
شخص سے کسی رائے میں مناقشہ نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو طبیب سے علاج میں کوئی مناقشہ
نہیں کرتا کیونکہ اگر جھگڑیں تو وہ علاج نہ کرے نسخہ پھاڑ کر پھینک دے۔ تو دیکھئے
یہ لوگ دنیوی اُمور میں کیسے بھولے بن گئے کہ طبیب وکیل سے مناقشہ ہی نہیں
کرتے مگر جب دین کا وقت آیا تو سالے زمانہ کے ہوشیار وزیر بن گئے
کہ مناقشہ کے لئے تیار ہیں ایک صاحب کہنے لگے کہ کیوں صاحب نماز پانچ وقت
کیوں فرض ہوئی زیادہ کم کیوں نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ کی ناک یہاں کیوں لگی
گدی پر کیوں نہ لگی اور میں نے کہا کہ اپنے افعالِ تکلیفیہ کی حکمت سے پہلے تو اپنے

اجزاء کی حکمت دریافت کیجئے کیونکہ یہ تو آپ کے جسم ہی میں ہیں اور افعال تو پھر بھی خارج ہیں پس عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کا مذاق دنیوی معاملات میں اور ہے اور دینی امور میں اور۔ ایک مذاق رکھئے اور ایک اصل صحیح قائم کر کے اُس پر عمل کیجئے یہ نہیں کہ دنیا میں تو اور اصل اور دین میں اور اصل۔ یہ بحث تھی انتخاب اور اس کے آداب کی پس ایسا شخص (جس کی صفات پہلے گزر چکیں) جب کتب دینیہ انتخاب کر دے تو وہ کتابیں اپنے گھر والوں کو سُناؤ، زیادہ نہ ہو تو پس درہ بیس منٹ ہی یہی مگر سُنا تے وقت یہ بھی نہ دیکھو کہ کون سُنا ہے کون نہیں۔ کس بشنود یا نشود پر عمل ہو یعنی کوئی سُنے یا نہ سُنے مگر تم اپنا کام اپنا کئے جاؤ۔ گھر میں پڑھنا شروع کر دو۔ اور روز سُنا کر دو۔ اُٹھ کر نہ آؤ خواہ بگڑ بگڑ پڑیں بہت شخصوں نے بیان کیا کہ کتابیں سُنا تے سُنا تے اصلاح ہو گئی کیا اللہ و رسول کا نام کھٹائی سے بھی کم ہے کھٹائی کا تو منہ میں اثر ہو جو ایک حقیر چیز ہے کہ منہ میں پانی بھر آوے اور اللہ و رسول کے نام کا اثر نہ ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ کمرے کون کون دقت اُٹھائے اور جو نصاب تجویز کیا جائے گا اس میں ایک بات کی اور ضرورت عورتوں کو بھی اور مردوں کو بھی وہ یہ کہ اُس نصاب کو ایک دفعہ ختم کر کے اُس کو کافی نہ سمجھیں جیسے کسی نے عید کے چاند کی شہادت دی تھی اُس سے پوچھا گیا کہ نماز بھی پڑھتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ نماز کی یوں سنو ایک مولوی صاحب ہمارے گاؤں میں آئے تھے جب تو ہم نے نماز پڑھ لی تھی پھر تو ہماری توبہ ہے سو جیسے اُس نے ایک دفعہ پڑھ کر توبہ کر لی تھی ایسے ہی آجکل بھی کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کتاب سُنائی اور الگ پھر سر و کار ہی نہیں مگر اس اصل پر کھانے میں عمل نہیں کیا جاتا۔

کھانا تو دونوں وقت کھاؤ بلکہ کھانے پر تو ایسا عمل کہ بھوک بھی نہ ہو تو کہتے ہیں رات کیسے گزرے گی کچھ نہ سہی تو کباب ہی لے آؤ۔ کھانا توبہ بھوک بھی کھاتے

ہیں، مکرر سہ چکر دو نوں وقت کھانا کھایا جاتا ہے لیکن اگر اس پر عمل نہیں
تو دین کے بارہ میں خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ جو نصاب تجویز کیا جائے گا،
اس کو روزمرہ کا وظیفہ سمجھئے اور کچھ نہیں چارہ ہی ورق ہی دو، ہی جیسے قرآن شریف
کی تلاوت کیا کرتے ہیں اسی طرح دو ورق اُس کے بھی پڑھ لئے یا سُن لئے اگر
تمام عمر بھی اس میں لگا رہنا پڑے تب بھی ہمت کرنا چاہیئے وجہ یہ کہ دنیا کی ضرورت
محدود ہے اور دین کی غیر محدود چنانچہ دین کی ضرورت مرنے کے بعد تک بھی ہے
گی پس تعجب ہے کہ محدود ضرورت میں اتنا وقت صرف کریں اور غیر محدود میں
کچھ بھی نہیں، بڑا تعجب ہے، جب دنیا کی دُھن ہے تو دین کی کیوں نہ ہو، صاحبو
یہ (دین) فراغت کی چیز نہیں، مولاناؒ فرماتے ہیں ۷

اندریں رہ می تراش می فراش : تا دم آخر دے فارغ مباش
اور گو ہے تو عمر بھر کا دھندا مگر دُشوار نہیں آسانی سے عمر بھر اس میں مشغول رہ
سکتا ہے۔

حقیقت مشقت دین | اگر کوئی یہ کہے کہ آپ تو کہتے ہیں کہ دُشوار نہیں
مگر ہم نے تو دو چار دن کر کے دیکھا تھا بڑی مشقت

ہوئی عقلی جواب تو اس کا یہ ہے کہ اس مشقت کو تو بڑا سمجھتے ہیں مگر اس میں
کو تاہی کرنے سے جو مشقت پیش آئے گی وہ اس سے بھی بڑی ہے یعنی آخرت کہ
خدا بی جس کا مال عذاب جہنم ہے تو اُس کے اعتبار سے پھر یہ آسان ہی ہوا عقلی
جواب تو ہے اور یہی کافی ہونا چاہیئے مگر میں وجدانی جواب بھی دیتا ہوں وہ یہ کہ
آپ کو یہ کیسے خبر ہوئی کہ یہ مشقت تمام عمر رہے گی کسی تمباکو کھانے والے سے پوچھ
کہ دیکھو کہ تمباکو جب پہلے پہلے کھایا تھا کسی طبیب نے بتلایا تھا کہ تمباکو
کھایا کرو تو اُس کو کھاکر کسی پریشانی ہوتی تھی کہ ذرا سا کھا کر جی بھی میل ہوتا تھا۔

مَر بھی چکر کھاتا تھا مگر اب یہ حال ہے کہ حُقّہ بل جائے تو جان بل جائے میں قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ دین کی مشقت تمباکو کی مشقت کی برابر بھی نہیں جب مزہ
آجاوے گا تو یہ حالت ہوگی کہ ذرا سی کمی ہونے سے غم سوار ہو جاوے گا۔
اسی کو تو کہتے ہیں ۵

بر دل سالک ہزاراں غم بود : گر ز باغِ دل خلائے کم بود
ذرا سی کمی پر پہاڑ سا بوجھ ہوگا۔ غور کر لیں وہ لوگ جو نماز کے
پابند ہیں جس روز نماز قضا ہو جاتی ہے یا دیر ہو جاتی ہے تو انکی کیا حالت
ہو جاتی ہے کس قدر القباض ہوتا ہے دوسرا شخص اسکا اندازہ نہیں کر سکتا۔
یہ حالت تو دسواں و خطرات والی نماز کی ہے اور اگر خالص ہو جاوے تو کیا
کیفیت ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ۵

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کشد : صاف گر باشد ندانم چوں کند
ایک شخص نے شراب پی جس میں مٹی ملی ہوئی تھی اُس نے جب یہ حال
کر دیا تو صاف اگڑ پی جاتی تو خدا جلنے کیا حال بنا ڈالتی۔ ہماری نماز خاک آمیز
ہے جب اُس کی یہ کیفیت ہے تو اگر صفائی و خلوص آجاوے تو کیا کچھ حالت ہو۔
پس وہ شبہ رفع ہو گیا کہ دین تو ساری عمر کا جنجال ہو گیا، صابو! بس سال بھر ایسا
کر لیجئے اور برس روز کر لینا کچھ مشکل بھی نہیں پھر دیکھ لینا کیا ہوگا اور خواہ
اعتقاد سے نہ کر و بلکہ امتحان ہی کے طور پر کر کے دیکھ لو مولانا اسی کو فرماتے ہیں ۵
سالہا تو سنگ بودی دلخراش : آرموں را یک زمانے خاک باش
آگے فرماتے ہیں ۵

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ : خاک خوتا گل برود زنگ زنگ
مگر کرنا شرط ہے کیونکہ کرنے کا کام کرنے ہی سے ہوتا ہے صرف

باتوں ہی سے کام نہیں چلتا اور اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو کیا تھا مگر کچھ نفع نہ
ہوا بات یہ ہے کہ نرے کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا طریقہ سے کہہ دو سب کچھ
ہو لوگ بے طریقہ کام کرتے ہیں اس لئے کچھ نہیں ہوتا۔

حقیقت پستی | اور طریقہ اس کارائے اور ذہانت سے کام لینا
انہیں ہے بلکہ پستی اور شکستگی اختیار کرنا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ۷

ہم و خاطر تیز کردن نیست راہ : جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ
بس آپ نے پستی اختیار نہیں کی جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ کسی
کو اپنا مقتدا نہیں بنایا اسکی رائے پر عمل نہیں کیا یاد رکھئے کہ بلا پستی
اختیار کئے اور دوسرے کی جوتیاں اٹھائے کچھ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں ۷

ہر کجا پستی ست آب آنجا رود ہر کجا مشکل جو آب آنجا رود

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

انے کو پست بناؤ تبکہ چھوڑ دنیا ز مند ہو جاؤ کسی کے سامنے خاک بن جاؤ
پتے طالب ہو جاؤ دیکھئے اگر طالبِ کیمیا کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کیمیا گر ہے
اور وہ اس سے یوں کہے کہ کیمیا اُس وقت بتلاؤں گا جبکہ پھٹے کپڑے پہنو تو وہاں
کچھ بھی پرواہ نہ کر دے نہ منصب کی نہ جاہ کی کیمیا کی اُسید میں سب کچھ گوارا
کر دے تو دین کے باب میں یہ انقیاد کیوں نہیں گوارا ہوتا طالب کی شان
تو یہی ہے کہ جس طرح چلائے چلے۔ طبیب مہل دیتا ہے تو کہتا ہے سونا مت
دستوں کے دھیان میں رہنا حکیم صاحب کا کہنا سر اور آنکھوں پر قبول مگر اللہ
والے بتلا میں تو یوں کہیں گے کہ یہ تو ترک دنیا بتلاتے ہیں وہ اصل سب
جگہ جاری کیوں نہیں کی جاتی یہ کیا معنی کہ کہیں تیرا اور کہیں بیڑا اگر وہاں خیال ہے

کہ طبیب کہنے پر عمل نہ کرنے سے صحت نہ ہوگی۔ یہاں بھی یہی سمجھ لو کہ اس کہنے پر عمل نہ کر دے تو صحت نہ ہوگی کیونکہ طبیب ظاہری امراض ظاہری کا معالج ہے اہل اللہ امراض باطنی کے معالج ہیں اسی کو کہتے ہیں ۷

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں
صحت این حسن بخوئید از طبیب صحت این حسن بخوئید از طبیب
صحت این حسن ز معموری تن صحت این حسن ز تخریب بدن

اور یاد رکھو میں بشارت دیتا ہوں کہ اللہ والے جو
تقلب اہل اللہ بتلائیں گے وہ بہت آساں اور تھوڑے دنوں کا

کام ہے مگر اس کے نافع ہونے کی یہ ضرور شرط ہے کہ اپنے کو آپ اللہ والوں کے بالکل تابع بنادیں اپنے نفس کی خواہش اور رعونت کو بالائے طاق رکھ دیں اپنے کو ان کے سامنے فنا کر دیں جیسے وہ کہیں ویسے عمل کریں اگر چاہو کہ یہی تنعم رہے اور اللہ والے ہمارے نوکر بن کر رہیں تو یہ ہونے سے رہا۔ تنعم سے کام نہیں چلتا مگر ترک تنعم کے یہ معنی مت سمجھنا کہ وہ کھانا پینا چھڑائیں گے کھانا پینا ہرگز نہ چھڑائیں گے ہاں نفس کی تھوڑی سی مخالفت کرائیں گے مثلاً کسی میں کبر ہے جو ایک مرض ہے اور اس مرض کے مریضوں کی حالت مختلف ہوتی ہے بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اچھا کپڑا پہنیں تو کبر ہو اور گھٹیا پہنیں تو کبر نہ ہو اور بعض کی حالت یہ ہوتی ہے کہ گھٹیا کپڑا پہنیں تو کبر ہو اور بڑھیا کپڑا پہنیں تو کبر نہ ہو سو اہل اللہ ہر شخص کا علاج اس کے حسب حال کریں گے پس بعض کو ترک تنعم کرائیں گے اور بعض کو تنعم کا امر فرمادیں گے اور اسمیں خود صاحب مرض کی رائے قابل اعتبار نہیں کیونکہ علاج تجویز کرنا طبیب کا کام ہے مریض کا کام نہیں اس لئے ضرور ہے کہ

اُس کے تابع ہو جاؤ اور کَالْقَلَمِ حِفْظِ الْکَاتِبِ بن جاؤ۔ وہ آپ کو
 طریقہ بتلائیں گے۔ یہ انہیں (اہل اللہ کو) ضرور کرنا پڑے گا اور دنیا دار یوں نہ
 سمجھیں کہ وہ حضرات ان ہی کے افعال پر دار و گیر اور اُس میں تبدیل کرتے ہیں
 وہ تو ظاہری دین داروں کی بھی ایسی ہی گت بناتے ہیں جو جتنے قبے ڈانٹے ہوئے
 صدری پہنے گھڑی لگائے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب صدری پہنے گھڑی
 لگائے اپنی شان بنائے ہوئے طلب طریق کے لئے آئے ہیں میں نے کہا کہ یہ کیسی
 شکل طاؤسی بنائی ہے وہ بولے کہ صدری اس لئے پہنی ہے کہ گھڑی رکھی جا سکے
 میں نے کہا کیا صدری کرتے کے نیچے نہیں پہن سکتے تھے گھڑی تو وہاں بھی رکھی
 جاسکتی تھی کیا شان دکھانے ہی کی شکل گھڑی رکھنے کی موقوف علیہ ہے چنانچہ
 ان کو وہ صدری نیچے پہنائی گئی غرض اُن دین داروں کی بھی بے ڈھب گت
 بنتی ہے اگر اتنا بھی نہیں ہو سکتا (یعنی شیخ کا اتنا اتباع بھی نہیں ہو سکتا کہ جو
 بات نفس کے خلاف بتلائے اُس پر آمادہ ہو جاویں) تو پھر کچھ بھی نہیں۔ مولانا
 نے ایک قصہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی گودانے والے کے پاس اپنی کمر پر شیر
 کی تصویر بنوانے گیا تاکہ کمر میں قوت رہے چنانچہ وہ بدن رنگا کر کے تصویر بنوائے
 بیٹھا گودانے والے نے تصویر بنانا شروع کی دُم سے ابتداء کی کچ سے سوئی
 چبھوئی تو آپ کہتے ہیں آہ، پھر پوچھتے ہیں کہ کیا بنا رہے ہو اُس نے کہا کہ دُم
 بنا رہا ہوں آپ نے کہا کہ یہ شیر مکھتیاں تھوڑا ہی جھلے گا ضرورت ہی کیا ہے
 دُم کی۔ اُس نے دُم چھوڑ کر پیٹ بنانا شروع کیا۔ دوسری جگہ کچ سے سوئی چبھوئی
 پھر کہا آہ اور پوچھا اب کیا بناتے ہو اُس نے کہا کہ پیٹ بناتا ہوں آپ بولے کہ
 یہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی پیٹ بھی جلنے دو اُس نے تیسری جگہ سوئی چبھوئی۔
 پوچھا اب کیا بناتے ہو اُس نے کہا سر بناتا ہوں۔ آپ بولے کہ یہ دیکھے یا سنے گا

تھوڑا ہی اس کو بھی رہنے دو! پیر گودنے والے نے جھٹلا کر سوئی پھینک دی اور
کہنے لگا ۵

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید : ایچیں شیرے خدا خود نافرید
کہ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا کہ جس کے نہ کان ہوں نہ سر نہ پیٹ۔
پھر میں کیا بناؤں تمہارا سر تو جیسے اُس تصویر بنوانے والے نے چاہا تھا کہ تکلیف
تو ہو نہیں اور شیر کی تصویر بن جائے ایسے ہی ہم لوگوں کی حالت ہے کہ کچھ تکلیف
تو ہو نہیں اور کام ہو جاوے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۵

بھولنداری طاقت سوزن زدن : پس تو از شیر ژیاں ہاں دم مرزن
ہماری تو یہ حالت ہے کہ ذرا شیخ نے تنبیہ کی اور شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ یہ کیا لغو بات ہے کیا اتنا بھی تحمل نہیں اس کو فرماتے ہیں ۵
تو بیک زخمے گریزانی ز عشق : تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

تربیت مشائخ | اے صاحبو! ہر طالب کو مشائخ کی طرف سے تنبیہات
ہوتی ہیں اور نفس کی مخالفت کرائی جاتی ہے مشائخ

کی تربیت اور اصلاح بالکل ایسی ہی ہے جیسے اپریشن میں پہلے چیرتے پھاٹتے
ہیں پھر اُسکی دُستی کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی پہلے نفس کی تھوڑی سی
مخالفت کراتے ہیں پھر نرمی اور توسع کرتے ہیں تعجب ہے کہ اپریشن سے کوئی
بُرا نہیں مانتا اور یہاں لوگ ذرا ذرا اسی بات پر بگڑتے ہیں اپریشن کر نیوالے
کو توفیس بھی دیتے ہیں اور اُسکی شکر گزاری بھی کرتے ہیں یہاں شکر گزاری نہ
کر دو تو بُرا بھی مت کہو بس تھوڑے دنوں نفس کی مخالفت ضرور کرنا پڑے گی۔

بعضوں کو تنبیہ سے عزت کم ہو جانے کا خیال ہوتا ہے۔ سو صاحبو! ہماری عزت
ہی کیا ہے جس کے جانے کا خیال ہو۔ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ط

عزت تو صفتِ حقیقیہ اللہ ہی کی ہے اور یہ مشقت چند روزہ ہے پھر اُس کے بعد وہ راحت ہوگی کہ دنیا کے اسباب میں کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے آرام میں ہیں مگر واقعی یہ ہے کہ یہ حُتّ مال اور حُتّ جاہ والے بڑی بلاؤں میں مبتلا ہیں اگر اہل اللہ کی صحبت میں رہ گئے اور اُن کے کہنے پر عمل کر لیا اُس وقت محبوبِ حقیقی کے ساتھ وہ تعلق ہو جاوے گا کہ دوسرے پر نظر ہی نہ رہے گی اور یہ حال ہو جاوے گا ع

یکے خوان دیکے دان دیکے گو

یعنی اُسی کا خیال رہ جاوے گا پھر ایسے شخص کو کسی چیز سے بھی پریشانی نہیں ہوگی اور حقیقی راحت اُس وقت دیکھو گے بس یہ ثمرہ ہوگا جو طریقہ سے کام کرو گے خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کا اتباع کرنے سے یہ دولت حاصل ہوگی اُدپر ذکر اس پر تھا کہ کتابیں دیکھئے اور اُسی کے ضمن میں یہ مضمون مرنی کے اتباع کا آگیا تھا کہ کتابیں بھی اُسی سے منتخب کرائے۔ اب میں اُسی کی طرف عود کرتا ہوں کہ وہی کتابیں عورتوں کو بھی سُنایا کیجئے اور خود بھی پڑھئے تعلیم عام ہو جاوے گی۔ یہاں تک قوتِ علمیہ کی تکمیل کا بیان تھا۔ اب ایک دوسری چیز بھی ہے کہ قوتِ عملیہ درست ہو۔

حقیقتِ قوتِ عملیہ | قوتِ عملیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ احکام معلوم ہوں اُن پر عمل کیا جائے اور اُس قوتِ عملیہ کے

واسطے ایک چیز کی اور ضرورت ہوگی جس کا نام ہے ہمت اور میں ہمت بڑا سا بوجھ اٹھانے کو نہیں کہتا ہوں جس کا اٹھانا بھی مشکل ہو بلکہ مطلب اُس کا یہ ہے کہ قصدِ مصمم کہ لیجئے اس امر کا کہ جس وقت جس چیز کا ضروری ہونا آپ کو معلوم ہوا اُسی کو کرنا شروع کر دیا دل میں دوسرہ بھی نہ لائے کہ معلوم نہیں یہ کام ہم سے ہوگا

بھی یا نہیں پس شروع کر دیجئے مثلاً منہ سے اس کو شروع کر دیجئے روزہ ہے
 پس شروع کر دیجئے سوچئے ہی نہیں کہ معلوم ہی نہیں ہم سے رکھا بھی جائے گا یا
 نہیں۔ کانپور میں ایک صاحب تھے جنہوں نے رمضان شریف کے روزے
 کبھی رکھے ہی نہ تھے میں نے کہا کہ آج کا روزہ رکھ لو گناہ ہو گا خواہ رکھ کر اگر
 پورا نہ ہو سکے توڑ ہی دینا مگر شرارت نہ کرنا چنانچہ وہ روزہ پورا ہو گیا کہنے
 لگے کہ آج کا تو روزہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ ایک اور رکھ لو دوسرے روز
 بھی ہو گیا پھر کہنے لگے کہ یہ تو بہت ہی آسان ہیں اب تو سارے مہینہ رکھیں گے
 چنانچہ سب رکھ لئے سچرہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب عزم مصمم ہوتا ہے، تو
 حق تعالیٰ تائید فرماتے ہیں اگر پہلے سے دسوسہ شروع کر دیئے کہ معلوم نہیں
 یہ کام ہو گا یا نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں ہوتا اور اگر ایسے ہی دسوسہ لانا ہے
 تو کھانے میں کیوں نہیں کہتے کہ میں کھانا کھاؤں یا نہیں ممکن ہے کہ کھانا کھا کر ہضم
 ہو جاوے ممکن ہے کہ میں مرجاؤں دونوں وقت یوں ہی کیا کیجئے بس خاتمہ ہو
 جاوے گا وہاں تو شبہ بھی نہیں ہوتا اور یہاں یہ خیالات ہوتے ہیں کہ شاید
 یہ نہ ہو شاید وہ نہ ہو میں کہتا ہوں کہ اگر نہ ہو گا تو پورا امت کیجئے شروع تو کر دو۔
 لوگ کہتے ہیں کہ رشوت سے توبہ نہیں ہوتی توبہ کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نبھنے
 کی تو ہے نہیں۔ میں کہتا ہوں ایک دفعہ توبہ تو کر لو۔ اگر ٹوٹ جائے پھر کر
 لیجئے خدا تعالیٰ آپ کے قصد مصمم کر لینے پر آپ کو نہیں چھوڑیں گے غیب سے
 ایسے اسباب پیدا ہو جاویں گے کہ سب سامان ہو جاوے گا اگر کوئی کہے کہ
 یہ تو دلگی ہوئی کہ توبہ کی اور توڑ دی میں کہتا ہوں کیا آپ صاحب قانون ہیں جن کا
 قانون ہے وہ تو یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی دن میں ستر مرتبہ خطا کرے اور پھر توبہ
 کرے تو قبول ہے جن کا قانون ہے وہ تو یوں کہتے ہیں اور آپ یوں کہتے ہیں مدعی

سُست گواہ چُپت، آپکے مذہب تو یہ ہونا چاہیے ۷

بچوں طمع خواہد زمین سلطان دیں ۶ خاک بر فرق قناعت لبِ رازیں
جب وہ لنگڑی لنگی تو بہ کو قبول کرتے ہیں تو آپ کون ہیں قانون چھانٹنے والے
وہ یوں کہتے ہیں کہ اگر نہ نبھے تو بھی قبول کر لوں گا تو اس میں آپ کیا بگڑتا ہے کیا
اس کا جواب ہے کسی کے پاس اصل یہ ہے کہ یہ شری نفس کُھ نہیں کرنے دیتا ع
خوئے بد را بہ سانہ بسیار

اس طریقہ سے کر کے تو دیکھو اول تو گناہ چھوٹ ہی جائیگا۔

اور میں اخیر درجہ میں کہتا ہوں کہ اگر گناہ کسی طرح
دلائل اور حکم قرآن

ہیں چھوٹتا تو خیر دو باتیں تو کر لو دیکھو گناہ کو
گناہ سمجھو۔ اب تو یہ حالت ہے کہ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ یہ زیادتی ہے۔ لوگ
داڑھی منڈاتے ہیں اور اُس کو گناہ نہیں سمجھتے اور اس کو گناہ بتلانے والے
سے مہمل مہمل سوال کرتے ہیں چنانچہ ایک شخص کہنے لگے کہ ڈاڑھی کھنے کا وجوہ
قرآن میں کہاں ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص آپ پر دعویٰ
کرے اور ثبوت میں پورے گواہ پیش کر دے کوئی کمر باقی نہ رہے اور حاکم آپ پر ڈگری
کر دے۔ اس پر آپ حاکم سے کہیں کہ ثبوت سب پورا ہے گواہ سب ٹھیک
ہیں مگر میں تو جب مانوں گا کہ صاحب کلکٹر گواہی دیں۔ تو حاکم یوں کہے گا کہ ثبوت
خاص مدعی کے ذمہ نہیں مطلق ثبوت اُس کے ذمہ ہے۔ اسی طرح یہ ضرور نہیں کہ
معاملہ میں قرآن ہی کی شہادت ہو ہمارے لئے احکام کے ثابت کرنے کو چار
دلائل ہیں۔ ہمیں اختیار ہے کہ ہم جس ایک سے بھی چاہیں ثابت کر دیں۔ صحیح جواب
تو یہ ہے مگر آج کل لوگوں کا عجیب مذاق بگڑا ہے۔ اگر کوئی قرآن شریف سے ثابت
کرنے کا دعویٰ کرے گو ثابت نہ کر سکے تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ایک شخص

مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے ایک شخص کے مقابلے میں داڑھی کو قرآن شریف سے ثابت کر دیا اس طرح سے کہ دیکھو قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ لی تھی معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی۔ تو دیکھو قرآن سے داڑھی کا ہونا ثابت ہو گیا۔ میں نے مستدل صاحب سے کہا کہ اگر وہ معترض یوں کہتا کہ اس سے تو داڑھی کا وجود ثابت ہوا وجوب ثابت کرو تو آپ کیا کہتے۔ کہنے لگے کہ اتنی عقل معترض کو تھوڑا ہی تھی اس وقت جتنے لکچرار ہیں ان کے دلائل کی یہی کیفیت ہے کہ ادنی طالب علم ان میں شبہ کر سکتا ہے مگر وہ خوش ہیں غرض قرآن سے ثبوت چاہتے ہیں اصل مقصود یہ ہے کہ حرام ہونا ثابت نہ ہو۔ اس زمانہ میں یہ مذاق بہت ہی غالب ہو گیا ہے کہ حرام کو حرام نہیں سمجھتے۔ لاہور میں بعض لوگوں کا خیال معلوم ہوا کہ سود کو حلال کرنے کی فکر میں ہیں تاکہ مسلمانوں کو ترقی ہو۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ آپ کے زعم کو اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ سود ترقی کا ذریعہ ہے تو یہ سوچئے کہ ترقی کا مدار سود لینے پر ہے یا اس کو حلال سمجھنے پر کیا آپ کے پاس اسکی کوئی دلیل ہے کہ ترقی حلال سمجھنے پر موقوف ہے تو اس کے ذریعہ ترقی بنانی اسکی اعتقاد صلت میں کیوں کوشش کی جاتی ہے اگر سود لیتے ہو تو گناہ تو سمجھو یوں سمجھو کہ گوہ کھا ہے ہیں۔ برا کر رہے ہیں ایک بات تو یہ تھی کہ گناہ کو گناہ سمجھیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک پندرہ منٹ کے لئے روزمرہ خدائے تعالیٰ سے اس طرح عرض کر لیا کریں کہ اللہ میں ہنسی جیٹ ہوں۔ بڑا گنہگار ہوں سرتاپا معاصی میں بھرا ہوا ہوں میری قوت نہیں کہ معاصی کو چھوڑ سکوں۔ آپ مری مدد فرمائیں، میں شرمندہ ہوں۔ آپ کے سامنے — بس اس طرح روزمرہ خدا سے عرض کر لیا کرو۔

اعمال نسواں

خلاصہ یہ ہے کہ کر نیوالے کے لئے سو راستے ہیں اور نہ کر نیوالے کے لئے ایک بھی نہیں۔ آپ نے کسی سے یہ سنا ہو گا جو میں نے کہا کہ سب کچھ کرتے رہو مگر یہ بھی کر لیا کرو۔ سو یہ تو مشکل بات نہیں۔ اب آپ کو نسا عذر ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے راستہ پر نہیں چل سکتے یہ طریقہ ہے قوتِ عملیہ سے کام لینے کا۔ اب بعض اعمال خاص عورتوں کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ ایک تو عورتوں میں نماز کی پابندی نہیں اور اگر یہی ترک ہے تو کھانا بھی ترک کر دو۔ مگر حالت یہ کہ نماز تو پانچ وقت کی قضا ہو جائے اسکی ذرا پرواہ نہیں مگر کھانا ایک وقت کا بھی ناغہ نہ ہو ایک یہ کہ زکوٰۃ کی عادت نہیں زیور کو عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ یہ تو برتنے کی چیز ہے اسمیں زکوٰۃ کیا ہوتی خوب سمجھ لو کہ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ واجب ہے۔ ایک یہ کہ عورتیں حج بھی کیا کرتی ہیں انکو حج کا اہتمام کرنا چاہیے اور ابوجج کے ذرائع بھی بہت آسان ہو گئے ہیں حج نہ کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ ایک خاص مرض عورتوں میں یہ ہے کہ خاوندوں کی نافرمانی کرتی ہیں۔ گو بعض مرد بھی ظلم کرتے ہیں مگر بعض عورتیں ایسی ہیں کہ باوجود مدارات کے پھر خاوندوں کو تنگ کرتی ہیں اور ہندوستان کی عورتوں کی خدمت کا انکار نہیں مگر اس کا حاصل یہ ہے کہ جسم کو راحت پہنچاتی ہیں اور رُوح کو تکلیف دیتی ہیں۔ صرف جسمانی خدمت بہت کم کرتی ہیں اس میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح عقیفہ بھی بہت ہیں عفت کے خلاف تو شاید ان کو کبھی دوسرہ بھی نہ آتا ہو گا۔ مگر زبان اُنکی ایسی ہے کہ جو جی میں آیا کہہ دیا کچھ روکتی نہیں اس سے خاوند کی رُوح کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس کی اصلاح کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زبان کو بند رکھیں اس میں پہلے پہلے بیشک دُشواری ہوگی مگر پھر عادت ہو کر اس مرض سے نجات ہو جائے گی۔ اصل علاج یہ ہے نہ وہ جو بعض عورتیں

نہک پڑھواتی ہیں خاوند کے تابع بنانے کو آپ تو جو چاہیں کھالیں مگر وہ چپکاسنا
 کرے اس پر ایک حکایت یاد آئی کسی بزرگ کے پاس ایک عورت آئی اور
 کہا کہ ایسا تعویذ کر دیجئے کہ میرا خاوند مجھے کچھ کھانہ کرے انہوں نے پانی پر جھوٹ
 موٹ چھو کر کے دیدیا اور کہا کہ یہ پانی بوتل میں رکھ لینا جس وقت خاوند آیا کرے
 اُس میں سے تھوڑا پانی اپنے منہ میں لے کر بیٹھ جایا کر د اور وہ جلتک چلا نہ جائے منہ
 میں لئے رہا کر د بس وہ پانی پانی ہو جاوے گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا کہ جہاں خاوند آیا
 ڈاٹ کھولی پانی منہ میں لے بیٹھ گئی کچھ عرصہ کے بعد شوہر مہربان ہو گیا وہ عورت
 اُن بزرگ کے پاس نذرانہ لائی اور کہا کہ حضرت اب تو وہ مجھے کچھ نہیں کہتا اُن
 بزرگ نے مسکرا کر فرمایا وہ تو ایک ترکیب تھی کوئی جھاڑ پھونک تھی مجھ کو قرآن
 سے معلوم ہو گیا تھا کہ تو زبان دراز ہے اس وجہ سے خاوند سختی کرتا ہے میں نے
 زبان روکنے کے لئے یہ ترکیب کی تھی بس اب زبان درازی مت کرنا باقی یہ روپیہ
 اور مٹھائی میں نہیں لیتا واقعی زبان بڑی آفت کی چیز ہے ایک کہ عورتوں کو پردہ
 کا لحاظ نہیں ہوتا اکثر گھروں میں دور دور کے رشتہ داروں کے سامنے آئیں گی اور
 پھر تعریف یہ ہے کہ یہی عورتیں اپنے کو پردہ دار اور باہر پھرنے والی عورتوں کو بے پردہ
 کہتی ہیں حالانکہ پردہ دار وہ ہے کہ جس جس سے شرع میں پردہ ہے ان سے پردہ
 کرے پردہ کے ساتھ قرآن کی تعلیم ہے عورتوں کو کہ مرد کے ساتھ نرم لہجہ سے
 گفتگو بھی مت کرو۔ واقعی قرآن میں غور کر نیسے معلوم ہوتا ہے کہ جذبات کی
 پوری رعایت ہے نرم لہجہ سے اجنبی شخص کو ضرور میلان ہوتا ہے کیسی عجیب سچی بات
 ہے اور سخت لہجہ سے اجنبی مرد کو نفرت ہوتی ہے اس طرح سے آواز کا بھی پردہ ہے
 عورتوں کو ایک اس امر کا بھی لحاظ چاہیے کہ کپڑا شریعت کے موافق ہو بڑا چھوٹا نہ ہو
 اس میں بدن نہ جھلکتا ہو یہ ضروری اعمال تھے جو میں نے بیان کئے یہ تعلیمات تو

سب کے لئے ہیں اور بعض خاص عورتوں کے لئے کہ وہ گھر کا کام نہیں کرتیں، گھر کی نگرانی نہیں کرتیں، حدیث میں ہے کہ عورتیں حاکم ہیں گھر میں۔ گھر کے انتظام کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا۔ نگرانی نہ کرنے سے گھر میں چوری ہوتی ہے اس کا بہت خیال چاہیے گھر کا کام کرنا چاہیے۔ دوسروں پر نہ چھوڑنا چاہیے۔ ایک امر اعمال میں سے اور یاد آگیا وہ یہ کہ عورتیں غیبت بہت کرتی ہیں خود بھی حکایت شکایت کرتی ہیں اور اوروں سے بھی سُنتی ہیں اور اُس کی جستجو میں رہتی ہیں۔ کوئی باہر سے آئی اور پوچھنا شروع کیا کہ فلانی مجھ کو کیا کہتی تھی گو یا منتظر ہی تھیں آئی والی نے کچھ کہہ دیا کہ یوں یوں کہتی تھی بس پھر تو پل باندھ لیا۔ خوب سمجھ لو کہ اس غیبت سے نا اتفاقی ہو جاتی ہے آپس میں عداوت قائم ہو جاتی ہے علاوہ اس کے غیبت کرنا اور اس کا سُنا خود بڑا گناہ بھی ہے کلام اللہ میں اسکی بڑی مذمت آئی ہے عورتوں میں ایک اور بھی مرض ہے مجھ کو یہاں کی خبر نہیں مگر اپنے قصبہ کی حالت عرض کرتا ہوں بعض عورتیں کھڑے جوتے پہنتی ہیں۔ حدیث میں اس امر پر لعنت آئی ہے کہ عورتیں مردوں کی وضع اختیار کریں۔

فیشن پرستی | آج کل بہت جگہ عورتوں کو فیشن کا بہت اہتمام ہو گیا ہے۔ دوسری قوموں کی وضع بناتی ہیں۔ سایا پہننے لگی ہیں۔ کانپور میں دیکھا بعض عورتیں اچکن پہنتی ہیں یہ آفت اب نازل ہوئی ہے اور بعض جگہ عورتیں خود ایسا نہیں کرتیں۔ مگر بعض مرد ان عورتوں کو اس پر مجبور کرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ لیجئے کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ پس عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کے کہنے سے ایسا لباس ہرگز نہ پہنیں کہ اس میں تشبہ ہے مردوں کے ساتھ۔

آج کل لوگوں کو اس مسئلہ میں بھی شبہ ہے — غیر قوم کی وضع اختیار کرنے کے متعلق کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہتا ہے اس باب

میں دو مثالیں عرض کرتا ہوں اس وقت سلاطین میں جنگ ہو رہی ہے اگر کوئی شخص جو برطانیہ کی فوج میں ہو وہ جسمنی سپاہی کی وردی پہن لے اور منصبی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرے تو کیا اس کا یہ فعل موجب ناخوشی افسران نہ ہوگا۔

دوسری مثال لیجئے کیا کوئی مرد زنا نہ کپڑے پہننا اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے فرا زنا نہ کپڑے اور پازیب و جوشن وغیرہ پہن کر جلسہ عام میں بیٹھ تو جاویں۔ زنائی وضع میں سولے تشبہ کے اور کیا عیب ہے افسوس ایک مسلمان تو دوسرے مسلمان کی وضع اختیار نہ کرے کیونکہ اس مثال میں فرق اگر ہے تو صرف مرد اور عورت کا ہے۔ اسلام تو مشترک ہے اور مسلمان ہو کر غیر مسلمان کی وضع اختیار کرے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بضرورت پہنتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر اسکی ضرورت تسلیم بھی کر لی جاوے تو کیا ہر وقت ہی ضرورت رہتی ہے یہ سب چلے ہیں۔ میں اس کا اصلی گمربستلا دوں صرف بات یہ ہے یہ لسی قوم کی وضع ہے جو رعب و ادب والی قوم ہے اس کو محض اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ہمارا بھی رعب پڑے اہل ہیبت کی وضع بناتے ہیں میں کہتا ہوں کہ کونسا کام اٹکا ہوا ہے اس ہیبت پر اس کا منشا محض کبر ہے بس اپنے بڑے بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ بڑا بننا قانونِ الہی میں بڑا جرم ہے گو تعزیرات ہند میں نہ ملے گا مگر تعزیراتِ شرع میں ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ برابر بھی کبر ہوگا۔ جنت میں نہیں جاسکتا جو جنت کو نہ ملنے وہ تو مخاطب ہی نہیں مگر جو جنت کو ماننا ہے وہ سمجھ لے کہ اس پر کیسی وعید ہے جنت جیسی چیز کا ہاتھ سے جاتا رہنا کیا چھوٹی بات ہے حدیث کے علاوہ قرآن شریف میں لیجئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ

اور لیجئے شیطان محض سجدہ نہ کرنے سے اس درجہ کار اندہ درگاہ نہیں ہوا بلکہ سبب اس کا یہی کبر تھا چنانچہ قرآن شریف میں ہے : وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهُ

کو بڑا بکھنا چسوم ہے، اور یہ جو غلو پیدا ہو گیا ہے، فیشن وغیرہ میں منشار اس کا یہی کبر ہے۔ یہ عورتوں کے اعمال کی ضروری نہرست تھی۔

فصول رسوم | ایک مرض ان میں اور بھی ہے جو مفسدہ میں سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ عورتیں رسوم کی سخت پابند ہیں اور تعجب ہے

کہ اکثر مرد بھی اُن کے تابع ہو جاتے ہیں اور بعض مرد جو اس میں مخالفت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو اہل دین، جو دین کی حیثیت سے اُن کا خلاف کرتے ہیں، دوسرے انگریزی تسلیم یافتہ جو کہ دینی حیثیت سے اُن کی مخالفت نہیں کرتے ہاں عقل کے خلاف سمجھتے ہیں، سو پہلے لوگ قابلِ قدر ہیں باقی دوسروں کی مخالفت ایسے ہے کہ فرمن المطر و وقف تحت المیزاب یعنی بارش سے بھاگ کر پرنا لہ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ وجہ یہ کہ عورتیں تو رسوم میں دو تین ہی بار عمر بھر میں صرف کرتی ہوں گی اس پر ان کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہائیں فصول خرچ کرتی ہو اور خود رات دن اس سے بڑھ کر فصول میں مبتلا ہوں کہیں فوٹو گراف آ رہا ہے۔ کہیں ہارمونیم ہے کہیں ولایتی فصول چیزوں سے کمرہ سجایا جا رہا ہے، چھ چھ جوڑے جوتے رکھے ہیں، فیشن کے کپڑے قیمتی قیمتی سلوائے جا رہے ہیں، آٹھ روپیہ کا کپڑا اور سولہ روپیہ سلوائی بعض کے کپڑے لندن دھلنے اور سلنے جاتے ہیں یہ لوگ رات دن اسی قصہ میں مشغول ہیں، خود کی تو یہ حالت، اور عورتوں کو فصول خرچ بتاتے ہیں پس یہ حضرات جو عورتوں کو رسوم سے روکتے ہیں تو صرف اس لئے کہ دوطرفہ خرچ نہ ہو، یہ روکنا قابلِ قدر نہیں ہاں دین کے سبب سے ہو وہ البتہ مطلوب ہے جس میں روکنے والا اپنے نفس کو بھی شریک رکھتا ہے یعنی وہ بھی اُس اصل کا عامل ہے بعضے تعین و تشیع کے خوف سے رسوم پر عمل کر لیتے ہیں مگر جس میں احکام کی تعمیل کا مادہ ہوگا وہ رسوم کے ترک کرنے میں کسی کے طعن و

تسبیح کا خیال کبھی نہ کر لگا اور گویہ باہمت مسلمان سے کچھ بعید نہیں لیکن آجکل بوجہ مخالفت عامہ کے قابلِ تعریف ہے ایسا شخص آجکل ولی اور خدا کا مقبول ہے ایک زندہ نظیر اسکی آپ کے پیشِ نظر ہے میرے دوست تحصیلدار میاں عبدالحمید صاحب ہیں ان کو اپنی دختر کی تقریب کرنا تھی ماشاء اللہ انہوں نے نہایت تدبیر و خلوص سے کام لیا کیونکہ بعض رسوم تو شرک و بدعت ہیں سو یہ تو اکثر لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں انگریزی تعلیم بھی اُن کی مانع ہے اور دینی تعلیم بھی مگر ایک دوسرے قسم کی رسوم ہیں جو تفاخر کے لئے جاتی ہیں یہ متروک نہیں ہوئیں ان کے کرنیوالے بعضے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے ٹونے ٹوٹے کچھ نہیں کئے پھر ہم نے تقریب میں کون سی رسم کی سو سمجھ لیجئے کہ جو رسوم تفاخر کے لئے کی جاتی ہیں وہ بھی گناہ ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن شخص کے کھانے سے منع فرماتے ہیں جو تفاخر کے لئے کھلائے بس جو رسم تفاخر کے لئے کی جائے گی وہ منع کیوں نہ ہوگی تو تحصیلدار صاحب نے یہ ہمت کی کہ ان رسموں کو بھی چھوڑا اور سُبکی کی کچھ پرداہ نہ کی اور کمال یہ کیا کہ اتفاق سے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ کو نکاح پڑھنے کے لئے وطن لے جانا چاہا میں نے کچھ عذر کیا تو انہوں نے سفر ہی میں اس کام کو تجویز کر دیا اور یہ تجویز ہو گئی کہ اسی جلسہ میں عقد کر دیا جاوے اس میں دو مصلحتیں ہو گئیں ایک تو اس سنت سے اس گھر میں بھی برکت ہوگی۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ نکاح یوں بھی ہو جاتا ہے۔ اور احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح نہایت سادی چیز ہے بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ کا نکاح ہوا تھا تو حضرت علیؓ مجلس میں موجود بھی نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھ کر یوں فرمایا تھا ان رضی علی سے بذلک۔ یعنی اگر علیؓ اس نکاح کو منظور کریں جب علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا۔ کیسا سادہ نکاح

کہ جہاں دُولہا بھی موجود نہ تھے بعضے اس سادگی کی وجہ میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ کے پاس تھا ہی کیا، فقر و فاقہ کی حالت تھی تو خوب سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کمی کس بات کی تھی جہاں جبریلؑ درباری کریں۔ اگر آپ چاہتے تو ملائکہ آتے جوڑے جنت سے جہیز میں لاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا پوچھتے ہو اولیاء اللہ عجیب عجیب شان کے ہوئے ہیں کہ اُن کی مرادیں مسترد نہیں ہوتیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواہش کرتے اور وہ مسترد ہوتی۔ حاشا وکلا۔ پھر رشتہ ہوا تو کس طرح کہ نہ نائی نہ ڈوم نہ رسم نہ نشانی صرف زبانی درخواست زبانی منظوری پہلے شیخینؒ نے اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فاطمہؓ کے نکاح کی بابت عرض کیا تھا یہ شرف ہم کو حاصل ہو اپنے فرمایا کہ فاطمہؓ کی عمر کم ہے تم سے مناسب نہیں ہے پھر شیخینؒ نے حضرت علیؓ کو رائے دی کہ تم اپنے لئے عرض کرو۔ حضرت علیؓ شرارتے تھے ہمت دلا کر بھیجا کہ جاؤ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخینؒ اور حضرت علیؓ میں کیسا احتیاد تھا حضور میں حاضر ہو کر شرم غالب آئی چپکے بیٹھ گئے۔ اُسی وقت وحی آئی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ میں فاطمہؓ کا نکاح تم سے کر دوں یہ تو رشتہ تھا پھر نکاح ہوا تو کس طرح کہ نکاح کے وقت آپ ایک صحابی سے فرما دیا کہ جو کوئی بل جاوے اُسے بلا لو پہلے سے کوئی اہتمام نہ کیا نکاح کے بعد ام ایمنؓ سے فرما دیا کہ حضرت فاطمہؓ کو پہنچا دو۔ وہ برقعہ چادر پہنا کر ہاتھ پکڑ کر جا کر پہنچا آئیں اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے فاطمہؓ دلہن تھیں ان ہی سے کہا کہ برتن میں پانی لاؤ۔ یہ دلہن ہے کہ شوہر کے سامنے پھر رہی ہیں۔ اپنے اُن کے مُنہ اور ہاتھ پر اور پشت پر چھڑکا۔ پھر اسی طرح حضرت علیؓ کیساتھ کیا۔ غرض آپ نے دکھا دیا نمونہ اُمت کے کیا کیا کردار۔ اسی طرح غسسی میں بھی کچھ نہیں کیا صرف ایصالِ ثواب کر دیتے تھے۔ سعدؓ کی ماں مر گئی تھیں انہوں نے کنواں بنوا

کر کہہ دیا **هَذَا لَا يَمْتَنِعُ**۔ کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کے لئے ہے نہ فاتحہ دلائی نہ کچھ کیا۔ اب تو مٹھائی کے دو نے لئے نیاز دلوانے کو پھرتے ہیں جب تک خاص سورتیں پڑھ کر فاتحہ نہ دی جاوے ثواب ہی نہیں ہوتا اور مصلح کو کہتے ہیں کہ یہ منکر ہے ثواب کا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایک شخص بے وضو اور قبلہ کو چھوٹ کر نماز کے لئے کھڑا ہو اور کوئی اس کو منع کرے تو کیا وہ نماز کا منکر سمجھا جاوے گا اسی طرح اس شخص کو جو قیود مرد و جہ کے ساتھ فاتحہ مرد و جہ یا میلاد مرد و جہ کو روکے تو کہتے ہیں کہ یہ ذکر رسول کا منکر ہے ہم کہیں گے کہ جس طرح وہ نماز کا انکار نہیں یہ ذکر کا انکار نہیں ہاں تمہارے اس بے ڈھنگے پن سے دونوں جگہ روکتے ہیں لوگوں نے اپنی طرف سے اختراعات کر لئے ہیں ان لوگوں کی بالکل ایک نئی شریعت ہو گئی ہے ایک نیا مذہب ہو گیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تعلیم کے مقابلے میں لوگوں نے ایک ایک رائے تجویز کر رکھی ہے ہر امر میں مقابلہ کیا گیا ہے شادی میں، غسی میں، بیع میں، شراب میں ہمارا یہ اسلام ایمان داری شادی غسی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع کرنا چاہیئے اور عورتوں کو زیادہ خصوصیت کے ساتھ خطاب کرتا ہوں مقصود بیان تو سب ہو گیا اب یہاں دو باتیں بطور نکتہ کی بیان کرنا باقی رہ گئیں۔

ایک تو یہ کہ یہاں تین صفیں بیان ہوئیں۔

صفات نسواں

المُحْصَنَاتُ ، الْخَفِلَاتُ ، الْمُؤْمِنَاتُ

دو صفت میں توصیفہ اسم فاعل کا لائے یعنی الخافلات المؤمنات مگر المحصنات

صیغہ اسم مفعول کا لایا گیا محصنات صیغہ اسم فاعل کا ارشاد فرمایا گیا۔ بات یہ ہے کہ

اس طرح لانیسے ہمیں ایک سبق بھی دیا ہے جسکی ضرورت چودھویں صدی میں آ

کر واقع ہوئی وہ یہ کہ ہمیں مردوں کو پردہ کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ المحصنات کے

معنی ہیں پارسا رکھی ہوئی عورتیں مرد اُنکو پارسا رکھیں انکے ذمہ ہے پارسا رکھنا معلوم ہوا کہ عورت اکیلی کافی نہیں جتک مرد اُسکو محفوظ نہ رکھے اہم فاعل کے صیغہ سے یہ بات حاصل ہوتی ۔

اس لئے مفعول کا صیغہ لائے دوسری یہ بات کہ بیچ میں غافلات کا لفظ کیوں لگی کیا ضرورت تھی یہ بات یہ ہے کہ اس کے بیچ میں ہونے سے دونوں صفتوں میں اتصال ہو گیا اشارہ اس طرف ہے کہ قوتِ علمیہ اور عملیہ کا کمال اس پر موقوف ہے کہ وہ غافلات بھی ہوں یعنی اُن کے خیالات محدود ہوں عسری تبادولہ خیالات نہ ہوں تب اُن کا علم و عمل مقصود باقی رہ سکتا ہے ۔ مردوں کے لئے تو وسیع خیالات کا ہونا کمال ہے اور عورتوں کے لئے یہ کمال ہے کہ غیر وسیع الخیال ہوں اُن کا مکان بھی محدود آنا جانا بھی ہو علم بھی محدود یعنی صرف دین ہی کا علم ہو اس زمانہ و فنونِ مکتوں کے مقتضائے کے خلاف کیا جا رہا ہے ۔

ضرورت پر وہ نسواں | چنانچہ بعض لوگ گھروں میں رکھنے کو قید کہتے ہیں یہ لوگ اُنکو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قید نہیں ہے بلکہ باہر نکلنا حقیقت میں قید ہے کیونکہ قید کی حقیقت ہے خلاف مرضی مجبوس کرنا پس قید تو جب ہو کہ وہ باہر نکلنا چاہیں اور تم ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاؤ یہی قید اُن کے لئے تو اگر طبعِ سلیم ہو بے پردہ ہو کہ باہر نکلنا یہ موت ہے پس بے پردگی قید ہوتی ۔ پردہ میں رہنا قید نہ ہوا بعضی عورتوں نے جائیں دیدی ہیں اور باہر نہیں نکلیں ضلعِ اعظم گڑھ میں ایک شخص کا زمانہ طاعون میں عارضی مکان چھپر کا تھا اسمیں اتفاقاً آگ لگی اسکی بی بی جل کر مر گئی ۔ باہر نکل کر دُوروں کو صورت نہیں دکھائی ۔ میں یہ فتویٰ بیان نہیں کرتا کہ یہ اچھا کیا،

مطلب انکے جذبات فطریہ کا بیان کرنا ہے پھر لغت سے تائید لیجئے خود عورت کے
 معنی میں چھپانے کی چیز پھر واقعات دیکھ لیجئے جہاں پردہ نہیں ہے ان کے
 واقعات دیکھ لیجئے اور ان واقعات کا اب انتظام آسان ہے کیونکہ پردہ عادت
 عامہ ہے اگر یہ اٹھ گیا پھر انتظام نہ ہو سکے گا پھر وہ واقعات دیکھ کر آپ خود
 کہیں گے کہ پردہ ہونا چاہیے مگر نہ ہو سکے گا اس وقت علما کو آپ وحشیانہ خیال
 والے کہتے ہیں مگر آئندہ چل کر معلوم ہو جاوے گا ایک صاحب نے پردہ کی
 مذمت میں لکھا مارا تھا کہ دو شخصوں کی شادی ہوئی تھی دلہنیں رخصت ہو کر جا
 رہی تھیں ایک جگہ ریل بدل گئی ڈولی میں دونوں اتاری گئیں اتفاق سے دونوں شخصوں
 کی بیبیاں بدل گئیں اسکی تو اس کے یہاں پہنچ گئی اور اسکی اس کے یہاں آ کے
 کہا تھا کہ یہ ساری خرابی پردہ کی ہے خوب آپنے اتفاقیات سے استدلال کیا
 قصور لوگوں کا تھا کہ کیوں نہ خیال رکھا اور جس کثرت سے خرابیاں بے پردگی کے
 سبب پیش آتی ہیں ان کے سامنے ایسا ایک امر اتفاقی کس شمار میں ہے اور اگر
 یہ قیدی ہی ہے تو عفت کی قید ہے میرا ایک رسالہ پردہ کے بارہ میں بقیہ شہادت
 کے دفع کے لئے اس کو دیکھ بھی لیجئے اور میں تو اخیر بات کہتا کہ اگر خدا اور رسول
 کا حکم بھی پردہ کا وجوب کے درجہ میں نہ ہوتا اور واقعات بھی نہ ہوتے تب آخر
 تو غیرت بھی کوئی چیز ہے مرد کو تو طبعاً غیرت آتی چاہیے کہ اسکی عورت کو دوسرا دیکھے
 پھر واقعات مزید برآں خصوص میں اس زمانہ میں اسی واسطے علما نے لکھا ہے کہ
 جو ان داماد یا دودھ شریک بھائی سے بھی احتیاط چاہیے بے محابا سامنے نہ آنا چاہیے
 اس کے متعلق واقعات ہوئے ہیں اور بعضے لوگ ان کو جدید علوم و فنون سکھلا کر انکو
 وسیع الخیال بنانا چاہتے ہیں مگر غافلات کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ عورتوں کو غیر
 ضروری علوم سے غافل ہی ہونا چاہیے خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے واسطے قوت

علمیہ و عملیہ کی تکمیل کی ضرورت اور اسکی طریقہ کا بیان بقدر ضرورت ہو گیا۔
 الحمد للہ ————— اب تقریر ختم کرتا ہوں اور اس وعظ کا نام العاقلات
 الغافلات رکھتا ہوں یعنی وہ عورتیں جو ضروریات میں عاقل اور غیر ضروریات میں
 غافل ہوں ————— فقط :

دعواتِ عبدیت کا تیسرا وعظ

ملقب بہ

عضل الجاہلیہؑ

عورتوں کے حقوق کے متعلق یہ وعظ ۸ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ
کو ارشاد فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الحمد لله حمداً ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل
عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من
يهد الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له ونشهد أن لا
إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا
محمداً عبداً ورسولاً صلى الله تعالى عليه وآله وصحبه وبارك وسلم
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهَ اللَّهُ
تَعَصُّلُوهُنَّ لِيَبْذُرَ اللَّهُ فِتْنَتَهُمْ إِنَّ يَأْتِيَنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ وَعَاشِرُواوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ
فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا
كَثِيرًا ۝

آج جس مضمون کا بیان کرنا ہے یہ آیت اسی کے متعلق ہے۔ اہل علم تو
ان کو سن کر ہی سمجھ گئے ہوں گے اور غیر اہل ترجمہ سے سمجھ لیں گے۔

آج کا مضمون بالکل پھیکا ہے مگر وعظ سے خود اصلی

مقصد وعظ

مقصود دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اصلاح ظاہر و باطن

مقصود ہوتی ہے اگر یہ بات حاصل ہو تو کس نے کے قابل اور عمل کے قابل اور

اگر یہ نہ ہو تو ناقابل سماعت اور فضول ہے اگر دونوں ہوں تو ہم غرما و ہم ثواب
 تو وعظ سننے سے مقصود محض اصلاح ہونی چاہیئے۔ اس میں لذت کا منتظر ہونا
 فضول حرکت ہے۔ آپ نے کسی کو نہ دیکھا ہو گا کہ اس کو حکیم محمود خاں کے
 نسخہ سننے سے وجد ہوا ہو اور ذوق کے شعر پر وجد ہوا ہو گا۔ لیکن اس
 تفاوت کی وجہ سے یہ اثر نہ ہو گا کہ وجد ہونے کی وجہ سے ذوق کے شعر سے
 علاج کیا ہو کہ اس کو سنا کر و بیماری جاتی رہے گی۔ ع
 کہ داروئے تلخ است و رفع مرض

(دوا بد مزہ ہوتی ہے مگر اس سے مرض دور ہوتا ہے)

ہاں اگر اتفاق سے کوئی مرکب لذیذ بھی ہو اور مزیل مرض زمرض کو دور
 کرنے والی بھی ہو تو خوش قسمتی ہو گی مگر لذت مقصود نہیں ہوتی اور
 جہاں لذت رکھی جاتی ہے تو محض بہلا نے کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے
 کہ ذکر میں ابتداً لذت ہوتی ہے بعد میں فوائد صرفہ رہ جاتے ہیں۔ اس
 پر ایک حکایت یاد آتی۔ مولانا فضل الرحمن صاحب کے ایک مرید نے
 کہا کہ حضرت اب تو ذکر میں لذت نہیں آتی فرمایا پُرانی بیوی اماں ہو جاتی
 ہے اس طرح سے کہ اول اول تو اس میں لذت ہوتی ہے مگر فوائد اخیر
 میں بڑھتے ہیں کہ مونس ہوتی ہے خدمت گزار ہوتی ہے۔ بہر حال عقلا کے
 نزدیک زیادہ نظر کے قابل فوائد ہوتے ہیں نہ کہ لذت لہذا اگر مصنمون
 بنے مک ہو تو پرواہ نہ کیجئے۔

نکاح میں تناسب | اور سننے آج کل عورتوں کے حقوق
 میں لوگوں نے بہت کوتاہی کر رکھی
 ہے مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر

شوہر پہلے مر جاتا ہے پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوتی ہے اور کہیں دوسری طرح ظلم ہوتا ہے کہ بچہ سے جوان عورت کا نکاح کر دیتے ہیں اور اس مرض کا مجھے اب تک کو اجمالاً علم تھا مگر تفصیلاً نہ تھا یعنی جس درجہ پر وہ پہنچا ہوا ہے اس کا علم نہ تھا ایک واقعہ جو یہاں ہوا اس سے اس مرض کا پتہ چلا اور ایک بزرگ کے آنے سے اس پر زیادہ توجہ ہوئی وہ یہ کہ ایک نکاح یہاں ہوا ہے لالہ چھوٹا ہو بڑی کہ دونوں کی عمر میں اتنا تفاوت تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید وہ اس کے برابر ہوتا مجھے یہ ناگوار ہوا مگر وہ ناگواری اس وجہ سے نہ تھی کہ وجوب یا حرمت تک پہنچی ہوئی ہو بلکہ صرف کراہت طبعی اور عقلی تھی کہ تناسب بین العمرین اگر ہو تو اس سے موافقت ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

قَاصِرَاتِ الطُّرُفِ أَنْتَ رَبِّ

(بچی نگاہ والی ایک عورت)

کہ خوروں کی ہئیت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَاراً عُرُبًا

أَثَرًا أَبًا لَا صَلَاحَ لِلْيَمِينِ ط

ہم نے انھیں ان عورتوں کو اچھے اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں پیار

دلانے والی ہم عمر

غرض تفاوتِ عمر کا اثر اجنبیت ہوتی ہے آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کو

جیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔ ایک حکایت حضرت علی رضی

اللہ عنہ کے وقت کی لکھی دیکھی ہے کہ :

ایک لڑکا نالی میں گھس گیا اور وہاں آپ ہنسنے لگے کوئی تدبیر نکالنے

کی نہ تھی کیونکہ جتنا بلاتے اور نکالنا چاہتے وہ اور اندر گھسا جاتا تھا یہاں تک کہ نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو ایک دوسرے لڑکے کو اس کے پاس بٹھلا کر کھیل میں مشغول کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بچہ کو کھیلتا دیکھ کر یہ بھی بدروسے نکل آیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔

ایک حکایت اور یاد آئی۔ دیوبند کے ایک طبیب بادشاہ کے یہاں امیدوار بن کر بہت دنوں رہے مگر تقرر نہ ہوا، ایک شہزادہ کمنے نے روزہ رکھا تھا۔ ذرا روزہ کا عوام میں زیادہ اہتمام ہے نماز کا اہتمام نہیں، حالانکہ نماز کے متعلق حکم ہے کہ اول تو کھڑے ہو کر پڑھو کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو، بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھو، جب اشارہ بھی نہ ہو سکے تو نماز مؤخر کر دو معاف نہیں ہوئی جب طاقت آجائے گی تو ان نمازوں کو قضا کرنا پڑے گا اور سات برس کے بچہ کو نماز پڑھوانے کا اور دس برس کے بچہ کو مار کر پڑھوانے کا حکم ہے اور روزہ میں یہ خاص اہتمام نہیں بلکہ جب تحمل ہو رکھو اور اگر تحمل نہ ہو تو افطار کر لینا جائز ہے، اور پھر جب طاقت آئے گی تو قضا لازم ہوگی اور اگر طاقت نہ آئے تو فدیہ بھی دے سکتے ہیں مگر لوگوں کو روزہ کا ایسا شوق ہے کہ میں نے دیکھا ہے ایک چار برس کے بچہ کو روزہ رکھوا دیا۔ ایک جگہ میں نے دیکھا کہ لڑکیوں نے ایک ذرا سی لڑکی کو روزہ رکھوا دیا اور جب وہ پاخانہ گئی تو یہ ساتھ گئی۔ غرض چاہے بچہ کی جان پر بن جائے مگر روزہ ضرور ہو۔ مگر بعض دفعہ یہ روزہ روضہ میں بھی لے جاتا ہے، ایک مرتبہ ایک رئیس زادہ سے روزہ رکھوایا گیا گرمی کے دن تھے دوپہر تک

تو بیچارہ نے نباہ دیا مگر عصر کے وقت پیاس سے سخت پریشان ہوا۔ رئیس نے روزہ کشائی کا بہت اہتمام کیا تھا۔ تمام خاندان کی اور دوستوں کی دعوت کی تھی آخر پہلایا کہ تھوڑی دیر اور صبر کر مگر اس بیچارہ کو تاب کہاں تھی اول تو اس نے لوگوں کی منیتیں خوشامدیں کیں مگر کسی ظالم نے اس کی جان پر رحم نہ کیا اور کسی نے اس کو ایک گھونٹ بھی پانی نہ دیا آخر وہ خود اٹھا رئیس نے اتنا سامان کیا تھا کہ مشکوں میں برف بھری گئی تھی وہ مشکے سے جا پٹا کہ کچھ تو پانی سے قرب ہو اور پیٹتے ہی جان نکل گئی اس کا وبال ان بے رحم مال باپ پر ہوا۔

صاحبو! شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ اگر جوان کی بھی جان نکلنے لگے تو روزہ توڑ دینا واجب ہے، مگر اہل رسوم کے نزدیک معصوم بچہ کو بھی اجازت نہیں، افسوس خدا کو ایسے روزہ کی ضرورت نہیں۔ خدا کو تم سے زیادہ تم پر رحمت ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تم سے زیادہ تم پر شفقت ہے۔
النَّبِيُّ أَوْ لَا يَأْتِي الْفَسَادَ مِنَ الْفَسَادِ -

(مسلمان کو جتنا اپنے نفس کا خیال ہوتا ہے نبی علیہ السلام کو اس سے زیادہ مسلمانوں کا لحاظ ہوتا ہے۔)

تو جب مکلف کو یہ حکم ہے کہ ایسے وقت میں روزہ توڑ دے تو چار پانچ برس کا بچہ تو کس شمار میں ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شریعت میں اتنی شفقت و سہولت ہے کہ تم بھی اپنے ساتھ اتنی نہیں کر سکتے۔ غرض شاہزادہ بھی روزہ سے بہت پریشان تھا اطباء سے ترکیب پوچھی گئی انہوں نے روزہ توڑنے کو کہا یہ رائے بادشاہ کو پسند نہ آئی کیونکہ سارا سامان خاک میں ملتا تھا۔ افسوس دین میں بھی دنیا ہی

مقصود ہے بچہ کی جان جاتی ہے اور بادشاہ کو اپنے سامان کی بڑی ہے
 غرض ان اُمید دار طبیب نے کہا کہ میں ایک ترکیب بتاتا ہوں چند لڑکوں کو بلایا
 کر حکم دیجئے کہ شاہزادہ کے سامنے لیو تر آش تر آش کر کھاویں۔ چنانچہ
 بچے بلائے گئے ان کو اس حالت میں دیکھ کر بچہ کے منہ میں پانی بھر آیا
 طبیب نے کہا یہ پانی نکل جاؤ۔ پس اس تدبیر سے تمام حلق تر ہو گیا اور
 پیاس کم ہو گئی، بہت اطمینان ہوا۔ اسی روز اسرا لا طبار مقرر ہو گئے
 اس حکایت سے میرا مقصود یہ ہے کہ ہم عمری کی رعایت بہت ضروری
 ہے، خاص کر زوجین میں یہ امر طبعی تو ہے ہی مگر کسی قدر شرعی بھی ہے
 اور شریعت میں بھی قابل التفات ہے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا
 سے نکاح کا اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا۔ پھر حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا تاکہ جس طرح یہ شرف ان کو حاصل تھا کہ
 ان حضرات کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں
 داخل تھیں یہ شرف بھی ان کو حاصل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے داماد بنیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا :
 انہا بالصغیرۃ کہ وہ کمسن بہت ہے

ان حضرات کی عمر زیادہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناسب بین العمرین
 کی رعایت فرما کر دونوں صاحبوں کی درخواست رد فرمادی، اس کے بعد
 ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ حضرت فاطمہ
 رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تم درخواست کرو امید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 منظور فرمائیں گے، افسوس ہے کہ اس کے بعد بھی لوگ یوں کہتے ہیں
 کہ صحابہؓ میں کشاکشی تھی۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ ذَاكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْ النَّارِ -

اہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یہ کافر لوگوں کے خیالات ہیں پس
بربادی ہے ان کافروں کے لئے کہ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (ہیں)
صاحبو! شیخین نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح فاطمہ رضی اللہ
عنہا کے پیغام دینے کی رائے دی کیا اسی کو عداوت کہتے ہیں، عداوت
تو جب ہوتی کہ یہ راہ مارتے نہ کہ خود رائے دیتے چنانچہ یہ حاضر ہوئے، مگر
چونکہ کم سن تھے اس لئے ذرا شرمندہ ہوئے اور زبان سے کچھ نہ کہہ
سکے۔ مگر دیکھو خبردار شیخین پر اعتراض نہ کرنا کہ بے حیا تھے یہاں تو
بیٹی مانگنا ہی تھا صحابہؓ میں تو بعض دفعہ باپ نے خود اپنی بیٹی کے
لئے پیغام دیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے شوہر سے
بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
سے کہا کہ حفصہ بنت عمرؓ بیوہ ہو گئی ہے اس سے تم نکاح کر لو۔ وہاں
ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے کہنا حرام سمجھتے
ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا چنانچہ
انہوں نے عذر کر دیا اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہؓ
بنت عمرؓ بیوہ ہو گئی ہے اس سے آپ نکاح کر لیجئے، انہوں نے بھی وہی
جواب دیا کہ سوچوں گا، پھر کچھ جواب ہی نہ دیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا پیغام آیا اور نکاح کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ملے حضرت
ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر تم خفا ہو گئے ہو گے
بھائی! ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے سنا

تھا اس لئے ہم نے جواب میں توقف کیا کہ نہ خود قبول کر سکتا تھا نہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر سکتا تھا اور صاف جواب دینے میں شبہ
تھا کہ تم اور کہیں منظو نہ کر لو۔ عرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی
بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا بلکہ خود عورتیں آکر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نکاح کر لیجئے۔ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی
لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
مجھ سے اچھی تھی اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی۔
عرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ایسا ضرور کریں لیکن اگر کوئی کرے
تو مضائقہ نہیں باقی اگر کوئی شرم و حیا سے ایسا نہ کرے تو کسی فرض کا تارک
نہیں اور شرم و حیا تو کم و بیش لڑکوں میں بھی ہونی ضروری ہے خصوصاً
ہندوستان کے لئے تو بہت ہی زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہاں بہت
فتن پھیل رہے ہیں اور ان سب کا انسداد حیا سے کیا جاسکتا ہے اور
اس کی دن بدن کمی ہوتی جاتی ہے جس قدر حیا ہم نے اپنی ابتدائی عمر میں لڑکوں
میں دیکھی ہے۔ اب لڑکیوں میں بھی نہیں دیکھی جاتی اور اب بھی جس
قدر بوڑھوں میں ہے وہ نوجوانوں میں نہیں۔ اس کمی کی وجہ سے خرابیاں
بڑھتی چلی جاتی ہیں اس لئے کم و بیش حیا کا ہونا بہت ضروری ہے اور
ماخذ اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل ہے کہ چپ آکر بیٹھ گئے اور
شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے
خبر ہو گئی ہے کہ تم فاطمہؓ کا پیغام نکاح لے کر آئے ہو سو مجھ سے حضرت
جبریل علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ خدا کا حکم ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا

نکاح کر دیا جائے۔ چنانچہ منگنا ہو گیا۔ مگر یہ نہیں ہوا کہ لال ڈوری ہو کوئی جوڑا ہو بٹھائی تقسیم ہو لوگ کہتے ہیں کہ منگنی میں یہ باتیں ہونے سے سختی ہو جاتی ہے، صاحبو! میں نے غیر سخت جوڑتے ہوئے اور پختہ ٹوٹتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اس لئے سب اوہام ہیں کہ سختی ہوتی ہے اور اگر ہو تب بھی تو ہم کو وہ کرنا چاہیے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو اتباع کا اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے آپ کے کھانے تک کی حدیثیں بھی ضبط کی ہیں مثلاً یہ کہ :

انی آکل کما یا کل العبد

کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے۔
 سو تم بھی ایسے ہی کھاؤ جس طرح غلام کھاتا ہے۔ دیکھو تو ہم سب خدا کے غلام ہیں اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں تو اس طرح سے کھانا چاہیے، جیسے آقا کے سامنے غلام۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرڈو بیٹھ کر کھاتے تھے ایک اس میں بڑی مصلحت ہے کہ پیٹ رانوں سے مل کر دب جاتا ہے کھانا حد سے زیادہ نہیں کھا سکتا جس سے پیٹ بھی نہیں بڑھ سکتا جیسا بعض عریضان بندہ شکم کا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ ایک پیر جی تھے ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا ایک مرید نے کہا اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا تو میر النفس بھی چونکہ مر چکا ہے اس لئے پھول گیا، غرض بعض لوگ بہت ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ شریعت کو تو سوا مطلوب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اکرڈو بیٹھ کر کھاؤ۔ نیز اکرڈو بیٹھ کر تواضع اور انکسار بھی ہے۔ بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں، ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی کہ انہوں نے ایک رئیس زادہ کو دیکھا کہ

وہ گاؤں تک لگائے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ سینہ پر ایک رد مال پڑا ہوا تھا تاکہ
شور باد وغیرہ گرے تو کپڑے خراب ہوں کچھ تو وہ بہت موٹے تھے اور کچھ تیکڑے بھی
کرتے تھے۔ خدا بچائے بعض تو اس قدر موٹے ہو جاتے ہیں کہ عظیم آباد میں
ایک رئیس تھے ان کا استنجا نوکر کرتے تھے اس طرح کہ ایک تھان
بیچ میں دے کر گھسیٹا جاتا تھا اور سقہ پانی ڈالتا تھا اس غریب کے لئے
تو موٹا پا بھی ایک عذاب تھا ۱۵

۱۵ مکن رحم بر مرد بسیار خوار کہ بسیار خوار است بسیار خوار
نہ چنداں بخور کنز دہانت بر آید نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید
غرض اس ہیئت میں ایک یہ مصلحت تھی کہ کھانا زیادہ نہ کھایا جاوے
اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جلدی جلدی کھانا کھاتے
تھے۔ آجکل سمجھا جاتا ہے کہ جو جلدی کھائے وہ عریص ہے۔ صاحبو کسی نوکر
کو اس کا آقا کوئی چیز دے تو بتلاؤ اسکی قدر کرو گے یا بقدری یقیناً قدر
کرو گے اور ظاہر بھی کرنا چاہو گے کہ ہمیں اسکی قدر ہے تو خدا کی دی ہوئی
چیز کیا قدر کے قابل نہیں اور کیا قدر کا یہ طریقہ ہے۔ کہ فراغت کے ساتھ
آہستہ آہستہ کھایا جائے جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ اس کو بھوک نہیں
یا رغبت نہیں۔ یا یہ طریقہ ہے کہ خوب جلدی جلدی اس پر جھک کر
کھایا جائے جس سے معلوم ہو کہ بڑا ہی شایق ہے اور اس کو اس

۱۵ زیادہ کھانے والے آدمی پر رحم نہ کر دو کیونکہ زیادہ کھانے والا زیادہ

ذلیل ہوتا ہے۔

۱۵ نہ تو اتنا زیادہ کھا کہ نیرے منہ سے نکلنے لگے نہ اتنا کم کھا کہ کمزوری
سے تیری جان نکلنے لگے۔

کھانے سے بہت ہی رغبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی قدر کی اور اس کی طرف اپنی احتیاج فعل سے بھی ظاہر کر دی اور قول سے بھی کہ دعا جو کھانے کے بعد کی ہے اس میں فرمایا: غیر مستغنی عندہ ربنا کہ اے رب ہم اس کھانے سے مستغنی نہیں عمر بھر حاجت رہے گی اور یہاں سے ایک ادب کی بات بتلاتا ہوں کہ آجکل یہ عام محاورہ ہو گیا ہے کہ پیروں کے سامنے جب کچھ لا کر پیش کرتے ہیں کہ آپ کو تو اس کی کیا ضرورت ہے مگر جی چاہا اس لئے یہ ہدیہ لیتا آیا اور پیر اس سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اس وقت اپنی حاجت ظاہر کرنا چاہیے۔

صاحبزادہ! یہ استغفار محض پیٹ بھرائی ملنے کی بدولت ہے۔ ذرا ایک وقت کھانے کو نہ ملے پھر دیکھئے پیر صاحب کا سارا استغفار دھرا رہ جائے گا۔ انسان کو نہ تو ایسا استغفار چاہیے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے بھی استغنا کرنے لگے اور نہ ایسا حریص ہو کہ اشعب طماع بن جائے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ فرماتے تھے کہ آج کل تو پیروں کی یہ حالت ہے کہ جہاں مرید نے سر کھجلا یا سمجھے کہ پگڑی سے روپے نکال کر دے گا۔ اشعب طماع عرب میں بڑا حریص شخص تھا۔ اس کو ایک دفعہ لڑکوں نے چھڑا تو ٹالنے کی غرض سے کہنے لگا کہ دیکھو فلاں جگہ کھانا پک رہا ہے وہاں جاؤ۔ لڑکے اس طرف کو ہولنے تو خود بھی انکے پیچھے پیچھے ہو گیا کہ شاید یہ بات سچ ہی ہو جو اتنے لڑکے اس طرف جا رہے ہیں تو واقعی آجکل بعض کی یہی حالت ہے اور بعض کو جو استغفار ہوا ہے تو ایسا کہ جہاں بشریت حکم بھی دے وہاں بھی استغفار ہی برتتے ہیں۔ تو ہماری وہ حالت ہے ۷

چوں گز سز می شوی سگ می شوی
چونکہ خوردی تندو بدرگ می شوی

بہر حال استغناء عن اللہ کوئی چیز نہیں خدا کا رزق قابل استغناء نہیں اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل و قول دونوں سے ظاہر فرمادیا ہے تو ان چیزوں کے متعلق جو صحابہؓ نے افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا ہے وہ محض اسی لئے کہ ہم ان کا اتباع کریں بلکہ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھیں وہ ہم کو بھی مرغوب ہونی چاہئیں یعنی وہ امور عقلاً تو مرغوب ہونے چاہئیں ہی طبعاً بھی مرغوب ہو جائیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کدو کا سالن لپکایا تو میں نے دیکھا کہ آپ پیالے میں جا بجا سے کدو کو تلاش فرما کر نوش فرماتے تھے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کونسا کدو تھا مگر محققین نے دونوں کو عام کہا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فلم ازل احب الدباء من يومئذ یعنی اس دن سے مجھے کدو سے محبت ہو گئی نہیں کہا:

فلم ازل اكل الدباء

بلکہ میں اس دن سے کدو کھانے لگا تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ جس چیز کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت دیکھتے ان کا دل بھی اس کو چاہنے لگتا تھا۔

مسلمانو! اگر یہ بات نصیب ہو تو عقلاً تو پسند کرنا چاہیے اور اس کا

اے جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی طرح خوشامد کرتا اور دم ہلاتا ہے۔ پیچھے پیچھے پھرتا ہے۔ اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو سخت طبیعت اور شریر ہو جاتا ہے۔

اتباع تو کرنا چاہیے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا کہ کوئی رسم وغیرہ نہیں کی اور یہ رسمیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں یہ تو بعد میں لوگوں نے نکالی ہیں اور خوشی میں تو رسمیں ہوا کرتی تھیں امرائے یہاں غنی ہیں بھی رسمیں ہوتی ہیں۔

منگنی اور شادی میں رسوم کی تباہ کاریاں اور صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں

کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی کا نام قیامت بڑی رکھا ہے۔ ان شادیوں کی بدولت گھروں کو گھٹن لگ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ سارے گھر کا خاتمہ ہو جاتا ہے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیا اور رشتہ کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود بھی تھے اور نکاح کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خود موجود نہ تھے بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ اِنْ رَضِیَ عَلَیَّ

یعنی اگر علی رضامندی ظاہر کریں۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا رَحِیْتُ اب نکاح تام ہوا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے شاید بعضے لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں مطلب یہ ہے کہ برات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود نوشہرہ کی ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی پھر برات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے اصل میں یہ برات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا دلہن کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آوے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو۔ اور اب

تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے اگر خوف بھی
 ہو تو اس قدر پہنا کر کیوں لاؤ اور اگر کہیے کہ اس میں بھی مصلحت ہے تو
 اس کا کیا جواب دو گے کہ بارات والے جاتے ہیں جمع ہو کر اور لوٹتے
 ہیں متفرق اور اکثر دلہن اور کھار اکیلے رہ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ
 حفاظت وغیرہ کچھ مقصود نہیں صرف رستم کا پورا کرنا اور نام آوری مد نظر ہوتی
 ہے اور شامت یہ کہ اکثر عصر کے وقت بات چلتی ہے اور لڑکی کے
 ماں باپ بھی ایسا غضب کرتے ہیں کہ اسی وقت رخصت کر دیتے ہیں شاید
 یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہماری چیز نہیں رہی ورنہ حفاظت کی اب پہلے سے زیادہ
 ضرورت ہے کیونکہ زیب و زینت کی حالت میں ہے خدا جانے کیا بات پیش
 آوے صاحبو! جب انسان دین چھوڑتا ہے تو عقل بھی رخصت ہو جاتی ہے۔
 لوگوں کا یہ عام خیال ہے کہ کنواری کی حفاظت زیادہ ضروری ہے بیاہی ہوئی
 کی نگہبانی کی ضرورت نہیں اور یہ خیال ہندوؤں سے مانوڑ ہے اس کا منشاء یہ
 ہے کہ اگر کنواری سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس میں بدنامی اور
 رسوائی ہوتی ہے اور بیاہی سے کوئی بات سرزد ہو جاتی ہے تو بدنامی نہیں
 ہوتی کیونکہ اس کے تو شوہر ہے اس کی طرف نسبت کی جائے گی۔ مگر یہ
 خیال محض جہالت پر مبنی ہے۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ
 کنواری کی حفاظت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی بیاہی ہوئی کے لئے ضروری
 ہے اور سزا اس میں یہ ہے کہ قدرتی طور پر شرم و حجاب بہت ہوتا ہے
 تو اس کے ساتھ ایک طبعی مانع موجود ہے اس کی طبیعت کھل جاتی ہے
 مانع طبعی اس کے ساتھ موجود نہیں رہتا اس کی عفت و عصمت محفوظ
 رکھنے کے لئے بہت بڑی نگہبانی کی ضرورت ہے۔ نیز کنواری کو علاوہ
 مانع طبعی کے خوف نصیحت بھی زیادہ ہوتا ہے اور بیاہی کو اتنا خوف نہیں

ہوتا کیونکہ کنواری میں تو کوئی آڑ نہیں اور اس میں شوہر کی آڑ ہے اس
 کا فعل اسکی طرف منسوب ہو سکتا ہے اس لئے بیاہی ہوئی کی طبیعت
 بُرے کاموں پر کنواری سے زیادہ مائل ہو سکتی ہے اس کی حفاظت
 کنواری سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ مگر لوگوں نے اس کا اُلٹا کر رکھا ہے وجہ یہ
 کہ اسکی پرداہ آجکل نہیں کی جاتی کہ عصمت و عفت محفوظ رہے صرف
 اپنی بدنامی اور رسوائی کی پرداہ کی جاتی ہے سو چونکہ کنواری میں بوجہ کوئی آڑ
 نہ ہونے کے بدنامی کا قوی اندیشہ ہے اس کی نگہبانی تو کی جاتی ہے اسی
 خیال کی بناء پر رخصت کے وقت ماں باپ کچھ خیال نہیں کرتے کہ یہ
 وقت مناسب ہے یا نہیں جب چاہیں بارات کے ساتھ کر دیتے ہیں کیونکہ
 ان کے نزدیک تو حفاظت کا وقت کنوارپن تک تھا اب وہ ختم ہو چکا
 ہے چاہے راستہ میں ڈاکو ہی مل جائیں۔ بھلا لڑکے والوں کو تو کیا ضرورت
 پڑی ہے کہ ان باتوں پر خیال کریں مگر لڑکی والوں کو تو سمجھ کر رخصت
 کرنا چاہیئے۔ یہ خرابیاں ہیں بارات میں جن کی وجہ سے بارات کو منع
 کیا جاتا ہے۔ اور میں جو پہلے باراتوں میں جاتا تھا جب تک میری سمجھ میں
 خرابیاں نہ آئی تھیں۔ اب میں ان رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں اور
 اگر تمہاری سمجھ میں نہ آویں تو اصلاح الرسوم دیکھ لو۔ ان ہی رسموں کے
 روکنے کی وجہ سے ایک گاؤں کا آدمی مجھ سے کہنے لگا کہ یوں سنا ہے کہ
 تمہارے مسئلے کیڑے بہت ہیں۔ میں نے کہا کہ مسئلے تو ایسے ہونے چاہئیں
 جن میں احتیاط ہو تو حقیقت میں میرے مسئلے کیڑے نہیں، مگر خدا نے میرے
 قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کر دیں جو دوسروں نے ظاہر نہیں
 کیں۔ اس لئے لوگ مجھے سخت مشہور کرنے لگے۔ غرض اگر دلہن کی حفاظت

کے لئے برات ہو تو متفرق ہو کر کیوں لوٹتے ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن اور کہار
 اکیلے رہ جاتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ دولہا تو دلہن کے ساتھ ہوتا ہے تو
 حضرت وہی کون سے بہادر ہوتے ہیں کیونکہ آج کل رائے یہ ہے کہ شادی
 جلدی ہونی چاہیے کیونکہ اب وہ عفت و دیانت طبائع میں نہیں رہی جو
 پہلے تھی اب زیادہ ضبط کی ہمت نہیں ہوتی مگر جلدی شادی ہونے
 میں جہاں یہ فائدہ ہے چند خسرا بیاں بھی ہیں اور ان خسرا بیوں کے
 کے انساد کے لئے بعض عقلمند لوگ رخصت کے وقت شوہر سے کہتے
 ہیں کہ خبردار ابھی لڑکی سے کچھ کہنا نہیں۔ یہ بہت ہی واہیات ہے۔
 درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ | باز می گوئی کہ دامن ترکمن ہوشیار باش
 (ترجمہ: تو نے مجھے لکڑی کے تختے سے باندھ کر دریا کی گہرائی میں ڈال
 دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ دیکھ ہوشیار رہنا دامن ترکمن نہ ہونے پائے)
 ایک اور یہودہ واقعہ ہوا کہ لڑکی تو بیس برس کی اور لڑکا
 نابالغ اول لڑکی والا اتفاقاً کرتا تھا کہ جلدی کر دیکھو کہ میری لڑکی بالغ ہو گئی
 ہے غرض کہ رخصت کے بعد علیحدہ رہنے کی فرمائش کرنا بہت ہی نازیبا
 ہے۔ غرض آج کل تو دولہا صاحب کو خود حفاظت کی ضرورت ہے اگر
 کہیں چور یا ڈاکو چلا آئے تو پہلے دولہا صاحب ڈولے میں گھسیں گے
 بعض دفعہ دولہا اور دلہن اور دو چار عزیزوں نے ایک گاؤں
 میں قیام کیا اور برات آگے چلی آئی یہ لوگ حفاظت کے لئے گئے تھے۔
 لہذا اب برات کو چھوڑ دینا چاہیے یہ بات بطور تنہیم کے تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے قصہ کے لئے مقصود یہ تھا کہ
 حضرات شیخینؒ سے شادی کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر فرمایا تھا

کہ وہ بچی ہے۔ ایک بزدل تو اس قصہ سے ثابت ہوا کہ اگر لڑکی
 چھوٹی ہو تو شوہر کی عمر زیادہ نہ ہونا چاہیے اور بے جوڑ شادی مناسب
 نہیں۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک صاحب کی شادی ہوئی تو نوے
 برس عمر کی تھی اور لڑکی کی عمر بہت کم رات کو ماما آئی کہ لڑکے کو گھر میں بلایا
 ہے۔ وہ نوے برس کے بھی لڑکے ہی تھے۔ وہ اتنے بوڑھے تھے کہ ایک
 روز عصر کے بعد گھر میں آئے، ماما سے کہا کہ کھانا لاؤ اس نے کہا کہ تازی روٹی
 پکا کر لاتی ہوں وہ انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ماما روٹی لائی تو دیکھا کہ
 ختم ہو چکے ہیں۔ بیمار کچھ نہ تھے مگر چپراغ کی سی مثال ہے کہ
 جب تیل نہ ہو گا تو ختم ہی ہو گا۔ بعض لوگ غضب کرتے ہیں کہ مال کے
 لالچ میں بوڑھوں سے نکاح کر دیتے ہیں۔ گنگوہ میں ایک لڑکی اپنی ساتھیوں
 سے کہا کرتی تھی کہ جب میاں گھر میں آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔
 کہ نانا جان آگئے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر ہزاروں رحمتیں ہوں کہ
 وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس پر کسی کا اختیار نہیں رہتا
 یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر اتفاق سے امام صاحب کا فتوے بالکل مصلحت کے
 موافق آ کے پڑا۔ آجکل اس کو بے شرعی سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نکاح کرنا چاہیں
 اور لڑکی انکار کر دے۔ حالانکہ استدعا بے شرعی ہے۔ انکار بے شرعی
 نہیں بلکہ یہ تو عین حیا ہے کہ بیاہ کے نام کو بھی پسند نہیں کرتی۔ دیکھ لو
 یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے مواقع میں لڑکیوں کو ضرور انکار کر دینا
 چاہیے۔ بعض لوگ اس خرابی کے جواب میں کہ اگر لڑکی کمسن اور مرد سن
 (زیادہ عمر والا) ہو تو غالب ہے کہ وہ بیچارہ بہت جلد بیوہ ہوگی۔ یوں کہا
 کرتے ہیں کہ اجی یہ تو خبر نہیں کہ پہلے کون مرے گا۔ اس لئے کیا عجب ہے

کہ لڑکی سے پہلے بڑے میاں میں گے اور پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوگی۔
 لوگ ہم عسری کا قطعی خیال نہیں کرتے۔ — بالخصوص بعض قوموں
 میں اس کے عکس کا بہت ہی رواج ہے جس کو میں بیان کر دینگا۔ یعنی لڑکا
 چھوٹا ہوتا ہے اور لڑکی بڑی دلیل سے اس کے برعکس کی خرابی بدرجہ
 اولیٰ ثابت ہوگی۔ بات یہ ہے کہ خود حکماء نے کہا ہے کہ اگر عورت کچھ چھوٹی
 ہو تو مضائقہ نہیں اور اس میں راز یہ ہے کہ عورت محکوم ہوتی ہے مرد
 حاکم۔ نیز عورت کے قویٰ ضعیف ہوتے ہیں بوجہ رطوبت کے اور اسی
 لئے جلدی بوڑھی ہو جاتی ہیں، کہتے ہیں بیسی کھسی سا ٹھاپاٹھا، تو اگر لڑکی
 چھوٹی ہوئی تو وہ جب ضعیف ہونا شروع ہوگی تو چونکہ مرد کی عمر اس سے
 زیادہ ہے وہ بھی ضعیف ہوگا تو دونوں ساتھ ساتھ بوڑھے ہوں گے
 تو باوجودیکہ عقل اس کو جائز رکھتی ہے مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اس کو پسند نہیں فرمایا تو لڑکے کی کم عمری اور لڑکی کی زیادہ عمر
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پسند ہوگی جو بالکل عقل کے خلاف ہے
 خاص کر ان دو وجہ سے کہ شوہر حاکم ہوتا ہے اور عورت مرد سے پہلے بوڑھی
 ہو جاتی ہے، جب عورت کی عمر زیادہ ہے تو شوہر سے بہت پہلے بوڑھی
 ہو جائے گی تو آتا جان پر حکومت کرتے ہوئے کیا اچھا لگے گا۔ لا محالہ وہ
 اس پر دوسری کو لاوے گا اور عیش تلخ ہوگا۔ بعض قوموں میں تو یہ آفت
 ہے کہ لڑکا نابالغ ہے اور لڑکی پوری جوان اور دونوں کا نکاح ہو جاتا
 ہے پھر اخیر میں فضیحتے ہوتے ہیں۔
 صاحبو! میرے پاس اس قسم کے سوالات بکثرت آتے ہیں کہ لڑکا

تو نابالغ ہے کوئی ایسی تدبیر بھی ہے کہ نکاح ٹوٹ سکے۔ باپ کے اختیار میں جوڑنا تو ہے مگر توڑنا نہیں کیونکہ دلی صبی (بچہ کا سرپرست) کو منافع کا اختیار ہے مضار کا نہیں بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر لڑکے سے طلاق دلوادیں تو ہو جائے گی یا نہیں تو نابالغ کی طلاق نہیں پڑتی۔ بعض دفعہ لڑکا نو جوان ہوتا ہے اور لڑکی بہت جوان مگر وہ بعض دفعہ سوال آتا ہے کہ بہو کا لڑکے کے باپ سے تعلق ہو گیا۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ خاوند پر بھی حرام ہو گئی اور وہ احتیاط بھی نہیں کرتا کہ وہ ماں بھی ہوتی ہے اور بیوی بھی تو شریعت اس کو کیسے پسند کر سکتی ہے۔ ہاں اگر دو چار برس کا تفاوت ہو تو کھپ سکتا ہے۔

کا پور میں ایک دیور سے زبردستی لڑکی کا نکاح کر دیا گیا۔ عورت اس لئے مجبور ہوتی ہے کہ اگر سسرے کا کہنا نہ مانوں تو روٹی نہ ملے گی۔ غرض ان سب واقعات سے معلوم ہو گیا کہ عورت کا زیادہ بڑا ہونا خلاف مصلحت ہے تو مجھے یہاں کا یہ واقعہ اس لئے طبعی درجہ میں تو ناگوار ہوا تھا ایک بزرگ نے مجھے اس کا راز یاد دلایا پہلے مجھ کو بتلایا گیا تھا مگر وہ میں بھول گیا تھا، لیکن انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میں نے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہے وہ تم کو دکھلاؤں گا چنانچہ وہ مضمون کل آیا ہے جس سے وہ پھر یاد آ گیا انہوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض مسلمان قوموں میں یہ بات ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت میں شوہر والے اپنا حق سمجھتے ہیں یعنی ماں باپ اس کے مالک نہیں رہتے بلکہ دیور، خسر مالک ہو جاتے ہیں بلکہ وہ عورت خود بھی اپنی مالک نہیں رہتی نہ وہ خود اپنا نکاح کر سکے نہ ماں باپ کر سکیں۔ بلکہ جہاں جیٹھ وغیرہ کرنا چاہیں وہاں ہوگا

مثلاً خسر تو چاہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے سے نکاح کر دوں۔ اور باپ چاہے کہ غیر جگہ کرے تو باپ کا کچھ زور نہ چلے گا۔ اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ بہو گھر سے باہر نہ جائے چنانچہ ایک اور عورت نے اپنی بہو کا نکاح ایک بچے سے کر دیا۔ افسوس یہ ہے کہ عورت کی عقل پر تو پردہ پڑا ہی تھا۔ مردوں کی عقل بھی ماری گئی۔ ان کو بھی اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس کو اپنے نزدیک بھی بات سمجھتے ہیں اس لئے میں نے اس وقت یہ آیت پڑھی جس میں ارشاد ہے کہ ایسا دستور کہ عورتوں کو اس طرح سے اپنی ملک میں سمجھیں ناجائز ہے فرماتے ہیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ
كِرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ
إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَمَّا شَرُوهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا
شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا -

اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورت کے جبراً مالک ہو جاؤ اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان کے ساتھ خوبی گزراں کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی منفعت رکھ دے۔

یہ ہے اس کا ترجمہ اب دیکھئے کہ قرآن میں اس رسم کو مٹایا گیا ہے یا نہیں اور کراہا کی قید واقعی ہے اہم تراز ہی نہیں کیوں کہ عورتیں اس

وراثت سے راضی بھی نہیں ہوتی تھیں اور اگر وہ راضی بھی ہوں تب بھی سترہ کی ملکیت جائز نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی زبان سے اذن نکاح کہلوایا تھا تو یہ زبان سے کہلوانا بھی محض نام کرنے کو ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ بے پوچھے نکاح کر دیا۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ بیوہ کا نکاح بدون زبان سے کہے جائز نہیں ہوتا طیب خاطر کا اس میں بالکل خیال نہیں کیا جاتا اور بعض مرتبہ تو بے پوچھے ہی نکاح کر دیتے ہیں۔

نانوتہ میں ایک بیوہ کا نکاح ہوا اور دیوبند رخصت ہوئی، وہ راضی نہ ہوتی تھی تو اس کو جبراً رات کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ کہہ دیا گیا کہ وہاں لے جا کر اس کو راضی کر لیتا اور یہاں ایک نکاح عدت میں ہوا جب میں نے پوچھا کہ یہ کیا ذاہیات کیا، تو کہنے لگے کہ نکاح کی نیت سے نہیں کیا۔ ذرا باڑھ لگا دی تاکہ اور کسی سے نکاح نہ کر سکے، مگر اس کجمنحت نے بعد عدت کے پھر بھی نکاح نہ کیا۔ اس پر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ دوبار آگئی۔ طاعون آگیا جب لوگ اس طرح حلال کے پردہ میں حرام کاری کریں تو طاعون کیوں نہ آوے۔ صا جیو! ۷

از زنا افتد وبال اندر جہات

سور بعض لوگ تو زبان سے بھی نہیں کہلاتے اور بعض زبان سے گو کہلوایاتے ہیں مگر پھر بھی تو اس پر غلظت ہوا کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو مالک سمجھ کر کہلاتے ہیں۔ دوسری خبر ابی اس میں یہ ہے کہ ماں باپ کو مالک نہیں سمجھتے، حالانکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ماں باپ کا حق ہے اطاعت کا مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ ماں باپ کا زیادہ حق ہے

یا پیر کا ————— : تو میں نے یہی جواب دیا کہ ماں باپ کا زیادہ حق

ہے البتہ : لا طاعة للمخلوق في معصية الخالق

یعنی اگر پیر شریعت کے موافق حکم کرے اور ماں باپ اس کے خلاف کہیں تو اس وقت پیر کی اطاعت ہوگی والدین کی نہ ہوگی۔ یعنی پیر ہونے کی وجہ سے، سو پیر کی اس لئے وقعت ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر چلاتا ہے۔ حق کے اعتبار سے نہیں، حق کے اعتبار سے والدین کا مرتبہ خدا کے بعد ہے اور پیر بھی آجکل اپنے کو مالک سمجھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نواح میں تو مروثی پیر بھی کچھ بہت زیادہ بُرے نہیں ہیں۔ پورب میں ایک پیر تھے وہ غورتوں کے پاس جا کر ٹھہر جاتے تھے خدا ایسے پیر کو غارت کرے اس کے ساتھ وہ بڑے بزرگ اور قطب اعظم مشہور تھے اور کئی لاکھ آدمی ان سے مرید ہیں ہندو بھی ان سے مرید ہیں۔

اسلام اور درویشی میں پہلے عہد و خصوص مطلق کی نسبت تھی مگر اب اس زمانہ میں من وجہ کی نسبت ہو گئی یعنی پہلے درویش کے لئے مسلمان ہونا ضروری تھا۔ اب کافر بھی صوفی اور درویش ہو سکتے ہیں یہ ان رہزنوں کی بدولت ہے ان کے نزدیک کافر بھی مرید ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ دجال پر ضرور ایمان آدیں گے کیونکہ وہ تو بڑا صاحب تصرف ہوگا اور چونکہ ان کے نزدیک صوفی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں اس لئے دجال کو توبے تکلف پیشوا بنالیں گے۔ اور جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جہاں شریعت نہیں وہاں کچھ نہیں اس کے نزدیک کرامات وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں وہ سب سے پہلے اتباع شریعت کو دیکھے گا۔ اور چونکہ دجال کافر ہوگا اس لئے یہ شخص اس کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

صاحبو! دجال قریب، ہی نکلنے والا ہے اس لئے جلد اپنے عقیدہ کی دستی کر لو۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے الہام ہوا ہے بلکہ علامت آثار بتلاتے ہیں کہ دجال کا زمانہ خراج قریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود احتمال تھا کہ کہیں میرے ہی زمانہ میں نہ نکل آئے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے زمانہ میں نکل آئے۔ اس لئے اپنے عقائد درست کر لو جس کو خلاف شریعت دیکھو اس کے ہرگز معتقد نہ بنو آگے آپ کو اختیار ہے۔

غرض آجکل پر سمجھتے ہیں کہ مرید ہمارے مملوک ہیں ماں باپ اور بیوی سب سے چھڑا دیتے۔ یاد رکھو اگر پیر کہے رات کو نفلیں پڑھو اور باپ کہے کہ سو رہو تو باپ کی اطاعت مقدم ہے۔ ہاں اگر باپ شریعت کے خلاف کوئی حکم کرے تو اس وقت باپ کی اطاعت جائز نہیں شریعت کا لحاظ مقدم ہے اور ماں باپ کا اتنا حق ہے کہ جبریح ایک درویش تھے بنی اسرائیل میں وہ جنگل میں رہتے تھے پہلی شرائع میں رہبانیت کا حکم تھا ہماری شریعت میں یہ مطلوب نہیں اس کے متعلق آجکل کے مذاق کے اعتبار سے ایک موٹی بات بتلاتا ہوں کہ تنہائی سے جو غرض ہوتی ہے جنگل میں رہنے سے آجکل وہ حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ایسے شخص کو لوگ بہت ستاتے ہیں برخلاف اس کے اگر کوئی مسجد کے حجرہ میں ہے اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ دوسرے سب کو چھوڑ کر تنہا عبادت کرنا کمزوری کی بات ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے

زاهد نداشت تاب جمالِ پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ سختی

۱۷ (زاهد کو پری چہرہ مجبوروں کے دیکھنے کی تاب نہیں تھی لہذا اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بہانہ یہ کیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں)

ہمت کی بات یہ ہے کہ سب میں بے جھلے رہو اور پھر اپنے کام میں لگے
 رہو۔ حدیث میں ہے :
 اور اگر جنگل میں کوئی نہیں مگر حدودِ شریعہ سے تعدی کرنا حرام ہے۔
 خوب کہا ہے :

بزدلو درع کوش و صدق و صفا	ولیکن میفرماتے بر مصطفیٰ (۱)
خلاف پیغمبر کسے رہ گزید	کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
میںدار سعدی کہ راہ صفا	تو اں یافت جز بر پے مصطفیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر کے حاصل کرو جو حاصل کرنا ہوگا۔
 اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر پوری نظر نہ ہو تو صحابہؓ کے
 حالات کو دیکھو وہ آئینہ رسول نما ہیں۔

قصہ جریج | غرض جریج ایک عابد تھے، ایک مرتبہ اپنی
 عبادت گاہ میں نمازِ نفل پڑھ رہے تھے کہ ان کی
 ماں نے آکر لکارا، یہ سخت پریشان ہوئے کہ جواب دوں یا نہ دوں۔
 جواب دوں تو نماز جاتی ہے، نہ دوں تو ماں کی خفگی کا اندیشہ، آخر انہوں نے
 جواب نہیں دیا، اس نے دوہین آدائیں دیں اور بد دعا دے کر چلی گئی کہ :

۱۔ سچائی صفا پر ہیزگاری اور تقویٰ کی پوری کوشش کرو۔ لیکن حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔

۲۔ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے وہ
 کبھی بھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

۳۔ اے سعدی یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر سیدھا
 راستہ پاسکتے ہو۔

اللهم لا تمته حتى تریه وجوه المومسات

کہ اے اللہ جب تک یہ کسی زانیہ کا منہ نہ دیکھے اسکی موت نہ آئے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ لو کان فقیہا لا جاب امہ۔
اگر فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کو ضرور جواب دیتا اور یہ قول اُس کا قریب ہے
کہ نماز نفل تھی کیونکہ فرض کو بالاجماع توڑنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر کسی پر
کوئی مُصِیبت آوے مثلاً جلنے لگے تو اس وقت اس کے بچانے کے لئے نماز
فرض بھی توڑ دینا واجب ہے۔ خواہ ماں ہو یا کوئی غیر ہو، صاجو! آپ
نے شریعت کی تعلیم کو دیکھا ہے۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت کا قانون
ہے۔ آپ نے اُس کے حسن و جمال کو دیکھا نہیں اس لئے کچھ قدر نہیں کرتے
اس کی تو یہ حالت ہے ۷

زفرق تابلقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

شرعیہ کی دل آویزی | شرعیہ تو ایسی حسین و خوبصورت ہے کہ اسکی
جس چیز کو دیکھو دلربا ہے جس ادا کو
دیکھو دلکش ہے آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس قدر ضرورت کے قوانین ہیں کہ
جب کسی کو گرفتار مُصِیبت دیکھو تو نماز فرض بھی توڑ دو اور ایسے موقع پر
پہنچو اور نفل میں تو اگر بلا ضرورت بھی ماں باپ لپکاریں تو نیت توڑ دینا
چاہیئے، بشرطیکہ ماں باپ کو اطلاع نہ ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ مگر جس طرح
چونکہ فقیہ نہ تھے اس لئے جواب نہ دیا۔ اور ماں کی بددعا لگ گئی اور یہ
واقعہ ہوا کہ قریب ایک ادارہ عورت تھی۔ اس کو کسی کا حمل رہ گیا تھا۔ کچھ
لوگ جس طرح کے دشمن تھے، انہوں نے اس سے کہا کہ تو جس طرح کا نام لے
دینا کہ اس کا بچہ ہے اس کجخت نے ایسا ہی کیا لوگ اس کے عبادت خانہ

پہلے چڑھ آئے اور اس کو توڑنے لگے اور جریج کو پٹینا چاہا اس نے
 پوچھا کہ آخر اس حرکت کا کچھ سبب بھی ہے یا نہیں کہنے لگے کہ تو ریاکار
 ہے عبادت خانہ بنا کر زنا کرتا ہے فلاں عورت سے ٹونے زنا کیا ہے اس کے
 بچہ ہوا ہے یہ عبادت خانہ سے نیچے اترے آخر اللہ کے مقبول بندے تھے۔
 رحمت خدا کو جوش ہوا اور ان کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرت جریج نے
 اس لڑکے سے پوچھا کہ بتلا تو کس کا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں فلاں چرواہے کا ہوں
 یہ قصہ حدیث میں مذکور ہے اس سے ماں کا کتنا بڑا حق معلوم ہوا، مگر اس پر
 اجماع ہے کہ اگر پیر لیکارے تو نماز نفل کا بھی توڑنا جائز نہیں تو پیر کا حق ماں
 سے زیادہ نہیں۔ اور یہ اچھے پیر صاحب ہیں کہ دوسرے کے پالے پلائے
 پر قبضہ کر لیا۔ کیا پیری مُریدی کے یہی معنی ہیں۔ اور میا بجی بھی یہی سمجھتے
 ہیں کہ لڑکے ہماری ملک ہیں اس لئے مارنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اگر یوں
 کہو کہ خطا پر پیٹتے ہیں تو صابو! محض غلط ہے غصہ پر مارتے ہو۔ جب تک
 غصہ ختم نہ ہو اس وقت تک مار ختم نہیں ہوتی، خطا پر مارنا یہ ہے کہ اس کے
 انداز سے سزا دو مگر ایسا کوئی نہیں کرتا۔

اسی لئے میا بجیوں کا علاج یہ ہے کہ غصہ میں نہ مارا کریں، جب غصہ
 جاتا ہے تو سوچا کریں کہ کتنا قصور ہے، اتنی سزا دینی چاہیے یہ تو سلامتی
 کی بات ہے ورنہ لڑکے قیامت میں بدلہ لیں گے۔ ناحق ستانے کا بڑا
 گناہ ہے۔ ایک عورت نے ایک بلی کو بہت ستایا تھا جب وہ مر گئی تو
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ عورت جہنم میں ہے اور وہ بلی اس کو رد کرتی
 ہے جب بلی کے ستانے سے وہ عورت دوزخ میں گئی تو لڑکے تو انسان ہیں۔
 حق بہو | غرض پیروں کو الگ ضبط ہے اور میا بجیوں کو الگ اور

ان جاہلوں کو الگ کہہ کر اپنی ملک سمجھتے ہیں اسی کے ابطال کے لئے میں نے یہ آیت پڑھی ہے اور اسی پر میں نے ماں باپ کا حق بیان کیا ہے کہ سسرال والے انکی بات چلنے نہیں دیتے ایک تو اپنا حق سمجھتے ہیں یہ پہلا گناہ، ماں باپ کے حق کو روکتے ہیں یہ دوسرا گناہ ہے۔

تیسرے جوان عورت کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے اپنا نکاح کرے بشرطیکہ غیر کفو میں نہ ہو اگر غیر کفو میں کرے تو اولیاء کو حق نسخ حاصل ہے یعنی حاکم اسلام کے پاس جا کر نالش کریں وہ تحقیق کر کے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا آج کل اس کی صورت یہ ہے کہ اگر ایسا واقعہ پیش آوے تو کسی مسلمان حاکم کے یہاں جس کو یہ اختیار حاصل ہوں نالش کر دو۔ اگرچہ وہ مقرر کیا ہوا کافر کا ہو۔ اگر اس کو ایسے اختیارات نہیں دیئے گئے تو حاکم بالا سے رجوع کرو کہ وہ اس کو اختیار دے دیں خواہ اسی ایک مقدمہ کے واسطے پھر اگر وہ نکاح فسخ کر دے گا تو فسخ ہو جائے گا اور ریاستوں میں قاضی کا فسخ کر دینا کافی ہے۔ غرض حاکم مسلم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہوگا محض باپ کے کہہ دینے سے کہ میں راضی نہیں کچھ نہ ہوگا۔ تو شریعت نے جوان عورت کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہے یہ لوگ اس کو باطل کرتے ہیں۔ تو شریعت کی کتنی مخالفت کی۔ عورت کی آزادی کھوئی، ماں باپ کا حق غارت کیا اور اپنا حق قائم کیا افسوس تو یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے کو اچھا بھی سمجھتے ہیں کہ ہم نے بیوہ کا نکاح کر دیا، حالانکہ انہوں نے نکاح کی کوئی مصلحت ملحوظ نہیں رکھی۔

عرب میں بھی عورتوں پر اس قسم کے

عورتوں پر اسلام کا احسان

ظلم ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر اس کو مٹایا آپ نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور

فرشتے لعنت کرتے ہیں مجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے کہ رحم جاہلیت کو تازہ کرتا ہے تو اس بارہ میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو، خدا کے لئے ان رسوم کفار کو چھوڑ دو اور پھر یہاں تک ظلم ہے کہ اس عورت کے عزیز و اقارب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ میرے پاس ایک شخص آیا کہ میرے بھادج پر میرا حق ہے اور وہ اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے کوئی تعویذ ایسا کر دو کہ وہ مجھ سے نکاح کر لے۔ فقہاء نے ایسا تعویذ لکھنے کو ناجائز رکھا ہے جس سے عورت خاوند کو تابع کر لے۔ توجب نکاح ہوتے ہوئے ایسا تعویذ دینا حرام ہے۔ تو اس صورت میں نکاح بھی نہ ہو ایسا تعویذ دینا کب جائز ہو سکتا ہے جس سے ایک نامحرم کو اپنا تابع کیا جائے مگر بہت بزرگ ایسے تعویذ دیتے ہیں۔ آج کل بزرگی کے لئے اتباع شریعت شرط نہیں سمجھا جاتا۔ صاحبو! بزرگی اس کا نام ہے

میان عاشق و معشوق رمز نیست

کراما کا تبین را ہم خبر نیست

یہ مضمون حدیث شریف میں ہے۔ یہ حدیث عزرائیلین کی ہے کہ ذکر خفی ذکر جلی سے ستر درجہ افضل ہے۔

وهو الذي لا يسمعه الحفظة .

کہ وہ ایسا ذکر ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ ذرا خشک مزاج مولوی اس کو سن لیں جو تصوف کے اس جُز پر یعنی ذکر خفی کا جس میں زبان کو حرکت نہ ہونا کار کرتے ہیں تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر

۱۔ عاشق و معشوق کے بعض اشاروں اور بھیدوں کی کراما کا تبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

کا ایک درجہ ایسا بھی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اذکار کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی سوا کہ بعض حالات کی بھی اطلاع ملا کہ کو نہ ہو تو کوئی مستبعد نہیں بلکہ بعض مرتبہ صاحبِ حال کو بھی اسکی اطلاع نہیں ہوتی، قلندر فرماتے ہیں ۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گویش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

کہ آنکھوں کو بھی دیکھنے نہیں دیتے وہ بھی اجنبی ہے اس سے غیرت آتی ہے۔ حضرت قلندرؒ تو مجذوب ہیں، شیرازیؒ فرماتے ہیں ۔
بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود
کہ نظر دریغ باشد بر چہیں لطیف روئے

غرض جہاں صاحبِ حال خود بھی اجنبی ہو تو فرشتوں کا وہاں کہاں گزر ہوگا۔ یہ معنی ہیں "میان عاشق و معشوق رمزِ لیت" کے بزرگی یہ ہے نہ کہ تعویذ گنڈے۔ پس حسبِ نص فقہاء ایسا تعویذ دینا بھی اگرچہ کسی بزرگ کے ہاتھ سے ہو گناہ ہے اور اگر کہو کہ وہ تو اللہ کے نام سے مدد لیتا ہے تو کیا اگر کوئی قرآن سے مار ڈالے تو قصاص نہ ہوگا اس کے متعلق جو شبہات ہیں وہ پھر بھی بیان کر دے گا چونکہ وہ دین میں اس قدر مضر نہیں اس لئے اس وقت اس کو ضروری نہیں سمجھا۔

عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے | عس و عورتوں پر اس قدر ظلم ہو

۱۔ خدا کی قسم مجھے اپنی دونوں روشن آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ وہ ایسے خوبصورت چہرے کو دیکھیں۔

رہا ہے کہ ہر طرح ان پر اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس کا اتنا عام اثر ہے کہ عورت بھی اپنے آپ کو ان کی مملوک سمجھتی ہے اور اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ کبھی یہ مظلومیت ظالمیت ہوتا ہے جیسے کسی نے کہا ہے **ع**ر اس قدر کمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی مثلاً شوہر مر گیا اور کچھ تر کہ چھوڑا نہیں صرف بیوی چھوڑی اور ساس سسرے بہو سے تنگ ہیں۔ مگر ہو ہے کہ جاتی نہیں کہ میرا تو یہی گھر ہے جہاں ڈولا آیا وہیں سے کھٹولا نکلے گا۔ چونکہ اس ظلم سے یہ اپنے کو مملوک سمجھنے لگی تو اس کے نزدیک بھی اپنے ماں باپ سے کوئی علاقہ نہیں رہا اب وہ ساس سسر پر اپنا حق سمجھنے لگی اور اس سے سسرال پر ظلم ہونے لگا بہت اچھا ہوا تمہاری سزا یہی ہے۔ غرض یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ ماٹ کا ماٹ ہی بگڑ گیا مالک تو مالک مملوک بھی ظلم کرنے لگا۔ **ع**

تن ہمہ داغ داغ شد پنہ کجا کجا ہنم

اگر ایک جگہ زخم ہو تو پچھا ہا رکھ دو اور اگر سر سے پیر تک زخم ہی زخم ہو تو کہاں تک اصلاح کرنے۔ ایک صاحب پوچھنے لگے کہ شادی میں کونسی رسم ناجائز ہے میں نے کہا کہ یہ پوچھو جائز کونسی ہے کیونکہ ناجائز تو سب ہی ہیں ان کو کوئی کہاں تک بیان کرے مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے چھوٹا ہوتا ہے تو اگر زیادہ رسوم جائز ہوتیں تو ناجائز کو پوچھا جاتا۔ اب تو معاملہ برعکس ہے کہ زیادہ ناجائز ہیں اس لئے ناجائز کو پوچھا۔ اسی طرح ہماری حالت کو یوں پوچھنا چاہیے کہ کون کون سی حالت اچھی ہے۔ دیکھتے اگر کبھی امانت دار معلوم کرنے ہوں کہ کہتے ہیں تو خانوں کو شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ امانت داروں کو شمار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ خائن تو بہت ہیں ان کو کہاں تک شمار کریں۔ کبھی یہ حالت تھی

کہ امانت داروں کو معلوم کرنے کو خائونوں کا شمار کر لیا جاتا تھا۔ یعنی ان کے
سوا سب امانت دار ہیں۔ افسوس ہماری حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔
غرض ظالموں کی ایک حالت بُری ہے تو مظلوموں میں بھی ایک بُری
حالت ہے، صاحبو! اسکی اصلاح کرنی ضروری ہے، خدا کے لئے اپنی حالت پر
توجہ کرو، اور اس رسم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو جس کا اس آیت میں
حکم ہو رہا ہے مجھے اس وقت یہی بیان کرنا تھا سوا الحمد للہ اچھی طرح سے بیان
ہو گیا، اُمید ہے کہ سننے والے اس کو سمجھیں گے اور جا کر اپنی برادری میں اس
کے مٹانے کی کوشش کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد بہو کا حصہ
دے کر اس کے ماں باپ کے سپرد کر دو، مگر خبردار اس کا حق مت دباؤ۔ آگے
بھی سن لو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَلَا تَعْضَلُوْهُنَّ اَلْ

عرب میں یہ بھی رسم تھی کہ جب کوئی شخص ماں چھوڑ کر مرجاتا تو اس کی
بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتے تاکہ اس کی ماں اسی کے پاس رہے، اور یہ رسم
ہندوستان میں بھی ہے کہ بیوہ کا نکاح نہیں کرنے دیتے تو اکثر اس کی وجہ
یہی ہوتی ہے کہ اس کی جائداد غلبہ کر پیڑے گی، لوگوں کہتے ہیں کہ جائداد
اچھی چیز ہے، مگر صاحبو! جو عورت کے لئے تو حقیقت میں سخت مصیبت ہے
کیونکہ ان کی جائداد کی وجہ سے ہر شخص ان پر جال ڈالتا ہے، اور میں نے تو
نہ میں کی وجہ سے عورتوں کو ہمیشہ مصیبت ہی میں دیکھا کہ ہر شخص ان کو اپنی
طرف کھینچتا ہے۔ تو صاحبو ان کو حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کر دو اپنے گھر
میں نہ رکھو کیونکہ جب تک اپنے گھر میں رکھو گے یہ خیال دل سے نہ نکلے گا،
تو واجب ہے کہ حصہ دے کر ماں باپ کے سپرد کر دو خواہ وہ اس کو ٹھلا دیں
یا کہیں نکاح کر دیں۔ اگر کوئی کہے کہ جہاں شوہر کچھ چھوڑ کر مرے یہ حکم اس

کے لئے ہے اور جہاں کچھ چھوڑ کر ہی نہ مرے اس صورت میں اگر عورت کو روکا جائے تو قرآن سے مخالفت نہیں معلوم ہوئی۔ کیونکہ آیت میں یہی مقید ہے : وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْنَهُنَّ

تو جواب یہ ہے کہ جب مال کے ہوتے ہوئے روکنا جائز نہیں تو بغیر مال کے روکنا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک تو کسی باعث سے ایک بغیر کسی باعث کے۔ پہلا کسی درجہ میں ہلکا

ہے عقلاً بھی شرعاً بھی اور دوسرا گناہ بڑا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ

تین شخصوں کو خدا بہت ہی مغفوض رکھتا ہے۔ ایک کذاب شیخ زانی

دعا ئل متکبر یعنی جھوٹا بادشاہ، زنا کار بڈھا، اور متکبر فقیر۔ اسکی وجہ یہی

ہے کہ ان میں ان معاصی کا کوئی داعی نہیں ہے اور پھر لوگ گناہ کرتے ہیں

بادشاہ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے جھوٹ اسی واسطے لوگ

بولا کرتے ہیں کہ اس سے کارروائی کریں۔ بادشاہ کی قدرت کارروائی

کے لئے کافی ہے۔ اس کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح

زنا بوجہ شدت باہ کے ہوتا ہے۔ بڈھے کو کیا مستی سوار ہوئی اگر وہ

ضبط کرنا چاہے تو کچھ بھی دشوار نہیں۔ اسی طرح غریب آدمی تکبر کرے

تو اسکی حماقت ہے اس کے پاس بڑائی کا کوئی نساں مان ہے۔ اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ جو گناہ بغیر داعی کے ہو وہ زیادہ گناہ ہے تو

یہ تفسیر شبہ کرنے والے کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے مطلب یہ ہے کہ

جب عورت کے پاس کچھ مال ہو تو اس وقت عرص کی وجہ سے یہ

تعاوضا ہو سکتا ہے کہ اسکو بھی حق تعالیٰ نے منع فرمادیا تو جس کے پاس

مال بھی نہ ہو وہاں روکنا تو محض پابندی رسم ہے اس میں روکنے کا کوئی

داعی بھی موجود نہیں تو بہت ہی بڑا گناہ ہو گا۔

پس مجھ کو یہی مضمون بیان کرنا تھا۔ آگے آیت میں اور باتیں مذکور ہیں۔ مگر چونکہ وہ اس مبحث کے متعلق نہیں اس لئے ان کو نہیں بیان کروں گا۔ اہل علم خود جانتے ہیں اب میں بیان ختم کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے اس کو سنا ہے وہ تو نچتہ عہد کر لیں کہ اس رسم کو مٹا دیں گے اور جنہوں نے نہیں سنا ان کو یہ مسئلہ پہنچا دیں جتنی زیادہ شہرت دو گے اتنا ہی ثواب ملے گا۔ یہ مسئلہ مٹ رہا تھا، خدا ان بزرگ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس پر ملتفت کیا یہ مٹا ہوا مسئلہ ہے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کرو، حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مٹے ہوئے مسئلہ کو شہرت دے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

اب خدا سے دعا کیجئے کہ توفیقِ عمل عنایت ہو۔

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلى الله
على خير خلقه محمد وآله اجمعين۔

الاستماع والاتباع للسادة والاتباع

الملقب بـ

نوید حب اوید

عورتوں کو عربی علوم حاصل کرنے کے لئے ترغیب اور اس کی
ضرورت کے متعلق یہ وعظ تھانہ بھون شیخ محمد صدیق صاحب ،
(محلہ محلّت) کے مکان پر بروز یکشنبہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ
چوکی پر بیٹھ کر دو گھنٹے پنیا لیس منٹ بیان فرمائے۔ سامعین کی تعداد
تقریباً ۴۰ تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تہمید | الْحَمْدُ لِلَّهِ خَمْدًا وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ الْفُسَيْنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ
لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مَسِيْدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ - آمَنَّا بِاللَّهِ أَفَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ
الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ لِيَسْتَمِعُونَ
الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَا فِ لِيُكَ هُمْ
أُولُو الْأَلْبَابِ ط

جس آیت کا ٹکڑا تلاوت کیا گیا ہے اسوقت مجھے اس میں بھی ایک جزو بیان
کرنہ ہے اور اس سے بھی ایک مضمون استنباط کر کے بیان کرنا مقصود ہے جو پہلے سے
تو ذہن میں تھا مگر اسوقت ذہن میں تھا کہ اتفاق سے ایک مسماۃ کی فرمائش پر یہ
بیان تجویز ہوا پھر اس کے ساتھ ان کا ایک نیک ارادہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے
اپنی لڑکی کو علم دین پڑھانے کے لئے تجویز کیا ہے اس ارادہ کو سنکر وہ مضمون ذہن
میں آگیا۔ اسوقت مجھے ان اس ارادے سے بہت مسرت ہوئی کیونکہ اس کی ضرورت ہے
کہ عورتوں میں بھی علم دین کی جاننے والیاں کچھ ہوں تو ان کے ذریعے سے عورتوں کی
اصلاح با آسانی ہو جائے گی کیوں کہ مردوں کے عالم ہونے سے عورتوں کی پوری
اصلاح نہیں ہوتی اجماع کی تو بوجہ موقع نہ ملنے کے اور اقارب کی بوجہ عدم مجاہد
کے پھر عورتوں کی اصلاح نہ ہونے کا مردوں پر بھی اثر پڑتا ہے کیونکہ بچے اکثر ماؤں کی
گود میں پلتے ہیں تو مرد ہونے والے ہیں اور ان پر ماؤں کے اخلاق و عادات کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

جنین سے پر اثر | حتیٰ کہ حکماء کا قول ہے کہ جس عمر میں بچہ عقل، ہیولانی کے درجہ سے نکل جاتا ہے تو گو اس وقت وہ بات نہ کر سکے مگر اس کے

دماغ میں ہر بات اور ہر فعل منقش ہو جاتا ہے اس لئے اس کے سامنے کوئی بات بھی بجا اور نازیبا نہ کرنا چاہیے بلکہ بعض حکماء نے یہ لکھا ہے کہ بچہ جس وقت ماں کے پیٹ میں جنین ہوتا ہے اس وقت بھی ماں کے افعال کا اثر اس پر پڑتا ہے اور آجئے اسی جنین کی جمع ہے۔ **قُرْآن میں ہے۔** **وَأَنْتُمْ أَجْنَتُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ۔**

بعض لوگ اجنہ کو جن کی جمع سمجھتے ہیں یہ غلط ہے جن کی جمع جنات و جاناں ہے اور مفرد جنی ہے مونث جنیت ہے اور جن ہم جنس ہے تو حکماء اہلہی نے یہ کہا ہے کہ ماں کو لازم ہے کہ حمل کے زمانہ میں نہایت تقویٰ و طہارت سے رہے کیونکہ بحالت حمل بھی اس کے افعال کا اثر جنین پر ہوتا ہے چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق ایک حکایت سنی ہے کہ کتابی نہیں مگر تقریباً ہم میں اس کو بطور مثال کے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک مرد و عورت بہت نیک تھے مگر ان کے بچہ نہ ہوتا تھا بڑی دعاؤں اور امیدوں کے بعد حمل ٹھہرا اور بچہ کی امید ہوئی تو دونوں نے عہد کیا کہ دونوں زمانہ حمل میں احتیاط اور تقویٰ سے گزر کریں مرد نے بھی بہت احتیاط کی تاکہ اس کے افعال کا اثر عورت پر نہ پڑے اور اس کا جنین پر نہ پڑے چنانچہ غایت احتیاط کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس میں آثار و رش و صلاح کے ظاہر تھے جوں جوں بڑھتا گیا رش و صلاح کے آثار نمایاں ہوتے گئے ایک مرتبہ وہ ہوشیار ہو کر باپ کے ساتھ بازار جا رہا تھا کہ ایک کنیز ان کے ٹوکری میں سے ایک بیر اٹھا کر کھا لیا، مرد کو حیرت ہوئی کہ یہ بات اس میں کہاں سے آئی، گھر آ کر تلوار سوت لی اور بیوی سے دھمکا کر پوچھا کہ بتلا اس میں یہ عیب کہاں سے آیا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے حمل کے زمانہ میں کسی کی چوری کی ہے عورت نے کہا تلوار کو نیام میں کر دیں سوچ کر بتلاؤں گی۔ پھر سوچ کے بتلایا کہ ہمارے پڑوسی کی بری کی ایک شاخ ہمارے گھر میں لٹک

رہی ہے اس پر سے ایک بر توڑ کمر میں نے کھالیا کیونکہ میں نے غلطی سے اس کو چوری نہیں سمجھا۔ جب جنین پر بھی ہماری حرکات و افعال کا اثر ہوتا ہے تو ہوشیار بچوں کی طبیعت پر کیوں اثر نہ ہوگا گو وہ بات نہ کر سکتے ہوں مگر اثر ہر بات کا لیتے ہیں۔

اس واسطے اولاد کی اصلاح کے لئے عورتوں کی تعلیم کا اہتمام

تعلیم نسواں

نہایت ضروری ہے خصوصاً لڑکیوں کی اصلاح کے لئے کیونکہ لڑکے کے بعد میں ماؤں کے قبضہ سے نکل کر استادوں اور مشائخ کی صحبت میں بھی پہنچ جاتے ہیں جس سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے لڑکیوں کو یہ بات بھی میسر نہیں ہوتی وہ ہر وقت گھر میں ہی رہتی ہیں اور ان کے لئے یہی اسلم ہے شاید کوئی کہے کہ اس تقریر سے تو پردہ دری کی تائید ہوتی ہے کیونکہ پردہ ہی کی وجہ سے عورتیں علماء اور مشائخ کی زیارت و صحبت سے محجوب ہیں اور بہت سے منافع علمیہ و عملیہ سے محروم ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے جو نقائص رہ جاتے ہیں ان کی اصلاح آسان ہے اور پردہ دری میں جو مفاسد ہیں ان کی اصلاح بہت دشوار ہے پردہ میں رہ کر عورتیں دین سے بقدر ضرورت واقف ہو سکتی ہیں گو مردوں کی طرح درجہ کمال حاصل نہ کر سکیں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں اور قدر ضرورت مشائخ و علماء کی صحبت پر موقوف نہیں کیونکہ محرم مردوں کے ذریعہ سے پردہ میں رہ کر وہ تعلیم دین حاصل کر سکتی ہیں ہاں دنیا سے واقف نہیں ہو سکتیں سو دنیا سے واقف ہونا کیا ضرور ہے بلکہ ان کے لئے تو بے خبر ہونا ہی کمال ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْهَوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغُفْلَةَ الْمُؤْمِنَاتِ
لَعَنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

اس میں غافلان سے مراد غافلان عین الذمائیہ، اور غفلت عن الزنات مردوں کے لئے بھی مدح ہے مگر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تعریف میں تو اس کو بیان فرمایا ہے مردوں کی مدح میں کہیں یہ لفظ نہیں آیا اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ عورتوں کے لئے بے خبری

ہی مناسب ہے کہ ان کو دنیا کی اور دنیا کی برائیوں کی خبر ہی نہ ہو ایک دوست نے بیان کیا کہ ہمارے گھر کی عورتوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ گیہوں کا درخت کتنا بڑا اور گانے بل کی شکل کیسی ہوتی ہے۔ واقعی عورتوں کے لئے بہتر ہے اور اسی میں سلامتی ہے اور جہنم عورتوں کو دنیا کی ہوائی گئی پھر ان کے دین کی سلامتی اور خیر نہیں اسی لئے میں نے کاپنور میں ایک بیان میں کہا تھا کہ آجکل بعض لوگ عورتوں کو جغرافیہ پڑھاتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیا نفع؟ ہاں اس کا یہ نفع ہو سکتا ہے کہ ان کو بھاگنے کا راستہ بتلانا ہے کہ یہاں سے دہلی اتنی دُور ہے اور اس کا راستہ یہ ہے اور دہلی میں اتنی سرائے اور اتنے ہوٹل ہیں جس طرف کو چاہو چلے جاؤ اور جہاں چاہو جا کر ٹھہر جاؤ۔ بتلاؤ عورتوں کو جغرافیہ پڑھنے سے بھاگنے میں آسانی ہوگی یا نہیں اس کے سوا اور کوئی نفع ہو تو میں سُنا چاہتا ہوں۔

بیان کے بعد ایک صاحب آئے اور کہا صاحب! میں اپنی استورات کو جغرافیہ پڑھاتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ واقعی حماقت ہے۔ میں نے کہا الحمد للہ آپ نے حق بات کو تسلیم کر لیا اب ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ جغرافیہ اور تاریخ، سلاطین کے کام کی ہیں سب مردوں کو بھی ان علوم کا پڑھانا فضول ہے یہ بات دفعۃً سمجھ میں نہ آئے گی بلکہ غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گی۔ مجھ سے ایک جٹلمین لے جو کہ جنٹ تھے اور علوم عربیہ میں بھی بڑے قابل تھے جسز دلائیر تھی وغیرہ مسائل دقیقہ میں ان سے میری گفتگو ہوئی تو وہ میری گفتگو کو خوب اچھی طرح سمجھے اور میرے جوابات کی قدر کی تو وہ جٹلمین کہتے تھے کہ میں گھر میں لڑکوں کو تو سب علوم پڑھاتا ہوں دینیات بھی اور فلسفہ بھی مگر لڑکیوں کو سب دینیات کے کچھ نہیں پڑھاتا کیونکہ عورتوں کی اصلاح صرف علوم دینیات پر اکتفا کرنے ہی میں ہے۔ علوم زائدہ پڑھانے میں انکی سلامتی نہیں سچے سے یہ زوائد ان کے لئے مضر ثابت ہوئے صاحبو! آجکل یورپ اور امریکہ سے زیادہ عورتوں کی تسلیم میں کوئی قوم آگے

نہیں مگر یورپ تو عورتوں کی تعلیم سے پریشان ہو گیا کہ اب وہ مقابلہ کرتی ہیں اور مردوں کے برابر حقوق طلب کرتی ہیں اب الکافو می، بھی یہ ہے کہ عورتوں کو دنیا کی تعلیم نہ دینا چاہیے اور امریکہ کی عورتیں تعلیم میں بہت بڑھ گئیں تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ انہیں ایک جماعت اس خیال کی پیدا ہوئی جو لباس کو صحت کے لئے مضر سمجھتی ہے اور دلیل یہ بیان کرتی ہے کہ حیوانات کی غذا اور لباس مصنوعی نہیں بلکہ صرف قدرتی اشیاء ہیں تو ان کی صحت ہم سے اچھی ہے اور ہماری غذا اور لباس مصنوعی ہے ہماری صحت خراب ہے اس لئے یہ لوگ پھل وغیرہ کھاتے ہیں اور ننگے رہتے ہیں اور یہ جو خبریں میں بیان کر رہا ہوں یہ اخبار میں نظر پڑ گئیں۔ میں قصداً اس قسم کی خبریں نہیں دیکھتا مگر کبھی کبھی خود بخود ایسی خبریں آنکھوں میں گھس جاتی ہیں جیسے ایک ڈوم کی آنکھوں میں چاند گھسا تھا اس سے کسی نے کہہ دیا تھا کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا ہم چاند ہی نہ دیکھیں گے چنانچہ اس نے آنکھوں کو پٹی باندھ لی اور گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہا وہاں ہی گھنٹا وہاں ہی موتنا آخر بیوی نے تنگ ہو کر نکال دیا ایک دفعہ رات کو قضاہ حاجت کر کے تالاب پر آبدست لینے گیا تو پانی کے اندر سے چاند نظر آیا وہ چاند کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ بھلے مانس ہم تو تجھ کو دیکھتے نہیں اور تو خود بخود آنکھوں میں گھسا جاتا ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

نتائج تعلیم دنیا | حضرت آج کل عورتوں کی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ حد سے بہت آگے نکل گئیں بھلا کچھ حد ہے اس حماقت کی کہ کپڑوں کو مضر سمجھا جاتا ہے بھلا کپڑوں کو مرض میں کیا دخل ہے بلکہ اصل راز بہائم کی صحت کا یہ ہے کہ حیوانات تو بھوک اور خواہش کے بعد کھاتے ہیں اور جب تک بھوک رہے اسی وقت تک کھاتے ہیں پیٹ بھرنے کے بعد نہیں کھاتے اور آدمی کھانے میں احتیاط نہیں کرتا بلکہ مشوروں سے کھاتا ہے کہ بھوک تو ہے نہیں لیکن دوست احباب کہہ رہے ہیں

شاید کہو کہ پہلے مسلمان ایسے ہوں گے جن سے دوسری قوموں نے تہذیب و تمدن
سیکھا ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ ۵

ہنوز آں ابرِ رحمت و درفشانِ ست خمِ خمِ خانہ با مہر و نشانِ ست

مصابو! آپ نے ہند و متمدن مسلمان دیکھے
نہیں ہیں بے تہذیبوں کو دیکھ کر اپنے اسلامی

ضرورتِ دینی تعلیم

تہذیب کو بدنام کیا ہے خدا کا شکر ہے دنیا میں ایسے لوگ بھی ابھی بہت موجود
ہیں جو اسلامی تہذیب سے آراستہ ہیں مگر وہ مشہور کم ہیں اکثر گمنامی میں پڑے
ہوئے ہیں پھر اسلامی تعلیم تو دنیا بھر کے سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر ہر شخص کو
اسلامی تعلیم اور تہذیب و تمدن کا اندازہ ہو سکتا ہے گو ایک مسلمان بھی تہذیب
نہ ہو بہر حال اسلام میں تمام اسبابِ راحت کی تعلیم موجود ہے بلکہ راحت کا جیسا
سبب اسلام میں بتلایا گیا ہے کسی مذہب میں بھی نہیں بتلایا گیا وہ یہ کہ اسلام میں
اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو اس کا یہ اثر ہوگا
کہ فقدانِ اسباب میں بھی ایک سببِ راحت کا موجود رہے گا کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ
کو محبوب و حکیم سمجھے گا اور جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی تو پھر کسی حالت میں اس
کو کوئی کلفت نہ ہوگی کیونکہ ۵

ہر چہ آں خُسر و کند شیریں بود

محبوب کا ہر کام محبوب ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی مردار کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے
تو اس کی ساتھ یہی حالت ہو جاتی ہے کہ اسکی ہر ادا پیاری لگتی ہے کوئی بات
ناگوار نہیں ہوتی پھر حق تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ کیوں نہ ہوگا سعدی فرماتے ہیں ۵

ترا عشق بہجو خودی ز آب و گل رباید ہمہ صبر و آرام دل
چو در چشم شاہِ نیاید زرت ز رو خاک یکساں نماید برت

کہ حضور کچھ تو کھالینا چاہیے فاقہ بہتر نہیں اب یہ دُوسروں سے رائے لیتا ہے۔ اس طرح مشورہ اور کمیٹی کر کے کھانا کھاتا ہے۔ اس لئے صحت پر خراب اثر پڑتا ہے۔ باقی عریانی کو صحت میں کچھ دخل نہیں بلکہ عریانی مضر ہے (اور کچھ دنوں کے بعد اسکی مضریت کو یہ لوگ بھی خود تسلیم کر لیں گے جو آج اس کو مفید بتلا رہے ہیں کیونکہ انکی حالت یہی ہے کہ تجربہ کر کے ٹھوکریں کھا کے ان کو حقیقت کچھ معلوم ہوتی ہے چنانچہ ۱۲) ایک قوم نے یہ حماقت کی کہ ان کی عورتیں سر مونڈنے لگیں یہ بھی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے جس میں دنیا سے خبردار کیا جاتا ہے اس کا یہ اثر ہوا ان کے ڈاڑھی نکلنے لگی تب آنکھیں کھلیں اور اُس فعل کو ترک کیا۔ اللہ ہم سب مسلمان کیسی راحت میں ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں حضورؐ نے ہماری سب مصالح و مضار کی رعایت فرما کر ایسی جامع مانع تعلیم ہمکو فرمائی جس میں مضریت کا نام و نشان نہیں بلکہ راحت ہی راحت ہے۔ حضورؐ نے عورتوں کو سر منڈانے سے روک دیا ہے پس ہمکو اس کے بعد کسی تجربہ کی ضرورت ہی نہیں اسی طرح ہر معاملہ میں حضورؐ نے ہمکو ایسی تعلیم فرمائی جس میں تمام مصالح کی رعایت ہے پس ہم کو حصولِ منافع و اجتنابِ مضار کی دولت پہلے ہی سے حاصل ہے ہمیں ٹھوکریں کھانے کی کچھ ضرورت نہیں بجز اللہ کسی نے آج تک کسی تعلیم شرعی میں کوئی مضریت ثابت نہیں کی بلکہ سائنسدانوں کے کلام سے روز و شب اسلامی تعلیمات کے فوائد و منافع ہی ثابت ہوتے جلتے ہیں۔

صاحبو! تم کیوں دوسری قوموں کے دستِ نگر بنے ہو کس لئے ان کی تقلید کے درپے ہو! آخر تمہارے گھر میں کیا نہیں! واللہ تمام قوموں نے اسلام ہی سے تمدن و تہذیب سیکھا ہے اور ان کو اس کا اقتدار ہے مگر تمہارا یہ حال ہے

یک سبد پر ناک ترا بر فرق ستر توہمی جوئی لب نال در بدر
تا بز انوئی میان قعر آب وز عطش وز جوع گشتستی خراب

محبوب کو جو چیز پسند نہ ہو خواہ کیسی ہی قیمتی اور نفیس ہو وہ عاشق کے نزدیک
 مٹی سے بدتر ہوتی ہے اور جو اُس پسند ہو وہ اس کے نزدیک جواہرات سے زیادہ
 قیمتی ہے پھر حق تعالیٰ کو جو چیز پسند ہو وہ عشاق حقیقی کو کیوں کر ناگوار ہو سکتی ہے
 عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنی غریق
 دما دم شرابِ اہل درکشند و مگر تلخ بینند دم درکشند
 مولانا نے اس کو بہت صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے
 عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود : گونے گشتن بہر او اولیٰ بود
 یہ ہے وہ چیز جو شریعت نے بتلائی ہے ۔

طریق حصولِ راحت | بس ہمارا یہ کہنا صحیح ہے کہ شریعت نے دنیا و
 آخرت دونوں کی راحت کا طریقہ بتلایا ہے
 لیکن راحتِ دنیا کے طریقہ کی تعلیم کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت نے صنعت و حرفت
 کے طریقہ بتلائے ہیں بلکہ صنعت و تجارت وغیرہ کا بھی جو منہتی ہے شریعت نے
 اُس کی تعلیم دی ہے یعنی دنیا کا لب لباب راحت ہے کیونکہ تمام اسبابِ عیش
 سے راحت ہی مطلوب ہے سو راحت کا طریقہ شریعت سے بہتر کسی نے نہیں بتلایا
 ایک شخص کا بیان ہے کہ انہوں نے اخبار میں کسی ترقی یافتہ فلسفی کا مقولہ دیکھا ہے کہ گو ہم
 نے ترقی بہت کر لی ہے مگر پھر بھی ہم کو چین حاصل نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ ہمارے اندر بھی کچھ کمی ہے اور حصولِ راحت کا طریقہ وہ نہیں جو ہم نے اختیار
 کر رکھا ہے اب بعض عقلاء نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے اندر مذہب نہیں یہ
 کمی ہے جس کی وجہ سے ہم کو راحت حاصل نہیں مجھے ان لوگوں کے قول سے استدلال
 مقصود نہیں مگر چونکہ آج کل ان لوگوں کی بہت تقلید کی جاتی ہے اس لئے میں نے انکے
 قول کو بیان کر دیا کہ جبکہ تم ترقی یافتہ سمجھتے ہو وہ بھی اس ترقی کو سببِ راحت

نہیں سمجھتے اور یہ مصنمون حقیقی ہے کیونکہ راحت ہوتی ہے سکونِ قلب سے اور سکونِ ضدِ حرکت ہے اور یہ اہل ترقی ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں کبھی چاند میں جلنے کی فکر کرتے ہیں کبھی مریخ میں ان کی ترقی کا کوئی منہتی نہیں ہے

لَا يَنْتَهِي أَرْبُّ إِلَّا إِلَى أَرْبٍ

تو ایسے شخص کو راحت کہاں، راحت اس کو ہے جس کا مقصود متعین ہو، وہ صرف اہل مذہب کو حاصل ہے اور اہل مذاہب میں کبھی بھی صرف اہل اسلام کو، کیونکہ دوسرے مذاہب میں بھی مقصود متعین نہیں گو ان کے نزدیک غایت المقصود معبود ہے مگر چونکہ وہ کامل موجد نہیں اس لئے ان کے معبود بالمقصد چند در چند ہیں اور تعدد مطلوب کی صورت میں تشتتِ قلب لازم ہے کہ کبھی ایک طرف قلب جھکے گا کبھی دوسرے کی طرف اور جس وقت ایک طرف مائل ہوگا اس وقت دوسرے کی ناراضی سے خائف ہوگا جیسے کسی طوائف کے چند آشنا ہوں تو وہ ہر شخص سے ملاقات کرتے ہوئے دوسرے آشنا کے مطلع ہو جانے یا آجانے سے ڈرتی رہتی ہے۔ ہر دم اس کو شش میں رہتی ہے کہ ہر ایک یوں ہی سمجھے کہ اس کے سوا میں کسی سے نہیں ملتی اس حالت میں ظاہر ہے کہ اس کو کسی سے بھی لطف حاصل نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے جس کا تعلق ایک ہی سے ہو وہ ہر دم اسی کی طرف متوجہ ہے اسی کا خوف اس کے دل میں ہے اور اسی کی محبت۔ کسی دوسرے سے اس کو کچھ واسطہ نہیں اس کے دل کو پورا سکون حاصل ہے اسی کو ایک دانا اس طرح بیان کرتا ہے

أَرْبًا وَاحِدًا أَمْ أَلْفَ سَرَبٍ
أَذِينَ إِذَا تَقَسَّيْتِ الْأُمُورُ
تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ جَمِيعًا
كَذَلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيرُ

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں

دل آرائے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اثر کلام اللہ | اور یہ بات سوائے اسلام کے کسی مذہب میں نہیں کیونکہ
توحید اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں گو دعویٰ کرنے

والے بہت ہیں

غرض اہل سائنس نے بھی تسلیم کر کے سائنس وغیرہ کی ترقی سے ان کو راحت نہیں ملی اور
وہ حیران ہیں کہ اسکی کیا وجہ ہے اور آخر وہ کون سی کمی ہے جس کی وجہ سے قلب ہنوز
بے چین ہے، پھر بعض نے اس کمی کو متعین بھی کر دیا کہ ہمارے اندر مذہب کی کمی ہے
اور بعض ابھی تک حیرت ہی میں ہیں چونکہ یہ لوگ متعصب نہیں اور تلاش و فکر میں
لگے ہوئے ہیں کیا عجب ہے کہ ایک دن ان کو حق واضح ہو جائے یہ تو ان کا مقولہ
تھا جنہوں نے ابھی تک مذہب اسلام کو اختیار نہیں کیا اور جنہوں نے مذہب اسلام
کو اختیار کر لیا ہے ان کا مقولہ یہ ہے کہ ہم کو اسلام لا کر وہ اطمینان اور چین حاصل ہوا
جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں چنانچہ اخبار میں کچھ دن ہوئے دیکھا تھا کہ ایک امریکن
ڈاکٹر بالکوپ کی کمپنی کا مینجر تھا اس نے ایک دن مسلمانوں کی اذان و نماز کا تماشا
کرنے کی نیت سے ایک مؤذن کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم اذان دو ہم تمہاری اذان
کو گراموفون میں بند کریں گے مؤذن نے اذان دی اور اس مینجر کے دل پر چوٹ لگی
اسکی حالت بدلنے لگی حالانکہ اس نے تماشا کی نیت سے اذان کو بند کیا تھا معتقد
ہو کر اذان نہ سنی تھی مگر متبرک کلام میں برکت اور اثر ہوتا ہے اگر قلب میں عناد نہ ہو
تو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ ہندوستان میں ایک بہت مشہور فلسفی صاحب قلم ہیں
وہ لکھتے ہیں کہ میں پہلے محمد تھا اسلامی تسلیم کا میرے قلب پر کچھ اثر نہ تھا اتفاقاً اسی
زمانہ میں میں نے مشنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ کیا حالانکہ اسوقت میں اسکو کچھ سمجھا بھی نہیں کیونکہ
بدون شرح کے لفظی مطالعہ کیا تھا مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ میں مشنوی پڑھ کر مسلمان ہو گیا
شرح کا مطالعہ بعد میں کیا واقعی مشنوی متبرک کلام ہے اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ کے
ساتھ تعلق ضرور ہو جاتا ہے اور جب مشنوی میں یہ اثر ہے تو کلام اللہ میں کیا اثر

ہوگا اس کو خود سمجھ لیا جائے۔ قرآن کا یہ اثر جس کو لائوس صاحب (گورنر) جب دیوبند کے مدرسہ میں آئے اور تمام درسگاہوں کا معائنہ کیا تو درجہ قرارت میں پہنچ کر محو حیرت ہو گئے اور دیر تک کھڑے رہے اور قرأت سنائے اس وقت بعض زو سائے ان کے لئے کرسی منگانا چاہی تو اشارہ سے منع کر دیا اور کہا کہ اس وقت بیٹھنا بے ادبی ہے۔ کیمپ میرٹھ میں بچپن میں جس مسجد کے اندر میں اکثر تراویح میں قرآن سنایا کرتا تھا وہ مسجد سڑک کے اوپر ہے کچی مسجد کہلاتی ہے جب میں قرآن تراویح میں پڑھتا تھا تو اکثر انگریز چلتے چلتے قرآن سننے کو کھڑے ہو جاتے تھے حالانکہ میں کچھ بہت اچھا نہیں پڑھتا نہ میری آواز اچھی ہے نہ مجھے قرأت آتی ہے مگر اس پر بھی یہ اثر تھا تو جو لوگ ماہر قرارت ہیں اور اچھی آواز سے پڑھتے ہیں انکی قرارت کا کیا اثر ہوگا اور یہ قرآن ہی کا اثر ہے آواز کا اثر نہیں کیونکہ لہجہ اور آواز کا اثر ہوتا تو کوئی غزل سن کر تو کھو اس کا وہ اثر ہرگز نہ ہوگا ہو قرآن سننے سے ہوتا ہے مکہ میں جب ہم اول اول داخل ہوئے اور وہاں مؤذن کی اذان و تکبیر سنی تو اللہ اکبر سنکر دل نکلا جاتا تھا جیسے کسی نے ذبح کر دیا ہو یہ بات غزلوں کے سننے میں کہاں؟ (اور قوالی میں جو اثر ہوتا ہے وہ محض غزل کا اثر نہیں بلکہ اس کی ستار ڈھولک بجنے سے اثر ہوتا ہے پھر اس کا اثر محض نفسیاتی قوت پر ہوتا ہے روح پر اثر نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ اور جن پر سماع میں روحانی اثر ہوتا ہے ان پر قرآن کا اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے (جامع) اور جب آجکل کے قاریوں کے پڑھنے کا یہ اثر ہے تو اب قیاس کر لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت کا کیا اثر ہوتا ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چو مجنوں کند : صاف گم رہا شد ندانم چوں کند
غرض اذان سنکر اس انگریز کی حالت بدل گئی اور وہ بعد میں اسلام لے آیا پھر اس نے اخباروں میں ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ میرے احباب مجھ سے پوچھتے

ہیں کہ اسلام سے کیا حاصل ہوا میں ان کو بتلاتا ہوں کہ اسلام سے میرے دل کو
وہ چین حاصل ہوا جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں اب میں ہوں اور میرا خدا ہے
دنیا کی ہر چیز میری نظر میں خار ہے اور یوں دل چاہتا ہے کہ ایک گوشہ میں الگ پڑا
رہوں اور اپنے خدا سے لو لگائے رہوں اسی لئے میں زیادہ تر خلوت میں رہتا ہوں۔
صاحبو! مومن کے دل میں ایسی دولت ہوتی ہے جس کی سلاطین کو ہوا بھی نہیں لگی
مگر افسوس ہم اس دولت سے بے خبر ہیں اگر اسکی خبر ہو جائے جیسا کہ اکثر نو مسلموں
کو خبر ہوتی ہے کیونکہ کفر کے بعد جو اسلام کا نور دل میں آتا ہے تو ان کو اس کا زیادہ
احساس ہوتا ہے تو ہم بھی اس نو مسلم انگریز کی طرح دنیا سے بے غرض ہو جائیں اور کسی
چیز میں دل نہ لگے ۵

ستم سنت اگر ہو ست کشد کہ بسر سر و من در آ
تو ز غنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچس در آ
اور ہمالے ماموں صاحب کا شعر ۵

کر غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہوگی
یہ شیشہ نہیں خالی دیکھ اس میں پری ہوگی
آگے مُرشد کو خطاب ہے ۵

ساتی تراستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

تو شریعت نے دنیا کی راحت کے اسباب کی تعلیم اس طرح کی ہے کہ ہمکو
ایسی چیز کی تعلیم دی ہے جو راحت کا اصلی سبب ہے اور وہ حاصل ہو جائے
تو افلاس و غنی صحت و مرض ہر حال میں انسان کو راحت ہی حاصل ہوگی۔

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے دعویٰ کیا تھا کہ شریعت نے
مقصد و عظمیٰ | ہم کو ایسی تعلیم دی ہے جس میں تمام مصالح و مضار کی رعایت
 ہے اس لئے ہمیں تہر بہ کر کے ٹھوکریں کھا کے مصالح و مضار معلوم کرنے کی کچھ ضرورت
 نہیں بلکہ صرف اسکی ضرورت ہے کہ شریعت کی تعلیم حاصل کر لیں پھر ہمیں تہذیب
 تمدن میں کسی قوم کی تقلید کی ضرورت نہ رہے۔ پس لازم ہے کہ عورتوں کو بھی شریعت
 کی تعلیم دیجائے تاکہ انکی بھی اصلاح ہو جائے اور بچوں کی بھی۔ چونکہ اسوقت ایک
 مسماۃ نے اپنی لڑکی کو تعلیم دین کے لئے تجویز کیا ہے (اللہ تعالیٰ ان کے ارادہ
 کو پورا فرمائیں آمین ۱۲) تو یہ خیال ہوا کہ اسوقت ضرورت تعلیم ہی کو بیان کیا جائے
 جس کے لئے گو حدیث الْعِلْمُ ذِیضۃٌ عَلٰی کُلِّ مَسْئَلَةٍ زیادہ صریح تھی مگر اس
 میں مسلمہ کی زیادت ثابت نہیں بلکہ ناواقفوں نے اپنی طرف سے لفظ مسلمہ حدیث
 میں اضافہ کر دیا ہے گو معنی صحیح ہے مگر لفظاً صحیح نہیں تو میں نے اس مسئلہ کو عموم
 آیت سے مستبعد کرنا چاہا کیونکہ آیات و احادیث کا عموم و خصوص دونوں جہت ہیں۔
 اب مضمون مقصود شروع کرتا ہوں اول آیت کا ترجمہ سن لیجئے، حق تعالیٰ
 فرماتے ہیں

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝
 پس خوشخبری دے دیجئے ان لوگوں کو جو (اللہ تعالیٰ کا) یہ کلام سنتے ہیں پھر
 اسکی اچھی اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہدایت
 کی ہے اور یہی لوگ اہل عقل ہیں۔ ربط اس کا مابقی سے یہ ہے کہ اس سے پہلے
 کفار کے خسران و عذاب کا ذکر تھا۔

قُلْ إِنَّ الْخِسْرَئِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ

يَوْمَ الْقِيَمَةِ اِلٰى قَوْلِهِ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اِلٰهَ عِبَادِهِ لَعَلَّاهُمْ يَتَّقُوْنَ ط

اس کے بعد متقین کے لئے بشارت ہے اور تقویٰ کا طریق بتلایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنۡ يَّعْبُدُوْهَا

وَ اَنَا بُوۡلِ اِلٰهِ لَہُمْ الْبُشْرٰی ط

کہ جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں یعنی اسکی عبادت سے بچتے ہیں اس ترجمہ ہی سے معلوم ہو گیا کہ اَنۡ يَّعْبُدُوْهَا "الطاغوت" سے بدل ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے جو ہر شیطان کو شامل ہے خواہ شیطان الانس ہو یا شیطان الجن جنکا منہتی ابلیس ہے۔ کیونکہ شیطننت و طغیان میں وہ سب کے بڑھا ہوا ہے پس جو شخص کسی شیطان الانس کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی ابلیس ہی کی عبادت کر رہا ہے اور شیطان کی عبادت ہر شرک میں ہے کیونکہ جس قدر شریکيات ہیں سب کا وہی امر کرتا ہے یہاں پر شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ مشرکین تو عبادت شیطان کے مُقر نہیں بلکہ وہ بھی اپنے زعم میں خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شیطان کی اطاعت اس طرح کرتے ہیں جو عبادت کی حد میں پہنچ گئی ہے۔

کیونکہ اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک اطاعت مطلقہ ایک

اقسام اطاعت

اطاعت مقیدہ اطاعت مقیدہ تو یہ ہے جیسے مسلمان امام

اور مجتہد کی اطاعت کرتے ہیں جو اس شرط سے مقید ہے کہ امر الہی کے موافق ہو۔ اور اطاعت مطلقہ یہ ہے کہ ایسی اطاعت کی جائے جس میں موافقت امر الہی کی بھی شرط نہ ہو۔ مشرکین اپنے پیشواؤں کی ایسی ہی اطاعت کرتے تھے اور ایسی اطاعت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے کا حق نہیں جب انہوں نے غیر حق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق تھا تو وہ مشرک اور شیاطین کے عابد ہوئے، گو زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اسی لئے حق تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس امر کی تعلیم دی ہے

وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ط

کہ ایک دوسرے کو رب نہ بنائے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے تو اپنے علماء کو معبود نہیں بنایا تھا حضورؐ نے فرمایا :
 أَلَيْسَ كَانُوا يُحِلُّونَ لَكُمْ وَيُحَرِّمُونَ فَمَا خَذُوا بِقَوْلِهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هُوَ
 ذَاكَ يَعْنِي كَمَا يَهِيَ بَاتٍ نَهَى كَمَا تَهَالَى عِلْمًا حَسْبُ بَاتٍ كَوَحْلًا كَرَدِيْتُمْ تَمَّ اس كَوَحْلًا مَان
 لِيْتِے اور جس كَوَ وہ حرام كَرَدِيْتِے اس كَوَحْلًا مَان لِيْتِے تھے كَمَا ہاں یہ تو ہوا ہے حضورؐ
 نے فرمایا کہ بس اس سے تم نے اپنے علماء کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا مطلب حضورؐ
 کا یہی ہے کہ تم نے انکی اطاعت مطلقہ کی تھی اور اطاعت مطلقہ عبادت ہے جو صرف
 اللہ تعالیٰ کا حق ہے بحمد اللہ اہل اسلام کسی کی اطاعت مطلقہ نہیں کرتے غیر مقلدوں کا
 اہل تقلید پر یہ الزام ہے کہ ان مقلدوں نے بھی اپنے ائمہ و مجتہدین کو ارباب بنالیا ہے
 کہ یہ بھی انکی اطاعت مطلقہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے ۵

بگذر از ظن خطا اے بدگماں

ان بعض الظن اثم را بخوال

کہ یہ محض بدگمانی ہے مقلدین اطاعت مطلقہ کسی مجتہد کی نہیں کرتے بلکہ ان
 کے اقوال کا اتباع اس قید کے ساتھ کرتے ہیں کہ اللہ و رسول کے حکم کے موافق
 ہوں اسی وجہ سے وہ ایسے شخص کا اتباع کرتے ہیں جس کی نسبت ان کو یہ اعتقاد ہوتا
 ہے کہ یہ اللہ و رسول کا پورا متبع ہے اور خلاف حکم شرعی کوئی بات نہیں کہتا۔

اس کے بعد ارشاد ہے ۔ وَآتَابُوا إِلَى اللَّهِ ط

علم اور اتباع

یہ تقابل بدیع ہے یعنی وہ لوگ شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ
 کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی کو مقصود و معبود سمجھتے ہیں اس کے بعد مبتدا کی
 خبر ہے لَھُمْ الْبُشْرَىٰ کہ جن کی یہ شان ہے وہ بشارت سنانے کے مستحق
 ہیں جیسا مفہوم ہے لام کا، اس کے بعد ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ

الْقَوْلَ - کہ اچھا پھر ان کو بشارت سنا ہی دیجئے! سبحن اللہ قرآن بھی کس قدر بلیغ ہے کہ اول تو ان کا مستحق بشارت ہونا بیان فرمایا پھر بشارت سنانے کا حکم دیا کہ ان کو بشارت سنا ہی دیجئے۔

اس طرز تشویق کا جس درجہ مخاطب پر اثر ہوتا ہے اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ اب یہ سمجھئے کہ یہاں عِبَادِ الذِّیْنَ لَیْسَتْ مَعُوْنُ الْقَوْلِ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ وہ شیطان سے بچتے ہیں اور اُس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں کیونکہ عربیت کا قاعدہ ہے کہ :

اِذَا اخْتَدَتْ الْمَعْرِفَةُ مَعْرِفَةً كَانَتْ الثَّانِيَةَ عَيْنَ الْاُولٰی۔

اودھ قاعدہ کلیۃ ان لم یعرضہا معارض (کہ جب معرفہ کو دوبارہ معرفہ ہی بنا کر اعادہ کیا جائے تو ثانی سے مراد وہی ہوگا جو اولیٰ سے مراد ہے مگر اعادہ معرفہ کی بھی ظاہر صورت یہ تھی کہ یہاں ضمیر لائی جاتی یا اسم اشارہ یعنی ، فَبَشِّرْهُمْ بِاَلْبَشَرِ هُوَ لَا عِ - فرمایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو چھوڑ دینے کا ظاہر موضع المضمر اختیار کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس عنوان سے تحصیل کمالات کا طریقہ بتلایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ تحصیل کمالات میں ترتیب ہے۔ حاصل اس ترتیب کا یہ ہے کہ تم کو اول اِسْتِمَاعُ الْقَوْلِ لازم ہے جس کا حاصل طلب علم ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائے گا اس کے بعد اس کا اتباع لازم ہے اس کا حاصل عمل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تحصیل کمال کا طریقہ علم و عمل ہے۔

اب سمجھئے کہ یہاں لَیْسَتْ مَعُوْنُ الْقَوْلِ -
رُونمائے قرآن حکیم | قول سے مراد کلام اللہ ہے دو وجہ سے ایک کہ

اس میں لام عہد کا ہے اور یہاں معہود کلام اللہ ہی ہے۔ دوسرے قاعدہ عربیت کا ہے۔
 الْمُطْلَقُ اِذَا أُطْلِقَ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ -

کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پس یہاں بھی مطلق قول سے مراد قول

کامل ہونا چاہیے اور قول کامل قرآن ہی ہے کیونکہ قرآن سے کامل تر کون سا قول

ہوگا اسی لئے فرمایا ہے۔ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

یہی کتاب کامل ہے اس میں کچھ شک نہیں (وہذا علی احدى التقادیر فی ترکیب^{۱۲})

اور یہ ایسا ہے جیسا ہمارے محاورہ میں بولا کرتے ہیں کہ بات تو یہ ہے یعنی سچی اور

کامل بات یہ ہے اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کے سوا اور کوئی بات بات ہی نہیں بلکہ

معنی یہ ہیں کہ اس کی برابر دوسری بات کامل نہیں ایسے ہی ذَٰلِكَ الْكِتَابُ

کو سمجھئے کہ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی برابر کوئی کتاب نہیں کیونکہ قرآن مجز

ہے لفظاً بھی معنی بھی مضموناً بھی حفظاً بھی کسی نے خوب کہا ہے۔

مخدرات سرا پر دہائے قرآنی

چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

چیت قرآن اے کلام حق شناس!

رونمائے رب ناس آمد بناس

یہ قرآن رونمائے حق ہے یعنی اس کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی صفات کمال کا شاہد

ہوتا ہے قرآن کے رونما ہونے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا جو میں نے بارہا بیان کیا ہے

کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بیاختہ ایک مصرع موزوں ہو گیا۔

در اُتلق کسے کم دیدہ موجود

اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرع لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء

کو حکم دیا کہ اس پر مصرع لگاؤ۔ سب حیرت میں رہ گئے کیونکہ کوئی مضمون ہو تو اسکو

پورا کیا جائے یہ کچھ مضمون ہی نہ تھا کہ چیت کجراموتی کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ اس پر شاعرانہ

مصرع نہیں لگ سکتا تھا، ہاں تک بندی ہو سکتی تھی جیسے کسی نے ایک مصرع کہا تھا۔

کہا تھا ۵

دندان تو جملہ در دہانند

تو دوسرے شاعر نے اپر یہ مصرع لگایا ۵

چشمان تو زیر ابروانند

تو یہ شعر نہیں ہوا بلکہ ایک بندی ہوئی اور جیسے ہمارے یہاں ایک شاعر تھے

وہ جنگل سے آئے اور ہمارے ماموں صاحب سے کہا کہ منشی جی میں نے ایک مصرع کہا

ہے دوسرا تم لگا دو وہ یہ ہے ۵ سُنو دوستو ہے عجب ماجرا

اپر تو ماموں صاحب نے برجستہ جواب دیا ۵

کہ کھایا تھا منڈ دا ہکا باجرا

وہ جھلا گئے کہ تم تو مذاق کرتے ہو ماموں صاحب نے کہا کہ عجب ماجرا تو یہی

ہے کہ کھائے کچھ لگے کچھ اور اگر وہی لگے جو کھایا تھا یہ تو عجب ماجرا نہیں ہے۔

اور ایک قصہ اکبر کے زمانہ کا سنا ہے کہ اکبر کے یہاں مشاعرہ ہوا کرتا تھا ایک یہاں

بھی خبر سنکر مشاعرہ میں آیا راستہ میں فیضی شاعر ملا اس نے پوچھا کہاں جا رہے

ہو کہا بادشاہ کے دربار میں جا رہا ہوں میں نے سنا ہے آج وہاں مشاعرہ ہے۔

میں نے بھی ایک مصرع کہا ہے مگر دوسرا نہیں بتا وہ یہ ہے ۵

املی کا پتہ سبج (سبز)، فیضی نے کہا ۵ ابجد حطی، سبج (ہتوز)

اب وہ خوش خوش دربار میں پہنچا اور اپنی باری میں اپنے پڑھا ۵

املی کا پتہ سبج ۵ ابجد حطی، سبج، اکبر سمجھ گیا کہ

دوسرا مصرع کسی لکھے پڑھے نے لگایا ہے تو کہا چودھری تمہارا پہلا مصرع تو بہت

اچھا ہے مگر دوسرا مصرع داہیات ہے تو آپ سر دربار فیضی کی طرف اشارہ کر کے

بولے کہ یہ اسکی ماں نے ایسی تیزی کرائی تھی یعنی یہ اس کا لگایا ہوا ہے، اکبر مارے

ہنسی کے ٹوٹ گیا اور فیضی سے کہا لو اور مصرع لگاؤ۔

غرض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرع بے تکا ہے اس پر بے تکا مصرع لگ سکتا ہے عمدہ مصرع نہیں لگ سکتا شاہ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرع کی ان لوگوں نے بے قدری کی تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا کہ شعراء ہندوستان سے اس مصرع پر دوسرا مصرع لگانے کی فرمائش کی جائے۔

ایران کے شعراء اس سے عاجز ہو گئے ہیں، عالمگیر نے شعراء کو اس کی اطلاع کی یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے عالمگیر کی بہن زیب النساء بھی شاعرہ تھی اس کو جو اس مصرع کی خبر پہنچی تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئی کہ اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اتفاقاً ایک دن صبح کو شاہزادی سرمہ لگا رہی تھی وہ کسی قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سپیدی اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً اس کا ذہن شاہ ایران کے مصرع کی طرف گیا اور اس پر دوسرا مصرع لگا کہ اس طرح شعر پورا کر دیا

دُرِ ابلق کھے کم دیدہ موبود

مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

شاہزادی نے فوراً عالمگیر کو اطلاع کی عالمگیر بہت خوش ہوئے کہ جس مصرع کی تکمیل سے شعراء ایران عاجز ہو گئے تھے خوشی کی بات ہے کہ شعراء ہندوستان نے اس کو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ پہلا مصرع بھی جو بے معنی تھا با معنی ہو گیا، عالمگیر نے ایران کے بادشاہ کو خط کے ذریعہ سے اطلاع دی شاہ ایران خوشی کے مارے اچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جب کہ شعراء نے اس کو بے معنی قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا تم نے ہمارے مصرع کو بے معنی کہہ کر واپس کر دیا تھا لو ہندوستان کے ایک شاعر نے اس کو پورا کر دیا پھر اس نے پورا شعر سنایا ہے

دُرُ اُبُلُق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشکِ بستانِ سرمہ آلود

شعرا سب کے سب محو حیرت ہو گئے کہ واقعی شاعر نے کمال کیا اسباب
نے درخواست کی کہ ہم اس شاعر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں شاہ ایران نے عالمگیر کے پاس شکریہ
کا خط لکھا اور کہا کہ شاعر کو ایران بھیج دیا جائے یہاں سب اس کی زیارت کے مشتاق
ہیں عالمگیر وہ خط اور انعام لے کر بہن کے پاس آئے کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ
تم کو بلاتے ہیں اور شعر کہو اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں شاہزادی
نے کہا کہ آپ میری طرف سے ان کو جواب میں یہ شعر لکھ بھیجئے

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

عالمگیر نے یہی شعر لکھ دیا جس سے شاہ ایران کو معلوم ہو گیا کہ شاعر پر وہ نشین
عورت ہے اس لئے آنے سے معذور ہے صاحبو! جب ایک انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

تو حق تعالیٰ کا کلام اگر رونمائے حق ہو تو کیا تعجب ہے بس دنیا میں اگر
کوئی حق تعالیٰ کو دیکھنا چاہے تو وہ قرآن میں تجلی دیکھ لے کلام اللہ میں حق تعالیٰ متجلی ہیں
اور اگر کسی کو اس سے تسلی نہ ہو تو وہ اس مراقبہ سے تسلی حاصل کر لے کہ حق تعالیٰ
تو قرآن پڑھتے ہوئے مجھے دیکھ رہے ہیں کیونکہ حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت
اللہ تعالیٰ بندہ کو خاص نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور عشاق جانتے ہیں کہ محبوب کا محبت کو دیکھنا زیادہ لذیذ ہے
نگاہِ عشق چنانچہ اگر کسی عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر میں محبوب کی طرف
دیکھوں گا تو وہ میری طرف سے لگا ہٹا لے گا اور اگر میں اُدھر نہ دیکھوں تو وہ میری طرف

نظر کرتا رہے گا تو عاشق اس صورت میں سینہ پر پتھر رکھ کر محبوب کی طرف نہ دیکھے گا بلکہ یوں چاہے گا کہ وہی مجھے دیکھتا رہے، حدیث میں حضرت کعب بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ آتا ہے کہ جس زمانہ میں حضورؐ نے ان پر عتاب فرمایا اور سب مسلمانوں کو ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا تو یہ اس وقت سخت پریشان تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں حاضر ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تو آپؐ جواب دیتے مگر میں آپؐ کے لبوں کی حرکت کرتے ہوئے دیکھتا تھا نیز فرماتے ہیں کہ اس وقت حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ جب میں آپؐ کی طرف دیکھتا تو آپؐ میری طرف سے منہ پھیر لیتے اور جب میں آپؐ کی طرف نہ دیکھتا تو آپؐ مجھ کو دیکھتے تھے حضرت کعبؓ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے اور اصل میں تو وہ آپؐ کی نبوت کے عاشق تھے پھر بعد میں آپؐ کی ہر چیز سے عشق ہو گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے ایسی حالت میں ان کا ایسا قول تو منقول نہیں کہ پھر میں ہی آپؐ کی طرف نہ دیکھتا تھا تا کہ آپؐ مجھے دیکھتے رہیں لیکن شانِ عشق سے غالب یہی ہے حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر اس حالت میں میں مر گیا تو حضور میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے (اور یہ ایک مسلمان عاشق کے لئے سخت حسرت کی بات ہے ہر مسلمان کی تمنا یہ ہے کہ ہماری موت حضورؐ کے قدموں میں ہو اور آپؐ ہماری نماز پڑھیں) اور اگر خدا نخواستہ حضورؐ کا وصال اس عرصہ میں ہو گیا تو میں ساری عمر اسی طرح مردود رہوں گا کہ مجھ سے کوئی مسلمان بات نہ کرے گا اور منہ بھی نہ لگائے گا اللہ تعالیٰ نے حضرت کعبؓ اور ان کے ساتھیوں کی یہ حالت جن لفظوں میں بیان فرمائی ہے ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان صاحبوں پر اس وقت کیا گزر رہی تھی، فرماتے ہیں :

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا مَضَىٰ عَلَيْهِمُ

الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا
مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

اس آیت میں ان حضرات کی توبہ قبول ہونے کی بشارت بھی دی گئی ہے اور
اس کے ساتھ انکی دردناک حالت کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں
صاحبوں کی توبہ بھی قبول کر لی جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان کے
اوپر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے تو
حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور دوبارہ ان کے حال پر توجہ کی تاکہ وہ آئندہ بھی
ایسے مواقع میں توبہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے بڑے
مہربان ہیں۔ حضرت کعب کی اس بات پر کہ مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس حالت
میں اگر میں مر گیا تو حضور میری نماز نہ پڑھیں گے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی
ایک تقریر یاد آئی مولانا نے حدیث سوال قبر کے اس جملہ کی شرح میں کہ میت سے
پوچھا جائے گا مَنْ هَذَا الرَّجُلُ یہ کون صاحب ہیں اور بعض اہل
کشف کے اس قول کی حکمت میں کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ہر شخص کے
سامنے پیش کی جائے گی اور دکھلا کر سوال کیا جائے گا کہ یہ کون صاحب ہیں مسلمان تو
صورت دیکھتے ہی تعلق قلبی کی وجہ سے پہچان لے گا اور بے ساختہ کہے گا۔

هَذَا مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَهُدًى

کہ ہمارے بنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہمارے پاس معجزات و ہدایات
لے کر تشریف لائے تھے یہ فرمایا کہ دراصل ہماری محبت کا مقتضی تو یہ تھا کہ ہم سب
حضور کے سامنے مرتے اور حضور ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر بعض حکمتوں
کی وجہ سے یہ صورت مقدر نہ ہوئی تو اب کم از کم محبت کا یہ اثر تو ہونا چاہیے کہ
حضور ہمارے قبر ہی میں تشریف لائیں گے پھر مولانا نے یہ شعر پڑھا ۵

کشتے کہ عشق دارد نگذاردت بدیں ساں

بجنازه گر نبائی بمزار خواہی آمد

اور صاحبو! ہم ہی حضورؐ کے قدموں میں جان نثار کرنے کے متمنی نہیں بلکہ حیوانات بھی اس کے متمنی تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جستہ الوداع میں جب تنواؤنٹوں کی قربانی کی ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے حضورؐ مفلس غریب تھے بلکہ آپ امیر اور بادشاہ تھے ورنہ مفلس بھی کہیں تنواؤنٹوں کی قربانی کیا کرتا ہے اور آپ کے جو واقعات فقر کے منقول ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کو خدا نے دیا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور جمع نہیں کرتے تھے آپ کی سخاوت کی عادت تھی کہ ادھر آیا ادھر خرچ کیا آپ کا فقر اختیاری تھا خلاصہ یہ کہ آپ تارک الدنیا تھے متروک الدنیا نہ تھے تو ان تنواؤنٹوں میں سے تر لٹھ کو حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے سخر فرمایا اور بقیہ کو حضرت علیؓ نے آپ کی طرف سے سخر کیا حدیث میں اس موقع پر ان اُدنٹوں کی حالت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ کَلَّمَنَّا يَزْدَلِفُنَّ إِلَيْهِ۔ کہ جب حضورؐ برچھالے کر انکی طرف بڑھے ہیں تو ہر ایک حضورؐ کی طرف کو کھسکتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے! بس حضورؐ اس شعر کے حقیقی مصداق ہیں جو مذکور کی غزل کا ایک جزو ہے ۵

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکت

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ میں نے کہا تھا کہ جو دنیا میں

حقیقت کلام اللہ | خدا تعالیٰ کو دیکھنا چاہے وہ قرآن میں خدا کو دیکھے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو وہ اس سے تسلی کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں حدیث میں ہے قرآن پڑھنے والے کو حق تعالیٰ خاص محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں

اور اسکی تلاوت کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں بلاشبہ یوں کہنے کہ اللہ تعالیٰ اسوقت اس کو میٹھی میٹھی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ زیادہ لذید ہے اور صاحبو! اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو تم دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھتے ہو کیونکہ دیکھنے کی چند قسمیں ہیں خاص ملا بس کو دیکھنا بھی دیکھنا ہی ہے، دیکھو آفتاب کے دیکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ قرص شمس کو دیکھو ایک صورت یہ ہے کہ دوپہر کے وقت تیزی کی وجہ سے قرص کو تو نہ دیکھو بلکہ شعاعوں کو دیکھو اور ایک صورت یہ ہے کہ دیوار پر دھوپ کو دیکھ لے یہ بھی آفتاب ہی کو دیکھنا ہے (جب بادشاہ کا دربار ہوتا ہے تو بعض لوگ بادشاہ کو دیکھ کر آتے ہیں ایک کہتا ہے کہ بادشاہ کی صورت ایسی ہے شکل ایسی ہے اور ایک کہتا ہے کہ میں نے چہرہ تو نہیں دیکھا کیونکہ میں دُور تھا اور بادشاہ کا رخ دوسری طرف تھا۔ ہاں میں نے بادشاہ کا لباس اور ساز و سامان خوب دیکھا ہے۔ تو دیکھئے دُور سے بادشاہ کا لباس دیکھنے والا بھی اپنے کو دیکھنے والا ہی سمجھتا ہے ۱۲) دُوسرے جس چیز کو عام طور سے ابصار سمجھا جاتا ہے اس میں مرئی کی حقیقت تو مبصر نہیں ہوتی صرف لون مبصر ہوتا ہے چنانچہ جس شے کا لون نہیں ہے وہ مبصر نہیں ہو سکتی جیسے ہوا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں اس کے آثار کو دیکھ کر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میں نے ایسی تیز آندھی دیکھی کہ ایسی سخت ہوا کبھی نہیں دیکھی۔ جب آثار کو دیکھ کر ہوا کو عرفا مبصر کہا جاتا ہے تو اب تبارک و تعالیٰ سے زیادہ کس کے آثار ہیں یقیناً کسی کے آثار، قدرت حق کے آثار سے زیادہ نہیں پھر یہ کہنا کیوں غلط ہے کہ دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں گو مجازاً سہی اور صوفیہ تو یہاں تک کہتے ہیں ہَا رَأَيْتَ شَيْئًا إِلَّا رَأَيْتَ اللَّهَ فِيهِ - اور دوسرے کہتے ہیں إِلَّا رَأَيْتَ اللَّهَ مَعَهُ - اور تیسرے کہتے ہیں إِلَّا رَأَيْتَ اللَّهَ قَبْلَهُ اور یہ سب اقوال صحیح ہیں شاید آپ کو زیادہ اشکال اس میں ہوا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ

کو ہر چیز سے پہلے دیکھتا ہوں مگر اس کی ایسی مثال ہے کہ جب تم کسی چیز کو دیکھتے ہو تو نورِ آفتاب کو اس سے پہلے دیکھتے ہو کیونکہ بدون معونتِ نور کے ابصار نہیں ہو سکتا لیکن اسپر کسی کو بھی التفات نہیں ہوتا کہ ہم نورِ شمس کو اول دیکھ رہے ہیں، صوفیہ کو اول التفات ہر چیز پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے کہ انہوں نے ہم کو وجود دیا اور ہماری نگاہ میں قوت دی اور اس مبصر کو وجود و لون عطا کیا تو ہم نے اس کو دیکھا اب کچھ بھی اشکال نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا وجود اور اس کا خالق و مکنون ہونا تمہارے ابصار سے یقیناً مقدم ہے تو اس کی طرف التفات بھی اگر پہلے ہو تو کیا بعید ہے جب ابصار کی حقیقت معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مابس کو دیکھنا بھی رویت ہے تو اب سمجھئے کہ کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ایسا ہے جیسا آفتاب کی شعاعوں میں آفتاب کو دیکھنا پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کو اس معنی کمرہم دیکھ سکتے ہیں پس اس سے زیادہ اس مسئلہ کی تقریر میں نہیں کر سکتا (اور کی بھی جائے تو سمجھنے والا کہاں ہے ۱۲) اور کوئی دوسرا تو شاید اتنا بھی نہ بیان کر سکتا اسی مضمون کو اس عنوان سے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کلام اللہ نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات بس لا عین لا غیر ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ قرآن کو حق تعالیٰ سے ایسا تعلق ہے جیسا شجاع شمس کو شمس سے۔ اور جب قرآن ایسی چیز ہے تو القول مطلق کا مصداق وہی ہو سکتا ہے یہ تو عقلی دلیل تھی القول سے قرآن کے مراد ہونے کی اور اس آیت کے چند آیات بعد ہی نقلی دلیل بھی مذکور ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانًا فِیْ اٰیٰتِہٖ
 اَمِّیْنَ قرآن کو احسن الحدیث کہا گیا ہے اور یہاں احسنہ فرمایا جس
 کا مرجع قول ہے تو حاصل احسن القول ہوا اور احسن الحدیث و احسن

الْقَوْلِ - کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور اس سے (یعنی قرآن کو حسن الحدیث کہنے سے) یہ معلوم ہو گیا کہ فَيَلْتَبِعُونَ أَحْسَنَهُ میں حسن کی اضافت تغایر کے لئے نہیں بلکہ بیان یہ ہے اسی لئے میں نے اپنی تفسیر میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اتباع کرتے ہیں اس کی اچھی اچھی باتوں کا ہمارے محاورہ میں یہ عنوان اس بات کو بتلاتا ہے کہ اس میں سب ہی اچھی باتیں ہیں۔ قرآن بلا تشبیہ مصری کی ڈلی ہے اگر کوئی مصری کے بارہ میں یہ سوال کرے کہ کدھر سے کھاؤں تو اس سے یوں ہی کہا جائے گا کہ میاں مصری کی ڈلی ہے جہر سے چاہو کھاؤ جہر چاہو منہ مارو۔ مگر کوزہ کی مصری میں تو بانس کے ٹکڑے اور تنکے وغیرہ بھی ہوتے ہیں یہ ایسی مصری ہے جس میں کوئی تنکا اور لکڑی مطلق نہیں۔

حقیقت مطلق تقلید | یہ میں نے اس واسطے کہا تاکہ اس شعر کا غلط ہونا سب کو معلوم ہو جائے۔

من زقرآن مغنہ را برداشتم
استخوان پیش سگاں، انداختم

یہ شعر جاہلوں نے مولانا کی طرف منسوب کیا ہے اور بھی بہت سے شعر مولانا کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر مشنوی میں ان میں سے ایک بھی نہیں، چنانچہ یہ اشعار بھی مولانا کی طرف منسوب ہیں۔

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

ہمچو سبزہ بارہا رویدہ ام

اور یہ شعر بھی ہے

دین حق را چار مذہب ساختند

رنجہ در دین بنی انداختند

اور یہ شعر ہے

چوں صحابہ حب دنیا داشتند

مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

ان کی تو نسبت ہی غلط ہے اور بعض کی نسبت تو صحیح ہے مگر مطلب غلط سمجھا گیا اور اس کو غلط موقع پر استعمال کیا گیا ہے جیسے بعض غیر مقلدین تقلیدانہ کی مذمت میں مولانا کے اس شعر کو پیش کیا کرتے ہیں ۵

خلق را تقلید شان برباد داد

کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

اس میں مولانا نے مطلق تقلید کی مذمت نہیں فرمائی ہے بلکہ خاص تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔

جیسا کہ بریں تقلید میں اشارہ اس خصوصیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اس کا اشارہ الیہ وہ تقلید ہے جس کا اس مقام پر ذکر ہے کہ ایک صوفی ایک خالقاہ میں مہمان ہوا خالقاہ والے ایسے ہی بنے ہوئے حرام خور تھے ان کے یہاں کئی روز سے فاقہ تھا یہ صوفی جو گدھے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا تو خالقاہ والوں نے اس کا گدھارات کو بیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے پکوانے گئے پھر سماع کی مستی سو جھی اور قوال سے کہا کہ سماع کے اندر کسی موقع پر بھی گانا خس برفت و خرفت و خرفنت قوال نے جو کسی موقع پر یہ مصرع گایا تو سارے خالقاہ والے وجد میں آ گئے اور سب نے یہی مصرع کہنا شروع کیا وہ صوفی گدھے والا بھی دیکھا دیکھی یہی کہنے لگا۔ خرفنت خرفنت خرفنت۔ رات کو تو سماع سے فارغ ہو کر سو رہے صبح کو اٹھے اور صوفی صاحب نے سفر کا ارادہ کیا تو گدھاندار و خادم سے پوچھا اُس نے کہا کہ وہ رات سے غائب ہے۔ کہا تم نے اسی وقت ہم کو کیوں اطلاع نہ کی کہا حضور میں تو اطلاع کرنے آیا تھا میں نے یہاں آ کر سب کو دیکھا کہ خرفنت کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں اور ان کے ساتھ آپ بھی خس برفت کہ رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ کو کشف ہو گیا

ہے کہا میں تو انکی دیکھا دیکھی کہ رہا تھا مجھے کیا خبر تھی مولانا اس تقلید کو کورانہ فرماتے ہیں
کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

اس سے مطلق تقلید کی مذمت پر استدلال کرنا حماقت ہے خیر یہ شعر تو مشنوی
میں تھا مگر مطلب غلط بتایا گیا اور یہ شعر تو مشنوی میں ہے ہی نہیں ۷

من ز قرآن مغز را برداشتم
استخوان بہر سگان بگذاشتم

(یہ شعر کفر ہے کفر ہے ۱۲) قرآن میں استخوان و پوست کچھ نہیں سب مغز
ہی مغز ہے بلاشبہ ۔

فضائل قرآن حکیم | قرآن کی ایسی مثال ہے جیسے جنت کی غذا کہ اس میں
ثقل بالکل نہیں سب غذا ہی غذا ہے اسی لئے

وہاں بول و براز کی حاجت نہ ہوگی کیونکہ دنیا میں جو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے
اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی غذا میں جزو لطیف کیساتھ جو کہ خون بنتا ہے جزو کثیف
بھی ملا ہوا ہے اور جنت میں ایسا نہیں جب جنت کی غذا کا یہ حال ہے کہ اس میں
جزو کثیف نہیں تو کلام اللہ جو حق تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اس میں
استخوان و پوست ثابت کرنا کتنی بڑی جرات ہے قرآن کا ہر جزو احسن ہے اور
معنی حسن کو احسن سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن چونکہ سب کلاموں سے افضل
ہے اس لئے اس کے حسن کو احسن کہنا چاہیے یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ طریقہ
تحصیل کمال کا یہ ہے کہ اول علم قرآن حاصل کیا جائے پھر اس پر عمل کیا جائے۔

ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب دوسرا مقدمہ یہ سمجھو کہ علم قرآن کو استماع سے تعبیر کیا گیا ہے
جس سے شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مراد صرف الفاظ کا سننا ہے معانی کا جاننا مطلوب
نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ آگے فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ بھی تو ہے اور اتباع الفاظ

مجردہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ اتباع بعد علم معانی کے احکام کا ہوگا اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ مراد تو علم معانی ہے مگر اسکو استماع سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ معانی کا سمجھنا اسپر موقوف ہے کہ اول الفاظ کو غور سے سنا جائے جو شخص تحصیل علم کے وقت معلم کی تقریر کو توجہ سے نہیں سنتا وہ مراد بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اور جب یَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ سے مراد علم معانی ہے تو اب یہ سمجھو کہ معانی قرآن کے بہت درجات ہیں بعض معانی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ سکتے ہیں غیر رسول نہیں سمجھ سکتا ان معانی کو حضورؐ نے بعض احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ اور بعض معانی کو حضورؐ کے بعد صرف مجتہدین ہی سمجھ سکتے ہیں جن معانی کو مجتہدین نے سمجھا ہے وہ فقہ کے بعض میں مدون ہیں اور بعض معانی کو تمام اہل علم سمجھ لیتے ہیں اور بعض کو ترجمہ کے بعد عوام بھی سمجھ سکتے ہیں اسی کو ایک عارف نے کہا ہے ۛ

صرف حرفش راست در بر معنی

معنی در معنی در معنی

اور ایک عارف کہتے ہیں ۛ

بہارِ عالم حنش دل و جاں تازہ می دارد

برنگ اصحاب صورت را بوار باب معنی را

حقیقت حدیث وفقہ | اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ حدیث وفقہ بھی قرآن ہی ہے بعض احکام تو بلا واسطہ

اور بعض بواسطہ کلیات مدلولہ قرآن کے جن سے حجیت حدیث وفقہ کی ثابت ہے پس سب قرآن ہوا مگر دوسرے لباس میں پس یوں کہنا چاہیے کہ ۛ

حَبَّارُنَا مُشْتَرِكٌ وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ

وَكُلُّ الْخَلْقِ ذَاكَ الْجَمَالِ لِشَيْءٍ

اور ۵ بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدرت را می شناسم

اور لباس کے بدلنے سے جو شخص بدل جاتا ہے مگر شخص کے بدلنے سے ذات نہیں بدلتی جیسا کہ بعض حتماء کا قول ہے اور اسپران کے پاس کوئی دلیل نہیں محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اسپر مجھ کو ایک لطیف یاد آگیا۔ ہمارے یہاں ایک مہمان آئے تھے تو میں نے صبح کے وقت ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ دیکھو یہ مہمان ہیں دوپہر کو کھانا گھر سے لا کر انکو کھلا دینا اور ان کو اچھی طرح پہچان لو (اسوقت وہ مہمان چادر اورٹھے ہوئے بیٹھے تھے) دوپہر کو وہ ملازم صاحب گھر سے کھانا لائے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ وہ مہمان کہاں ہیں مجھے ملتے نہیں حالانکہ وہ اسوقت بھی میرے پاس ہی بیٹھے تھے میں نے کہا اور یہ میرے پاس کون بیٹھے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ چادر تو اوڑھے ہوئے ہیں ہی نہیں۔ میں نے کہا اچھا آپ کے نزدیک شخص کے بدلنے سے ذات بھی بدل جاتی ہے بس چادر اتارنے سے یہ دوسرے آدمی ہو گئے پھر میں نے ان مہمان سے کہا کہ آج سے یہ بات یاد کر لیجئے کہ آپ جہاں کہیں مہمان جائیں تو جس لباس میں وہاں اول اول اُتریں اسی لباس میں آخر تک رہیں ورنہ بھوکے مرد گے کیونکہ دنیا میں ایسے عقلاء بھی ہیں جو لباس کے تبدل سے ذات کو متبدل سمجھتے ہیں یہ تو ایک لطیف تھا جو حتماء کے قول پر یاد آگیا ورنہ اہل عرف کے نزدیک تبدل شخص سے عین نہیں بدلتا پس حدیث وفقہ بھی قرآن ہی ہے گو لباس دوسرا ہے اور فقہ میں جو مسائل منصوصہ قرآن میں ہیں وہ تو قرآن ہی مسائل قیاسیہ مستنبط من القرآن بھی قرآن ہی ہیں کیونکہ فقہاء فرماتے ہیں۔ الْقِيَاسُ مُظْهِرٌ لَا مُبْتَدِئٌ کہ قیاس سے کوئی نئی بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن و حدیث کی مراد ظاہر ہوتی ہے اور کلیات کے واسطے سے سب

ہی قرآن میں جیسا اُوپر مذکور ہوا اور اس مسئلہ کو امام ابو حنیفہؒ نے سب سے زیادہ سمجھا ہے غالباً طلبہ سمجھ گئے ہوں گے (کا نہ اشارۃ الی تجویزہ القراءۃ بالجمیۃ للعاجز عن العربیۃ ۱۲) پس یُسْتَمْعُونَ الْقَوْلَ میں علم قرآن و علم حدیث و علم فقہ سب داخل ہے۔

اور یہ آیت عورتوں کو اس طرح شامل ہے کہ عبادی
منعربی تقلید | میں تغلیباً عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ یہ بات اجماعاً

مسلم ہے کہ احکام کے مخاطب جس طرح مرد ہیں اسی طرح عورتیں بھی ہیں باقی عورتوں کا صراحتہً ذکر نہ کرنا اس میں حکمت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں پس جو احکام مردوں کے لئے ہیں ان کے توابع بھی ان کے مخاطب ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اس طرز میں یہ بات بتلا دی گئی کہ عورتوں کے لئے پردہ ضروری ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے انکے ذکر اور خطاب کو مستور رکھا چنانچہ قرآن میں عورتوں کا ذکر بالاستقلال بہت کم ہے پس حیرت ہے کہ آجکل کے لیڈر خدا سے نیٹر یعنی بے خوف ہو کر عورتوں کی پردہ دری چاہتے ہیں مگر مجھے ان کے غوغا سے کچھ اندیشہ نہیں انشاء اللہ ہماری مستورات پر اس تحریک کا کچھ اثر نہ ہو گا کیونکہ خدا نے عورتوں میں حیا رکامادہ مردوں سے زیادہ رکھا ہے اور حیا خود پردہ دری سے مانع ہے اگر دلائل شرعیہ سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو غیرت و حیا خود پردہ کو مقتضی ہے چنانچہ اسی حیا کی بنا پر ہماری مستورات درزی سے کپڑا نہیں سلواتیں وہ غیر مردوں سے اپنے لباس کا بھی پردہ کرتی ہیں۔ اور جو لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ فقہاء کے اقوال کی خواہ مخواہ اڑ لیتے ہیں فقہاء کے اقوال کو وہ ہم سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ انکو فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا مقصود نہیں ورنہ فقہاء کے دوسرے احکام پر بھی تو عمل کرتے بلکہ ان کو محض یورپ کی تقلید مقصود ہے دیکھئے

یورپ کی تقلید کیا رنگ لاتی ہے۔ ایک جنٹلمین کی حکایت میں نے سنی ہے کہ وہ لندن سے تعلیم پا کر آئے تو ان کے ابا جان اسٹیشن پر استقبال کے لئے گئے۔ صاحبزادے صاحب جو ریل سے اترے تو ابا جان سے ہاتھ ملا کر کہتے ہیں دل بڑھاتم اچھا ہے۔ اس وقت ابا جان کو معلوم ہوا کہ میں نے اس نالائق کو لندن بھیج کر آدمی سے جانور بنا دیا ہے۔ صاحبو! حیرت ہے کہ ہندو جو تمہارے ہمسایہ ہیں انگریزی میں جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں اسی قدر اپنے مذہب میں پختہ ہوتے جاتے ہیں چنانچہ میں نے ایک ہندو کلکٹر کی حکایت سنی ہے کہ وہ روزانہ صبح کو پگڑی باندھ کر اور ماتھے پر تلک لگا کر عدالت میں آتا تھا اور اسی ہیئت سے اجلاس کرتا تھا اگر کوئی مسلمان کلکٹر ہوتا تو ہیٹ پٹون بوٹ سوٹ پہن کر اجلاس کرتا اور اپنے نام کو بھی انگریزی کے قاعدہ سے تحصیل کر کے بدل ڈالتا، چنانچہ ایک مسلمان کا نام حسن علی تھا جب وہ کسی بڑے عہدہ پر پہنچے تو اپنا نام بدلے کر دیا تھا جو حسن علی کی انگریزی ہے۔ اللہ کے بندو! اگر تم کلکٹر بن کر نماز پڑھو روزہ رکھو ڈاڑھی بڑھاؤ اور ہندوستانی لباس پہنو تو کیا تمہارا عہدہ گھٹ جائے گا ہرگز نہیں۔

لباس و لیاقت

بلکہ تجبر یہ ہے کہ ایسے شخص کی عزت حکام کی نگاہ میں کوٹ پٹون والوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ خواجہ عزیز الحسن صاحب کو ایک جرمنی حاکم نے ہندوستانی وضع میں دیکھ کر ایک جنٹلمین مسلمان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کہا یہ ڈپٹی کلکٹر ہیں تو جرمنی نے کہا کہ یہ شخص بہت شریف معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے عہدہ پر پہنچ کر بھی اپنی وضع پر قائم ہے وہ جنٹلمین مسلمان کہتے تھے کہ اسکی اس بات سے میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا کہ جب اس کے نزدیک خواجہ صاحب شریف ہیں تو میں رذیل ہوں گا۔ کیونکہ یہ مسر سے پیر تک انگریزی وضع میں جکڑے ہوئے تھے اگر مسلمان عہدہ دار شیروانی اور ترکی ٹوپی ہی پہن لے تو خیر اس کا مضائقہ نہیں گوہم کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ اوپر شیروانی اور

نیچے گر گابی سر سے پیر تک شرا اور گرگ ہی بن جائیں (آدمی سے درندے ہو جائیں)
 مگر ہیٹ پتلون سے پھر یہ وضع غنیمت ہے (کیونکہ اس میں تشبہ بالکفار تو نہیں ہے) (۱۲)
 مگر اب بعض عورتیں بھی میموں کی تقلید کی حرص کرنے لگی ہیں چنانچہ سر میں ایک کنگھا
 لگاتی ہیں جس سے بال بکھرتے نہیں اور بال بھی انگریزی رکھتی ہیں مگر اب سنا
 ہے کہ میمیں چٹیا کاٹنے لگی ہیں، بس تم بھی چٹیا کاٹنے لگو تو وہ لعنت کا
 کلمہ صادق آجائے گا جو عورتیں کو سننے کے وقت کہا کرتی ہیں کہ تیری ناک چٹیا کاٹو
 گی ہم نے خود تو نہیں دیکھا کیونکہ ہم عورتوں کو قہر تکتے نہیں ہیں چنانچہ فتح پور میں جب
 بڑے گھر کا علاج ہو رہا تھا تو زمانہ شفا خانہ میں ایک امریکن مس الکا علاج کر رہی
 تھی وہ کبھی راستہ میں گاڑی پر ملتی مجھے سلام کرتی تھی مگر میں نے کبھی جواب
 نہیں دیا کیونکہ مجھے اس کے سلام کی خبر ہی نہیں ہوتی تھی پھر اس نے خود ہی ایک
 روز عیسائیوں میں کہا کہ فلاں شخص بہت عقیف معلوم ہوتے ہیں کسی عورت کی
 طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے۔ سو بجد اللہ شریعت پر عمل کی جس قدر توفیق ہے،
 اس کی برکت سے میں تو کسی عورت پر قصداً نظر اٹھاتا نہیں مگر دیکھنے والوں نے
 بیان کیا ہے کہ میمیں چٹیا کاٹنے کے بعد بہت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں جیسے مرد ہوں
 تو جو عورتیں آجکل میموں کی تقلید میں انگریزی بال رکھتی ہیں کچھ تعجب نہیں کہ چند روز
 میں وہ چٹیا بھی کاٹنے لگیں۔ کیونکہ آجکل تقلید یورپ کی یہ حالت ہے کہ ریل میں ایک
 جنٹلمین نے سردی کے زمانہ میں ایک انگریز کو لیمینڈ اور برف پیتے دیکھا تو آپ
 نے بھی لیمینڈ برف پیا مگر وہ انگریز تو برف پی کر بھی کھلے سر بیٹھا رہا اور حضرت
 کلپنے لگے ان کو جاڑا چڑھ آیا لحاف اور کھل میں دبکے تب ہوش درست
 ہوئے تو آجکل بے سوچے سمجھے یورپ کی تقلید کی جاتی ہے۔ مگر افسوس خدا اور رسول
 کے احکام کی تقلید بے سوچے سمجھے نہیں کی جاتی وہاں تقلید سے عار آتی ہے بلکہ ہر

شخص مجتہد بننے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ جہاں یورپ نے کوئی فیشن ایجاد کیا
 اور یا دوستوں نے شریعت سے اسکی دلیل نکالنے کی کوشش کی گویا اہل یورپ
 کا فعل تو غلط ہو نہیں سکتا بس شریعت کے حق ہونے کا معیار انکے نزدیک ہے کہ
 وہ یورپ کی ہر بات کو صحیح کہتی ہے اور اس کی دلیل بھی بتلاتی ہے اگر ایسا نہ ہو
 تو شریعت غلط ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ چنانچہ پردہ دری کا
 سبق ان جنٹلمینوں نے اول یورپ سے سیکھا پھر اس کوشش میں لگے کہ شریعت سے
 اسکی دلیل نکالی جائے اب لگے فقہاء کے اقوال کی غلط تاویلیں کرنے اور آیات
 میں تحریف کرتے اگر ان لوگوں نے یہ سبق اولاً شریعت سے سیکھا تھا تو اب تک
 کہاں سوہنے تھے اور ان کے باپ دادا کیا سالے جاہل ہی تھے کہ وہ تو شریعت
 سے اس مسئلہ کو نہ سمجھے اور یہ لوگ لندن جا کر سمجھ گئے کچھ نہیں ان لوگوں نے شریعت
 کو کھیل بنا رکھا ہے کچھ تعجب نہیں کہ کچھ دنوں میں عورتوں کی چٹیا کاٹنے کا مسئلہ
 بھی شریعت میں ٹھونسنے لگیں۔ افسوس یہ ہے کہ تقلید یورپ لوگوں کو ایسا ہینہ
 ہوا ہے کہ اسباب راحت بھی انکی تقلید میں ترک کر دیتے ہیں اور اسباب زینت بھی
 چنانچہ مردوں کے لئے ڈاڑھی اور عورتوں کے لئے زلفیں اسباب زینت میں سے
 ہیں مگر محض تقلید کی بنا پر لوگ اس زینت کے دشمن ہو رہے ہیں اور اسباب
 راحت کے ترک کرنے کی یہ صورت ہے کہ جنٹلمین سردی کے سفر میں رضائی بسترہ
 ساتھ لینے سے عار کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں پانی کا برتن ساتھ نہیں لیتے ہمیشہ
 بیک بینی و دو گوش سفر کرتے ہیں چنانچہ مولانا جمعیت علی صاحب رحمہ اللہ (قاضی
 پوری والد ماجد مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہ) ناظم مدرسہ مظاہر علوم بہار پور (۱۲۰۸)
 جو بہار پور ریاست میں دینیات کے پروفیسر تھے ایک دفعہ بہار پور سے آ رہے تھے
 چونکہ ادھر گرمی بہت ہے اور پانی کی بھی قلت ہے اس لئے مولانا نے اپنے ساتھ

صراحی وغیرہ پانی کے برتن لے رکھے تھے ریل میں ایک جٹلمین سوار تھے وہ صراحی وغیرہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ بھنگیوں جیسے برتن آپ نے کیوں ساتھ لئے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جیسے ہم ہیں ویسے ہی ہمارے برتن ہیں پھر جب گرمی زیادہ ہوئی اور جٹلمین صاحب کو پیاس لگی اور پانی تو اسٹیشن پر بھی نہ ملا چونکہ پیاس بہت لگ رہی تھی اس لئے وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بار بار مولانا کی صراحی کو تک رہے تھے مولانا جمعیت علی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ یہ صراحی سے پانی پینا چاہتے ہیں مگر شرم کی وجہ سے میرے سامنے نہیں پی سکتے کیونکہ ابھی صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے تو مولانا نے غایت کرم کی وجہ سے لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ سو گئے ہیں چنانچہ کچھ دیر کے بعد جب وہ یہ سمجھ گئے کہ مولانا واقعی سو گئے تو جٹلمین اپنی جگہ سے اہستہ آہستہ اٹھے اور صراحی اٹھا کر منہ سے لگائی مولانا جمعیت علی صاحب کہتے تھے کہ جی میں تو یہ آیا تھا کہ صراحی کو ہاتھ لگاتے ہی انکا ہاتھ پکڑ لیتا مگر میں نے رحم کیا کہ غریب پیاسا ہے پانی پی لے تو کہوں گا چنانچہ جب وہ خوب پانی پی چکے اور صراحی ہاتھ سے رکھ دی تو میں فوراً بیٹھ گیا اور میں نے کہا کیوں صاحب! یہ کیا حرکت تھی کہ آپ نے بھنگیوں کے برتن سے پانی پیا (اور وہ بھی چوری سے) اب تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور ندامت کے مارے اوپر کو سر نہ اٹھا سکے غرض مولانا نے انکی خوب ہی خبر لی پھر ان کو یہ معلوم ہوا کہ مولانا کالج بہاولپور کے پرنسپل دینیات ہیں تو عہدہ معلوم کر کے ان پر بڑا اثر ہوا اور معافی چاہنے لگے۔ آجکل یہ بھی جٹلمینوں کی ایک حماقت ہے کہ لباس کو معیار لیاقت سمجھتے ہیں جن کا لباس معمولی ہوا کو لیاقت سے خالی سمجھتے ہیں چنانچہ جب میں شملہ گیا اور جمعہ کے بعد بیان کے لئے کھڑا ہوا تو ایک صاحب نے کرنل عبدالحمید خاں صاحب سے جو ہمارے وعظ کے مشہر تھے کہا کہ آپ کے علمائے کال لباس ایسا ہے جیسے ابھی پاخانہ سے آئے ہوں۔

کرنل عبدالمجید خاں صاحب نے کہا اس سوال کا جواب میں ابھی نہیں دینا چاہتا کیوں کہ وعظ شروع ہونے کو ہے۔ وعظ کے بعد جواب دوں گا پھر وعظ کے بعد انہوں نے کہا کہ صاحب فرمائیے آپ کیا کہتے تھے تو وہ نادم ہو کر کہنے لگے کہ ہماری حماقت تھی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ لیاقت کا معیار لباس ہے مگر آج اپنی حماقت معلوم ہوئی۔ مجھے جب اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو دوسرے بیان میں میں نے ان کی خوب خبر لی۔ یہ گفتگو تقلید یورپ پر چلی تھی اور میں نے کہا تھا کہ بعض عورتوں میں بھی یہ رنگ آنے لگا ہے مگر یہ وہ ہیں جو باہر شہروں میں جا کر رہنے لگی ہیں ورنہ قصبات کی اکثر عورتیں ابھی تک اس سے محفوظ ہیں اور عورتیں جو میم بننے کی کوشش کرتی ہیں یہ ان کی حماقت ہے وہ کہاں تک میم بنیں گی میمیں تو بسدوق چلاتی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگی بھاگی پھرتی ہیں اور تم چاہے کتنی ہی تقلید کرو وہی اونی کہنے والی رہو گی۔

ضرورت تعلیم نسواں | میں عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں مگر یہ کہتا ہوں کہ تم ان کو مذہبی تعلیم دو اور زیادہ ہمت ہو تو عربی علوم کی تعلیم دو اور اس کے لئے زیادہ ہمت کی قید اس لئے ہے کہ عربی کے لئے زیادت فہم اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ دوسرا نکتہ عبادی کے ساتھ ایمانی نہ کہنے میں یہ ہے کہ گویا عورتوں کو تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں وہ تو بدول کہنے بھی خود دین کی طرف توجہ کریں گی۔ کہنے کی ضرورت صرف مردوں کو ہے چنانچہ مردوں کو تو مذہب میں شبہات بھی پیش آتے ہیں اور عورتوں کو شبہات بھی پیش نہیں آتے عمل میں اور فہم میں تو عورتیں کم ہیں مگر اعتقاد میں بڑی پختہ ہیں دین میں بڑی پختگی ہیں اور عمل و فہم میں جو عورتیں کم ہیں اس میں بڑا قصور مردوں کا ہے کلاسے انہوں نے ان کے مادہ کو کمزور کر رکھا ہے کیونکہ وہ انکی تعلیم کا انتظام نہیں

کرتے اگر وہ عورتوں کو مذہبی تسلیم دیں تو ان کا عمل و فہم بھی زیادہ ہو جائے اور اس کا
 سب سے بہتر اور آسان طریقہ تو یہ ہے کہ مرد خود تسلیم حاصل کریں پھر عورتوں کو پڑھائیں
 اور اگر تم خود پڑھے ہوئے نہ ہو تو علماء سے مسائل پوچھ لو پوچھ کر والوں کو زبانی ہی
 تسلیم دو دیکھو اللہ تعالیٰ نے دین کو کتنا سستا اور آسان کر دیا ہے کہ محض سننے سنائے
 سے بھی دین حاصل ہو سکتا ہے یَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے
 کہ حصولِ علم دین کے لئے توجہ سے سننا اور دوسرے کا زبانی تقریر کرنا کافی ہے تو تم اتنا
 ہی کم و کر دو کہ اردو میں جو رسائل احکام شرعیہ لکھے گئے ہیں ایک وقت مقرر کر کے
 اپنی مستورات کو وہ رسائل پابندی سے سنا دیا کرو مگر اب تو یہ حالت ہے کہ گھر
 جا کر سب سے پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ کھانا لپکایا نہیں اگر کھانا تیار ہو ادا
 ذرا نمک تیز ہو گیا تو اب گھر والوں پر نزلہ اتر رہا ہے ڈپٹی نذیر احمد خاں نے
 خوب کہا ہے کہ ہماری بیبیاں کیا ہیں مقرب مائیں ہیں، غرض سب کچل مردوں کو نہ عورتوں
 کے دین کی فکر ہے نہ دنیا کی فکر ہے بس اپنی راحت کی فکر ہے، رات دن
 عورتوں سے اپنی خدمت لیتے رہتے ہیں کبھی چولہے کی اور کبھی کپڑا سینے کی اور یہ حالت
 ہمارے ہی صوبہ میں ہے ورنہ عرب اور بھوپال میں مردوں کی یہ مجال نہیں کہ عورتوں سے
 اس طرح خدمت لے سکیں وہاں تو روزِ خلع و طلاق کا بازار گرم رہتا ہے اور عورتیں
 ہر دن قاضی کی عدالت پر کھڑی رہتی ہیں پھر چاہے خطا عورت ہی کی ہو مگر
 فیصلہ اکثر مرد کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر حکام عورتوں ہی کو مظلوم سمجھتے ہیں وہاں
 کی حالت دیکھ کر ہمارے یہاں کی عورتوں کی قدر ہوتی ہے کہ واقعی یہ توحشت کی خوریں
 ہیں۔ مگر صورت میں نہیں بلکہ ایک خاص صفت میں بلاشبہ اس صوبہ کی عورتیں
 حوروں کے مشابہ ہیں وہ یہ کہ ان میں حوروں کی طرح قِصَاتِ الطَّرَفِ کا وصف
 ہے کہ یہ اپنے خاوند کے سوا غیر مرد کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتیں بلکہ بعض کے

دل میں تو عمر بھر دوسو سو بھی نہیں آیا۔ مولانا عبدالحق صاحب کا پوری جو بہت حسین جیل
تھے اور جوانی میں تو انکا حسن و جمال بہت ہی مشہور تھا وہ اپنی جوانی کا قصہ بیان
فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہم بہلی میں سفر کر رہے تھے اور ہمارا بھلوان بہت ہی
سیاہ فام تھا راستہ میں اس کا گھر آیا تو اس نے قریب پہنچ کر بیوی کو آواز دی وہ
جو باہر آئی تو ہم کو حیرت ہو گئی کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ مولانا فرماتے تھے
کہ میں نے غور کیا کہ دیکھوں یہ میری طرف بھی نظر کرتی ہے مگر توبہ اس نے آنکھ اٹھا کر
بھی نہیں دیکھا کہ گاڑی میں کون سوار ہے وہ برابر ہنس ہنس کر اپنے خاوند سے ہی
باتیں کرتی رہی اور اس کے کھانے پینے کا سامان دیکر رخصت ہو گئی جس صوبہ کی
جاہل اور کم درجہ کی یہ حالت ہے اس میں شریف زادیوں کی کیا حالت ہوگی خود
سمجھ لیجئے۔ تو کیا ان عورتوں کی یہی قدر ہے کہ مردوں نے انکو جاہل بنا رکھا ہے نہ
ان کے دین کی فکر ہے نہ دنیا کی نہ آرام کی نہ راحت کی، بس مردوں کے نزدیک
نکاح کا میزان کل یہ ہے کہ بانی کے ذریعہ سے بابا ہو جائیں گے۔ یاد رکھو! یہ
بڑا ظلم ہے جو ہم نے عورتوں پر کر رکھا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ خود بھی کامل بنیں اور
اپنی عورتوں کو بھی کامل بنائیں جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا
ہے کہ اول علم دین حاصل کرو پھر عمل کا اہتمام کرو اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ
جب یَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ سے مراد قرآن ہے اور قرآن میں سب دین داخل ہے
اور سارے دین کا علم اور عمل دفعۃً ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا تو ہم نے علم و عمل کا اہتمام
م شروع بھی کیا جب بھی نہ معلوم کب اور کس وقت اس آیت کے مصداق بنیں گے
اس کا جواب ہے کہ شریعت میں عزم اتباع بھی بحکم اتباع ہے تم جس وقت سے
عزم کر لو گے اسی وقت سے اس آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔ غرض علم و عمل کا اہتمام
نہایت ضروری ہے جس کے لئے اس آیت کے علاوہ اور بھی بہت دلائل موجود ہیں۔

طریق تعلیم نسواں

اور اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اول مرد علم حاصل کریں پھر عورتوں کو پڑھائیں یہ نہ ہو سکے تو اردو رسائل گھر والوں کو سنائیں مگر ان رسائل کی تعین کسی محقق عالم سے کرائیں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو علماء سے زبانی مسائل پوچھ کر عورتوں کو بتلایا کریں اس کے سوا جو دوسرے طریقے آجکل نکالے گئے ہیں مثلاً زنانہ اسکولوں کے ذریعہ سے یا زنانہ مدارس کے ذریعہ سے تعلیم دینا یہ تو سم قاتل ہے میرا ایک وعظ حقوق البیت ہے اس کے آخر میں اس پر مفصل کلام کیا گیا ہے جو قابل مطالعہ ہے میں مدارس نسواں کو بھی پسند نہیں کرتا خواہ کسی عالم ہی کے تحت میں ہوں میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو ورنہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو بعد میں پچتاؤ گے بس اسکولوں اور مدرسوں کو چھوڑو عورتوں کو گھر میں ہی رکھ کر تعلیم دو اگر عربی میں تعلیم دو تو سبحان اللہ ورنہ اردو ہی میں دینا چاہیے بالکل ٹھوس رکھنا بہت واہیات ہے رہا لکھنا تو یہ نہ واجب ہے نہ حرام ہے اس کو لڑکیوں کی حالت دیکھ کر تجویز کیا جائے جس لڑکی میں جھینپ اور حیا و شرم ہو اس کو لکھنا سکھلاؤ اور جس میں بیباکی اور آزادی ہو اس کو ہرگز نہ سکھلاؤ اور سکھلانے کے بعد بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے مثلاً ایک احتیاط یہ کی جائے کہ لڑکیوں کو منع کیا جائے کہ کسی عورت کے خاوند کے نام اس عورت کی طرف سے بھی خط نہ لکھیں خواہ وہ کتنی ہی خوشامد کرے کیونکہ وہ مرد یہ تو جانتا ہے کہ میری بیوی جاہل ہے کسی دوسرے سے خط لکھوایا ہے اور بعض لوگ طرز تحریر سے معلوم کر لیتے ہیں کہ لکھنے والی عورت ہے اور طرز تحریر ہی سے اس کی طبیعت کا اندازہ کر لیتے ہیں پھر ان کو بعض دفعہ لکھنے والی کی طرف میلان ہو جاتا ہے جب سفر سے آتے ہیں تو خط لکھنے والی کے واسطے بھی ہدایا تحائف لاتے ہیں اور اس طرح میل جول اور اس کے ذرائع پیدا کر کے فتنہ کھڑا

کر دیتے ہیں۔

نیز لڑکیوں کو یہ بھی تاکید کریں کہ جو خط لکھیں اسے اپنے گھر کے مردوں کو دکھلا دیا کریں تاکہ ان کے دل میں کسی طرح کا شبہ اور وہم نہ پیدا ہو۔ ایک یہ بات بھی ضروری ہے کہ لفافہ پر پتہ عورتیں اپنے قلم سے نہ لکھیں بلکہ مردوں کو لکھوایا کریں کیونکہ بعض دفعہ ٹکٹ میلا ہونے کی وجہ سے کوئی مقدمہ سرکاری قائم ہو جاتا ہے تو عورتوں پر واروگیر نہ ہو بلکہ مردوں سے گرفت ہو اور مردوں کا عدالت میں جانا کچھ مضائقہ نہیں ایک جگہ ایسا قصبہ ہو چکا ہے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے یہ تفصیل ہے کتابت سکھانے میں۔ اب آجکل بعض کی تویہ حالت ہے کہ کتابت کو عورتوں کے لئے مطلقاً حرام سمجھتے ہیں یہ بھی غلو ہے اور بعض نے اس کو اتنا جائز کر دیا ہے کہ اخباروں میں عورتوں کے مضامین چھپتے ہیں جس میں صاحب مضمون کا پورا نام اور پتہ درج ہوتا ہے بس آج کل ہماری یہ حالت ہے۔

بچوں کو سنہ می شوی سگ می شوی

ہونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

ہر طرف افراط و غلو ہے تنگی کریں گے تو حرام سے ادھر نہ رہیں گے

اور وسعت دیں گے تو پردہ دری سے ادھر نہ رہیں گے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی

تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بعض لوگ عورتوں کو ناول اور فحش قصوں کی کتابیں پڑھاتے ہیں یا پڑھنے کی

اجازت دیتے ہیں اس سے جس قدر فتنہ برپا ہوتا ہے حیا داروں پر مخفی نہیں اس

لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم کا کو رس کسی عالم محقق سے تجویز کراؤ اپنی رائے

سے تجویز نہ کرو۔ بس مجھے اس وقت یہی مضمون بیان کرنا تھا جس کو میں نے اس

آیت سے مستنبط کیا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح پر بشارت کو ختم فرماتے ہیں جو علم و عمل کا اہتمام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ وَلِيكَ هُمْ أُولَئِكَ لَا تَبَابُ ۝

کہ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی ہیں جو (درحقیقت) عقلاء ہیں اس میں دو کمالات مذکور ہیں ایک ہدایت یہ تو کمال شرعی ہے اور ایک عقل یہ کمال دنیوی ہے۔

خلاصہ یہ کہ علم و عمل ہی سے کمال شرعی حاصل

ہوتا ہے اور اسی سے کمال دنیوی یعنی عقل حاصل

ضرورت علم و عمل

ہوتی ہے عقلاء حقیقت میں ہیں وہی ہیں جو علم و عمل کے جامع ہیں نہ وہ جنکو تم عقلاء سمجھتے ہو۔ آج کل عقلمند وہ شمار ہوتا ہے جو چار پیسے کمانے کی قابلیت رکھتا ہو، خواہ اس کو علم دین اور عمل حاصل ہو یا نہ ہو چنانچہ اسی لئے انگریزی پڑھنے والے اپنے کو عقلاء اور اہل علم کو غیر عاقل سمجھتے ہیں مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ علم دین حاصل کر چکے ہیں ان کے سامنے بڑے بڑے انگریزی داں جس نے علم دین حاصل نہ کیا ہو بوقوف ہے اگر ان کو شک ہو تو ذرا کسی عالم سے گفتگو کر کے دیکھ لیں جو دوی منٹ میں اپنی بیوقوفی کا اقرار نہ کر لیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلمند ان ہی کو کہا ہے جو علم دین و عمل حاصل کر لیں اور ان کے سوا ان لوگوں کو جو دنیا کی ترقی اور قابلیت میں تم سے بھی دُشِ قِرم آگے تھے اللہ تعالیٰ نے اُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ فرمایا ہے کہ یہ جانوروں سے بھی زیادہ بیوقوف ہیں کیونکہ جانور بھی اپنے مصالح و مضار سے واقف ہیں اور یہ آدمی ہو کر اپنے مصالح و مضار سے ناواقف ہیں تو یہ جانور سے بھی بدتر ہیں اب بتلاؤ جس کو خدا عقلمند کہے وہ عقلمند ہے یا جس کو تم عقلمند کہو لَقِينَا خدا ہی کا قول سچا ہے پس ہدایت عقل

کامعیار علم و عمل ہے اسی پر ہدایت و عقل کا مدار ہے اور جو شخص علم دین اور
عمل سے محروم ہے وہ یقیناً گمراہ اور بیوقوف ہے ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی اہل یورپ کو عقلمند کہتا تو نہایت برہم ہوتے
اور فرماتے تھے کہ جو قوم خدا کو بھی نہ پہچانے وہ خاک عقلمند ہے ہاں یوں کہو کہ
چاقو قینچی بنانا خوب جانتے ہیں یعنی کاریگر اچھے ہیں اور صنعت کو عقل سے کیا
واسطہ عقل کا کام علم و معرفت ہے اس سے ان لوگوں کو مس بھی نہیں خلاصہ بیان
کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستحق بشارت فرمایا ہے جو شرک سے بچتے اور
توحید اختیار کرتے اور علم و عمل کا اہتمام کرتے ہیں اور ان ہی کو اہل ہدایت اور
عقلاء کا خطاب دیا ہے پس ہم کو ہدایت و عقل کا کمال حاصل کرنے کے لئے علم و
عمل کا اہتمام کرنا چاہیے اب میں ختم کرتا ہوں اور اس بیان کا نام **الْاِسْتِمَاعُ**
وَالْاِتِّبَاعُ لِلْسَادَةِ وَالْاِتِّبَاعُ تجویز کرتا ہوں اور لقب نوید جاوید رکھتا ہوں
اس لقب کے جزرہ اول میں محرکہ کے نام کی رعایت ہے۔ نوید کے معنی بشارت کے
ہیں اور بشارت قرآن میں جہاں بھی ہے دائمی ہے اس لئے اس کے ساتھ جاوید
بڑھا دیا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور ہم سلیم عطا فرمائیں۔
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ
خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ :

اشرف علی

۱۷ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ

دعوات عبدیت کا دوسرا وعظ

ملقب بہ

منارۃ الہوی

عورتوں کی اصلاح کے متعلق یہ وعظ جناب عبدالحفیظ صاحب سوداگر
میرٹھ صدر بمبئی والے کے مکان پر ۲۳ رجب ۱۳۲۵ھ کو تقریباً
ایک گھنٹہ بیٹھ کر بیان فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی۔
علامہ مستورات مولانا محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

خطبہ الحمد لله حمداً ونستعينه ونستغفره ونؤمن به
ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا
ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله
فلا هاد له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد
ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى
آله واصحابه وبارك وسلم۔

اقابل فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا يؤمن
احدكم حتى يكون هوالا تبعا لما جئت۔

تہہ یہ ایک حدیث ہے ترجمہ یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان نہیں
ہوتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے
جس کو میں حق تعالیٰ کے پاس سے لایا ہوں یعنی شریعت کے۔ یہ چھوٹی سی حدیث ہے
لیکن جامع ہے تمام باتوں کو۔ اس مضمون کی عورتوں کو زیادہ ضرورت ہے
اسی واسطے اس کو اختیار کیا گیا یوں تو مسلمانوں کی حالت عموماً جیسی کچھ
بگڑی ہوئی ہے معلوم ہے مگر عورتوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔
یہ اپنی ذہن کی ایسی پکی ہوتی ہیں کہ دین تو کیا دنیا کی بھی بربادی کا ان کو

خیال نہیں رہتا رسموں کے سامنے اور اپنی ہنٹ کے سامنے چاہے کچھ بھی نقصان ہو جائے کچھ پروا نہیں کرتیں بعض عورتیں ایسی دیکھی جاتی ہیں کہ ان کے پاس مال تھا کسی شادی یا کسی تقریب میں لگا کر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئیں اور ہر وقت مصیبت اٹھاتی ہیں مگر لطف یہ ہے کہ اب تک بھی ان رسموں کی برائی ان کو محسوس نہیں ہوئی یوں کہتی ہیں کہ ہم نے فلانے کے ساتھ بھلائی کی اُس کی شادی ایسی دھوم دھام سے کر دی۔ یہ سب رقم ہماری خدا کے یہاں جمع ہے جیسی جمع ہے آنکھ مچتے ہی معلوم ہو جاوے گا جب دنیا تک کی تکلیفیں جو کہ ان کے سامنے اُن پر اثر نہیں کرتیں جو حالانکہ بالکل محسوس ہیں تو آخرت کی تکلیفوں کو وہ کب خیال میں لاتی ہیں جو ابھی محض ہیں خیر عورتوں کی کیا شکایت میں مردوں کو بھی کہتا ہوں کہ کہیں شاذ و نادر ایسا ہوتا ہو کہ ایک بات کو کسی کا جی چلے پھر وہ اتنا سوچ لے کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے یا نہیں بس جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے۔

اور جو اس کام میں کوئی دنیا کی بھی مصلحت ہو تو اس صورت میں یہ خیال آنا تو درکنار کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے یا نہیں اگر کوئی یاد بھی دلاتے کہ یہ کام جائز نہیں تو کبھی نہ سنے اور جو سنے بھی تو کھینچ تان کر اس کو جائز ہی کر کے چھوڑے ویسے کرنا تو ایک ہی گناہ تھا اب یہ جہل مرکب ہو گیا اور اصرار علی المعصیت کا مرتبہ ہو گیا۔

گناہوں سے اجتناب کی صورتیں | اور ہم لوگ جن گناہوں سے بچے ہوئے بھی ہیں اس کی وجہ یہ

نہیں ہے کہ اُن کو گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے بلکہ اکثر یا تو وجہ یہ ہے کہ ہم کو اس پر قدرت نہیں جیسی کسی کی نوکری ایسی ہے کہ اس میں رشوت کا سلسلہ ہی نہیں

وہ رشوت سے بچا ہوا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ گناہ سے ڈرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ رشوت ملتی ہی نہیں عصمت بنی بنی است از بے چادری اور بعضے گناہوں سے اس وجہ سے بچے ہوئے ہیں کہ ان کی ہم کو ضرورت نہیں پڑتی مثلاً الحمد للہ زیادہ تر مسلمان شراب خوار نہیں ہیں نہ اس وجہ سے کہ شراب کو گناہ سمجھ کر چھوڑا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی کوئی ضرورت ذہن میں نہیں آتی تو بچنا کوئی کمال نہ ہوا۔ کمال تو یہ ہوتا کہ قدرت اور رغبت ہوتی پھر اس سے خدا سے ڈر کر بچتے غرض جن گناہوں سے ہم بچے ہوئے ہیں وہ علاوہ خوفِ حق کے کسی اور وجہ سے چھوڑ رکھے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے وہ آدمی جو شراب نہیں پیتے تارک الصلوٰۃ ہیں یہ شراب چھوڑنا ان کا اگر معصیت کے خوف سے ہوتا تو نماز بھی نہ چھوڑتے کیونکہ یہ بھی معصیت ہے۔ اور جب نماز چھوڑتے ہیں اور شراب نہیں پیتے تو معلوم ہوا کہ شراب سے کوئی ایسا مانع موجود ہے جو ترکِ صلوٰۃ سے نہیں ہے اور وہ خوفِ معصیت کے علاوہ ہے کیونکہ معصیت تو دونوں میں مشترک ہے اور وہ مانع چاہے یہ ہو کہ شراب سے نقصان ہوتا ہے یا یہ ہو کہ دامِ خرچ ہوتے ہیں یا یہ ہو کہ اس کا کبھی ارادہ نہیں ہوا یا یہ کہ اس میں بدنامی ہے اور یہ مرض کچھ عام ہی لوگوں میں نہیں خواص بھی علی العسوم اس میں مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ جو لوگ بھلائے نماز کے پابند ہیں یہ سن کر تو وہ خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم شراب نہیں پیتے اور تارک الصلوٰۃ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اتنا اور سمجھیں کہ معصیت صرف ترکِ صلوٰۃ ہی نہیں ہے بہت سے معاصی ایسے ہیں کہ جن میں یہ لوگ بھی پڑے ہوئے ہیں تو پھر وہی الزام عائد ہو گیا کہ منا ہی سے اجتناب اور اوامر کی بجا آوری حق تعالیٰ کے خوف سے نہیں کیونکہ اگر خوف سے ہوتی تو ان منا ہی میں کیوں پڑتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اعمال یعنی

مشراب سے بچنا اور نماز کا پابند ہونا بھی صرف ایک رسم اور عادت ہے خوف کی وجہ سے نہیں۔

وہ منا ہی سنئے جن میں نمازی بھی مبتلا ہیں، وہ غیبت اور تفاخر اور تکبر ہے ان سے بچنے والے بہت کم ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی چور باقی ہے۔ شراب پینا اور نماز کا پابند ہونا ابھی کمال کے مرتبہ میں نہیں آیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص غیبت یا تفاخر وغیرہ میں مبتلا ہو وہ نماز کو بھی چھوڑ دے اور شراب بھی پینے لگے کیونکہ بُرائی سے نجات جس طرح بھی ہو عادت یا عجزاً یا کرہاً بہر حال قابلِ شکر ہے کیونکہ اُس سے برائت تو رہی اور اس عذاب کا تو خوف نہ رہا جو اس پر موعود ہے۔ جو چاہے کچھ بھی ہو جیسا کہ ایک شخص کو سانپ کاٹنے والا ہوا اور وہ شخص اپنی نادانگہی سے اس سے نہ بچ سکے۔ لیکن کوئی واقف آدمی سانپ کو مار کر اس کو بچا دے تو بہر حال یہ شخص موت کے منہ سے تو بچ گیا اگر اپنے ارادہ سے بچتا تب بچتا اور اگر دوسرے کے ارادہ سے بچ گیا تب بھی بچ گیا۔ بہر حال گناہ سے بچنا ہر حال میں بہتر ہی ہے ہاں اکمل درجہ اس کا وہ ہے کہ معصیت کے خوف سے بچے اور اس درجہ کی شناخت یہ ہے کہ سب گناہوں سے بچے۔ جس کو خدا تعالیٰ یہ درجہ نصیب کرے سبحان اللہ اسی پر موعود ہے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ فِیْہَاۤیَ لَاۤ اِغْرَیْکُمْ تَلْذٰتُہَاۤیَ فَوَاتَاۤ اِنَّ فِیْہَاۤیَ لَاۤ اِغْرَیْکُمْ تَلْذٰتُہَاۤیَ فِیْہَاۤ اَعْیُنٌ مَّجْرٰیۃٌ فِیْہَاۤیَ لَاۤ اِغْرَیْکُمْ تَلْذٰتُہَاۤیَ فِیْہَاۤ اَعْیُنٌ مَّجْرٰیۃٌ فِیْہَاۤ اَعْیُنٌ مَّجْرٰیۃٌ

ترجمہ :- (جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا

ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہے جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے دو باغ ہیں سوائے جنس و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں سے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دو باغوں میں دو چشمے ہوں گے بہتے ہوئے چلے جائیں گے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوں گی (یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے خوف سے گناہ سے بچے اس کی جگہ جنت ہی

ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کے لئے دو جنتیں ہیں کہ ان میں نہریں ہیں اور طرح طرح کے نعیم ہیں لیکن اس درجہ کا تو کیا ذکر ہماری تو یہ حالت ہے کہ ہم معاصی کہتے جاتے ہیں اور دل میں کبھی کھٹکا بھی نہیں ہوتا کہ یہ گناہ ہوا۔ بلکہ ان معاصی پر فخر کرتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ذرا سی نوکری میں اتنا روپیہ کما لیا یہ ہمارا ڈھنگ اور چالاکی ہے۔ دھوکہ دے کر اور معاملات ناجائز کر کے ساری عمر روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں پھر اس کو ہنر سمجھتے ہیں یہ وہ حالت ہے جس کو موت قلب کہتے ہیں اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے۔ کیونکہ توبہ کی حقیقت ہے ندم یعنی پشیمانی اور پشیمانی اسی کام سے ہوا کرتی ہے جس کی بُرائی ذہن میں باقی ہو۔ اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اُس پر فخر کرتے ہیں تو پھر پشیمانی کہاں ؟

یہ تو ان گناہوں کی حالت ہے جن کو ہم گناہ سمجھتے تھے مگر چند روز عادی ہو جانے کی وجہ سے غفلت ہو گئی۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کی طرف آج کل خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی بُرا ہوتا ہے اور یوں تو گناہ سب ہی بُرے ہیں، لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو علی العموم عادت اور رواج میں داخل

ہو گئے ہوں۔ کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہو گئی ہیں حتیٰ کہ ان کی بُرائی ذہن سے
دُور ہو گئی اور بجائے اس کے اُن کی ضرورت اور بھلائی دلنشین ہو گئی ہے اُن کے
چھوٹنے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ آدمی چھوڑتا اس چیز کو جس کی بُرائی خیال میں
میں ہو، اور جس چیز کی بُرائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا۔
اُن گناہوں کو میں مختصراً بیان کرتا ہوں۔

احکام کی قسمیں | پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کی حقیقت ہے
خدا کے حکم کو بجا نہ لانا اور ان احکام کی کئی قسمیں ہیں
ایک وہ جو کہ عقائد کے متعلق ہیں۔ اور ایک وہ جو عمل کے متعلق ہیں، اور بعض
معاملات کے متعلق ہیں اور بعض حقوق عباد کے۔ میں ان کو ترتیب وار مختصر مختصر
بیان کرتا ہوں۔ اول عقائد کے متعلق سنئے :

عقائد | ان حقوق کا بجا لانا یہ ہے کہ عقائد جیسے خدا تعالیٰ نے بیان فرمائے
ویسے ہی رکھے جائیں، لیکن ان میں بھی بہت فساد آگیا اور
ان کو جو کچھ خراب کیا جہالت نے کیا، عورتوں میں تو عام رواج ہے کہ پڑھنے پڑھانے
کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتیں، جس کی طبیعت بچپن سے جس طرف کو چل جائے
اُسی طرف چھوڑ دی جاتی ہے۔

کیوں بی بیو! اپنی لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینا پر ونا کیوں سکھاتی ہو ان
کاموں میں بھی ان کو اپنی طبیعت پر چھوڑ دو پھر دیکھو بڑے ہو کر کیا لطف آتا
ہے، ان کو اپنی زندگی کا ٹنڈو شوار ہو جائے گی حالانکہ دنیا کی زندگی بہت محدود
ہے۔ فرض کر لو کہ سو برس تک جئے گی اگر کھانا پکانا سینا پر ونا نہ بھی جانتی
ہو گی تو آرام و عزت سے نہیں تکلیف اور ذلت سے ہی کسی طرح اس عمر کو
کاٹ ہی لے گی۔ لیکن زندگی آخرت بلا وہاں کے کام سیکھے ہوئے نہ کٹے گی،

کیونکہ وہ دائمی ہے۔

جب تم دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے اتنے ہنر سکھانے کی ضرورت سمجھتی ہو تو اس زندگی کی نسبت کیا خیال ہے جو اس سے کہیں زیادہ اور دشوار ہے۔ از روئے قاعدہ اگر محدود زندگی کے لئے دس ہنروں کی ضرورت ہے تو غیر محدود کے لئے ہزاروں ہنروں کی ضرورت ہونی چاہیے مگر افسوس ہے کہ ہزاروں کی جگہ سیکڑوں بھی نہیں بلکہ اتنے بھی نہیں جتنے کہ دنیا کے لئے سکھائے جاتے ہیں۔ آخرت کے بارہ میں لڑکیوں کو بالکل مخفیٰ بالاطمع چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ضرورتِ علمِ دین | اب ایک بلا اور چلی ہے کہ اگر کسی کو تسلیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو لڑکیوں کو بھی انگریزی تسلیم دلاتے ہیں انگریزی نے مردوں کو بڑی فلاح دی تھی جو عورتوں کو دے گی۔ مرد ہو یا عورت سب کو پہلے ضرورت ہے علمِ دین کی اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ سب کام چھوڑ کر سب کے سب مولوی بن جائیں اس کا جواب ہے کہ علم کے معنی ہیں جاننا، دین کے جاننے کی ضرورت ہے۔ متعارف کتابیں پڑھنے کی سب کو ضرورت نہیں ہاں دین سے بقدر ضرورت واقفیت لا بد ہے وہ خواہ عربی کی کتابیں پڑھ کر ہو یا فارسی کی یا اردو کی یا زبانی پوچھ پوچھ کر قرونِ اولیٰ کے لوگ سب عالم تھے۔ مگر نہ کتاب کے ذریعہ سے بلکہ پوچھ پوچھ کر اور زبانی سیکھ کر پھر کیسے کیسے عالم تھے کہ جن کے ذریعہ سے خود کتاب والوں کو بھی علم پہنچا لیکن زمانہ کا رنگ بدلنے سے اب زبانی باتوں پر اعتماد نہیں رہا اس واسطے ضرورت پڑی کہ قرونِ اولیٰ کے علوم کتابی صورت میں لائے جائیں اس واسطے اب یہ رواج ہو گیا کہ عالم اس کو سمجھتے ہیں جس نے کتابیں پڑھی ہوں اور یہی طریقہ آج کلِ اسلام ہے اور چونکہ زبانی پوچھنا اور پوچھنے کے بعد اس کو یاد رکھنا

یہ بھی دشوار ہو گیا اس لئے احوط طریقہ یہی ہے کہ کتابی تعلیم دی جائے پہلے زمانہ میں کتاب میں مشکل تھیں۔ لیکن اب خدا کے فضل سے سہل اور اردو زبان میں ہو گئیں جن سے بہت معمولی لیاقت کا آدمی بھی کار براری کر سکتا ہے۔

تو اب اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ کیا سب کے سب مولوی بن جائیں۔ اور اگر مولوی بننا اسی کو کہتے ہیں کہ بقدر ضرورت دین کی باتیں سیکھ لے تو میں کہتا ہوں ایسا مولوی بننا ضروری ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں جس وجہ سے آپ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ سب کام چھوڑنے پڑیں گے۔ وہ وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ

بہت تھوڑا کام ہے دنیا کے کاموں سے خارج نہیں ہو سکتا دس پانچ منٹ روزانہ وقت دینے سے کار براری ہو سکتی ہے مگر تعلیم باقاعدہ ہونی چاہیے۔

طریقہ تعلیم نسواں | طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کو وہ کتابیں پڑھائیے جن میں ان کے ضروریات دینی رکھے گئے ہیں اور

ان کو سبقاً سبقاً پڑھائیے ان کے ہاتھ میں کتاب دے کر بے فکر نہ ہو جائے عورتیں اکثر کج فہم اور کم فہم ہوتی ہیں یا تو کتاب کے مطلب کو سمجھیں گی نہیں یا کچھ کا کچھ سمجھ لیں گی اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے گھر کا کوئی مرد بی بیوں کو اکٹھا کر کے وہ کتابیں پڑھایا کرے یا اگر وہ پڑھ نہ سکتی ہوں تو ان کو سنایا کرے مگر نظر تعلیم کی غایت اور غرض پر ہے۔ صرف ورق گردانی نہ ہو جو جو مسئلے ان کو پڑھائے جائیں یا سنائے جائیں ان پر عمل کی نگرانی بھی کی جائے۔

یہ بھی قاعدہ ہے کہ مسئلہ پڑھنے سے یاد نہیں رہتا بلکہ اس کے کار بند ہو جانے سے خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی بی بی پڑھی ہوئی میسٹر ہوں تو وہی کتاب لے کر دوسری بی بیوں کو پڑھائیں یا سکھائیں۔

بہر حال کوئی صورت ہو مگر اس سے غفلت نہ ہونی چاہیے آپ صرف اپنی
ذاتِ خاص سے پابندِ شرع ہو کر بری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا
حکم ہے :

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
یعنی بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔ اور حدیث ہے
أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

یعنی ہر بڑا چھوٹے کا نگران ہے۔ اور اس سے باز پرس ہوگی تو جس
طرح ممکن ہے عورتوں کو دین سکھاؤ۔ مرد خود سکھائیں یا کوئی بی بی دوسری بی بی
کو سکھاویں اور سکھانے کے ساتھ ان کو کار بند بھی بنا دیں اس کے بغیر برائت
نہیں ہو سکتی اس پر آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں کیونکہ آپ
کو خدا تعالیٰ نے حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

الْزَّجَّالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ۔

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

حاکم کا محکوم پر بڑا قبضہ ہوتا ہے۔ یہ
مرد عورتوں پر حاکم ہیں | صرف حیلہ ہے کہ وہ مانتی نہیں اس کو

ہم سچ جب سمجھیں کہ وہ کھانے میں نمک کڑوا کر دیں اور آپ دو چار مرتبہ
کھنے کے بعد چکے بیٹھ کر کھا لیا کریں مگر دنیا کے کاموں میں یہ کبھی نہیں ہوتا
ستا تو دین ہے کہ اس کو جس طرح چاہیں رکھیں۔ بات درحقیقت یہ ہے
کہ عورتوں کو دو ایک بار نصیحت کر کے خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ
جن کاموں سے عورتوں کو منع کرتے ہیں اُن کاموں میں مردوں کو بھی حظ آتا
ہے۔ منع کرنا اُن کا برائے نام ہے۔ حتیٰ کہ عورتیں جب رسمیں کرتی ہیں اور مرد

ان کو مردان کو منع کرتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ مجھے کیا مل جاوے گا۔
تمہارا ہی تو نام کروں گی۔ بس اس وقت مرد خاموش ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نام کرنے کی خواہش اُن کو خود بھی ہے جب ان ہی کے
افعال میں کوتاہی ہے تو ان کے محکموں کے افعال میں کیوں نہ ہوگی اور جو مرد مستعد
بھی ہیں اور تشدد سے بھی کام لیتے ہیں ان میں بھی کوتاہی یہ ہے کہ ان کے ذہن
میں جو فہرست گناہوں کی ہے جس پر عورتوں کو تنبیہ کرنا چاہتے ہیں اس میں غلطی ہے

بہت سے گناہ اس میں ہیں ہی نہیں اس
رواجی اور غیر رواجی گناہ میں فقط چوری اور حرام کاری وغیرہ

رواجی گناہ ہیں ان پر عورتوں کو بھی مجبور کرتے ہیں۔ دیکھا ہو گا۔ اگر خدا نخواستہ
شرف سار میں سے کوئی عورت ان گناہوں میں سے کوئی گناہ کرے تو بڑی دور
تک نوبت پہنچتی ہے اور ان کے سوا چاہے ان سے بڑے بڑے گناہ کر ڈالے تو کوئی
پوچھنے والا نہیں وجہ یہ ہی ہے کہ یہ گناہ مردوں کی فہرست میں ہے ہی نہیں تو اصل
یہ ہوئی کہ ان گناہوں میں خطا مردوں کی بھی ہے اس واسطے نہیں چھوڑتیں اور اس
فہرست بنانے میں صرف نادانیت سے غلطی نہیں ہوئی بلکہ چالاک کی سے کام لیا گیا ہے
اور ان گناہوں کو کھینچ تان کر جائز کیا گیا۔ دیکھئے آج کل کی بعض رسمیں خوبصورت مانتی
ہیں، ان میں یہ چالاک کی کی گئی ہے کہ :

جب علماء سے دریافت کیا گیا تو اس طرح سے کہ آپس میں طنا جُلنا جائز ہے
یا نہیں اور کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں — اور کسی رشتہ دار کے ساتھ
سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں، ان سوالوں کا جواب مجیب کیا دے سکتا ہے۔ سو اُن
اس کے کہ جائز ہے۔

بس آپ نے یہ جواب لے کر گناہوں کی فہرست میں سے ان افعال کو علیحدہ

کر لیا اور ان افعال کو جائز رکھا اور سمجھ لیا کہ جس مرکب کا ہر جز و مباح ہے تو
مرکب ناجائز کیسے ہوگا یہ اصل ہے آج کل کے رسوم کی جو اکثر پڑھ لکھوں
کو یاد ہے۔

لیکن سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے اس میں اور بھی گناہ
ہیں جو آپ کی رسوم کا جز و ہیں یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں
حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔

(بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے
ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں)

اور یہ آپ کی فہرست میں نہیں ہے، اور فرماتے ہیں :

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِينَ۔

(بیشک اللہ تعالیٰ متکبر لوگوں کو پسند نہیں کرتے)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنَ الْكِبَرِ۔

(جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ ہوگا)

اور دوسری حدیث میں ہے :

مَنْ سَمِعَ سَمِعَ اللَّهَ بِهِ۔

(اور جو شخص لوگوں کو سنانے کے واسطے کوئی عمل کرے گا تاکہ لوگوں

میں اسکی شہرت ہو تو اس کے عیب کو اللہ تعالیٰ مشہور کرے گا اور اس کے قیامت

کے دن رسوا کرے گا)

اور ایک حدیث میں ہے :

وَمَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شَهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ الذِّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(جو شخص دیکھا دے کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا تو اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے)

ان آیات اور احادیث سے عجب اور تکبر اور تصنع اور دکھلاوے کی برائی ثابت ہے اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے۔ پس ہر مفرد اس مرکب کا جائز کہاں ہوا جو مرکب جائز ہو۔ پس آپ کی دلیل تو نہ چلی اور ہمارے پاس دلیل ہے جس کی بناء پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر اور تفاخر اور دکھلاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے جس فعل میں یہ معصیت موجود ہوگی وہ بھی معصیت ہوگا پس جز و معصیت ہوگا پس جز و معصیت کو ذکر نہ کرنا اور صرف مباحات کا نام لے کر استفتاء کر لینا چالاکی نہیں تو کیا ہے۔ خدا را ان چالاکیوں کے مفاسد میں نہ پڑیئے مفاسد تو اپنا اثر ضرور لائیں گے۔ گو کسی ہی تاویل کر لو کیا ممکن ہے کہ کوئی سنکھیا پس کر سبھلی پر رکھ کر یہ تاویل کر کے کھائے کہ شکر بھی سفید ہوتی ہے اور یہ بھی سفید ہے تو ہم اس کو شکر کیوں نہ کہیں کیا اس تاویل سے سنکھیا اپنا اثر چھوڑ دے گا ایسے ہی کھانے اور پینے اور لباس اور اٹھنے اور بیٹھنے میں جب شرعی مفاسد موجود ہوں تو کیا ان مفاسد کا ازالہ آپ کے اس دل سمجھانے سے ہو جائے گا کہ لباس بھی جائز ہے اٹھنا بیٹھنا بھی جائز ہے۔ لینا دینا بھی جائز ہے۔

تو ان سب کا مجموعہ کیسے ناجائز ہے۔ اگر تحقیق مقصود ہے تو سوال میں اس جز و ناجائز کو بھی ظاہر کر کے جس عالم سے چاہے پوچھ لیجئے کہ لباس بطور تفاخر پہننا کیسا ہے اور کسی کو دنیا دکھلاوے کے لئے کیسا ہے جواب یہ ہی ملے گا کہ ناجائز ہے اور اسی طرح اگر یہ پوچھا جاوے کہ تفاخر کے لئے نہیں

کرنا کیسا ہے تو دیکھئے کیا جواب ملے گا۔

اور کوئی صاحبِ یثرب نہ کریں کہ میں اچھے لباس کو
اچھا لباس | منع کرتا ہوں، میں خود لباس کو منع نہیں کرتا بلکہ اس
 مفسدہ سے بچاتا ہوں جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ ریا اور عجب ہے جو ان
 سے بچ سکے وہ پہنے۔ اللہ کے بندے سب طرح کے ہیں۔

بھوپال کا ایک قصہ ہے کہ ایک دفعہ بہت سے آدمی مسجد میں نماز پڑھ
 رہے تھے۔ ایک صاحب ان میں سے بہت صاحبِ ثروت اور عمدہ لباس پہنے
 ہوئے تھے۔ بارش آگئی تو لوگ نیت توڑ کر بھاگے اور اندر جا کر نماز پڑھی
 یہ اللہ کا بندہ ایسا نماز میں مشغول تھا کہ اسی اطمینان سے نماز پڑھتا رہا اتنا بھی
 نہ کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ کر ختم کر دے اسی طرح اطمینان کے ساتھ نماز
 پوری کی۔ کپڑے نہایت لطیف اور قیمتی تھے سب خراب ہو گئے۔

کسی نے کہا حضرت بڑا نقصان کیا اتنی قیمت کے کپڑے خراب ہو گئے جیسے
 اور لوگ نیت توڑ کر اندر چلے گئے تھے آپ بھی نماز مختصر کر کے اندر چلے جاتے
 تو اتنا نقصان کیوں ہوتا۔

انہوں نے کہا بھائی میرے پاس کپڑے اور بھی ہیں یہ خراب ہو گئے تو
 اب جا کر اور پہن لوں گا نماز میں جو کوتاہی ہوتی تو اس کا بدل کیا ہوتا۔ سو اللہ کے
 بندے ایسے بھی ہیں اس میں اعتبارِ دل کا ہے کیونکہ نیت فعلِ قلب ہے اگر نیت
 تفاخر کی نہیں ہے تو اچھے کپڑے میں کچھ عرج نہیں اس کا ذمہ دار خود پہننے والا
 ہے وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ صاف کرے جو فتوے
 دیا جاسکتا ہے وہ ظاہرِ حالت پر مبنی ہوتا ہے اور میں نے جو کہا ہے کہ اعتبارِ دل کا ہے۔

ظاہر و باطن کی اصلاح

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شرع کے خلاف ظاہر کے لگاڑ لینے میں کچھ عرج نہیں صرف باطن درست ہونا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ نے دونوں کا اعتبار کیا ہے۔
فرماتے ہیں : وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأَشْءِ وَبَاطِنَهُ

یعنی ظاہری گناہ بھی چھوڑو اور باطنی بھی اسی ترجمہ کے لئے دوسرے لفظ یہ ہیں کہ ظاہر کی بھی اصلاح کہ ذرا باطن کی بھی اسی مغالطہ میں بہت سے آدمی پڑے ہوئے ہیں کہ ظاہر کی اصلاح کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ بعض تو ظاہر کے لگاڑنے کو اچھا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اس سے تکبر نہیں ہوتا۔ ظاہر بُرا ہونے سے خلق کی نگاہ میں وقعت نہیں ہوتی اس سے نفس مرتا ہے اور بعضوں نے تو حد ہی کر دی کہ نماز تک نہیں پڑھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا تمہارے دکھلاوے کی نماز پڑھیں تمہیں کیا معلوم ہے کہ فقیر کس حال میں ہے۔ ان کا راز بتلائے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ نفس کی ہزاروں چالیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی مصلحت سمجھا کر کسی کام سے روک دیتا ہے، وہ مصلحت کبھی دنیاوی ہوتی ہے اور کبھی دینی۔ جو لوگ ضعیف ہیں ان پر تو دنیاوی مصلحت کا پیش کرنا کافی ہو جاتا ہے ان کے قلب میں اتنا بھی استقلال نہیں ہے کہ اس مصلحت کو باوجود دنیاوی جاننے کے دین کے مقابلہ میں چھوڑ سکیں، مثلاً جماعت کا وقت ہوا اور کوئی شخص سوداگر ہو تو نفس اس وقت سوچتا ہے کہ اگر جماعت کے لئے جاؤں گا تو یہ سودا بگڑ جائے گا اور اتنا نقصان ہوگا۔ پس وہ سوداگر اس چال میں آ جاتا ہے اور صرف مصلحت کا لفظ سن کر دین کے کام سے رہ جاتا ہے۔ اور جو لوگ کسی قدر قوی القلب ہیں اور دیندار کہلاتے ہیں ان کے سامنے نفس مصلحت کو دینی پیرایہ میں پیش کرتا ہے اور مغالطہ میں ڈال کر کام سے روک

دیتا ہے، چنانچہ یہ کہنا کہ ہم دکھلا دے کی نماز نہیں پڑھتے یہ بھی نفس کی چال ہے کہ اس مغالطہ میں ڈال کر کہ جماعت کی نماز پڑھنے میں ریا و تکبر پایا جاتا ہے جماعت سے روک دیتا ہے غرض نہ باطن کی اصلاح چھوڑیے نہ ظاہر کی اور میرے اس کہنے کا کہ دل کا اعتبار ہے یہ مطلب نہیں کہ ظاہری معاصی جائز ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مباحات ظاہری میں بھی جب دل بگڑا ہوا ہو تو وہ مباح نہیں رہتا۔ پس اچھا کپڑا پہننے میں یہ بھی ضرور خیال کر لیجئے کہ کہیں نفس میں تفاخر وغیرہ تو نہیں ہے رسوم میں بھی غور کریں گے تو صاف تفاخر معلوم ہوگا۔ پس وہ چیزیں واجب ترک ہوں گی یہ عورتوں میں رسوم ہی کی طرح اس تصنع اور تزئین کی بھی حد ہو گئی ہے کہ جو کپڑا بناتی ہیں بڑی چھان بین کر کے انتخاب کرتی ہیں ہر بی بی کا یہی حوصلہ ہے کہ ایسا کپڑا بناؤں کہ دوسرے کے پاس نہ نکلے اسی کو ترفع کہتے ہیں یا نہیں۔

نیت لباَس | اسی کے بارہ میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
 مَنْ لَبَسَ ثَوْبًا مُتَهَرِّجًا أَلْبَسَهُ اللَّهُ
 ثَوْبَ الذِّلَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ ذلت کا لباس قیامت کے دن پہنا دیں گے۔

کیا عورتوں کے ان معمولی افعال کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسوم میں نیت انکی درست ہے۔ عورتوں کو اس طرف التفات بھی نہیں کہ نیت درست اور نادرست کیسی ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب کوئی کپڑا بناتا ہے تو دوچار کپڑوں میں سے اچھا ہی چھانٹ کر لیتا ہے تو یہ سب ترفع یا دکھلاوا، ہوا اس کا گرُ یاد رکھو کہ کپڑا اپنا جی خوش کرنے کو پہنا جاوے تو

مباح ہے، اور دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جاوے تو ناجائز ہے
گویا کپڑے کے اچھے ہونے کے دوسرے ہیں ایک یہ کہ بُرا نہ ہو جس سے اپنا
دل خوش ہو اور اوروں کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے۔ اس کا کچھ حرج نہیں اور
ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یہ بُرا ہے
یہ گناہ تو کپڑے کے متعلق تھے جن سے بعض رسوم کا حکم بھی معلوم ہوا۔

ریائی کھانا | اب کھانے کے متعلق سنئے کہ رسموں سے اس کا بھی
تعلق ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ کھانا کھلانا جائز ہے

اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے مگر شریعت کی فہرست میں تو دیکھو اس میں
حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے یعنی حدیث میں ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَاكِرِ بَيْنَ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا

جو آپس کی بجا بجا سے کھانا کھلاتے ہوں دیکھ لیجئے یہ کھانا جائز ہے تو آپ
کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے اسی پر تمام اُن کاموں کو
قیاس کر لیجئے جن کے مجموعہ کا نام رسوم ہے آپ نے رسموں کے جواز میں یہ

دلیل پیش کی تھی کہ کھانا کھلانا دینا لینا آنا جانا علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح
ہیں ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آگئی میں کہتا ہوں دیکھ لیجئے کپڑا
پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں مگر اس کے لئے شریعت میں ایک قید ہے کھانے
کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں، اسمیں بھی ایک قید ہے۔ اب ان رسوم میں
دیکھ لیجئے کہ وہ افعال معہ ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے

اس میں آج کل کے عقلمند بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

رسمیں دو قسم پر ہیں | مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے

اس زمانہ میں پہلی سی رسمیں بہت کم ہو گئیں

میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو بشرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں۔ ایک وہ ہے جن کی اصل تفاقا خیر ہے۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ البتہ پہلے بشرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں۔

سید صاحب ایک جگہ مہمان ہوئے۔ صاحب خانہ ایک عالم شخص تھے وہ

سید صاحب کی وجہ سے باہر بیٹھے ہوئے تھے اندر سے ایک عورت آئی کہ

ذرا گھر میں چلو وہ سید صاحب کی وجہ سے اُٹھ نہ سکے۔ گھر سے کئی بار تقاضا

آیا کہ کام حرج ہو رہا ہے جلدی چلتے۔ سید صاحب نے سن لیا اور فرمایا

گھر میں تشریف لے جائیے کچھ کام ہو گا۔ صاحب خانہ نے کہا کہ نہیں حضرت کچھ

بھی کام نہیں۔ ایک شادی کے لئے دھان کوٹنے تھے اس کے لئے موسل میں دوڑ

باندھنے کے لئے مجھ کو بلاتے تھے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو بشرک ہے

انہوں نے اس ماما سے کہہ دیا کہ والدہ سے کہہ دو کہ سید صاحب بشرک بتلاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ رسمیں بالکل لغو تھیں مگر یہ ضرور تھا کہ بہت سے سمجھ دار کرنے

والے بھی ان کو لغو سمجھتے تھے، اگرچہ کرتے سب تھے اور آج کل کی رسمیں جن

کو میں نے کہا ہے کہ بڑ گئیں ہیں ان کو دانشمند لوگ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ گناہ ہے

اور وہ رسمیں آج کل کی تفاخر اور تکلف کی ہیں۔ پہلے لوگوں میں موٹا جھوٹا

پہن لیتے تھے، باسی تازہ کھا لیتے تھے اور آج کل کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی

غریبانہ معیشت کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، بول

چال میں اُٹھنے بیٹھنے میں سب میں تکبر اور تکلف بھرا ہوا ہے گویا ہر وقت کسی نہ کسی

رسم کے پابند ہیں اور تکلف میں علاوہ گناہ کے ایک دنیوی خسرا بی یہ بھی ہے کہ

کوئی شخص بناوٹ کرنے والے کی بات پر اعتماد نہیں کرتا اس خوف سے کہ شاید یہ بات بھی بناوٹی ہو اسی واسطے پہلے لوگوں کی بات بڑی پکی ہوتی تھی آج کل کے لوگوں کی بات ایسی نہیں مانی جاتی غرض رسمیں شرک کی تو چھوٹ گئیں کیونکہ علم کا شیوع ہو گیا۔ پہلے مولوی کم ہوتے تھے اور تفاخر کی رسمیں بڑھ گئیں کیونکہ تعلیم جدید کی ترقی ہے تو آج کل کی رسموں میں شرک بھی تفاخر تو ضرور ہے یہ بھی منع ہونے کے لئے کیا کچھ کم ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی ہے اس میں بہت ہی کوتاہیاں ہیں شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسموں کو گناہ نہیں سمجھتے۔ میں نے بتلا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تفاخر بھی ہے جس عمل میں پایا جاوے اسی کو فاسد کر دیتا ہے اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسموں کا یہ جزو اعظم ہے یا نہیں یہ ایسا جزو ہے کہ تمام ان اجزاء کو جن کو آپ نے مباح کہا تھا۔ سب کو اباحت سے نکال دیتا ہے۔ دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں کھانا کھلانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں کسی کو دینا لینا رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا سب اچھا ہے۔ مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں یہ تفاخر حلال چمیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے نجاست ایک کنوئیں کو جس کو آپ نے بہت سہل سمجھ رکھا ہے اور اس کا نام ہی اپنی فہرست میں سے اڑا دیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اسکی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کھلاتی ہے۔ ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رہا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے کہ اچھا ہے کوئی لقمہ ہماری بیٹی کے پیٹ میں پڑ جائے گا تو کام آئے گا۔

دوسرے کو دکھانا بھی پسند نہ تھا شاید نظر لگ جلتے نکاح کا نام آتے ہی ایسا
کایا پلٹ ہوا کہ ایک ایک چیز جمع کو دکھائی جاتی ہے، برتن اور جوڑے اور
صندوق حتیٰ کہ آئینہ کنگھی تک شمار کر کے دکھلانے جاتے ہیں شاید وہ پہلے لخت
جگر تھی اور اب نہیں رہی، یا اب ہے اور پہلے نہ تھی جواب کے اور پہلے بڑاؤ
میں بالکل عکس کا فرق ہو گیا۔

اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے۔ برادری کو دکھانا
جسے کہ ہم نے اتنا دیا صرف یہ ہی منظور نہیں کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان
زیادہ ہو جلتے۔

جہیز کیسا ہو؟ اور اسی واسطے جوڑے اور برتن عرض تمام جہیز
ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت
اُجلا ہو اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں،
جب بازار میں خریدنے جاتے ہیں تو دکاندار سے کہا جاتا ہے کہ شادی کا سامان
خریدنا ہے، لینے دینے کا سامان دکھاؤ۔ اگر اسکی اصل بیٹی کے ساتھ ہمدردی
تھی تو گو تعداد میں جہیز کم ہوتا مگر سب چیزیں اچھی اور کارآمد ہوتیں بجائے
اس کے وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو برتنے کے قابل بھی نہیں ہوتیں۔ صرف
ظاہری شمار بڑھا کر دکھا دی جاتی ہیں۔

بعض چیزیں ایسی دی جاتی ہیں جو کبھی کام میں نہیں آتیں سوائے اس
کے کہ گھر کی جگہ گھیر لیں۔ مثلاً چوکی اور نواڑ کا پیڑھا کہ یہ اس تکلف کی ہوتی
ہیں کہ ان کو کام میں لاتے ہوئے درد آتا ہے اور حقیقت میں وہ کام کے قابل ہوتے
بھی نہیں کیونکہ تکلف کی چیز نازک ضرور ہوا کرتی ہے اسکی نزاکت اور خوبصورتی
کی وجہ سے ایک طرف احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا وہ رکھے

رکھے گل جاتے ہیں اور کبھی کام میں نہیں آتے۔

اگر بیٹی کو لخت جگر سمجھ کر دینا ہے تو کیا ایسی ہی چیزیں دینی چاہئے تھیں، جو اس کے کام میں کبھی نہ آئیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں بیٹی کو دی ہی نہیں جاتیں صرف تفاخر اور دکھاوے کے لئے ڈمی جاتی ہیں۔ اس میں جتنا جس کا حوصلہ ہوتا ہے بڑھ کر قدم رکھتا چلا جاتا ہے۔ ایک نے دس برتن اور پچاس جوڑے دیئے تو دوسرا نو برتن اور انچاس جوڑے نہیں دے گا۔ ایک بڑھا کر ہی دے گا گو قرضدار ہی ہو چا دے۔ کیونکہ دنیا میں سب امیر ہی نہیں ہیں۔ اور شادی بیاہ سب کو پیش آتے ہیں غریب آدمی کو بھی ضبط سوچھتا ہے کہ اگر ذرا بھی گھٹیا کام کروں تو ساری عمر کو برادری منہ کالا کرے گی۔

اس واسطے سود پر قرض لینا گوارا کرتا ہے۔ صاحبو! اب مجھے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ آپ کی فہرست گناہوں کی بہت ناقص اور غلط ہے آپ نے اس سود کو بھی اس میں نہیں لکھا جو منصوص قطعی ہے اور جس کے کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر سب پر لعنت آئی ہے۔ غرض برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی عاقبت برباد کرتا ہے۔ اور غریب ہی کی کیا تخصیص غریب کے اخراجات غریب ہی کئے سے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں امیر لوگ بھی ان رسموں کی بدولت قرض سے نہیں بچتے۔ امیروں کی تو منگنی بھی معمولی شادیوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کو ان کی حیثیت کے موافق برادری زیر بار کرتی ہے۔ اور دین کے برباد کرنے کے ساتھ دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر کے چھوڑتی ہے۔ اچھی اچھی ریاستیں دیکھی گئی ہیں کہ ایک شادی کی بدولت غارت ہو گئیں۔ یہ وہی رسمیں ہیں جن کو آپ نے فرمایا تھا کہ مجموعہ مباحات ہیں۔

نکاح میں فضول غرچی | میں کہتا ہوں مجموعہ اسرافات ہیں اور آپ نے اپنی فہرست میں اسراف کو بھی گناہ

نہیں لکھا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ
ترجمہ :- فضول غرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اسراف شریعت کی فہرست میں گناہوں میں لکھا ہوا ہے شریعت نے نکاح کو مہنون کیا اور رسوم کو اس کا جز نہیں قرار دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریب کو کر کے دکھلا دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح
حضرت فاطمہ کی منگنی | کیا نہ اس میں منگنی تھی نہ

مہندی تھی نہ نشانی تھی۔ منگنی آپ کی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود جا کر پیغام دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا نہ اس میں مٹھائی کھلائی گئی نہ کوئی مجمع ہوا۔ اور درحقیقت منگنی چیز کیا ہے، صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مٹھائی کھٹائی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے اگر خط میں لکھ کر وعدہ بھیج دیا جائے تب بھی یہ ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جس قدر بھی زوائد ہیں سب زائد از کار ہیں۔ اس میں پرانی تاویل ہے کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں جو شخص اپنی زبان کا پکا ہے اس کا ایک مرتبہ کہنا ہی کافی کافی ہے۔ اور جو زبان کا پکا نہیں وہ منگنی کر کے بھی خلاف کرے تو کیا کوئی توپ لگا دے گا۔ پناپنہ بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے یا کسی لالچ سے منگنی چھوڑا لیتے ہیں اس وقت وہ استحکام کس کام آتا ہے اور جو

کچھ سرچ ہوا وہ کس کام آیا، غرض یہ تاویل صحیح نہیں، صرف دھوکہ ہے۔
حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منگنی تو یہ ہوئی۔

نکاح فاطمہ رضی | اب نکاح سُنئے نہ اس کے لئے کوئی مجمع کیا گیا نہ کوئی
خاص اہتمام ہوا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے
تو آسمان کے فرشتوں کو بھی بلالیتے، صرف چند آدمیوں کو بلایا۔ اُن میں حضرت انس
اور حضرت طلحہ رضی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک دوا اور صحابی تھے
اور یہ سنکر حیرت ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے۔ آپ کی
غیبت میں نکاح معلق برضا علی رضی اللہ عنہ کر دیا گیا جب حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔

رخصتی | پھر رخصتی سُنئے۔ حضرت فاطمہ رضی کو ام ایمن کے ہمراہ حضرت
علی رضی کے یہاں پہنچوا دیا نہ پالکی تھی نہ رتھ تھا نہ عمار ہی تھی
اپنے پاؤں چلی گئیں۔ پھر اگلے دن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی
خود اٹھ کر پانی لائیں پھر حضرت علی رضی سے پانی منگایا جس سے معلوم صاف ہوا
کہ حضرت فاطمہ رضی کا پانی لانا حضرت علی رضی کے سامنے تھا۔ ذرا اپنی دلیہوں کو
دیکھتے کہ سال بھر تک منہ پر ہاتھ رہتے ہیں شادی کے زمانہ میں تو کبھی وہ اپنے
منہ سے پانی تک بھی مانگ بیٹھے تو چاروں طرف سے غل مچ جائے کہ ہے کیسی
بے حیائی کا زمانہ آگیا بلکہ شادی سے پہلے ہی سے یہ مصیبتیں اس بیچاری پر آ جاتی
ہیں اول سخت قرظینہ میں رکھی جاتی ہے جس کو آپ کی اصطلاح میں مایوں
بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک کو ٹھٹھری میں بند کر دی جاتی ہے جہاں ہوا تک اس کو نہیں پہنچتی

سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا ہے اپنی ضروریات میں دوسرے کی محتاج ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ پاخانہ پیشاب کو نہیں جاسکتی یہاں تک بھی غنیمت تھا کہ ان رسموں کی بدولت دنیا کی سزائیں بھگتیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس قرطینہ میں نماز تک نہیں پڑھتی کیونکہ اپنے منہ سے پانی نہیں مانگ سکتی اور اوپر والیوں کو اپنی ہی نسا کی پرواہ نہیں اسکی کیا خبریں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ نماز جو کہ مرتے وقت بھی معاف نہیں پُچا پنہ کتاب میں لکھا ہے کہ :

نماز کی اہمیت | ایک شخص کشتی میں سوار ہو اور کشتی ٹوٹ جائے اور یہ شخص ڈوبنے لگے اور وقت نماز کا آگیا ہو

تو اس شخص کے ذمہ واجب ہے کہ اسی غوطہ کھانے کی حالت میں نماز کی نیت باندھ لے، پھر چاہے بچے چاہے ڈوب جائے۔ دیکھئے نماز کی یہ تاکید ہے مگر اس قرطینہ میں قضا کی جاتی ہے کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ باوجود ان منکرات کی یہ رسمیں جائز ہو سکتی ہیں حاشا وکلا دین سے قطع نظر عقل کے بھی تو یہ بات خلاف ہے کہ اس کو آدمی سے حیوان بلکہ جمادات بنا دیا جائے۔ اس کا کھانا پینا بند کیا جاتا ہے محض اس لئے کہ اگر کم کھانے کی عادت نہ ہوگی تو سسرال میں کھاوے گی پھر پانخانہ جاوے گی جو قانون حیا کے خلاف ہے حتیٰ کہ بہت جگہ یہ دیکھا گیا کہ فاقہ کرتے کرتے لڑکیاں بیمار ہو گئیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ جب دین کو کوئی چھوڑتا ہے تو عقل بھی سلب ہو جاتی ہے۔ شادی کی تقریبات کو کہاں تک بیان کروں جس رسم کو چاہے دیکھ لیجئے وہ دین کے خلاف ہونے کے ساتھ عقل سے بھی خارج ثابت ہوگی۔

غرض حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور دلہا دلہن دونوں سے فرمایا پانی لاؤ دونوں اٹھ کر پانی لائے یہ ساری

باتیں قصہ کہانی ہیں۔ یا اس واسطے کی گئی تھیں کہ ہم لوگ سیکھیں۔

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم | قرآن شریف میں ہے :
لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي

رَسُولِ اللَّهِ اسْوَةٌ حَسَنَةٌ

جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ذات مبارک میں ایک اچھا نمونہ دیا ہے، نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔

میں نے ایک بزرگ محقق کا اس کے متعلق ایک لطیف مضمون سنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی درزی کو ایک اپکن سینے کو دی اور نمونہ کے لئے ایک سلی ہونی اچکن بھی دی کہ اس ناپ اور نمونہ کی اچکن سی لاؤ۔ درزی نے ساری اچکن نمونہ کے موافق تیار کی غرض طول بھی برابر سلانی بھی یکساں غرض کہیں قصور نہیں کیا، فرق کیا تو صرف یہ کیا کہ ایک آستین ایک بالشت چھوٹی بنا دی جب وہ اچکن لے کر مالک کے پاس پہنچے گا تو مالک اُسے کیا کہے گا وہ اچکن خوش ہو کر لے گا یا اس کے سر سے مارے گا۔ اگر درزی جواب میں یہ کہے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے صرف ایک آستین میں ذرا سی کمی ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک اس کو پسند کرے گا ہرگز نہیں اس سارے کپڑے کی قیمت رکھوائے گا۔

خوب یاد رکھئے کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا سو اگر آپ کے اعمال نمونہ کے موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں۔ اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر ذکر آپ کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موافق ہے تو ذکر ہے ورنہ اُلٹی معصیت ہے۔
دیکھئے نماز میں کوئی بجائے دو کے ایک سجدہ کر لے تو وہ نماز نہ رہی دوبارہ پڑھنا
ضروری ہے۔

کوئی قرآن شریف بحالت جنابت پڑھے تو بجائے ثواب کے اُلٹا گناہ ہوتا
ہے (اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اسمائے الہی تو قیفی ہیں، اپنی طرف سے کوئی نام
رکھنا جائز نہیں) اگر آپ روزہ رکھیں تو وہی روزہ صحیح ہوگا جو حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو علی ہذا حج وہی صحیح ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے حج کے موافق ہو اگر حج میں کوئی احرام نہ باندھے تو وہ حج حج نہیں۔ اسی
طرح زکوٰۃ وہی صحیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ہو اور
کوئی سارا مال خلاف تعلیم خرچ کر دے تو زکوٰۃ سے فارغ نہیں ہو سکتا۔
یہ ارکان اسلام ظاہری ہوئے۔ اسی طرح اعمال باطنی کو سمجھ لیجئے اور معاملات
اور طرز معاشرت، سب میں یہی حکم ہے، حق تعالیٰ نے ہمارے پاس کبھی فرشتہ کو
رسول بنا کر نہیں بھیجا اس میں حکمت یہ ہی ہے کہ اگر فرشتہ آتا تو وہ ہمارے
لئے نمونہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پہننے کی نہ ازدواج
کی نہ معاشرت کی ان چیزوں کے احکام میں صرف یہ کرتا کہ تم کو پڑھ کر سنا دیتا، یہ
کام صرف کتاب کے بھیج دینے سے بھی نکل سکتا تھا کہ ایک کتاب ہمارے اوپر اتر
آتی اس میں سب احکام لکھے ہوتے ہمیں آپ پڑھ لیتے اور عمل کر لیتے فرشتے
کے اترنے سے اس سے زیادہ کوئی بات نہ پیدا ہوتی جو کتاب سے ہو سکتی تھی۔
حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہمارے جنس میں سے پیغمبر بنائے کہ
وہ ہماری طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، ازدواج اور تعلقات بھی رکھتے ہیں۔
تمدن اور معاشرت کے بھی خوگر ہیں اور ان کے ساتھ کتابیں بھیجیں تاکہ کتاب

میں احکام ہوں اور وہ خود بنفس نفیس انکی تعمیل کر کے دکھائیں تاکہ ہم کو سہولت ہو اسی واسطے فرمایا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ
لِيَأكُلُوا الطَّعَامَ وَیَمْشُوا فِی الْأَسْوَاقِ

یعنی ہم نے جس قدر پیغمبر بھیجے وہ اور آدمیوں کی طرح کھانے پینے والے اور معاشرت رکھنے والے بھیجے دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنَا مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

یعنی اگر ہم فرشتہ کو احکام لے کر بھیجتے تب بھی یہ ہوتا کہ وہ انسان کی صورت میں آتا ورنہ انسان کو اس سے ہدایت نہ ہو سکتی کیونکہ وہ نمونہ نہ بن سکتا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات فرشتوں سے بھی زیادہ ہیں۔ لیکن حکمت الہی اسی کی مقتضی ہوتی کہ آپ نسل انسان سے پیدا ہوں تاکہ تمام افعال انسانی میں نمونہ بن سکیں دیکھ لیجئے کہ جتنی باتیں انسان کو پیش آتی ہیں سب آپ کو پیش آئیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیبیاں رکھیں اور اپنی اولاد کا نکاح کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں غمی کی تقریبیں بھی ہوئیں کئی صاحبزادوں نے انتقال کیا جو حالات ہم کو پیش آتے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں نکلے تاکہ ہمارے لئے پورا ایک دستور العمل بن جائے۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ کونسا فعل ہمارا نمونہ کے موافق ہے۔ کوئی تقریب خوشی کی ہوتی ہے تو ہم نہیں دیکھتے اور کوئی تقریب غمی کی ہوتی ہے تب ہم نہیں دیکھتے کہ دستور العمل میں کیا ہے۔ اس درزی کی مثال کو یاد رکھئے ایک بالشت کپڑا کم کر دینے سے اچکن منہ پر ماری جاتی ہے اور اگر وہ بجائے

سینے کے کپڑے کی دھجیاں کر کے مالک کے سامنے جا رکھے تو وہ کس سزا کا مستوجب ہے جبکہ مالک قادر بھی ہو۔

واللہ باللہ ہمارے اعمال کی حالت یہ ہی ہو گئی ہے کہ جو طریقہ ان کا بتلایا گیا تھا وہ تو کوسوں دور ان اعمال کو تباہ کر کے اور دھجیاں اڑا کے ہم حق تعالیٰ کے سامنے رکھ دیتے ہیں یہ کچھ مبالعہ آمیز الفاظ نہیں ہیں دیکھ لیجئے کہ جیسے اچکن سینے کے واسطے کپڑے کا اپنی اصل پر رہنا شرط ہے اور دھجیاں کرنے والا اس کو اس اصل سے نکال دیتا ہے کہ جس سے اچکن تو کیسی کپڑے کی کوئی غرض بھی اس سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح تمام اعمال کے صحیح ہونے کے واسطے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ کوئی چاہے کہ ایمان کھو کر کوئی عمل کرے تو وہ ایسے ہی بیکار ہو گا جیسے کوئی کپڑے کی دھجیاں کر کے اچکن سینا چاہے۔ اور اس تقریر سے ضمناً آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ

نکاحِ مسلمہ

نکاحِ مسلمہ کے واسطے شرط ہے مسلمان ہونا مسلمان عورت اور کافر مرد میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ آج کل جن لڑکوں کو بیٹیاں دی جاتی ہیں بعضے ان میں سے جدید تعلیم کے اثر سے ایسے آزاد منش ہیں کہ ان کو دین ایمان سے بھی کچھ علاقہ نہیں رہا زبان سے کلمات کفر بک جاتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ پھر ان ہی سے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح پڑھوایا جاتا ہے اور سب گھر والے خوش ہوتے ہیں کہ ایک مسنون طریقہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس سنت کی صحت کے لئے موقوف علیہ ہے ایمان، افسوس ہے کہ نوشتہ صاحب جانے کتنی دفعہ اس سے خارج ہو چکے ہیں۔ اب وہ مثال صادق ہے یا نہیں کہ کپڑے کے پڑے پر زے کر کے بلکہ جلا کے اچکن سینے کا ارادہ کیا جاتا ہے ہم کو تو اسی کا رونا تھا کہ

اچکن نمونہ کے موافق نہیں سی جاتی۔ ایک آستین بالشت بھر کم کی جاتی ہے۔
یہاں نہ آستین رہی نہ دامن اور خیال یہ ہے کہ اچکن تیار ہے۔

ایک نیک بخت لڑکی ایک انگریزی خواں سے بیاہی گئی جو ایک مجمع میں
زبان سے یہ لفظ کہہ رہے تھے کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی بہت بڑے
ریکارمر تھے اور مجھ کو آپ سے بہت تعلق ہے۔ لیکن رسالت میں یہ ایک مذہبی خیال
ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ یہ کلمہ کفر ہے نکاح اس سے لڑٹ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اگر
لڑکی والوں کو بتلایا جاتا ہے تو اُلٹے لڑنے کو سیدھے ہوتے ہیں کہ ہمارے
خاندان کی ناک کٹواتے ہیں۔ اب وہ زمانہ ہے کہ اسکی بھی ضرورت ہے کہ دیکھ
لیا جائے کہ داماد مسلمان ہے یا کافر۔ بجائے اس کے کہ پہلے دیکھا جاتا تھا۔
نیکو کار ہے یا بدکار۔ اس قصہ سے میرے قول کی تصدیق ہو گئی ہوگی کہ ہمارے
اعمال خراب ہی نہیں بلکہ باطل ہیں پھر لطف یہ ہے کہ ہم ان کو اچھے سمجھ
کر اچکے امیدوار بیٹھے ہیں۔ شر :

وسوف تری اذا نكشف الغبار

افرس تحت رجلک ۱۱ حمار

(یعنی ذرا غبار ہٹنے دو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار
تھے یا گدھے پر یعنی آنکھیں ذرا اچھ جائیں اسی وقت معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے
اعمال مقبول اور قابلِ اجر ہیں یا مردود اور قابلِ مواخذہ)
خوب نمونہ کی قدر کی ہمیں خدائے تعالیٰ نے تو محض اپنی رحمت سے دستور العمل
دیا تھا۔ ہم نے سب کو کاٹ پھانٹ کر جیسا چاہا ویسا بنا لیا۔

شرعیہ میں تنگی نہیں | اور پھر خداوندی لطف یہ ہے کہ اس
نمونہ میں بھی کچھ تنگی نہ تھی، دو قسم

کا نمونہ دیا گیا تھا۔ فعلی اور قولی اور یہ محض رحمت ہے کہ اتنی وسعت کر دی کہ کچھ بھی وقت باقی نہیں رہی اب اس کی مثال ایسی ہوگی کہ جیسے درزی کو ایک پٹا دیا گیا کہ اسکی اچکن سی لاؤ اور اس کے حدود بتلا دیئے گئے کہ اتنی نیچی اور اتنی ڈھیلی ہو اس کے سوا اور کسی بات کا پابند اس کو نہیں کیا گیا اور اس کو اجازت دی گئی کہ اچکن ہو خواہ دیسی وضع کی ہو یا شیردانی ہو سلائی معمولی ہو یا بڑھیا استری ہو یا نہ ہو تو اس کو کتنی گنجائش مل گئی کہ جیسی چاہے اچکن سیئے۔ بشرطیکہ حدودِ قولیہ سے تو نہ نکل جائے اور جا کر مالک کے سامنے پیش کر دے اور اپنی اجرت خاطر خواہ لے لے اس کا شکریہ ادا کرے انصاف درزی کے ذمہ یہ ہے کہ خوب دل سے سیئے۔

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو یہ تو واجب اور ضروری ہے کہ اس طرح اس کپڑے کو قطع برید نہ کرے کہ اچکن ہونے سے خارج ہو جائے۔ اگر ایسا کرے گا تو اجرت کا مستحق نہ ہو گا بلکہ کپڑے کے تادان کا ذمہ دار ہو گا ہم کو اعمالِ شرعیہ میں اسی قسم کی گنجائش دی گئی ہے کہ حدودِ جلا دیئے گئے ہیں کہ ان سے باہر نہ ہوں اور ان حدود کے اندر جتنی گنجائش ہو عمل کر لیں۔ یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

وہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نمونے ہم کو دکھائے ہم کو بالکل اُن پر کاربند ہونا چاہیے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جو کھایا ہے اور دنیا میں بہت تنگی کے ساتھ گزر کی نہ رنگارنگ کے کھانے کھائے۔ نہ مکان سجائے نہ درہم و دینار رکھے اور ہم نہ جو کھاتے ہیں نہ کسی قسم کی تسلی کرتے ہیں، کپڑا بھی اچھا پہنتے ہیں مکان میں بھی تکلف کرتے ہیں، روپے پیسے بھی جمع رکھتے ہیں اور ان سب باتوں کو کون علماء جائز کہتے ہیں تو یہ

نمونے کی تطبیق نہ ہوئی جواب یہ ہوا کہ نمونہ دو قسم کا دیا گیا ہے۔ قوی و ضعیفی تو ایک خاص بہتیت ہے اور قوی ان حدود کی تعیین ہے جن سے باہر نکلنا جائز نہیں مگر خود ان کے اندر وسعت بہت ہے۔

عُشاق نے تو نمونہ فعلی کی بھی تطبیق کر کے دکھا دی وہی کھایا وہی پیا، اسی طرح دنیا گزار دی مگر خیر ہم جیسوں کے لئے گنجائش ہے کہ ان حدود تک اپنی خواہشوں کو پورا کر سکیں مگر ان سے آگے نہ بڑھئے ہر کام میں خیال رکھئے کہ حدود شرعی کہاں تک ہیں ان کے اندر بھی آپ رہیں گے تو نمونہ پر عامل کہلا سکیں گے، ہاں ان حدود سے نکل جانا ایسا ہوگا جیسے وہ درزی بجائے اچکن سینے کے کرتے یا ٹوپی سی ڈالے، کھانا کھلانا حلال ہے اور دنیا لینا حلال ہے مگر نہ قرض کر کے اور تفاخر کے طور پر یہ دونوں حد ہیں جب آپ حد سے نکل جائیں گے تو گناہ کا مرتب ہوگا۔

اب آپ ہی پر انصاف ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے قلب کو رواج کی پابندی سے خالی کر کے کہہ دیجئے کہ یہ رسمیں تفاخر کی ہیں یا نہیں اُمید ہے کہ اگر آپ بے رُور عایت کہیں گے تو یہی کہیں گے کہ بیشک تفاخر ہے۔ بس یہی حد شرعی سے خرد ج ہے۔ یہ تو رسموں میں لرز و ما خرابی ہوئی اور جن مفاسد کا ان میں عرَض ہو جاتا ہے وہ علیحدہ رہیں۔

مثلاً جہاں شادی وغیرہ دھوم دھام سے | **شادی کے وقت نماز** | اور رواج کے موافق ہوتی ہے وہاں

عورتوں کو اور مردوں کو اور صاحب خانہ کو اور نوکروں چاکروں کو نماز کا مطلق ہوش نہیں ہوتا رات بھر جاگنے اور کھانے دانہ میں اور ہمان داری اور لینے دینے میں کٹ جاتی ہے مگر نماز کی فرصت کسی کو نہیں ہوتی یہ حد شرعی سے خرد ج ہے

کہ نہیں نماز جس کا چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں بے ضرورت چھوڑ دی جاتی ہے۔

بعض عورتوں کو یہ ہی عذر ہوتا ہے کہ گھر میں اتنا مجمع ہو گیا ہے کہ نماز کے لئے جگہ ہی نہیں اتنی عورتیں کہاں نماز پڑھیں کیوں بیوی! سارے کاموں کے لئے جگہ ہے اور نماز کے لئے جگہ نہیں کیا جس وقت سونے کا وقت آئے گا، اس وقت ان کو لیٹنے کے لئے بھی جگہ نہ ملے گی، لیٹنے کے لئے تو ضرور جگہ ملے گی اگر کسی بی بی کو ذرا سی بھی تکلیف ہوگی تو ساری برادری میں ناک کٹی ہو جائے گی اگر بیبیاں سونے کے برابر بھی نماز کو ضروری سمجھیں تو نماز کی جگہ نہ ملنے پر بھی برادری میں ناک کٹی کر دیں مگر نماز پڑھنا ہی نہیں یہ سب حیلے بہانے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جتنی جگہ سونے کے لئے چاہیئے نماز کے لئے اتنی بھی درکار نہیں عورتوں کا سجدہ بہت دب کر ہوتا ہے ذرا سی جگہ کافی ہے پھر جگہ نہ ملنے کا حیلہ کیسے چل سکتا ہے اور کچھ بھی ہو فرض کر لیجئے جگہ بالکل نہیں ہے تو حق تعالیٰ اس کے کب ذمہ دار ہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایسے مجمع میں جاؤ جہاں نماز بھی نہ پڑھ سکو جب وقت آئے لاکھ تدبیر کرو اور نماز ادا کرو مجمع میں پڑھو یا مجمع پر خاک ڈالو گھر جا کر نماز ادا کرو جس صورت سے بھی ہو۔ نماز چھوڑ کر گناہ سے نہیں بچ سکتیں۔

سفر میں نماز | اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ یاد آگیا وہ یہ ہے کہ سفر میں بھی عورتوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ ریل میں جگہ نہیں ملی، یا یہ کہ پانی نہیں ملا، یا یہ کہ قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوئی۔ یہ سب عذر اپنے گھر طے ہونے ہیں۔ شریعت نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ ریل میں بیٹھنے کی جگہ تو مل جاتی ہے اور پتہ یا اسباب ساتھ ہوتا ہے

تو اس کی بھی جگہ بُری بھلی ہو ہی جاتی ہے تعجب ہے کہ نماز کی جگہ نہیں ہوتی
 اسی طرح بچہ پیاسا ہو تو کہیں نہ کہیں پانی مل جاتا ہے مگر نماز کے لئے نہیں
 ملتا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اسٹیشن پر تم ہو تو وہاں پانی مانگ لو اگر پانی نہ
 مل سکے یا پانی ملنے میں ریل چھوٹ جائے گی تو تیمم کر لو، مگر تیمم کے مسئلے سے لے کر
 ایک بی بی نے ریل کے تختوں پر تیمم کیا اس خیال سے کہ جیسے گھر کی دیوار
 ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ یہ غلطی ہے دیوار مٹی کی ہوتی ہے اور وہ لکڑی
 ہے، ہاں اگر ریل کی نیچ پر خوب گرد پڑی ہوئی ہو تو اس پر تیمم جائز ہے۔
 بشرطیکہ وہ گرد پاک ہو، ناپاک مٹی پر تیمم نہیں ہو سکتا، اور اتنا بھی بکھڑا کیوں
 کیا جاوے مٹی کا کوئی برتن پاس ہو تو اس پر تیمم کر لو اس پر گرد ہونا بھی شرط
 نہیں ادل تو ریل کے سفر میں تیمم کی نوبت ہی آنے کی اُمید نہیں۔ پانی ہر جگہ
 ملتا ہے۔ اگر یوں ملنے میں دقت ہو تو پیسہ دو پیسہ خرچ کر دو پھر چلے جتنا پانی
 لے لو جہاں دنیا کی آسائش کے لئے تیسرے درجہ کی جگہ ڈیوڑھا یا دوئم درجہ کا
 ٹکٹ لیتے ہو اگر دو چار پیسے خرچ کر کے نماز مل جائے تو کیا خرچ ہوگا
 ہاں خیال رکھنا اور مستعدی شرط ہے۔

ریل میں سمست قبلہ | اسی طرح جب ریل میں سمست سمجھ نہ آئے
 تو دوسرے سے دریافت کر لینا ضروری ہے بے پوچھے نماز نہیں ہو سکتی۔ اگر ریل اسٹیشن پر ہے تو کسی قلی یا کسی ملازم
 سے دریافت کر لے پر وہ بھی اسی حد تک درست ہے جہاں تک شریعت نے
 بتلایا ہے اس عذر سے نماز نہیں چھوڑی جاسکتی کہ قبلہ معلوم نہ تھا یہ سب
 ایسے عذر ہیں جن کو شریعت اعتبار نہیں کرتی اگر مجمع نماز پڑھنے کو مانع ہوتا
 ہے تو شریعت اس مجمع کو بھی جائز نہیں رکھتی اگر ایک نماز بھی ان تقریبات

میں چھوٹ گئی تو ان کی قبیح ہوتے کے لئے کافی وجہ ہے مگر ہم کو حُسن و قبح کی خبر ہی نہیں ان تقریبات کو خوشی کے مواقع سمجھتے ہیں۔ ان کے واسطے دن اچھے تلاش کئے جاتے ہیں ساعتِ سعید دیکھی جاتی ہے اس خط میں یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ جائز ہے یا ناجائز۔

بخومیوں اور پندتوں سے ساعت پوچھ کر
حقیقۃً نحوستہ کا وقت | بیاہ رکھا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کوئی ساعت

نخس آن پڑے اور یہ خبر نہیں کہ نخس حقیقی ساعت کون سی ہے۔
 نخس حقیقی وہ ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ سے غفلت ہو جس وقت میں آپ نے نماز چھوڑی اس سے زیادہ نخس کون وقت ہو سکتا ہے اور جو اشغال نماز چھوڑنے کے باعث بنے ان سے منحوس شغل کو نسا ہو سکتا ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ
 وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ
 عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ

ترجمہ :- شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی
 ڈال دے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روک دے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں
 جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے
 تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے گا، دوسرے یہ کہ خُدا کے تعالیٰ کی یاد سے اور
 اور نماز سے روک دے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغض اور نماز اور
 ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت
 ایک ہی چیز ہیں اسی واسطے اس کی شرح میں فرماتے ہیں، جناب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم :-

كُلُّ مَا أَلْهَاكَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ۔

یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کرے وہ سب ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ میں تو اس کو جوا نہیں کہتے حدیث میں جو اس کو جوا فرمایا گیا وہ باشرک علت ہے اس میں تصریح ہو گئی کہ : *نَهَى عَنْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ* کی علت الہار عن ذکر اللہ ہے۔
پس جہاں الہار عن ذکر اللہ پایا جائے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر ہوگا۔
اب اس سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔

تجدید رسوم ————— | حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی شراب اور جوئے کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل

ہونے کا سبب ہو گئیں اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں روا ہوتی ہیں وہاں نماز کی گت نہیں ہوتی تو بموجب ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میسر یعنی جوئے کے حکم میں ہوئیں اور میسر کو قرآن شریف میں جس اور عمل شیطان فرمایا گیا ہے۔ تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن ان کو عمل شیطان کہتا ہے۔ پس اور دلیلوں کو جانے دیجئے یہی کیا کم خرابی ہے کہ اس کا نام عمل شیطان ہوا حکم شرعی تو یہی ہے جس کے لئے ایسی دلیل بتلائی گئی کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن سمجھے تو وہ جس کی طبیعت میں یہ کچھ ٹھیکس۔

انھوں نے رواج ایسا پایا ہے جیسے سالن میں | رسوم میں دینی خرابیاں | ہلدی مصالح نمک کے بغیر ان کے سالن بننا ہی

نہیں حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں اُن سے کوئی حاذق طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہیں تو کبھی ان کا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دیں گے کہ میاں طبیب کو رہنے دو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ساری عمر کھاتے

ہو گئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا اور بے مہرچ کے لطف ہی کیا۔

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسموں کے ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ بلا ان کے کسی تقریب میں لطف ہی نہیں آتا چاہے خانہ ویرانہ ہی ہو جائے لیکن یہ نہ قضا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت ہونا ہی نہیں رہا حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے مرتے وصیت کر جاتے ہیں کہ ہمارا چہلم دھوم دھام سے کرنا اور بعض کو اس وصیت پر بھی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس چہلم کو قبل از وقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتے ہیں۔

کیسا حس باطل ہوا ہے کہ نماز قضا ہو تو پرواہ نہیں جس کا وقت آ گیا اور خطاب اللہ متوجہ ہو چکا اور چہلم کا وہ اہتمام ہو کہ وقت آنے سے بھی پہلے ادا کیا جائے امر اللہ کی وہ بے وقعتی اور امر شیطان کی یہ وقعت ڈوب مرنے کی بات ہے افسوس ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے جاتے وقت بھی وہ معصیت ذہن میں بھری ہوتی ہے اس وقت تو شرانے کا وقت تھا، مگر بطلانِ حس کا کیا علاج —؟ جب کسی کو پائینخانہ میں خوشبو آنے لگے تو کیا تعجب ہے کہ مہمانوں کے سامنے بچائے کھانے کے غلیظ کو رکھ دے مگر یاد رکھئے کہ مہمانوں کا حس باطل نہیں ہے آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی خدائے تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگا یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا بُرا ہونا بھی ذہن سے اُٹھ جائے اس کو موتِ قلب کہتے ہیں رسموں کو کہاں تک بیان کروں۔

نیو تہ کا حکم سب سے عمدہ رسم جس کے فوائد بہت بیان کئے جاتے ہیں ایک اسی کا حال آپ سن لیجئے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ رسمیں جن کے بُرا ہونے کے آپ خود معترف ہیں وہ کس

درجہ کی بُری ہوں گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ نیوۃ سلوک ہے گویا اس کو صلہ رحم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ قرض ہے کیونکہ صلہ رحم میں بشرطِ عوض کی قید نہیں ہوتی۔ اور اس میں یہ قید ہے صراحتاً ہو یا تعالاً دیکھ لیجئے نیوۃ بکبر وصول کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب کے یہاں شادی ہوئی تو اس میں نیوۃ کم آیا انھوں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو بہت سے آدمی نیوۃ دینے سے رہ گئے تھے۔ شادی ختم ہو گئی مگر انھوں نے ایک تنخواہ دار نوکر کی مہینہ تک تنخواہ دیکر تحصیل نیوۃ کے لئے مقرر کیا یہ کیسا صلہ رحم تھا جس طرح وصول کیا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ صرف تاویل ہے درحقیقت نیوۃ قرض ہے اس کو کسی اور عقد میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں جب یہ قرض ہے تو اس پر احکام شرعی قرض کے جاری ہوں گے ان احکام میں آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ کوئی تغیر تبدیل کر سکیں جیسا کہ حاکم وقت کسی معاملہ کو ایک عقد میں داخل کر کے اس کے احکام جاری کر دیتا ہے تو وہ جبراً تسلیم کرنے پڑتے ہیں اس میں آپ کو اختیار نہیں ہوتا کہ ان احکام میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر دیں۔ مثلاً ایک زمین کچھ مدت تک کاشت کرنے سے موردی قرار دی جاتی ہے اور اس پر حاکم وقت یہ حکم مرتب کر دیتا ہے کہ اب مالک کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا تو یہ حکم لازم ہو جاتا ہے اس میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موردی ہے مگر اس حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں کہ اب اس کا قبضہ نہیں چھوٹ سکتا۔ ہماری ملک ہے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

جب دنیا کے بادشاہ کا ایک معاملہ پر حکم مرتب کرنا جس میں ابھی یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ عقلاً صحیح ہے یا نہیں لازم ہو جاتا ہے تو خدا نے

احکم الحاکمین کے قرار دادہ احکام معاملات میں کیوں لازم نہ ہوں گے۔
 درحالیہ کہ یہ بھی تسلیم کیا ہوا ہے کہ خدائے احکم الحاکمین کے احکام
 عین عدل و عین حکمت ہیں۔ پس وہ احکام جو عقد قرض پر خدائے تعالیٰ نے
 مرتب کئے ہیں یہ ہیں کہ بلا ضرورت قرض نہ لیا جائے یہ نیوٹہ کیسا قرض ہے کہ
 ضرورت کا تو ذکر کیا دینے والے کے اختیار سے دیا جاتا ہے اور نہ لینے سے
 برداری بُرا مانتی ہے کہیں آپ نے ایسا قرض دیکھا ہے کہ دینے والا زبردستی
 نہ کرے اور دوسرا مقروض بن جائے یہ حکم تو لینے کے وقت کا ہے اور
 دینے کے وقت کے احکام سینے۔ قرآن شریف میں ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ۔

یعنی اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینی چاہیے جب تک
 کہ وہ دے سکے اور آپ کے اس قرض کا وقت وہ مقرر رہے جبکہ شادی
 ہو خواہ کسی کے پاس ہو یا نہ ہو اور ایک حکم یہ ہے کہ مدیون جس وقت
 ادا کرنا چاہے تو ادا ہو سکتا ہے اگر کوئی ایک مدت کا وعدہ بھی کر کے قرض
 لے اور اس مدت سے پہلے ادا کرے تو دائن کو نہ لینے کا اختیار نہیں اسی وقت
 لینا پڑے گا اور آپ کے اس نیوٹہ کو اگر کوئی بلا تقریب کے واپس کرنا چاہے
 تو نہیں لیا جاتا یہ کیسا قرض ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے احکام میں مداخلت ہے،
 اور ایک فساد اس میں بہت بڑا یہ ہے کہ جب نیوٹہ قرض ہوا تو قرض میں
 میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ عورت مر جاتی ہے تو اس
 کے وارث خاوند پر نالش کر کے مہر کا روپیہ وصول کر لیتے ہیں تو نیوٹہ کے
 روپیہ میں بھی میراث جاری ہونی چاہیے اور حصہ شرعی کے موافق سب وارثوں
 کو پہنچنا چاہیے مگر اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا یہ میراث کے احکام کو بدلنا ہے۔

جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔

فَرِیضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۔

یعنی میراث کی تقسیم خدائے تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے اور خدائے تعالیٰ علیم و حکیم ہیں۔

تقسیم کے مواقع اور مقدار حصص کو تم سے زیادہ جانتے ہیں اسی کے آگے دوسری آیت ہے۔

وَصِیَّتُهُ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ یَّلٰکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ یُّطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ یَدْخُلْهُ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِیْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ وَمَنْ یَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ یَدْخُلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَکُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۔

یعنی خدائے علیم علیم کے مقرر کردہ احکام ہیں جو کوئی اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو ماننے کا اس کو جنت میں داخل کریں گے اور جو کوئی اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کو نہ مانے گا اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈالیں گے۔

اس آیت میں وصیت من اللہ سے احکام میراث میں تشدد پیدا ہوتا ہے۔

پھر حکم ماننے پر وعدہ ہونے اور حکم نہ ماننے پر وعید ہونے سے اس میں اور تاکید ہوتی ہے اور وعید بھی کیسی کہ جس کی شدت ظاہر ہے اب دیکھئے کہ نبوت

میں کیا ہوتا ہے۔ اگر دینے والا بہت جگہ نبوت چھوڑ کر مر جاتا ہے تو وہ نبوت

بڑے بیٹے کی شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے اور وہ اس کو اپنی شادی کے
 خرچے میں لاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب وارثوں کا مال ہے جو ایک کے خرچے میں آ
 رہا ہے اس سے کھانا کیا جاتا ہے اور سب برادری کھاتی ہے اس میں دوسرے
 وارثوں کی حق تلفی ہوتی۔ اور بلا اجازت ان کے ان کھانے والوں نے کھایا یہ
 حق العبد ہوا اور اگر ان وارثوں میں کچھ نابالغ بچے بھی ہیں تو ان کا حصہ بھی
 کھانے والوں نے کھایا۔ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے
 کہ یتامیٰ کا مال ہے جو ظلماً کھایا گیا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔
 اِنَّ الَّذِیْنَ یَاکُلُوْنَ اَمْوََالَ الْیَتَامٰی ظَلَمًا اِصْحٰمًا یَاکُلُوْنَ
 فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلُوْنَ سَعِیْرًا

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے
 بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

یہ آپ کے نبوت کے مختصر نتائج ہیں جن میں ساری برادری والے گرفتار
 ہوتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ان وعیدوں کے سننے کے بعد اس کے جاری
 رکھنے کی جرأت کرے گا دینا تو درکنار یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ ان کے خوف
 سے عجب نہیں کہ اپنا آتا ہوا بھی وصول کرنا بھول جائے۔ یہ تو ایسی رسم کا
 حال ہے جس کو سب سے اچھی رسم کہا جاتا ہے۔ اور جن رسموں کو آپ خود
 بھی بُرا کہتے ان کا حال کیا ہو گا یہ تو خوشی کی رسمیں ہیں۔ اسی کے قریب قریب
 غسی کی رسمیں ہیں۔

موت کی رسمیں | جب کوئی مرتا ہے تو اسکی فاتحہ، تیجہ اور دسواں
 سب اسی کے مال میں سے ہوتا ہے، حالانکہ شریعت

کا حکم یہ ہے کہ وہ مال داروں کا حق ہو چکا ہے اول تو اس قرض میں دینا چاہیے جو کوئی چیز گروہی رکھ لیا گیا ہے۔ تجہیز و تکفین بھی اس کے بعد ہے وہ گروہی چیز چھڑا کر بیچی جاوے اور اس میں سے تجہیز و تکفین کی جاوے اور بعد تجہیز و تکفین کے اور قرض فیئے جاویں اور میراث بعد اداائے قرض ہے، رہی میت کی فاتحہ اور ایصال ثواب اس کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں ہے اس کو کوئی حق میت کے مال کے متعلق نہیں قرار دیا گیا اگر میت کسی مصرف میں صرف کرنے کی وصیت بھی کر جائے تب بھی ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں اور اس تہائی سے مراد بھی اس مقدار کا تہائی ہے جو بعد اداائے قرض بچے۔ اگر قرض میں سب آجائے تو وصیت بھی نافذ نہیں۔

اب دیکھ لیجئے کہ آپ کے یہاں میت کا مال کس طرح اڑایا جاتا ہے نہ کسی کو قرض کی خبر نہ وصیت کی نہ میراث کی بلا سوچے سمجھے سب نکلے پہلے تیجہ اور دسویں میں لگا دیا جاتا ہے جس کا شرعاً یہ حکم ہوتا کہ اگر میت قرضدار ہے تو تیجہ اور دسویں کے کھانے والے ان قرض خواہوں کا حق مارتے ہیں اور اگر میت قرضدار نہیں بھی ہے تو وارثوں کا حق اس مال کے ساتھ متعلق ہو چکا ان کا حق مارنے والے ہیں۔ غرض ہر صورت میں حق العبد کے دیندار ہیں۔ یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ وارثوں کی تو اجازت ہوتی ہے کیونکہ میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ رسمی اور شرعاً حضوری کی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت جب معتبر ہے کہ مال تقسیم کر کے سب کو دیدیا جائے پھر ان سے کہا جائے کہ اتنا اتنا سب مل کر دو تو فاتحہ کی جائے یہ اجازت معتبر ہو سکتی ہے مگر یاد رکھئے کہ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو ایک وارث بھی آیا ہو ا پیسہ دینا گوارا نہ کر لیا یہ حکم بھی بالغین کا ہے اور اگر وارثوں میں

کوئی نابالغ ہے تو بعد تقسیم کے بھی اُس کا خوشی سے دینا معتبر نہیں۔

فقہ کا مسئلہ ہے کہ نابالغ کے تصرفات تبرعات کے متعلق نافذ نہیں

غرض یہ مال جو تہجہ اور دسویں میں لگایا جاتا ہے مالِ سحت ہے غنی

کو یا فقیر کو کسی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حق غیر ہے خاص کر اُس

صورت میں کہ جب وارث نابالغ ہوں کہ اس میں حق غیر ہونے کے ساتھ

اتنا اور اضافہ ہے کہ مالِ یتیمی ہے جس پر قرآن شریف کی یہ وعید ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ

فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا۔

اس کو میں نبوت کے بیان میں مفصل عرض کر چکا ہوں یہ خرابیاں رسوم

موت میں وہ ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور دیگر خرابیاں جو رسوم

میں لازم آتی ہیں جیسے التزام مالایلزم اور اصراف وغیرہ یہ الگ تہیں ذرا

تو دین کا خیال چاہیئے۔ مال تمہارے پاس کہاں سے آیا تمہارا پیدا کیا ہوا نہیں

ہے کہ ایسے خود مختار ہو جاؤ کہ اس کے متعلق کسی سے پوچھنے کی ضرورت

نہ رہی تم بھی خدا کے اور مال بھی خدا کا۔ پھر جس کی ملک ہے اس سے

تو پوچھ لینے کی ضرورت ہے جہاں مالک حقیقی منع کرے وہاں کسی کو

کیا حق ہے کہ صرف کر سکے۔

رسوم میں عقلی خرابیاں | یہ تو دین کی خرابیاں ہیں۔ اور عقل کی خرابیاں دیکھئے کہ جس مال کو محنت

جانفشانی سے حاصل کیا گیا ہو اس کو اس بے دردی سے خرچ کر دیا

جائے کہ مالک کے قرض تک ادا نہ ہوں اور اس کے پتے محتاج ہو

کر رہ جائیں۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کے باپ خوش حال

تھے اور بہت کچھ ترک چھوڑا تھا۔ مگر انھوں نے برادری کی خوشی اور نمود
 کے لئے سب تیجہ اور دسویں اور بیسویں میں لگا دیا جو کچھ بچا وہ چہرہ سلم
 میں اور اس سے بھی بچا تو برسی میں لگا دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے خوب واہ واہ
 ہوتی اپنے آپ محتاج ہو گئے۔ گھر پھونک تماشا دیکھا یہ کون عقل کی بات ہے
 کہ ایک ایک لقمہ برادری کو کھلا کر خود فقیر ہو گئے۔ دین سے قطع نظر عقل سے
 بھی کام لیا جائے تو اس کا عکس ہونا چاہیئے۔ یعنی برادری سب مل کر پیسہ پیسہ
 دیں تاکہ ایک شخص کے پاس کافی رقم جمع ہو جائے اور برادری کو معلوم
 بھی نہ ہو مگر جبکہ ہم کو دین یا عقل سے کام کرنا بھی تو ہو، ہمارا امام تو ہوائے
 نفسانی اور خواہش نفسانی ہے اس کے سامنے ہمیں کچھ نہیں سوچتا کہ کیا کر
 رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا نفس اور شیطان آپ کا دشمن ہے کبھی آپ
 کے فائدہ کی بات نہ بتلائے گا ہمیشہ وہ باتیں بتلائے گا جو دین کے خلاف اور
 عقل سے بھی خارج ہوں اس کی مثال میں ایک اور رسم پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے
 کہ جب عورتیں کسی کے یہاں جاتی ہیں تو عمدہ سے عمدہ کپڑے اور زیور پہن کر
 جاتی ہیں اور جب وہاں سے اپنے گھر کو واپس آتی ہیں تو اس زیور اور کپڑے
 کو ایسی جلدی اتار کر سنگوادیتی ہیں جیسے کسی کا مانگا ہوا تھا اور اس نے
 اُڑوا لیا۔ اس رسم میں دینی مفاسد مثل ریادہ سمعہ و شہرت و تفاخر وغیرہ سے
 قطع نظر کبر کے میں کہتا ہوں کہ عقل کے بھی خلاف ہے جس کی کمائی سے
 یہ کپڑا اور زیور میسر ہوا اس کے سامنے تو بھنگنوں کی طرح رہیں اور دوسروں
 کے سامنے بن ٹھن کر جائیں اور اتنی بھی توفیق نہ ہو کہ دوسروں کے طفیل
 ہی میں اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے پہنے رہیں یہ ایسے ہوا جیسے کھانا
 کسی کی لاگت سے پکایا جاوے اور کھانے کو دوسرے بلا لئے جاویں اور

وہ دیکھتے کا دیکھتا ہی رہ جاوے۔ جو باتیں خواہش نفسانی کے اتباع سے کی جاتی ہیں وہ ایسی ہی بے ہودہ اور عقل سے خارج ہوتی ہیں اسی سے سمجھ لو کہ اور رسمیں بھی ایسی ہی لغو اور عقل کے خلاف ہوں گی۔ مگر ہماری طینت میں ایسی جہالت داخل ہو گئی ہے کہ اچھے بُرے میں تمیز ہی نہیں رہی اپنا نفع نقصان بھی نظر نہیں آتا بس خواہش کو امام بنالیا ہے۔

میں نے تھوڑے سے حالات بیان کئے ————— جس حال میں آپ غور کریں اس میں اپنی خواہش کا اتباع ثابت ہو گا۔ عقائد ہیں تو اپنی خواہش کے موافق اور اعمال ہیں تو اپنی خواہش کے مطابق اور اخلاق ہیں تو اپنی خواہش کے موافق، کوئی حال ایسا نہیں معلوم ہوتا جو شریعت کے موافق ہو۔ اس کی نسبت حدیث کے الفاظ یہ ہیں لا یومن احدکم الخ جس کے معنی لغوی یہ ہیں کہ بلا اتباع شریعت ایمان ہی نہیں مگر ہم لوگوں نے اس کی تاویل بھی اتباع ہوائے ہی سے یہ کر لی کہ ایمان کی نفی نہیں کمال ایمان کی نفی ہے، اور مومنائے آگے کا ملا مراد ہے، میں اس تاویل سے انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ جن لوگوں نے یہ تقدیر نکالی ہے وہ خدا نخواستہ گمراہ یا جاہل نہ تھے، اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا یہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ گناہ کرنے سے دوزخ میں جانا ضروری ہے، اہل سنت کہتے ہیں کہ سوائے شرک کے کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں مغفرت سے یاس ہو چکی ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ کو بخش دیں۔

تو مذہب حق یہی ہے کہ یہاں کا ملا کی قید ہے اس کی دلیل اور نصوص
 ہیں جو اسباب میں قطعی الدلالت ہیں کہ معصیت سے ایمان نہیں جساتا
 میری غرض تو اس غلطی پر متنبہ کرنا ہے کہ آپ جس غرض سے یہ قید کا ملا کی
 نکالتے ہیں یہ بھی اتباع ہوئے ہے کہ معاصی سے قلب مالوف ہو گیا ہے ہوا
 کی اتباع چھوڑ نہیں سکتا اور کج دلہ قرآن و حدیث پر ایمان بھی ہے تو اس
 الفت بالمعاصی کو قائم رکھنے کے واسطے قرآن و حدیث میں تاویل کر لیتا ہے
 سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ ہمارے تاویل کرنے میں اور علماء کے تاویل کرنے میں
 زمین و آسمان کا فرق ہے تاویل اس کو کہتے ہیں کہ دو کلام جو بظاہر متعارض
 معلوم ہوتے ہیں کوئی ایسے معنی ان میں سے ایک کے لئے لے جاویں کہ
 تعارض نہ لے۔ سو ہماری تاویلات باتباع نفس ہوتی ہیں اور ان کی تاویل
 باتباع قرآن و حدیث ان دونوں کے نتیجہ میں فرق ہے ہم کو اس تاویل سے
 معاصی پر جرأت بڑھتی ہے اور ان کو اسی تاویل سے دوسری آیت کی تعمیل
 نصیب ہوتی ہے وہ ہر صورت میں مطیع ہیں اور ہم ہر طرح نافرمانی کی
 گنجائش نکالتے ہیں۔ دونوں قسم کی تاویلوں میں فرق خوب سمجھ لو ہماری تاویلوں
 کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ۷

برہوا تاویل قرآن میسکنی پست و کج شد از تو معنی سنی

چوں ندارد جان تو تنذیل ہا بہر بنیش میسکنی تاویل ہا

(ترجمہ) تم محض ہوائے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے تمہاری
 تاویل کی بدولت روشن معنی قرآن کے کج اور متغیر ہو گئے۔ تمہاری جان
 چونکہ انوار نہیں رکھتی اس واسطے بنیائی تاویلیں کرتے ہو یعنی تم حقائق و علوم
 سے چونکہ خالی ہو اس لئے تم اپنی جہالت چھپانے کے واسطے تاویلیں کرتے ہو

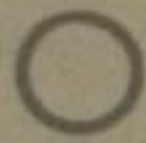
غرض اپنی تاویلات کو علماء کی تاویل نہ سمجھئے اور ان کو تاویل کرتے
 دیکھ کر آپ جرأت نہ کیجئے اس میں اسمینر شش نفس کی ہے کہیں نہ کہیں
 دھوکہ ضرور ثابت ہوگا اس تاویل کو حق سمجھئے کہ حدیث مذکور میں نفی کمال
 ایمان مراد ہے یہ آج کی تاویل نہیں متقدمین کی اور علماء حقانی کی کی ہوئی
 تاویل ہے مگر اسپر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا کیونکہ
 یہ صحیح ہے کہ معاصی سے ایمان نہیں جاتا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک معصیت
 دوسری کا سبب بن جاتی ہے اور چھوٹی معصیت سے بڑی تک نوبت آ
 جاتی ہے اور رفتہ رفتہ آدمی کفر تک پہنچ جاتا ہے یہ ہی معنی ہیں **مَنْ**
تَرَكَ الصَّلَاةَ هُتِعِدَّ اَفْكَدْ كِفَرًا - کے اور یہی معنی ہیں اس
 حدیث کے جس کا ماحصل یہ ہے کہ بخل ایک درخت ہے دوزخ میں جب
 آدمی بخل کرتا ہے تو دوزخ میں پہنچ جاتا ہے اور میں کہتا ہوں کفر وغیرہ نہ بھی
 ہو تو کیا نقصان ایمان ڈرنے کی چیز نہیں اور کیا کمال ایمان ایسی چیز نہیں ہے
 کہ اس کو حاصل کیا جائے جب آپ کھانا پکاتے ہیں تو اتنی سی بات بھی گوارا
 نہیں ہوتی کہ ذرا نمک پھیکا ہو حالانکہ اگر نمک بالکل بھی نہ ہو تو کھانا میں
 مقصود کا بطلان نہیں ہوتا کمال ایمان بڑی چیز ہے ہمت کیجئے اور حاصل کیجئے
 اور ہمہ تن اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع بنائیے عقائد ہوں تو شریعت کے
 موافق اعمال ہوں تو شریعت کے موافق اخلاق ہوں تو شریعت کے موافق اور
 معاملات کی بالخصوص اصلاح کیجئے ان میں ابتری بہت ہی زیادہ ہے نماز روزہ
 کے مسائل تو لوگوں کو معلوم ہی ہیں مگر ان سے ایسی اجنبیت ہوئی ہے کہ
 ان کے مسئلے بتانے والے بھی کم ہیں میں نے بہت تھوڑی سی باتیں تو صنیع کے
 ساتھ بیان کی ہیں اب وقت نہیں ان ہی سے اتنا پتہ آسانی سے چل سکتا

ہے کہ ہمارے حالات سب کے قابل اصلاح ہیں یہ کھٹکا اگر آپ کے دل میں پیدا ہو گیا ہے تو کل مفاسد کی تفصیل معلوم کرنا آسان ہے معلوم کیجئے اور ہمت کر کے اصلاح کی فکر کیجئے۔

ایک لغو عذر یہ بھی ہے کہ جب عوام سے کہا جاتا ہے کہ شریعت کو مانو تو کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم سے کہیں شرع بندھ سکتی ہے۔ کیوں صاحبو! جس وقت جنت سلمے کی جائے گی اس وقت بھی تم یہ ہی کہہ دو گے کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم کیسے اس میں جائیں شریعت کو ایسی ایک ہولناک چیز فرض کر لیا ہے کہ جو دنیا داروں کے بس کی نہیں خوب سمجھ لو کہ شریعت دن رات نفلیں پڑھنا اور کھانے پینے کے چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے۔ کہ مشکل ہو بلکہ اس میں بہت وسعت ہے جس چیز کو کتاب مباح کہے بیدھڑک کر ڈالو مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہ جس چیز کو منع کرے اس کے پاس مت جاؤ یہ ہے اپنی خواہش کو شریعت کے تابع بنانا جس کو کمال ایمان فرمایا گیا ہے ہاں اس کے لئے اتنی ضرورت ہے کہ تم کو معلوم ہو کہ فلاں چیز کو کتاب جائز کرتی ہے اور فلاں چیز کو نہیں یہ معلوم ہونا بھی کچھ دشوار بات نہیں جس کو فرصت ہو وہ تعلیم تعلم سے حاصل کر لے اور جس کو فرصت نہ ہو وہ جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر سیکھ لے۔ آج کل تو علم گلی کو چوں میں عام ہو گیا ہے ہر جگہ مولوی موجود ہیں جو مسئلہ چاہو پوچھ لو ————— اور اگر مولوی

کہیں موجود نہ بھی ہوں تو ڈاک کا راستہ ایسا کھلا ہوا ہے کہ چار پیسہ میں شرقاً غرباً جہاں سے چاہو جواب منگالو، غرض اس بات کا التزام کر لو کہ بلا پوچھے اور بے سوچے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کرو

تاکہ کمال ایمان میسر ہو اسی کو فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا حُتُّ بِهِ۔
 ترجمہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا،
 جب تک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جن کو میں لایا
 ہوں) ، اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ تو نسیق عطا فرمادیں۔ آمین !



غَايَةُ النِّجَاحِ

— فی —

آيَاتُ النِّكَاحِ

یہ وعظ اہلیہ صغریٰ حضرت حکیم الامت کے مکان پر ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۶ء
 روز یکشنبہ تین گھنٹہ کمرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔
 سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی مستورات پس پردہ اس کے
 علاوہ تھیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے قلمبند فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

خُطْبہ | الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ ۝ وَنُسَبِّحُہُ وَنُسْتَغْفِرُہُ وَنُؤْمِنُ بِہِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ وِرَالْفُتِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا
مَنْ يَهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ يُّضِلِلْہُ فَلَا هَادِيَ لَہٗ
وَنَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی
اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکُ وَسَلَّمَ

اَمَّا بَعْدُ : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ —
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ وَمِنْ آیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَّکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ
اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْہَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ط اِنْ فِیْ
ذٰلِکَ لَا یَاتِیْ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ — (سورة الروم پارہ ۲۱)

تمہیں | ان آیات کی تلاوت سے غالباً ان لوگوں کو جو ترجمہ سے کچھ
مناسبت رکھتے ہیں یہ شبہ ہوا ہوگا کہ شاید میں نکاح کے
حقوق بیان کروں گا کیونکہ موقع بھی نکاح کا ہے اور درخواست کر نیوالے بھی اسی
تقریب میں آئے ہیں مگر اسوقت میرا یہ مقصود نہیں نہ اس واسطے کہ یہ مضمون مقصود

بالذات نہیں کیونکہ اگر یہ مضمون (یعنی حقوق نکاح کا بیان) فی نفسہ مقصود نہ ہوتا تو نصوص میں اس کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ نصوص میں غیر ضروری امور کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس وقت مجھے دوسرا مضمون بیان کرنا ہے جو نیا مضمون ہے جو غالباً آج سے پہلے کانوں میں نہ پڑا ہوگا اور حقوق نکاح کا بیان بعض مواضع میں چند بار بیان ہو چکا ہے اور فقہ کے اُردو رسائل میں بھی انکا ذکر ہے اس لئے اس وقت میں ان حقوق کو بیان نہ کروں گا۔

نصوص میں غیر ضروری امور کا ذکر نہیں | یہ جو میں نے کہا ہے کہ نصوص میں غیر ضروری امور کا ذکر نہیں کیا گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو لوگ قرآن و حدیث میں غیر ضروری امور کو داخل کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں نصوص کی وقعت کو کم کرتے ہیں کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبِ اکبر میں جوتہ سینے کی ترکیب داخل کر دے اور ربط یہ بیان کرے کہ بعض امراض ننگے پاؤں پھرنے سے بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا علاج جوتہ پہننے ہی سے ہو سکتا ہے اس لئے ہم نے ناظرین کی آسانی کے لئے جوتہ سینے کی ترکیب بھی لکھ دی ہے مگر یقیناً اس ربط کے بعد بھی یہ مضمون اس کتاب کی وقعت کو کم کر دے گا (کیونکہ یہ ربط محض لغو ہے اگر اس وجہ سے طبِ اکبر میں جوتہ سینے کی ترکیب اضافہ کی جائے گی تو پھر کپڑا بننے کی ترکیب بھی بڑھانا چاہیے کیونکہ بعض امراض عریانی سے پیدا ہوتے ہیں اور کھانا پکانے کی ترکیب بھی لکھنا چاہیے کیونکہ بعض امراض جھوکا رہنے یا خراب غذا کھانے سے پیدا ہوتے ہیں اور پانخانہ کمانے کی ترکیب بھی درج کرنا چاہیے کیونکہ بعض امراض غلاظت اور ترک صفائی سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ طب کی کتاب کیا ہوئی قیامت کی معجون مرکب ہو گئی (۱۲)

نصوص میں غیر ضروری امور کو داخل نہ کریں | اسی طرح تفسیر بالرائے
کر کے قرآن میں غیر

ضروری امور اور فضول تحقیقات کو ٹھونسنا بھی قرآن کی وقعت کو کم کرنا ہے
یہ سخت غلطی ہے جس کا منشاء خود رائی ہے جس سے وہ تفسیر پیدا ہوئی ہے مگر
کو ان سے پوچھے کہ آپ کی رائے کی صحت پر ہی کیا اطمینان ہے کیونکہ خود آراء میں
بکثرت اختلاف ہے اس کا فیصلہ کیونکر ہو کہ کوئی رائے صحیح ہے۔

محض کثرۃ رائے پر فیصلہ لغو ہے | اب میں قطع نظر تفسیر بالرائے
سے مطلق کثرت رائے کے

متعلق کچھ عرض کرتا ہوں آج کل اکثر امور میں اس کے لئے ایک قاعدہ لکھا ہے
کہ کثرت کی طرف فیصلہ کیا جائے۔ مگر اس میں اوّل تو یہ کلام ہے کہ جس کو آپ
کثرت سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں کثرت نہیں کیونکہ تم نے دس پندرہ یا بیس
پچاس آدمیوں کو جمع کر کے اُن سے رائے لے لی اور کثرت پر فیصلہ کر دیا حالانکہ
کر وڑوں آدمی ابھی ایسے باقی ہیں جن سے رائے نہیں لی گئی کیونکہ عوام سے کون رائے
لیتا ہے اور انکی رائے شمار ہی کون کرتا ہے اگر عام سے رائے لی جائے اور انکی آراء
کو شمار کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو آپ کثرت سمجھتے تھے
حقیقت میں وہ قلت ہے اور اگر لوں کہو کہ ہم کو عوام سے رائے لینے کی ضرورت
نہیں بلکہ ہم عقلاء کو انتخاب کریں گے اور انکی کثرۃ پر فیصلہ کا مدار رکھیں گے تو میں
پوچھوں گا کہ عقلاء کس معیار سے منتخب کئے جائیں گے اور اس معیار کے صحیح ہونے
کی کیا دلیل —؟ اگر انتخاب عقلاء کا معیار تم نے اپنی ذاتی رائے سے قائم
کیا تو تمہاری رائے کے غلط نہ ہونے کی کیا وجہ؟ اور اگر کثرت رائے سے
وہ معیار کیا تو ہمارے خیال میں تو آج تک کسی نے اس معیار کے متعلق کثرت رائے حاصل

نہیں کی اور جس دن اس مسئلہ کو کثرتِ رائے سے حل کیا جائے گا ہم دکھلا دیں گے کہ یہ مسئلہ طے ہی نہ ہو گا کیونکہ ہر شخص انتخابِ عقلاہ کا معیار ایسا بیان کرے گا جس میں وہ خود بھی داخل ہو سکے ایسا معیار کوئی نہ بیان کرے گا جس کی وجہ سے وہ خود بیوقوف قرار پائے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک معیار پر کثرتِ رائے ہو جانا دشوار ہے (ظ) غالباً آج آپ کو کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنے کی حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں حقیقت میں فیصلہ ہمیشہ شخصی رائے سے ہوتا ہے کیونکہ کثرتِ رائے کے حاصل کرنے کا جو معیار تجویز کیا جاتا ہے وہ شخصی رائے سے تجویز ہوتا ہے اس میں خوب غور کر دلیقیناً انتہا شخصی رائے پر ہو گی۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس کثرتِ رائے کے فیصلہ میں بھی وہ خرابی موجود ہے جو شخصی رائے میں بیان کی جاتی ہے کیونکہ کثرتِ رائے کے فیصلہ سے بھی رعایا کی حریت باطل ہونی ہے جس کا آج کل بہت چرچا ہے کہ مساوات اور حریت ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ عورتوں کو بھی مردوں کے برابر حقوق دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ تم عورتوں کو تو مردوں کے برابر سمجھے کرنا پہلے مردوں کو تو برابر کر دو میں پوچھتا ہوں کیا پارلیمنٹ کے سب قوانین عام رعایا کی رائے کے موافق ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں افراد کی رائے کے خلاف ہوتے ہیں تو کیا اس صورت میں کثرتِ رائے سے حریت باطل نہیں ہوئی پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو جن کی رائے پارلیمنٹ کے فیصلہ کے خلاف ہے اس فیصلہ کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان پر جُرم کی دفعات قائم کرتے ہیں۔ آخر ان کو آزادی کیوں نہیں دیجاتی یہ کیا کہ مرد و عورت تو برابر ہوں اور مرد مرد برابر نہ ہوں کیا یہ ظلم و ستم نہیں

اور جب کثرت رائے سے بھی حریت کا ابطال ہوتا ہے اور وہی جبر و استبداد ہمیں
 بھی جو شخصی رائے میں ہے تو اب بتلائیے کہ ایک شخص کی غلامی اور استبداد سے
 پارلیمنٹ کی غلامی اور اس کا استبداد کیوں افضل ہے۔ —————؛ یقیناً
 بیس سچپس آدمیوں کی غلامی سے ایک کی غلامی بہتر ہوگی جیسا ایک عاقل سلیم الفطر
 شاعر کہتا ہے ۵

أَرْبَابًا وَاحِدًا أَمْ أَلْفَ رَبٍّ
 أَدِينُ إِذَا لَقِيتُ الْهُورَ
 تَرَكْتُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى جَمِيعًا
 كَذَلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيرُ

پس اپنی اپنی رائے کا یا کثرت رائے کا اتباع نہ کرو بلکہ حکم واحد کا اتباع
 کرو اور وہ حکم واحد وحی ہے اس میں خود رائی سے فضولیات کو نہ ٹھونسو کیونکہ
 رائے کی صحت پر کسی طرح اطمینان نہیں ہو سکتا جیسا کہ اوپر مفصل معلوم ہو چکا۔
 پس اپنی رائے کو رہنے دو اور جو کچھ وحی بتائے اس کا اتباع کرو۔ جو شخص وحی
 میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے وہ جاہل ہے مجنون ہے مگر آجکل بڑی حمایت
 یہ ہو رہی ہے کہ مجنون اپنے کو مجنون نہیں سمجھتا اور یہ بھی آثار جنوں سے ہے بلکہ
 (جنون کا اعلیٰ نمبر ہے ۱۲)

اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نصوص سے

شبہات کا صحیح علاج | کی تفسیر اپنے رائے سے اس

لئے کرتا ہوں کہ نصوص کی مشہور تفسیر میں شبہات پیدا ہوتے ہیں تو میں کہوں گا
 کہ شبہات کا یہ علاج نہیں کہ تم اپنی رائے سے ہر شبہ کو دفع کرو بلکہ اس کا
 اصل علاج یہ ہے کہ شبہات کے منشاء کا علاج کرو ہر شبہ کو الگ الگ دفع

کرنے میں دوسری بھی ہے اور اس سے سلسلہ شبہات کا ختم بھی نہیں ہو سکتا
تم منشاء کا علاج کرو انشاء اللہ سب ایک دم سے زائل ہو جائیں گے۔ اس
کی ایسی مثال ہے جیسے رات کو اندھیرے میں گھر کے اندر چوہے چھوند کر کودتے
پھرتے تھے اور گھر والا ایک ایک کو پکڑ کر باہر نکالتا تھا مگر پھر وہ سب کے
سب اندر آ جاتے تھے۔

ایک عاقل نے کہا کہ میاں یہ سب اندھیرے کی وجہ سے کودتے پھرتے ہیں۔
تم لمپ روشن کر دو یہ سب خود ہی بھاگ جائیں گے پھر کوئی پاس نہ پھٹکے گا۔

منشاء شبہات اور علاج کی عجیب مثال

چنانچہ لمپ روشن کیا گیا اور سب کے سب ادھر ادھر اپنے بل میں گھس گئے
اسی طرح یہاں سمجھ لو کہ یہ وساوس و شبہات جو دمی اور قرآن میں آپ کو پیش
آتے ہیں انکا منشاء ظلمتِ قلب ہے جس کا علاج یہ ہے کہ قلب میں نور پیدا
کر لو! پھر ایک شبہ بھی پاس نہ آئے گا۔ وہ نور کیا ہے؟ نورِ محبت ہے۔
عشق علاج و سادس ہے | حضرت محبت و عشق وہ چیز ہے کہ جب
یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب

کے کسی حکم اور کسی قول و فعل میں کوئی شبہ اور دوسوہ پیدا نہیں ہوتا اگر ایک
پروفیسر فلسفی کسی طوائف پر عاشق ہو جائے اور وہ اس سے یوں کہے کہ سر بازار
پکڑے نکال کر ننگے آؤ تو میں تم سے بات کروں گی ورنہ نہیں تو فلسفی صاحب اس
کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ پوچھیں گے کہ بی بی؟ اسمیں تیری کیا
مصلحت ہے اب کوئی اس سے پوچھے کہ آپ کی وہ عقل و فلسفیت اس
طوائف کے سامنے کہاں چلی گئی افسوس قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تو ساری
فلسفیت ختم کی جاتی ہے اور ایک ادنیٰ مردار کے احکام میں چون چرا اور لم و کیف

سب رخصت ہو گیا۔ آخر اسکی کیا وجہ؟ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ اسکی وجہ محبت و
 عشق ہے بس معلوم ہو گیا کہ خدا اور رسولؐ کے احکام میں شبہات پیدا ہونے کی
 وجہ عدم محبت یا قلت محبت ہے اگر آپ کے دل میں نور محبت روشن ہوتا تو
 یہ سارے چوہے اور چھچھوند ر خود بھاگ جاتے شیخ سعدی اسی کے متعلق
 فرماتے ہیں ۛ

ترا عشق، بچو خودے ز آب و گل | رہاید ہمہ صبر و آرام دل
 اور جب ایک مخلوق کے عشق کا یہ اثر ہے تو خالق کے عشق کا اثر کیا کچھ
 ہونا چاہیئے ۛ

عجب داری از سالکان طریق | کہ باشد در بحر معنی غریق
 ز مام شراب الم در کشند | و گر تلخ بیند دم در کشند
 مولانا فرماتے ہیں ۛ

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود | گوئے گشتن بہر او ادلے بود
 اور میں علماء کو بھی متنبہ کرتا ہوں کہ علماء کے
شبہات میں راہنمائی | عرفی اخلاقی ہی نے عوام کو خراب کیا ہے کہ
 جہاں ان کے سامنے کسی نے شبہات بیان کئے اور یہ ہر شبہ کے مفصل جواب کو
 تیار ہو گئے۔ ارے اصلی جواب یہ ہے کہ مرض کو تشخیص کرو اور جڑ
 کو اکھاڑو! تم شاخوں کو چھانٹتے ہو اس سے کیا ہوتا ہے جب جڑ موجود ہے
 تو چند روز میں ہزاروں نئے نئے پتے اور نکل آئیں گے محقق تشخیص کر کے
 اصل مرض کا علاج کرتا ہے اور غیر محقق آثار کا علاج کرتا ہے۔ میں نہایت سختی
 سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ جن مسلمانوں کو آج کل مذہب میں شکوک و
 اوہام پیدا ہوتے ہیں ان کے اس مرض کا منشاء قلت محبت مع اللہ ہے ان کو

اللہ و رسول کے ساتھ محبت نہیں ہے، تعلق نہیں ہے اور محض برائے نام
 تعلق کو تعلق کہا جاتا۔ اور تعلق مع اللہ کے حاصل ہونے کا واحد طریق صرف
 یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت حاصل کی جائے اہل محبت کی صحبت میں یہ خاصیت ہے
 کہ اس سے بہت جلد محبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اہل غفلت کی صحبت سے
 غفلت جلدی پیدا ہوتی ہے پھر جب محبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہو جائے گا
 یہ لم و کیف باطل اور وساوس و شبہات سب جاتے رہیں گے۔ میں علمائے سارے سے خیر خواہی
 کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم ان شبہات کے جواب میں کیوں اپنا دماغ تھکاتے ہو بس
 تم صرف ایک کام کرو کہ ان لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت و محبت کا پتہ دے دو۔ ورنہ
 تمہاری ساری تدبیریں اور تقریروں کا وہی حال ہو گا جو مولانا نے ابتدائے مشنوی
 میں ناواقف طبیعوں کی تدبیر کا حال بیان فرمایا ہے کہ ایک بادشاہ کی کنیزک بیمار
 تھی اطباء نے اس کا مرض سوداء و صفرا تجویز کر کے دوائیں دینا شروع کیں
 اس کے بعد طبیب الہی آیا اور اس نے تجویز کیا کہ

رخصش از سوداء از صفرا بنود | بونے ہر بیمزم پدید آید ز دود
 اس کو سودا یا صفرا کا مرض نہیں بلکہ یہ تو ایک زرگر کے عشق میں گرفتار
 ہے اور اسے دوسرے طبیعوں کی تدبیروں کے متعلق یوں کہا ہے

گفت ہر دارو کہ ایشان کردہ اند | آل عمارت نیست دیراں کردہ اند
 بیخبر بودند از حال دروے | استعین اللہ مما یفترون

اصل مرض سے آنکھیں بند کر کے آثار علاج کرنا ایسا ہے جیسا ایک شخص
 پاخانہ لئے بیٹھا ہو اور بدبو آ رہی ہو اور تم پاخانہ کو تو نہیں دھو تے اوپر سے
 عطر حنا اور عطر خس لگا لے ہو اس سے کیا ہوتا ہے جب تک پاخانہ کو دور
 نہ کر دو گے تمہارے سارے عطر برباد ہو جائیں گے۔

ازالہ شبہات میں، تقلیدِ محقق لازم ہے

مگر غضب تو یہ ہے کہ آج کل علماء بھی خود طریقِ علاج نہیں جانتے، تو اب عوام نے اپنا علاج خود کرنا شروع کیا کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھنے لگے اور ترجمہ دیکھ کر شبہات کا خود ہی جواب دینے لگے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ ایسے عوام کو خود ترجمہ پڑھنا حرام ہے۔ بلکہ تم کو لازم ہے کہ کسی محقق سے رجوع کرو اور جو طریق وہ بتلائے اس پر عمل کرو اپنی رائے کو دخل نہ دو پھر وہ بھی تم کو قرآن کا ترجمہ پڑھائے گا یا پڑھنے کی رائے دے گا مگر قسا بل بنا کر۔ اور اگر اس کے سامنے بھی اپنی رائے چلائیں گے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے اپنے بچہ کے لئے تمام ایک نصابِ تعلیم تجویز کرو اور وہ اس میں اپنی رائے کو دخل دے تو کیا آپ کو اس کی رائے کی کچھ وقعت ہوگی۔ ہرگز نہیں صاحبو! دنیا و دین کا کام بدون تقلیدِ محقق کے نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے اگر ایک سرکاری مکان دو لاکھ روپے میں تیار ہوا ہو مگر انجینئر اس کو پاس نہ کرے اور یہ کہے کہ دو ماہ میں یہ مکان گر جائے گا تو اسی وقت لاکھوں کی عمارت کو بیکار کر دیا جاتا اور اس کو خالی کر دیا جاتا بلکہ بعض دفعہ گرا دیا جاتا ہے یہاں کوئی اپنی عقل کو دخل نہیں دیتا بلکہ بلا چوں و چیرا انجینئر کی تقلید کی جاتی ہے یہی حال ڈاکٹروں کی تقلید کا ہے کہ ان کی تجویز میں کوئی دخل نہیں دیتا۔

اصل یورپ عاقل پرستی کرتے ہیں | صاحبو! جن لوگوں کی تقلید میں آپ عقل پرستی کرتے

ہیں وہ تو خود بھی عقل پرستی نہیں کرتے، ہاں عاقل پرستی کرتے ہیں پس قرآن میں ہر بات کو اور ہر نئی تحقیق کو اپنی رائے سے ٹھوننا سخت غلطی ہے

آپ کی رائے باطل ہے کیونکہ آپ محقق نہیں ہیں، اسپر شاید آپ
یہ کہیں کہ جب علماء یہ کام نہیں کرتے تو ہم نے کہا لاؤ ہم ہی یہ کام کریں
کیونکہ علماء تو پرانی لکیر کے فقیر ہیں وہ جدید تحقیقات کا ثبوت قرآن و حدیث سے
نہیں دیتے تو یہ کام ہم ہی نے شروع کر دیا۔ میں کہتا ہوں بیشک مگر آپ کے کام
کی ایسی مثال ہوگی جیسے کسی طبیب کا لڑکا اپنے باپ کے ساتھ مطب میں اور مریضوں
کو دیکھتے جایا کرتا تھا مگر خود اسے گھر کی عقل نہ تھی ایک دفعہ اس کے باپ نے
کسی مریض کی نبض دیکھ کر کہا کہ آج معلوم ہوتا ہے تم نے نازنگی کھائی ہے مریض
نے اقرار کیا حکیم صاحب نے اس کو پرہیز کی تاکید کر کے نسخہ لکھ دیا جب واپس ہوئے
تو لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے نازنگی کھائی
ہے کہا نبض سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ اس نے کوئی شے محرک صفا کھائی
ہے۔ پھر چار پائی کے نیچے جو میں نے نظر کی تو نازنگی کے پھلکے نظر پڑے
اس سے میں سمجھا کہ اس نے نازنگی کھائی ہے بس صاحبزادہ کے ایک قاعدہ
ہاتھ آگیا کہ مریض کے پتنگ کے نیچے جو چیز پڑی ہو اس نے وہی کھائی ہے
جب حکیم صاحب انتقال ہو گیا اور صاحبزادہ کی نوبت آئی تو آپ ایک رئیس کی
نبض دیکھنے گئے اور چار پائی کے نیچے نظر دوڑائی کہنے لگے کہ آپ نے آج منہ کھایا
ہے (کیونکہ چار پائی کے نیچے منہ ہی پڑا تھا) رئیس نے کہا کہ منہ بھی کوئی کھایا
کرتا ہے کہا کچھ ہی نبض تو یہی بتلاتی ہے۔ رئیس نے حکم دیا اسکی دم سے منہ
باندھ کر گھر سے باہر نکال دو۔ یہ تو بالکل جاہل مطلق معلوم ہوتا ہے تو حضرت اسی
طرح آپ کی حالت ہوگی کیونکہ آپ کو گھر کی تو عقل نہیں شرعیات سے اور قرآن
سے مناسبت معلوم آپ اس میں کیا سے کیا ٹھونسیں گے؟

علماء کا کام صرف قانون الہی کا بیان کرنا ہے

صاحبو! علماء کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ قرآن میں صنعت و حرفت کھولیں اور نہ قرآن صنعت و حرفت کی کتاب ہے۔ بلکہ قرآن قانون الہی ہے اور علماء کا کام وہ ہے جو دُکلاہ کا کام ہوتا ہے کہ وکیل صرف یہ بتلاتا ہے کہ یہ امر قانون کے موافق ہے یا خلاف ہے اس سے زیادہ وکیل کا کام کچھ نہیں مثلاً اس سے قانون کی لم پوچھی جاوے اسی طرح علماء کا اس سے زیادہ کچھ کام نہیں کہ جس بات کے متعلق شبہ ہو کہ یہ قانون کے خلاف تو نہیں ہے اس کو علماء سے پوچھ لو وہ قانون الہی کے موافق یا مخالفت ہونے کو واضح کر دیں گے نہ انکا یہ کام ہے کہ اس قانون کی لم بتلاویں نہ یہ کام ہے کہ تمام سائنس کی تحقیقات کو قرآن میں داخل کریں اسی طرح نہ ان کا یہ کام ہے کہ قومی کاموں میں حصہ لیں نہ یہ کہ اس کے لئے چندہ کریں۔ ان کا کام صرف قانون الہی کو سمجھنا ہے اور ان سے یہی پوچھنا بھی چاہیے کہ یہ بات قانون الہی کے خلاف تو نہیں۔

سب علماء کو میدان سیاست میں قدم رکھنا جائز نہیں بلکہ تقسیم

خدمات لازم ہے۔ اور یاد رکھو! اگر سب لوگ میدان میں آجائیں گے تو چند روز کے بعد قرآن و حدیث کا سمجھنے والا آپ کو کوئی نہ ملے گا۔ میں علماء کے میدان میں آنے کا من کل وجہ مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب ہے کہ سب کو میدان میں لکنا جائز نہیں ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح حاصل کر لیں تو جن کو میدان میں نہ لکھنے کا شوق ہو وہ آئیں مگر کچھ لوگ حجر نشین بھی رہنا چاہتے ہیں جن کا کام رسول نے قال اللہ قال الرسول اور رسول کے کتابیں پڑھنے پر تھانے

کے کچھ نہ ہو کیونکہ تجربہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتویٰ دینے کی قابلیت بدون اس کے کامل نہیں ہوتی جو علماء میدان میں آئے ہوئے ہیں انہیں اکثر تو وہ ہیں جن کو کتابی استعداد بالکل نہیں اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہے تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے کہ وہ ایک مدت تک نشین ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے مگر آپ اس حجرہ ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ چند روز میں حدیث قرآن و فقہ کے سمجھنے والے اور ان کو صحیح طور پر حل کر نیوالے دنیا سے ناپید ہو جائیں گے۔ اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کرے گا تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان میں نہ آئیں بلکہ کچھ میدان میں آئیں اور کچھ مناظرہ کریں۔ کچھ تبلیغ کریں اور ایک جماعت ایسی ہو جو ان سب کاموں سے الگ رہ کر حدیث و قرآن و فقہ اور ضروریات کی تعلیم دیں۔ ان کو سوائے تعلیم و تعلم کے کچھ نہ کرنا چاہیئے ورنہ قابل علماء ہرگز پیدا نہ ہوں گے تقسیم خدمات بہت ضروری ہے اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اس کی ضرورت پر متفق ہیں پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظر انداز کر کے سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں بعض لوگوں نے اس کا نام رکھا ہے مل کر کام کرنا۔

مل کر کام کرنے کے معنی | سو صاحبو! مل کر کام کرنے کے یہ معنی نہیں

کام کو لگ جائیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مکان بنانے میں جتنے کاموں کی ضرورت ہے ان کو بانٹ کر ایک کام بڑھئی کرے ایک کام لوہار کرے ایک کام معمار کرے۔ جیسا کام تیار ہوگا ورنہ بڑھئی اور معمار اور لوہار سب کے سب اینٹوں ہی کے کام پر لگ گئے تو مکان ہرگز تیار نہ ہوگا۔

بس اب یہ کہنا غلط ہے کہ علماء کا کام نہیں
 علماء اپنا کام کر رہے ہیں | کرتے علماء کا جو کام ہے جس کا انہوں
 نے بیڑا اٹھایا ہے وہ اسکو مجد الشریعہ بنو بی کر رہے ہیں آپ کو ان کے کام میں دخل
 دینے کی ضرورت نہیں آپ اپنی رائے سے قرآن و حدیث میں غیر ضروری اور فضول
 باتوں کو نہ ٹھونسے اور اپنی تحقیقات کو شریعت میں داخل نہ کیجئے بلکہ قرآن و
 حدیث کو ان لوگوں پر چھوڑ دیجئے جو اس کے سمجھنے والے ہیں اور اس معاملہ
 میں آپ کو انہی کی تقلید کرنا چاہیئے اپنی رائے سے قرآن و حدیث میں کسی چیز کا
 ٹھونسنا آپ کو جائز نہیں بلکہ سراسر حماقت ہے چونکہ آج کل لوگوں میں یہ مرض
 عام ہو گیا ہے اس لئے استظر ادا اس کا بیان کر دیا گیا چنانچہ میں ایک جگہ گیا
 ہوا تھا وہاں ایک صاحب مجھے کہنے لگے کہ آج کل تحقیقات سے یہ ثابت ہو
 چکا ہے کہ ہر چیز میں نروادہ ہوتے ہیں نباتات میں بھی اشجار میں بھی تو مجھے فکر
 ہوئی کہ قرآن میں اس مضمون کا کہاں ذکر ہے گویا وہ تحقیق تو ان کے نزدیک
 وحی سے بھی زیادہ تھی کہ اس کے لئے تو کسی دلیل کی بھی ضرورت نہ تھی اُس پر ایمان
 لانے کے لئے تو اتنا کافی ہو گیا کہ اخبار میں پڑھ لیا کہ آج کل تحقیقات سے یہ ثابت ہو
 گئی ہے۔

افسوس یہ لوگ قرآن و حدیث
 سائنس دانوں کا افسوسناک رویہ | کو تو بدون اپنی مزعوم دلیل کے
 ماننے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ اس میں مشکوک و شبہات نکالتے ہیں اور نئی تحقیقات
 پر صرف اخبار میں دیکھ کر ایمان لے آتے ہیں اسی بے انصافی اور بدتمیزی کی
 بھی کوئی حد ہے۔

قرآن میں ہر مضمون کا ہونا ضروری نہیں | پھر اس کے بعد یہ
 کہ قرآن میں ہر واقعی بات مذکور ہونا چاہئے اور اس کے متعلق کسی بزرگ کی طرف ایک
 شعر منسوب کیا جاتا ہے۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ
 لِقَاصِرٍ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ

(قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کی افہام اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں)۔
 مگر میں کہتا ہوں کہ اول تو سند صحیح سے اس کا ثبوت دو کہ یہ شعر جس بزرگ کا
 ہے۔ دوسرے یہ کہ اسمیں یہی تو کہا گیا ہے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں جمیع الجہل فی
 القرآن تو نہیں کہا تو اب تم اس کا ثبوت دو کہ جن تحقیقات کو تم قرآن میں
 ٹھونکتے ہو یہ علم ہے جہل نہیں۔ اور اگر علم سے مراد مطلق دانستن ہے تو میں
 کہوں گا کہ اگر ولیس رائے کا امتحان قانون وغیرہ میں ہو رہا ہو تو کیا کوئی اس وقت یہ
 کہے گا کہ ولیس رائے کا امتحان پارچہ سازی و پارچہ و درزی میں بھی ہونا چاہیے کیونکہ
 علم لغوی تو یہ بھی ہے یقیناً کوئی اسکی جرأت نہ کرے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ولیس رائے
 کے علم کے سامنے یہ جہل ہے علم نہیں اسی طرح جن باتوں کو آپ قرآن میں اپنی
 رائے سے ٹھونکتے ہیں وہ علوم قرآن و حدیث کے سامنے علم نہیں بلکہ جہل محض
 ہیں۔ غرض وہ صاحب بڑے حیران تھے کہ قرآن میں یہ مسئلہ کہاں ہے کہ نبیائے
 وغیرہ میں بھی نرد مادہ ہوتے ہیں تو انھوں نے تمام ترجمے دیکھے اور ڈپٹی نذیر احمد
 صاحب کا ترجمہ اس خیال سے بڑے اہتمام سے دیکھا کہ وہ نئی روشنی کے مفسر ہیں۔
 شاید انہوں نے نئی تحقیقات کو قرآن میں ٹھونسنا ہو باقی یہ مدرسوں اور مسجدوں کے
 ملائے تو یکسر کے فقیر ہیں۔ ان سے کیا امید ہے کہ سلف کے اقوال پر کچھ زیادتی

کریں گے مگر ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ میں بھی کہیں اس مسئلہ کا ذکر نہ ملا
کیونکہ گو وہ نئی روشنی کے مفسر تھے مگر عمر میں پرانے ہی تھے اس لئے وہ آجکل
کے نوجوانوں کی طرح ٹھوس نہ تھے کہ قرآن میں جو چاہیں ٹھونس دیں۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ قابل اعتبار نہیں | اور میں آپ کے ایک
بشارت سناتا ہوں

کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے میں بہت سی غلطیاں تھیں جن پر میں نے
ایک رسالہ میں تنبیہ کی تھی ڈپٹی صاحب نے میری تنقید کو پسند کیا اور یہ ارادہ کیا تھا
کہ اس کے بعد طبع ثانی میں ان اغلاط کو صحیح کر دوں گا مگر ان کو موقع نہ ملا۔ تو وہ
صاحب کہتے تھے کہ جب کسی ترجمہ میں یہ مضمون نہ ملا اور مایوسی ہو گئی تو پھر ایک
دن میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی سورہ یٰسین میں جب اس آیت پر پہنچی۔
سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ
وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ

تو میرا ذہن فوراً اس مسئلہ کی طرف منتقل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یہ مسئلہ
بیان فرمایا ہے کہ ہر شے میں نر و مادہ ہیں اور عجیب بات ہے کہ یہ مسئلہ آپ
کو قرآن میں بیوی کی قرأت سے سمجھ میں آیا خود مطالعہ کرنے میں سمجھ میں نہ آیا
شاید اسکی یہ وجہ ہو کہ نر و مادہ کا مسئلہ نر و مادہ کے اجتماع ہی سے حل ہو سکتا
ہے (۱۲ غلط) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے
تمام ازدواج کو پیدا کیا زمین کی نباتات سے بھی اور خود تمہاری جنس میں بھی

عہ پاک ذات ہے وہ جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو زمین
سے اگتا ہے اور خود ان میں سے اور ان چیزوں سے جن کی ان کو خبر نہیں (سورہ یٰسین)

اور ان چیزوں میں بھی جن کو تم نہیں جانتے اور ازواج کے معنی نرد مادہ کے ہیں۔
 میں نے کہا سبحان اللہ! یہ آپ سے کس نے کہا دیا کہ زوج کے معنی نرد مادہ کے
 ہیں زوج کے معنی لغت میں جوڑ کے ہیں چنانچہ زوج الخف موزہ کے جوڑہ کو کہتے
 ہیں اور زوج و فرد جفت و طاق کو کہتے ہیں کیا یہاں بھی آپ نرد مادہ کے معنی
 کریں گے ہرگز نہیں اور میاں بیوی کو بھی ازواج اسی لئے کہتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے
 کا جوڑہ ہے پس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں مختلف اقسام پیدا
 کی ہیں نباتات میں بھی انسانوں میں بھی اور ان چیزوں میں بھی جنکو تم نہیں جانتے
 اور اقسام مختلفہ کو ازواج اس واسطے کہا گیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مقسم
 کے افراد ہیں گویا باہم جوڑے ہیں۔ یہ ہے آجکل کے استدلال کی حقیقت جن
 کو سکر ادنیٰ طالب علم بھی ہنستا ہے کہ یہ استدلال قرآن سے کیوں کر ہوا۔
 بس یہ ایسا ہی استدلال ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے
لطیفہ پاس ایک جاہل کو لایا گیا تھا کہ حضرت یہ ماں کو نفقہ نہیں دیتا
 بلکہ ساری کھائی بیوی کو دیدیتا ہے شاہ صاحب نے اس سے وجہ پوچھی تو کہا
 قرآن میں ماں کا حق نہیں نہیں اور بیوی کا ہے اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ
 کو اپنے من جوی پڑھا کہ کھانا دو جوی کو یعنی زوجہ کو شاہ صاحب نے پوچھا کہ
 تو نے قرآن کا ترجمہ و تفسیر پڑھی ہے کہا نہیں، پوچھا قرآن پڑھا ہے کہا نہیں
 صرف چند سورتیں شروع کے پارہ عم سے یاد ہیں لا اس قابلیت پر آپ کا یہ اجتہاد تھا
 کہ قرآن میں ماں کا حق نہیں ہے (۱۱) شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم نے سورہ تبت
 یدا ابی لہب بھی پڑھی ہے کہا جی ہاں فرمایا ذرا سناؤ تو اس نے پڑھنا شروع
 کیا۔ تَبَّتْ يَدَا ابِي لَهَبٍ وَتَبَّ ، مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝

فرمایا دیکھو قرآن میں تو یہ ہے کہ ماں کا سبب - جو کچھ ہے سب ماں ہی کا ہے
بیوی کا تو صرف نفقہ ہے کہنے لگا جی ہاں، اب سمجھ گیا اب میں ماں کو بھی دیا
کر دنگ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قرآن سے استدلال ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ
الزامی جواب تھا کہ جیسی تفسیر تم نے اٰطَمَ عَنْهُمْ مِنْ جُوعٍ کی کی ہے ویسی ہی تفسیر
پر قرآن سے یہ مسئلہ بھی نکل سکتا ہے۔ بس اسی طرح جو مسائل آجکل کے ذہین لوگ
قرآن میں ٹھونکتے ہیں وہ قرآن سے اسی طرح ثابت ہوتے ہیں جس طرح سورۃ
ایلاف سے سورۃ تہمت سے یہ مضامین ثابت ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے قرآن
سے یہ مسئلہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ منی میں کپڑے ہوتے ہیں ان کپڑوں سے بچہ
بنتا ہے تو آپ نے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ سے اس مسئلہ کو ثابت
کیا اور لکھا کہ عَلَقٌ لغت میں جو ناک کو کہتے ہیں اور وہ بھی ایک کپڑا ہے تو
قرآن سے ثابت ہو گیا کہ بچہ منی کے کپڑوں سے بنتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن
سے تو یہ ثابت نہ ہوا بلکہ اگر تمہارے ترجمہ کو مان لیا جائے تو یہ ثابت ہوا کہ انسان
کو جو ناک سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے تو سائنس والے بھی قائل نہیں۔ تو افسوس
تم نے قرآن کا ترجمہ بھی بگاڑا اور مقصود پھر بھی ثابت نہ ہوا۔ ان سب اختراعات
کا منشاء یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی رائے کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ قرآن کو اس سے
حل کریں۔

صاحبو! عوام کو لازم ہے کہ اپنے کو جاہل سمجھیں عاقل اور
تواضع | ذی رائے نہ سمجھیں اور اگر عاقل و ذی رائے سمجھیں تو دنیا
کی باتوں میں رائے چلا لیا کریں۔ قرآن و حدیث کو تختہ مشق نہ بنائیں بلکہ علماء
کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو عالم نہ سمجھیں مگر جاہل بھی نہ سمجھیں کہ اسمیں ناشکری
ہے بلکہ علماء سابقین سے اپنے کو کم سمجھیں۔

لہ آدمی کو جے ہوئے لہو سے پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد اکثر توفیق ایمان نہیں ہوتی پس ایمان کی قدر کر دو اور اس کی حفاظت کی کوشش کرو قرآن و حدیث میں اپنی رائے کو دخل نہ دو اور نہ علماء سے مزاحمت کرو بلکہ محققین کے اپنے کو سپرد کرو اس سے شبہات و دساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا چونکہ آج کل یہ مرض عام ہے اس لئے میں نے امپریٹنیہ کر دی میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت مجھے حقوق نکاح کا بیان مقصود نہیں نہ اس واسطے کہ وہ مقصود بالذات نہیں کیونکہ دگر مقصود بالذات نہ ہوتے تو قرآن و حدیث میں ان کا ذکر نہ ہوتا بلکہ مجھے اس آیت سے ایک اور مضمون کی تائید کرنا مطلوب ہے اور میں اس آیت سے اس مضمون کو ثابت کرنا نہیں چاہتا صرف تائید کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل ثبوت و نظیر کو ایک سمجھا جاتا ہے | آج کل یہ بھی ایک عام غلطی ہے کہ ثبوت اور نظیر و تائید کو ایک سمجھتے ہیں ان لوگوں کو علم خاک نہیں اگر انگریزی کی منطق کے بعد یہ لوگ عربی منطق پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی منطق محض بچوں کی باتیں ہیں۔

انگریزی منطق، عربی منطق کے سامنے بچوں کا کھیل ہے |

واللہ علماء کے سامنے ان لوگوں کو نہ علم ہے نہ عقل ہے کیونکہ انہوں نے علوم کی صورت ہی نہیں دیکھی عربی کے علوم وہ ہیں کہ ایک معمولی طالب علم کے سامنے بھی بڑے سے بڑا انگریزی داں طفل مکتب ہے اور جو فاضل علماء ہیں وہ تو ان سے ہزار درجہ اعقل ہیں مگر آج کل مولویوں کی وقعت اس لئے نہیں ہے کہ ان کا لباس خستہ ہے اور انگریزی دانوں کا لباس قیمتی ہے۔

آج کل لیاقت کا معیار لباس ہے | اور آج کل لیاقت کا معیار لباس ہی رہ گیا ہے چنانچہ ہم جو شملہ گئے

تھے تو حالانکہ ہم لوگ بھلا اللہ معمولی لباس پہنتے۔ اوسط درجہ کا اچھا لباس پہنتے ہیں مگر بعض جنٹلمینوں کی نظر میں وہ اتنا گھٹیا تھا کہ جب میں بیان کرنے کے لئے بکھڑا ہوا تو ایک صاحب کمرل عبد المجید خاں سے جو ہمارے وعظ کے مشہر تھے کہنے لگے کہ آپ کے مولویوں کا لباس تو ایسا ہے کہ گویا ابھی پاخانہ سے نکلے آئے ہوں (مطلب تھا کہ بس انکی لیاقت بھی ایسی ہی ہوگی) کمرل صاحب نے کہا کہ میں اس سوال کا جواب ابھی نہیں دینا چاہتا وعظ ختم ہونے کے بعد جواب دو لگا پُچھا پُچھا جب میرا بیان ختم ہو گیا تو کمرل صاحب نے کہا ہاں صاحب! اب فرمائیے آپ کیا فرماتے تھے کہنے لگے اب کیا کہوں میری سخت حماقت تھی کہ میں لیاقت کا معیار لباس کو سمجھتا تھا اب معلوم ہوا کہ لیاقت اور قابلیت دوسری شے ہے۔ ذرا دیکھئے تو ہی یہ ان لوگوں کی عقل کا حال ہے کہ لباس کو معیار لیاقت و قابلیت سمجھتے ہیں نہ معلوم یہ کہاں کی عقل ہے مجھے جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو میں نے دل میں کہا کہ میں ان لوگوں کے ضرور کان کھولوں گا پُچھا پُچھا اس کے بعد جو دوبارہ میرا بیان ہوا تو میں نے اس کا جواب دیا مگر تہذیب کے ساتھ۔ گو انہوں نے تو اعتراض بدتمیزی سے کیا تھا مگر میں نے جواب میں تہذیب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا میں نے بیان سے پہلے بطور تمہید کے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں بعض صاحبوں کو ہمارے لباس پر اعتراض ہے اور ممکن ہے کہ انکی نیت اس میں اچھی ہو وہ یہ کہ اگر داعظ کا لباس قیمتی ہوگا تو سامعین کے قلوب میں اسکی عظمت ہوگی اور عظمت سے بیان کا اثر زیادہ ہوگا اور اس نیت کے ساتھ اس اعتراض کا منشاء خیر خواہی ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ علمہار آپ حضرات کے خیال کے موافق لباس کہاں سے لائیں کیونکہ مولویوں کے پاس اتنی آمدنی کہاں جس سے قیمتی لباس تیار کریں ان میں تو اکثر کی آمدنی بیس پچیس تیس روپے ماہوار ہے اور جو زیادہ عروج

ہوا تو بچا کس روپے کی تنخواہ ہو گئی تو اتنی آمدنی میں تو ایسا ہی لباس بنا سکتے ہیں
جیسا وہ پہن رہے ہیں مگر وہ مصلحت بھی قابل لحاظ ہے جو قیمتی لباس میں ہے کیونکہ
بعض لوگوں کا یہ مذاق بھی ہے کہ انکی نظر میں لباس ہی سے لیاقت و قابلیت ظاہر ہوتی
ہے تو اب اسکی صورت کیا ہو کہ یہ مصلحت بھی حاصل ہو اور مولویوں کا عذر بھی ملحوظ
رہے میرے ذہن میں اسکی یہ صورت آتی ہے کہ آپ حضرات علماء کے لئے اپنے مال
سے جوڑے تیار کریں۔ اور اس سے نہ گھبرائیے کہ ہملوگ وہ جوڑے لے کر اپنے گھر
چل دیں گے ہرگز نہیں بلکہ انجن میں اسی غرض سے داخل کر دیں کہ وہ انکو صرف وعظ
کے وقت پہن لیا کریں گے اور جاتے ہوئے انجن میں واپس دے جائیں گے تاکہ
وہ دوسرے واعظوں کے کام آویں جب کوئی مولوی معمولی لباس میں آوے آپ انکو
یہ پکڑے پہنا دیجئے کہ انکو پہن کر وعظ کہو۔ اس صورت میں آپ کا زیادہ خرچ بھی
نہ ہوگا۔ بس جو کچھ ہونا ہوگا ایک دفعہ ہو جائیگا مگر اس کے بعد اس طرح یہ
مقصد سہولت کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے اب میں منتظر ہوں کہ معترض صاحب
اس کا انتظام کرتے ہیں یا نہیں اگر انہیں کچھ بھی غیرت ہے تو ضرور ہمارے واسطے
جوڑے تیار ہوں گے ورنہ ان کو چاہیے کہ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں (بس صرف
یہ ایک جملہ میں نے تیز کہا) آپ نے دیکھا کہ آجکل یہ تمیز رہ گئی ہے کہ علماء کے پاس چونکہ
لباس قیمتی نہیں اس لئے ان کی وقعت نہیں، دوسرے انکے پاس دعویٰ نہیں
کیونکہ ان کو یہ مضمون یاد ہے ۵

ہر کہ گمردن بدعوئے افرازد | خلیفتن را بگردن انداز
اور آجکل اسی کی وقعت ہے جو خود اپنی زبان سے کہتا ہو کہ میں ایسا ہوں ایسا
ہوں اور علماء بیچارے تو خود یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہم کچھ نہیں آتا اور تو اور
وہ بیچارے تو ڈر کے مارے ایمان کا دعویٰ نہیں کرتے ہاں تحدث بالنعمة کے
طور پر یوں کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمکو ایمان عطا کیا ہے دعویٰ

نہیں کرتے بس ان کی تواضع نے اہل دنیا کو شیر کر دیا وہ یہ سمجھنے لگے کہ جب یہ خود اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ نہیں آتا اور مولوی ہو کر یہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ تو یہ واقعہ

میں کچھ نہیں ہوں گے۔ یہ آجکل کی عقل ہے جو ان حضرات کو مبارک ہو ورنہ حقیقت میں علماء کے سامنے انگریزی منطق پر ٹھہ ہوئے خاک بھی وقعت نہیں رکھتے وہ استحالہ استبعاد میں امتناع و تعدد میں ثبوت اور نظیر تک میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ مگر علماء ان میں فرق کرتے ہیں اور ہر اک کی حقیقت کو الگ الگ جانتے ہیں اس لئے میں نے کہہ دیا کہ اس آیت سے میں اس مضمون کو جو اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں ثابت نہ کروں گا بلکہ آیت سے صرف تائید کروں گا۔

اور یہ حفظ حدود ہے کہ ہر مضمون کو اسکی حد پر رکھا جائے چونکہ اس سے پہلے وَالْحَافِظُونَ

لِحُدُودِ اللَّهِ کا بیان ہوا تھا جس میں بتلایا گیا تھا کہ شریعت میں حفظ حدود کا بڑا اہتمام ہے اس لئے میں نے اس پر متنبہ کر دیا کہ حفظ حدود میں یہ بھی داخل ہے کہ دلالت کلام کے درجات کا لحاظ رکھا جائے کہ جو مضمون جس درجہ میں مدلول کلام ہو اس کو اس سے آگے نہ بڑھایا جائے۔ اب میں اول آیت کا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد مضمون مقصود کی تائید کروں گا۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے۔

نکاح کا اصل موضوع لہٰذا یعنی ازدواج کو پیدا کیا تاکہ تم کو ان سے کون طلب حاصل ہو۔ یہ نکاح کا اصل موضوع لہٰذا ہے یعنی کون حاصل

ہونا باقی خدمت وغیرہ سب فروع ہیں وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

اور تمہارے درمیان باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، یہ بھی دلائل قدرت میں سے ہے کہ جو دو شخص ابھی ایک ساعت پہلے اجنبی محض تھے اب انہیں نکاح کے بعد کیسی محبت ہو جاتی ہے کہ دوسرے تعلقات میں اسکی نظیر نہیں ملتی اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کو صیغہ امر سے بیان نہیں کیا کہ تمکو آپس میں مودت و رحمت کا برتاؤ رکھنا چاہیے بلکہ صیغہ خبر سے بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے درمیان خاص تعلق پیدا کر دیا یعنی ہم نے تمہاری مدد کی ہے بدون ہماری مدد کے اجنبیت میں ایسا تعلق نہیں ہو سکتا تھا اور یہاں مودت و رحمت دو لفظ اختیار کئے گئے اس سے مطلب ہے کہ اس تعلق میں کبھی مودت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی رحمت و ہمدردی کا پختہ ابتدا میں عموماً محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں رحمت و ہمدردی کا۔ اور اس عنوان میں عورتوں کی اس شکایت کا بھی جواب ہو گیا جو عورتوں کو مردوں سے اکثر ہوا کرتی ہے۔ جب نکاح کو چند سال گزر جاتے ہیں تو عورتیں مردوں سے کہا کرتی ہیں کہ اب تمہارے دل میں ہماری ویسی محبت نہیں رہی جیسی شروع میں تھی اب وہ دلولہ اور لقا صنا اور جوش عشق نہیں رہا اس شکایت کا منشا جہل ہے اور اگر مرد لا جواب ہو جائے تو یہ اس کا جہل ہے دونوں جاہل ہوں گے تو شکایت بڑھے گی عاقل اس اعتراض کو کبھی تسلیم نہ کریگا وہ اس کا یہ جواب دے گا۔

جوش کا کم ہونا کمالِ محبت کی دلیل ہے | کہ قاعدہ یہ ہے کہ قدامت کے بعد جوش کم ہو جاتا ہے مگر جوش کا کم ہو جانا زوالِ محبت کی دلیل نہیں بلکہ کمالِ محبت کی دلیل ہے کیونکہ جوش خود نقص کی دلیل ہے دیکھو ہنڈیا میں جب تک جوش رہتا ہے کچی ہے اور جب جوش کم ہو کر سکون ہو جاتا ہے اس وقت سمجھتے ہیں

کہ ہند یا پاک گئی اسی لئے انبیاء علیہم السلام اور کاملین میں کیفیات کا جوش کم ہوتا ہے اور متوسطین میں ان سے زیادہ اور چھٹ بھویں میں تو سب سے زیادہ جوش ہوتا ہے مگر سب جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کامل ہیں تو انکی محبت بھی سب سے کامل ہے حالانکہ وہاں جوش نہیں۔ پس عورتوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ —

بیوی کے پمانی ہو جانے سے اگر مرد کا جوش کم ہو جائے تو یہ محبت کے کم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اسکی دلیل ہے کہ محبت کامل ہو گئی ہے مگر رنگ بدل گیا ہے پہلے محبت و عشق کا رنگ تھا اب رحمت و ہمدردی کا رنگ ہے پہلے محبت تھی مگر بخشی قدر تکلف اور اجنبیت بھی تھی اب بالکل بے تکلفی ہے کہ ایک دوسرے کا ہمارا درد مساز اور راحت و غم کا شریک ہے گویا دو قالب ایک جان ہیں یہ نکتہ ہے مودت و رحمت دو لفظوں کے اختیار کرنے میں اس کے بعد ارشاد ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ کہ اس میں لوگوں کے لئے دلائل قدرت ہیں جو سوچ اور سے کام لیتے ہیں۔

اس میں ایک دلیل تو یہ ہے
معاملہ نکاح میں دلائل قدرت | کہ اس سے وجود صالح پر استدلال

ہوتا ہے اس طرح کہ دیکھو عورت اور مرد دونوں انسان ہی ہیں مگر دونوں میں کس قدر تفاوت ہے کہ مرد کی خلقت اور بناوٹ جدا ہے مرد سے بچہ نہیں پیدا ہو سکتا، عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہے مرد کو مرد سے وہ راحت اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا جو عورت سے حاصل ہوتا ہے تو ایک ہی نوع کے افراد میں ایسا تفاوت اور اسمیں مصالح کی اس قدر رعایت بدون مصالح حکم کے نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی صالح ضرور ہے۔ ایک اعرابی کہتا ہے : الْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَالْاَثَرُ يَدُلُّ عَلَى

الْمُسِيرِ فَالسَّمَاءُ ذَاتُ الْاَبْوَاجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ كَيْفَ لَا يَدُ لَآئِنَ
عَلَى اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ — کہ اونٹ کی مینگنی دیکھ کر یہ معلوم ہو
جاتا ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ گیا ہے اور قدم کا نشان دیکھ کر یہ معلوم ہوتا
ہے کہ یہاں سے کوئی گیا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ۷

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے | کہے دیتی ہے شوخی نقش پاکی
تو یہ بڑے بڑے ستاروں اور چاند سورج والا آسمان اور یہ کشادہ اور
فراخ سڑکوں والی زمین اپنے صانع حکیم کے وجود پر کیونکر دلالت نہ کرے گی ضرور کریگی
سُبْحَانَ اللَّهِ! ایک جاہل بدوی کیسی عجیب بات کہتا ہے کہ جب آثارِ مؤثر پر
دلالت کرتے ہیں دھواں دیکھ کر تم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں آگ ہے۔
نشانِ قدم دیکھ کر یہ خبر ہو جاتی ہے کہ یہاں سے کوئی ضرور گیا ہے اور ایک نفیس
عمارت دیکھ کر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور یہ کوئی نہیں
کہتا کہ یہ نشانِ قدم خود ہی بن گیا ہو گا۔ یا یہ مکان خود ہی تیار ہو گیا ہو گا۔ پھر حیرت ہے
کہ اتنا بڑا آسمان اور یہ پہاڑ اور زمین دیکھ کر اور اس کے نظامِ اکمل کا مشاہدہ کر کے
تم کو اس کے صانع کا علم نہ ہو اور یوں کہو کہ یہ خود ہی اپنی طبیعت سے بن گئے ہیں
اب کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا بلکہ ایک بدوی بھی اس خیال کو دلیل سے
باطل کر رہا ہے۔

مصنوعات کے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے | جس سے معلوم
ہوا کہ مصنوعات

سے صانع پر استدلال کرنا فطری امر ہے اور قرآن میں جا بجا اسی فطری دلیل سے
وجود اور توحیدِ صانع پر استدلال کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی اس پر تنبیہ
کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس میں سے بیبیاں بنائی ہیں۔

اگر غور سے کام لو تو اسمیں تمہارے لئے دلائل قدرت موجود ہیں اور یہی وہ
 فطری امر ہے جو میثاق الست میں قلوب کے اندر پوست کیا گیا ہے اس میثاق سے
 آپ کو یہی سبق پڑھایا گیا ہے، اور اس پر جو ایک شبہ مشہور ہے کیونکہ آجکل ہمارے
 دوستوں نے شبہات کا سبق بھی پڑھ لیا ہے کہ ہم کو تو یہ عہد یاد نہیں کہ کب
 اور کس وقت لیا گیا اور جب یاد نہیں تو اس عہد سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ اس کا جواب
 یہ ہے کہ آپ کو اس عہد کی کیفیت بیشک یاد نہیں رہی لیکن اس کا مقصد سبکو
 یاد ہے اور مطلوب مقصود ہی کا یاد ہونا ہے کیفیت تسلیم و تعلم کا یاد رہنا مقصود
 نہیں۔ دیکھو جن لوگوں نے کبھی فارسی پڑھی ہے انکو یہ محفوظ ہے کہ آمدن کے معنی
 آنا ہیں کیونکہ آمدنی کا سبق آجکل ہر شخص کو یاد ہے لیکن اگر آپ ان سے پوچھیں کہ
 آمدن کے معنی آپ کو کس دن اور کس جگہ پڑھا تے گئے اور آمدنامہ اپنے کو نسے استاد
 سے پڑھا ہے تو ان سوالات کا جواب شاید ہزار میں ایک ہی آدمی دے سکے گا
 کیونکہ یہ باتیں کسی کو محفوظ نہیں رہتیں تو کیا ان کے یاد نہ رہنے سے یہ کہا جائے گا
 کہ آمدنامہ پڑھنا فضول اور بیکار کیا ہو گز نہیں بلکہ ہر شخص یہ کہے گا کہ آمدنامہ پڑھنے
 سے مقصود صرف یہ تھا کہ اس کا مضمون یاد رہے کیفیت تسلیم و تعلم کا یاد رہنا
 مقصود نہ تھا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میثاق الست سے مقصود یہ تھا کہ وجود صالح
 اور توحید صالح کا مضمون طبائع میں مرکوز ہو جائے کیفیت تسلیم و تعلم کا محفوظ ہونا
 مقصود نہ تھا سو بحمد اللہ وجود اور توحید صالح فطرۃ ہر شخص کے دل میں مرکوز
 ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ مصنوعات کو دیکھ کر ایک جاہل بدوی بھی صالح کے وجود
 پر استدلال کرتا ہے اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آمدنامہ کی جو تمنے مثال دی
 ہے تو وہاں ہزار میں ایک آدمی تو ایسا نکلتا ہے جس کو کیفیت تسلیم و تعلم بھی یاد
 ہوتی ہے چنانچہ بعضے قوی الحافظ اب بھی بتلا سکتے ہیں کہ ہم نے آمدنامہ کس سے

پڑھاتا تھا اور کس مکان میں پڑھاتا تھا مگر مشاق الست کی کیفیت یاد رکھنے والا تو
کئی ہزار میں بھی ایک نہیں ملتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب کو اپنے اوپر
قیاس نہ کیجئے۔

بعض اہل اللہ کو مشاق الست کی کیفیت یاد ہے | یہاں بھی لکھنے
توی الحافظہ

الیہ موجود ہیں جن کو اس عہد کی کیفیت اب تک یاد ہے چنانچہ شیخ سعدی اس
طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں ۷

الست از ازل پچناں شان بگوش

بفریاد قالوا بلیٰ، در غروش

اسمیں تو اجمالاً بتلایا گیا ہے کہ اس عہد کے یاد رکھنے والے اب بھی موجود
ہیں اور بعض بزرگوں کے کلام میں اس سے زیادہ تفصیل موجود ہے چنانچہ ایک
بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم کو یاد ہے کہ اسوقت ہماری دائیں طرف فلاں اور بائیں طرف
فلاں تھا۔

اور انہی بزرگ کے کشف سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسوقت ارواح صف
بستہ نہ تھیں بلکہ یوں ہی گڑبڑ جمع تھیں جیسے میلہ میں اجتماع ہوا کرتا ہے
پھر اسوقت جو لوگ باہم رودر رو ہو گئے انہیں تو طرفین سے محبت ہوتی ہے
اور جو لوگ رودر پشت ہوئے کہ ایک کا منہ دوسرے کی پشت کی طرف تھا
انہیں ایک طرف سے محبت اور ایک طرف سے اعراض ہوتا ہے اور جو پشت در
پشت ہوئے انہیں طرفین سے انقباض و اعراض ہوتا ہے اور ان بزرگ کے
مذاق پر اس حدیث کا بھی محمل ہے۔

أَلَا رَوَاحُ جُنُودٍ مُّجَنَّدَةٍ، فَمَا تَعَارَفَ حِينَئِذَا اسْتَلَفَ وَمَاتَ أَكْرَ

مِنْهَا اخْتَلَفَ

ایک اور بزرگ کارِ شاد ہے کہ جس وقت ازل میں ميثاق لیا گیا تو سب ارواح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ تیکنے لگیں کہ جو آپ کہیں گے وہی سب کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضور اقدس (سردارِ عالم فداہ آباد و نادامہاتنا) کی زبان مبارک سے بلی نکلا تو آپ کے بعد سب نے بلی کہا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ کما یحب ویرضی) تو حضرت آپ سب کو اپنے اوپر قیاس نہ کیجئے اس اُمت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنکو اس عہد کی کیفیت یاد ہے بلکہ اس اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو جنت اور دوزخ کی پیمائش تک کر آئے کہ جنت کتنی بڑی ہے اس کے کتنے درجے ہیں اسی طرح دوزخ کی تفصیلی سیر کی اور اس کی پیمائش بھی کر لی اور یہ سیر روحانی طریقہ پر تھی۔ انہی بزرگ کو زمین آسمان سے باہر ایک سمندر بہت بڑا مکشوف ہوا ہے جسکی ایک موج اس غضب کی ہوتی ہے کہ اگر ملائکہ اس کو نہ روکیں تو آسمان و زمین کو غرق کر دے اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مگر عرش سب سے بڑا ہے اس سے بڑی کوئی چیز نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ دلائلِ قدرت اور آثارِ خلق کو دیکھ کر خلایق عالم کی ہستی کا اقرار فطری امر ہے اس پر یہ گفتگو طبعاً آگئی کہ فطرت میں یہ مضمون ميثاق الست کے وقت سے مرکوز ہوا ہے اور اس کے بیان میں اور شبہات کے جوابات میں کلامِ قدرے طویل ہو گیا۔ بہر حال مصنوع کو دیکھ کر صانع پر استدلال فطری ہے گو اسکی فلسفی تقریر دقیق ہے جس کو ہر شخص آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔

چنانچہ فلسفی طریقہ پر وجودِ صانع کی دلیل یہ ہے کہ تمام عالم حادث ہے

وجودِ صانع کی فلسفی دلیل

کیونکہ بہت سی چیزوں کا حدوث تو ہم کو مشاہدہ ہوتا ہے اور جن کا حدوث مشاہدہ نہیں ہوا ان کے احوال کا تغیر و انقلاب بتلا رہا ہے کہ یہ حادث ہیں کیونکہ محسوس حادث کا حدوث ہوتا ہے ابھی میں نے اخبار میں ایک امریکن ڈاکٹر کا یعنی ماہر سائنس کا قول پڑھا ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ آفتاب کی روشنی میں بہت کمی آگئی ہے اور عنقریب اسکی روشنی زائل ہو کر یہ چراغ گل ہو جائے گا اور اسوقت دنیا میں اسقدر سردی پڑے گی کہ مخلوق کا زندہ رہنا محال ہے تمام عالم فنا ہو جائے گا (ہم تو اس خبر سے خوش ہوئے اور اہل سائنس کو قرآن سے قیامت کی خبر کا یقین نہ ہوا تھا تو اب آلات رصد سے یقین آنے لگا ۱۲) غرض اشیاء عالم کا تغیر و انقلاب کا پیشہ رہا ہے کہ یہ سب حادث ہیں قدیم نہیں یعنی انکا وجود دائمی اور ضروری نہیں اور حادث کس لئے ممکن ہونا لازم ہے اور ممکن کیلئے کسی مرجح کی ضرورت ہے کیونکہ ممکن وہ ہے جس کا وجود عدم مساوی ہو یعنی نہ اس کے لئے موجود ہونا ضروری ہے نہ معدوم ہونا ضروری ہے اور جس کا وجود و عدم برابر ہو تو اس کے وجود کے لئے کوئی مرجح ہونا چاہیے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور ترجیح بلا مرجح باطل ہے پھر اس مرجح میں گفتگو کی جائے گی کہ وہ ممکن ہے یا کچھ اور ہے اگر ممکن ہو تو اس کے لئے دوسرے مرجح کی ضرورت ہوگی اور چونکہ تسلسل محال ہے اس لئے کہیں نہ کہیں سلسلہ ختم کرنا پڑے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ مرجح ایسی ذات ہے جو ممکن نہیں بلکہ واجب الوجود ہے اسی واجب الوجود کو ہم صانع اور خالق عالم کہتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب | اس پر ایک سوال یہ ہوگا کہ صانع کے ماننے کے بعد بھی تو ترجیح بلا مرجح لازم

آتی ہے کیونکہ صانع نے تمام مخلوقات کو ایک دم سے پیدا نہیں کیا اور ایک حال میں پیدا نہیں کیا بلکہ کسی کو آج پیدا کیا کسی کو آج سے ہزار برس سو برس پہلے

پیدا کیا اور کسی کو بعد میں پیدا کر لیا اور کسی کو حسین بنایا کسی کو بد شکل کسی کو
 مرد کسی کو عورت کسی کو امیر کسی کو غریب کسی کو عاقل کسی کو احمق تو یہاں مزج کون ہے؟
 زید کو آج کیوں پیدا کیا کل کیوں نہیں کیا تھا اور اس کو امیر کیوں بنایا عسمر کی طرح
 غریب کیوں نہ بنایا زید کو عمر و پر کیا ترجیح تھی مثلاً۔ اس سوال کا جواب حکماء
 اسلام کے سوا کوئی نہیں دے سکا فلاسفہ کی عقلیں یہاں آکر چکر کھانے
 لگیں حکماء اسلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان امور میں ارادہ واجب مزج
 ہے اور ارادہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے مزج ہے اس کے لئے
 کسی دوسرے مزج کی ضرورت نہیں راہر حکماء یونان کی طرف سے ان کے معتقدوں
 نے یہ اشکال وارد کیا کہ بیشک یہ تو ہم نے مان لیا کہ ارادہ کے لئے کسی مزج کی
 ضرورت نہیں وہ خود اپنی ذات سے مزج ہے مگر یقیناً خدا تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے
 پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ ارادہ تو قدیم اور مراد حادث ہو اس صورت میں تخلف مراد
 کا ارادہ سے لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اس کا جواب حکماء اسلام نے ایسا
 ہی دیا ہے کہ حکماء یونان کے دانست کھٹے ہو گئے۔ فرمایا کہ صفات واجب
 اپنی ذات میں قدیم ہیں مگر ان کا تعلق ممکنات کے ساتھ حادث ہے اور تخلف مراد
 کا تعلق ارادہ کے بعد محال ہے اس سے پہلے محال نہیں پس ہم یہ کہیں گے کہ
 ارادہ کا تعلق مختلف طور سے ہوتا ہے اس لئے مراد کا وجود بھی مختلف ازمہ اور
 مختلف حالات کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۲ ظ

وجودِ صانع کی عقلی دلیل عوام نہیں سمجھ سکتے | یہ عقلی
دلیل ہے

وجودِ صانع کی اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا تو میں کہوں گا کہ
 اس کا میرے پاس کچھ علاج نہیں، میں تو جواب دے چکا، گو آپ کے پاس برتن

نہ ہو اور کھانا گرجائے تو میں کیا کروں۔ اور اگر آپ یوں کہیں کہ اسکو ایسا آسان کر کے بیان کرو جو ہم بھی سمجھ جائیں تو میں کہوں گا کہ آپ ایک سائنس کو اقلیدس کی ایک شکل ایسے آسان طریقہ سے سمجھا دیجئے جس میں نہ اس کو اصول موضوعہ کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو نہ علوم متعارفہ کی نہ حدود کی نہ دوسری اشکال کی۔ صرف آپ کی تقریر ہی سے ایک مجلس میں اقلیدس کی شکل سمجھ جائے تو میں بھی آپکو یہ تقریر آسان کر کے سمجھا دوں گا اور اس مثال سے آپ برا نہ مائیں کہ ہم کو سائنس بنا دیا کیونکہ اول تو یہ لفظ عربی ہے سیاست مشتق ہے سائنس کے معنی عربی میں سیاست داں ہیں اور سیاست داں ہونا تو تعریف کی بات ہے برا ماننے کی بات نہیں ہے آپ تو اپنے آپ کو سیاست داں سمجھتے ہی ہیں تو میں نے سائنس کہہ دیا تو کیا برا ہوا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقصود ہر بات میں آپ کو سائنس سے تشبیہ دینا نہیں بلکہ صرف اس بات میں تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح وہ اقلیدس کے اصول موضوعہ اور مبادی سے ناواقف ہے اس لئے اقلیدس کی شکلیں نہیں سمجھ سکتا اسی طرح چونکہ آپ دلائل عقلیہ کے اصول و مبادی سے ناواقف ہیں اس لئے اس تقریر کو آپ نہیں سمجھ سکتے گو کتنا ہی آسان کر کے بیان کیا جائے کیونکہ میں نے تو اس وقت بھی اردو ہی میں تقریر کی تھی عربی یا عبرانی میں تقریر نہ کی تھی مگر آپکو اصول و مبادی حاضر نہیں اس لئے آپ نہیں سمجھ سکتے اگر سمجھنا مطلوب ہے تو اول اصول و مبادی سے فراغت کر لیجئے پھر فوراً سمجھ میں آجائے گا۔

علماء کے پاس ہر بات کا جواب ہے | خلاصہ یہ ہے کہ علماء

کے پاس تو ہر بات کا جواب ہے مگر آپ کے پاس سوال ہی نہیں یعنی سوال کی اہلیت نہیں ہے

عاشق کہ شد کہ یار بجالش نظر نکرد | اے خواجہ درد نیست دگر طبیب است
 اب شاید کسی کو یہاں سوال پیدا ہو کہ خلق ازواج میں آیات کثیرہ کہاں ہیں
 جو کہ **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ** میں صیغہ جمع سے مفہوم ہو رہا ہے اس کا جواب
 یہ ہے کہ اول تو دنیا میں ہزاروں لاکھوں میاں بیوی ہیں پس ہر فرد کا وجود اور
 انکی باہمی مودت و رحمت الگ الگ دلیل ہے جو مجموعہ ہو کر بہت سے دلائل ہیں
 دوسری بات **نکاح سے ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے** | یہ ہے کہ اگر

ایک ہی میاں بیوی کو لیا جائے تو خود انہیں بھی بہت سے دلائل ہیں کیونکہ نکاح سے
 انسان کے لئے ایک نیا عالم شروع ہو جاتا ہے جو ہر شخص کی زندگی کا ورق اُلٹ
 دیتا ہے۔ یقیناً جس شخص نے کسی بچہ کو چار پانچ سال کی عمر میں دیکھا تھا وہ اس
 کو نکاح کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ گھر کا سردار بنا ہوا بیوی بچوں کی پرورش
 کر رہا ہے تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھے گا کہ یہ وہی بچہ ہے جو میرے سامنے ننکا پھرا کرتا تھا یقیناً
 وہ اول اس کو دوسرا آدمی سمجھے گا پھر لوگوں کے بتلانے کے بعد جب یہ سُنے
 گا کہ یہ وہی لڑکا ہے تو اس کو بڑی حیرت ہوگی کہ اللہ کیا سے کیا ہو گیا اور جس نے
 کبھی شخص کو اس حال میں دیکھا ہو کہ آج اسکی شادی ہو رہی ہے پھر ایک عرصہ
 کے بعد اس حال میں دیکھے کہ وہ خود اپنے لڑکے کا نکاح کر رہا ہے تو اسکو بڑی
 حیرت ہوگی یہ تو وہ باتیں ہیں جو دوسروں کو محسوس ہوتی ہیں اور خود اس شخص کو
 اگر وہ تامل سے کام لے نکاح کے بعد اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم معلوم
 ہوگا کہ گویا یہ دوسری زندگی ہے اور یہاں سے ایک مسئلہ کشفی کی تائید ہوتی
 ہے یعنی تجدّد امثال کی جو صوفیہ کو کشف سے معلوم ہوا ہے کہ ہر شے
 کے لئے ایک ہی وجود ستم نہیں ہے بلکہ ہر آن میں پہلا وجود فنا ہو کر دوسرا

وجود عطا ہوتا ہے مگر چونکہ تبدل وجود والاتصال والتوالی پے در پے ہوتا رہتا ہے
اس لئے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی وجود بچپن سے اخیر عمر تک ستم رہے۔
حالانکہ یہ ایک وجود نہیں بلکہ اسپر ہزاروں لاکھوں وجود آتے ہیں جس کو اہل
کشف مشاہدہ کرتے ہیں اسی کی ایک نظیر کو ایک عارف نے یوں بیان کیا ہے :

کشتگان خنجر تسلیم را ،

ہر زمان از غیب جان دیگرست

اور یہی محفل ہو سکتا ہے اس شعر کا جو مولانا کی طرف اغلط منسوب کر دیا گیا ہے

ہفت و ہفتاد قالب دیدہ ام

ہمچو ستیرہ بار بار وئیدہ ام

مگر یہ مسئلہ کشفی ہے اسپر اعتقاد لازم نہیں اور چونکہ نصوص اس سے ساکت
ہیں نفی بھی نہیں کرتے ہیں، اس لئے صحت کا بھی احتمال ہے (اسوقت حضرت
مولانا پر دھوپ آگئی اس لئے کمرسی کو ہٹانا پڑا، تو فرمایا دیکھئے اُونچا ہونے میں یہ
خرابی ہے کہ ذرا سی دیر میں دھوپ سے سکنے لگے مگر یہ ثبوت نہیں، محض تائید ہے
یہ تو آیت کا مدلول تھا جو ترجمہ کے بعد بیان کر دیا گیا۔ اب میں بطور تشبیہ کے
اس مضمون سے ایک اور مضمون کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تشبیہ اور
نظیر سے تائید اور توضیح ہو جاتی ہے مثلاً کوئی تشبیہ کے طور پر یوں کہے کہ زید
شیر ہے تو اس سے محض وضاحت اور تنویر مقصود ہے یہ مطلب نہیں کہ واقعی
شیر ہے۔

موضوع کی مناسبتہ آیت سے | اسی طرح جو مضمون میں بیان کرونگا
وہ مدلول آیت نہیں ہاں اس

کی نظیر اور مثال ہے۔

صوفیاء پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضرات صوفیہ پر جو بعض تفاسیر کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں یہ معترضین کی غلطی ہے صوفیہ نے ان باتوں کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ محض تنظیر و تشبیہ کے طور پر بیان کیا ہے اور صوفیہ کے معتقدین جو اس کو تفسیر سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں مثلاً اِذْ هَبْ اِلٰی قُرْعَوْنَ اِنَّهُمْ طَغٰوْا کے تحت میں صوفیہ نے لکھا ہے اِذْ هَبْ يٰ رُوْحُ اِلٰی النَّفْسِ جَاهِدْهَا اِنَّهَا قَدْ طَغَتْ ۔ کہ اے روح نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے بعض نادانوں نے اس کو تفسیر سمجھ لیا پھر انہیں جو معتقد تھے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنة کا قصہ مذکور ہی نہیں ہے بلکہ موسیٰ سے مراد روح ہے اور فرعون سے مراد نفس ۔ مگر یہ سراسر جہل ہے واللہ صوفیہ کی یہ مراد ہرگز نہیں اور جو انکی طرف یہ بات منسوب کرے وہ جھوٹا ہے اور بخدا قرآن میں موسیٰ و فرعون سے رنج و نفس ہرگز مراد نہیں بلکہ اسمیں موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ فرعون کے ساتھ مراد ہے جو کہ ظاہری مدلول ہے ورنہ اگر ظاہری مدلول مراد نہ ہوتا تو پھر قرآن سے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کچھ ثابت نہ ہو سکے گا۔

اور یہ وہی بات ہوگی جو ملحدین نے

صوفیاء ملحد نہ تھے

کہی ہے اور صوفیہ ملحد نہ تھے

وہ الحاد سے بالکل بری تھے۔ بعض ملحدین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں صلوٰۃ سے مراد نماز شرعی نہیں بلکہ روح صلوٰۃ مراد ہے یعنی تعلق مع اللہ اسی طرح

زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ شرعی نہیں بلکہ اسکی رُوح مراد ہے یعنی سنبھالتے نفس ۔

اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق | اسی طرح تمام نصوص میں تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اعمال کا

ایک ظاہر ہے ایک باطن ، علماء نے قرآن کو ظاہر پر محمول کیا ہے ہم اُس کو باطن پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں نے مولانا رومی کا ایک قول اپنی دلیل میں بیان کیا ہے ۔

پنج وقت آمد نماز لے رہنموں | عاشقان ہم فی صلوٰۃ دائموں

کہ دیکھو مولانا فرماتے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اور عشاق ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ شرعیہ کا تحقق دائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اکل و شرب و بول و برازا اور سونے کی حالت میں نماز ظاہری نہیں ہو سکتی تو وہ کونسی نماز ہے جس میں عشاق دائماً مشغول رہتے ہیں وہ روح نماز ہی تو ہے یعنی تعلق و حضور مع اللہ جو کسی وقت ان کے دل سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا کے کلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشاق ظاہری نماز ادا نہیں کرتے بلکہ مولانا کے کلام کے معنی عشاق کے لئے دو نمازوں کا ثابت کرنا ہے پس انہوں نے اوّل یہ فرمایا ہے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد عشاق کی فضیلت بیان فرمائی ہے ، کہ وہ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان پانچوں کو یہی ادا کرتے ہیں اور ان ہی پانچ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر دم نماز میں رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ مولانا نے عشاق سے نماز ظاہری کی نفی کی ہے اُن کے کلام کی تحریف ہے۔ بلکہ مولانا نے اُس کے ساتھ عشاق کے لئے ایک زائد بات بیان فرمائی ہے جسکی وجہ سے اُن کے لئے دائماً مشغولی صلوٰۃ ثابت ہو رہی ہے ، اور وہ

زائد بات کیا ہے وہ نماز کا شوق اور انتظار ہے مطلب یہ ہے کہ عوام تو نماز
 بڑھ کر اُس سے غافل ہو جاتے ہیں اور عشاق نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر
 انتظار میں بیتاب رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ نماز کے انتظار میں لگا ہونے
 والا نماز ہی میں ہے اس لئے عشاق ہر وقت نماز میں ہیں یعنی اُن کو ہر وقت
 نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ عشاق کی نماز دوسری ہے
 اور وہ پانچ وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے۔ یہ تو مولانا کے کلام سے استدلال
 کا جواب تھا۔ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اعمال کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن،
 یہ مسلم۔ لیکن اس سے یہ کیوں کر لازم آیا کہ اعمال کی صورت اب ظاہر مطلوب
 نہیں دیکھو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آپ کے بیٹے کا ایک ظاہر ہے
 یعنی قالب اور ایک باطن ہے یعنی روح کیونکہ انسان صرف ظاہر سے انسان نہیں
 بلکہ اپنی روح کے ساتھ انسان ہے اگر روح نہ ہو تو یہ قالب مٹی میں دفن کرنے
 کے قابل ہے لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف روح ہی مطلوب ہے اور
 قالب بالکل مطلوب نہیں اگر یہ ہے تو پھر اپنے بیوی بچوں کو گلا گھونٹ کے مار دو،
 کیونکہ روح تو پھر بھی رہے گی اُس کو تو گلا گھونٹنے سے موت نہ آئے گی صرن
 قالب کو موت آئے گی تو کیا حرج ہے یہ تو مطلوب ہی نہیں۔ اس پر شاید
 آپ یہ کہیں کہ مطلوب تو روح ہی ہے اور قالب مطلوب نہیں مگر چونکہ یہ روح ہمارے
 پاس بدون اس قالب کے نہیں رہ سکتی اس لئے بدن یہی مطلوب ہے۔ جزاک اللہ
 بس یہی ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو آپ روح صلوٰۃ کہتے ہیں وہ روح آپ کو بدن
 نماز کی اس صورت و قالب کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی وہ روح اسی صورت کے
 ساتھ لگی ہوئی ہے اگر اس کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس صورت کو لازم بکھڑو ورنہ
 بدون اس کے جو شخص روح صلوٰۃ کے حصول کا مدعی ہو وہ یقیناً جھوٹا ہے یہ

نومعتقدوں کی حالت تھی کہ انہوں نے صوفیہ کے ان اقوال کو تفسیر سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ مقصود صرف باطن ہی ہے ظاہر مراد ہی نہیں۔ اور جو لوگ ان کے معتقد نہ تھے وہ ان پر فتویٰ لگانے لگے کہ صوفیہ ملحد ہیں کہ قرآن کے اندر تحریف کرتے ہیں آیات کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ یہ بھی غلطی پر ہیں۔

اور جو سچے معتقد اور محقق تھے انہوں نے **علم اعتبار کی حقیقت** | یہ کہا کہ صوفیہ کی مراد تفسیر کرنا نہیں بلکہ

مراد یہ ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے تو قرآن کے قصوں کو محض قصہ سمجھ کر نہ پڑھ بلکہ اُن سے سبق حاصل کر کیوں کہ قرآن میں جو قصے مذکور ہیں وہ عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں جیسا خود قرآن میں ارشاد ہے :

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ
مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصَدِّقُ الَّذِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى
وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○

پس جب تو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو اس سے یہ سبق حاصل کر کہ تیرے اندر بھی ایک چیز موسیٰ کے اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے یعنی رُوح اور نفس دوسری عبارت میں یوں ہو کہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک داعی الی الخیر جو مشابہ موسیٰ علیہ السلام کے ہے دوسری داعی الی الشر جو مشابہ فرعون ملعون

عہ البتہ ان کے احوال سے عبرت ہے واسطے عقل والوں کے کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے بھی ایمان لانے والوں کے ہر چیز ہے بیان ہدایت اور آیت ہے پارہ میں سے بوسلف کی باطل ختم پڑھو۔

کے ہے پس تو بھی اپنی رُوح کو نفس پر غالب کر جس کا طریقہ مجاہدہ اور تبلیغ ہے پس تو نفس کو آیات الہیہ یاد دلاتا کہ اُس کو خوفِ الہی پیدا ہو اور نافرمانی سے باز آجائے یہ علم اعتبار ہے کہ دوسرے کے قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کر کے سبق حاصل کیا جائے پس اس آیت سے رُوح و نفس کی حالت پر حکم کرنا استدلال کے طور پر نہیں بلکہ بطور اعتبار کے ہے۔ استدلال تو مفہوم لغوی سے ہوتا ہے ان طرق کے ساتھ جو اہل معانی و اصول نے بیان کئے ہیں اور اعتبار تشبیہ و اشارہ کے طور پر ہوتا ہے اور ان دونوں کی اصل قرآن سے ثابت ہے لیکن قرآن میں دلیل و استدلال کا لفظ صراحتہً نہیں آیا بلکہ اس کے مرادفات کئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ۔

اور ارشاد ہے : قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ بِوَنَاءِ بَرَّهَانٍ اور عِلْمِ دِلِی کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام استدلال رکھنا صحیح ہو گیا جیسے اَقِمْوُ الصَّلَاةَ کے معنی میں یوں کہنا کہ حق تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا ہے صحیح ہے حالانکہ اَقِمْوُ الصَّلَاةَ - میں اللہ اور فرض کا لفظ صراحتہً نہیں مگر اس کا قائم مقام موجود ہے۔ اور دوسرے طریق کا نام خود قرآن ہی میں اعتبار آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے - فَاتَّخِذُوا اٰیَا الْاَوَّلٰی اَلَا بَصٰرًا اس سے اُپر بنی نصیر کے (جو یہود کا ایک قبیلہ ہے) جلا وطن کئے جانے کا قصہ مذکور ہے جس کے بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اے بصیرت والو! اس سے عبرت حاصل کرو۔ یعنی اگر تم ایسی حرکت کرو گے جو ان لوگوں نے کی ہے تو اپنے واسطے بھی اس عذاب کو تیار سمجھو اور یہی تو علم اعتبار ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت ہو

تو ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جائے اور یہی عبرت حاصل کرنے کے
معنی ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے کہ اگر ہم نے اس کے
جیسے اعمال کئے تو ہمارا بھی وہی حال ہوگا جو اس کا ہوا ہے رہا یہ سوال کہ جس
طرح صوفیہ علم اعتبار کا استعمال کیا ہے کیا نصوص میں بھی ایسا استعمال آیا
ہے تو میں کہتا ہوں کہ بحمد اللہ اس کی نظیر نصوص میں بھی موجود ہے۔ اور میں یہ
بات خود نہیں کہتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے میں اس
کا ثبوت دیتا ہوں اور وہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد
سمجھ لیا ہے کہ وہ ائمہ کی تقلید بھی نہ کرتے تھے مگر یہ غلط ہے وہ مقلد ہی ہیں مگر
مقلد محقق ہیں لیکر کے نظیر نہیں جیسے سالکین و مجذوبین کے سلوک و جذب میں
مراتب ہیں کہ بعض سالک مجذوب ہیں بعض مجذوب سالک محض ہیں۔ بعض
سالک محقق ہیں۔

ایسے ہی تقلید تحقیق کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلد محض ہیں بعض محقق محض یعنی مجتہد ہیں اور
اور بعض مقلد محقق ہیں بعض محقق مقلد ہیں۔ تو شاہ صاحب مقلد محض نہ تھے بلکہ
مقلد محقق تھے اسی لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوا تو اتنے بڑے
محقق نے دو حدیثوں کے متعلق فوز البکیر میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تقدیر کا مسئلہ ارشاد فرمایا:

أَمَّا مِنْكُمْ مَنْ أَحَدًا لَا وَقَدْ كُتِبَ لَهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ
مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نَتَكَلَّمُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَّعِ الْعَمَلُ

یعنی ہر شخص کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے۔
اُس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے حضورؐ
نے فرمایا:

اعْلَمُوا أَفْكَلُ مُبَيِّنٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ
فَسَيُبَيِّنُ بِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُبَيِّنُ
لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى
الآية متفق عليه (مشکوٰۃ ص ۱۱)

کہ عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے
لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اُس کے لئے عمل سعادت
آسان ہوگا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے جو شخص اہل سعادت سے ہوگا اُس کے
لئے عمل سعادت آسان ہوگا جو اہل شقاوت سے ہوگا اُس کے لئے عمل شقاوت
آسان ہوگا اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَيُبَيِّنُ لَهُ لِلْيُسْرَى
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَيُبَيِّنُ لَهُ لِلْعُسْرَى

(ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ جو شخص (اللہ کی راہ میں) صدقہ دے اور تقویٰ اختیار کرے
اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تصدیق کرے تو ہم اس کے لئے راحت کی
پہیز (یعنی جنت) کا سامان کر دیں گے اور جو بخل کرے اور بے پروائی اختیار
کرے اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کی تکذیب کرے ہم اُس کے لئے تکلیف

۱۱ قال الشيخ مقابلة لا استغنا بالتقوى لمشعر بان المراد بالاستغناء عدم

المبالاة والغفلة ففيه دلالة ان الغنى المذموم هو ما كان مع الغفلة وعدم

المبالاة وان التقوى حقيقة الفكر فان المقابل للاستغنا هو التقوى بهما المعنى

وبهذا سهل تفسير قوله تعالى هدى المتقين اى الذين هم فى فكر وخشية وميتا

يد هذا تفسير باللغة فان التقوى لغة الخوف والحذر ۱۲ اشرف

کی چیز (یعنی جہنم) کا سامان کر دیں گے، ۱۲۷

اب اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں تقدیر کا ذکر کہاں ہے آیت کا مدلول تو یہ ہے کہ اعطاء و تقویٰ سے جنت آسان ہو جاتی ہے اور بخل و استغناء سے دوزخ آسان ہو جاتی ہے اس کا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور علم اعتبار کے اس آیت کے مضمون سے حدیث کے مضمون پر استشہاد فرمایا ہے اور مقصود تشبیہ دینا ہے کہ جیسے بواسطہ اعمال کے بعض کے لئے جنت اور بعض کے لئے دوزخ کو آسان کر دیا ہے اسی طرح بواسطہ تقدیر کے بعض کے لئے اعمال صالحہ کو بعض کے لئے معاصی کو آسان کر دیا ہے اور یہ تشبیہ محض توضیح کے لئے ہے کہ تقدیر سے تیسیر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی اس آیت میں تیسیر اعمال سے مذکور ہے پس مقصود تشبیہ سے توضیح ہے مشبہ کی اسی لئے تشبیہ میں شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وہ صفت اوضح و اشر ہو گوا قوی

۱۷ تحت ولا یخفی ما فی هذا الجواب من البعد والاسهل فی التوجیہ ان یقال فی معنی الایۃ ان من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فهو الذی ارادنا به التیسیر للیسری ومن بخل و استغنی و کذب بالحسنی فهو من ارادنا به التیسیر للیسری وهذا راجع الی قوله صلی اللہ علیہ وسلم اعملوا فکل مینس ما خلق لا ى و علمه علامۃ لما کتب له من السعاده و التقاوة و هذا هو الظاهر من الایۃ لا ان الاعطاء و التقویٰ موثر فی تیسیر الیسری او البخل و الاستغناء فی عکسہ بل کل ذلک امارات و علامات لما نراد اللہ به و قدر له من قبل و المینس هو اللہ تعالیٰ واللہ اعلم ۱۲ لیس المقصود تریجیم توجیہ بل المقصود اثباہان العلماء الراستحین حکموا بکون علم الاعتبار من القرآن و مرتدان یحکوا بالباطل ۱۲ اشرن .

بہ جواب یہاں سے تشبیہ کے متعلق ایک مشہور سوال کا بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی

اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ
 میں جو صلوٰۃ علی رسول اللہ بنیا صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کو صلوٰۃ علی
 ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

تشبیہ میں مُشَبِّہ کا افضل ہونا ضروری نہیں

تو اسپر بعض لوگوں کو تشبیہ ہوتا ہے صلوٰۃ ابراہیم علیہ کے افضل و اکمل ہونے
 کا صلوٰۃ محمدیہ سے اور منشا اس کا یہی ہے کہ عام طور پر لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ
 تشبیہ میں مشبہ یہ کامُشَبِّہ سے اقویٰ و افضل ہونا شرط ہے حالانکہ یہ مقدمہ ہی
 غلط ہے بلکہ صرف اوضح و اشہر ہونا ضروری ہے افضل و اکمل ہونا ضروری نہیں اور
 اسکی دلیل خود قرآن میں موجود ہے فرماتے ہیں :

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُوْرِیْہِ کِیْشْکُوْرٍ مِّمَّنْہَا مِصْبَاحٌ
 اِمْمِیْنُ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے نور کو چہرِ چراغ کے نور سے تشبیہ دی ہے حالانکہ
 چراغ کے نور کو نور حق سے کیا نسبت مگر بوجہ وضوح کے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ
 نور مصباح لوگوں کے ذہن میں پہلے سے حاضر ہے، اسپر اگر یہ سوال ہو کہ لوگوں
 کے ذہن تو نور شمس و قمر بھی حاضر ہے اور ان دونوں کا نور چہرِ چراغ کے نور
 سے زیادہ قوی ہے تو انکے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی اس کا جواب یہ ہے
 کہ سورج اور چاند کا نور اگرچہ چراغ کے نور سے اقویٰ ہے مگر سورج میں
 ایک غیب کہ اسپر نگاہ نہیں جمتی اسکی ساتھ تشبیہ دی جاتی تو سامعین کو تشبیہ
 ہوتا کہ شاید خدا کا نور بھی ایسا ہی ہوگا کہ اسپر نگاہ نہ جم سکے تو حنت میں بھی دید

سے مایوسی ہوئی اور قمر سے اس لئے تشبیہ نہیں دی کہ اُس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ نور القمر استفادہ من نور الشمس تو اس کی ساتھ تشبیہ دینے میں اس کا ثبوت ہوتا کہ نور حق بھی کسی سے استفادہ ہے۔ پھر چراغ میں ایک صفت شمس و قمر سے زیادہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو یہی منورہ و منور بنا دیتا ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک چراغ سے ایک لاکھ چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس کے نور میں کچھ کمی نہیں آتی اور شمس و قمر سے دوسروں کو صرف روشنی پہنچتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ دوسری شے نورانی بن کر کسی اور کو بھی منور کر سکے۔ (اگر کہا جائے کہ اُنیہ

۱۵ اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ نور قمر کا استفادہ من الشمس ہونا تو اہل علم ہی میں مشہور اور چراغ کے نور کا استفادہ ہونا دیا سلائی یا چمقنا کی آگ سے ہر شخص کو مشاہد ہے اور خود نص میں اس کا ذکر ہے یکا و زتا یضیی و لولم تمس نارۃ میں پس میرے خیال میں نور قمر سے تشبیہ نہ دینے کی توجیہ یہ کی جائے تو اچھا ہے کہ قمر میں محال کا عیب ہے کہ کبھی ہلال ہے کبھی بریکامل ہے کمال کے بعد زوال ہے ولیس نور اللہ کذلک۔ نیز اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ نور شمس و قمر میں بے نقص ہے کہ اس سے روشنی حاصل کرنے میں کسی کے کسب و طلب اختیار کو دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور سے استفادہ کرنے میں کسب و عمل کو دخل ہے کہ جو کوئی اپنے قلب کو مثل زجاجہ کو کب دری کے صاف و شفاف کر لے اور اس میں ذکر اللہ و عشق اور اخلاص کا زینت ببارک بھر لے تو نور حق سے مستفید و منور ہو جائے گا ورنہ نہیں پس اس کی مثال نور مصباح ہی ہے جس سے استفادہ و منور با اختیار و طلب عبادت نہ بالا منظر علاوہ ازیں یہ کہ نور شمس و قمر گونا گویا ہے مگر اسکی طرف انسان کی احتیاج اس قدر حاضر فی الذہن نہیں جس قدر نور مصباح کی احتیاج حاضر فی الذہن ہے کیونکہ شمس و قمر کا طلوع و غروب عادت کے موافق خود ہوتا رہتا ہے بہت سے آدمیوں کو اُس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور نور مصباح کی ضرورت کی طرف ہر ایک کو التفات ہوتا ہے رات کے وقت ہر شخص کو اس کی طلب ہوتی اور اسکی طرف التفات بھی ہوتا ہے۔ نیز ما عندی رکل ذاک من قبیل انکسار و لعل غیاۃ احسن واللہ تعالیٰ اعلم ۱۶

آفتاب یا چاند کے سامنے کیا جائے تو وہ خود بھی نورانی ہو جاتا ہے اور در دیوار کو بھی منور کر دیتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محض واسطہ فی العرض ہوتا ہے واسطہ فی الثبوت نہیں ہوتا اور چراغ واسطہ فی الثبوت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نور حق واسطہ فی الثبوت ہوتا ہے (مگر تشبیہ من کل الوجوه نہیں کہ اس سے کوئی نعوذ باللہ دوسرا خد تصنیف کرنے لگے مطلب صرف یہ ہے کہ نور حق دوسرے کو منور بھی کرتا ہے اور منور بھی گو دوسروں کی تنویر اس درجہ کی نہ ہو اور یہ بات چراغ ہی میں ہے شمس و قمر میں نہیں ہے اور یہ سب نکات ہیں متاخذ نہیں ہیں ہر شے کو اپنی حد پر رکھنا چاہیے۔ اور چونکہ یہ نکات ہیں اس لئے علماء سے ان کے پوچھنے کا بھی کسی کو حق نہیں۔ اگر وہ خود بتلا دیں تو ان کا احسان ہے یہ چٹنی مربی میں اور دعوت پلاؤ زردہ کی ہوتی ہے چٹنی مربی کی دعوت نہیں ہوتی وہ تو غذا کو لذیذ بنانے کے لئے ہے خود مقصود نہیں یہ تفصیل آیت کی تفسیر میں تھی جو استطراداً مذکور ہو گئی مجھے اس آیت کے ذکر سے صرف یہ مقصود تھا کہ اسمیں نور حق کو نور مصباح سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ نور مصباح کو نور حق سے کچھ نسبت نہیں پس ثابت ہو گیا کہ تشبیہ کے لئے مشبہ یہ کامشہ سے اقویٰ لازم نہیں صرف اوضح و اشہر ہونا شرط ہے پس درود شریف میں بھی جو صلوٰۃ محمدیہ کو صلوٰۃ ابراہیمیہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس کی بناء بھی اسی پر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خاص رحمت صلوٰۃ کا نازل ہونا اس رویان میں مشہور تھا پس اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ صلوٰۃ ابراہیمیہ صلوٰۃ محمدیہ سے افضل و اکمل ہو۔ بہر حال شاذ صاحب نے حدیث کی شرح میں علم اعتبار کی اصل قرآن سے بتلائی ہے۔ ایک حدیث تو یہ تھی جس کے متعلق بیان ہو چکا۔

دوسری حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعمال جو لوگ کر رہے ہیں پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں کہ کون کیا کرے گا ہر شخص ابتداءً عمل کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَلْ شَيْءٌ قَضَى عَلَيْهِمْ وَمَضَى فِيهِمْ وَتَصْدِيقُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَالْهَمَّهَا فَجُورُهَا وَتَقْوَاهَا

کہ نہیں بلکہ یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لئے پہلے ہی سے مقدر ہو چکے ہیں یہی وہ بات ہے جس کی ایک حدیث میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَاتِبٌ

میں اسوقت تقدیر کا مسئلہ بیان نہیں کر رہا تاکہ شبہات کا جواب دوں ممکن ہے اسوقت کسی کے ذہن میں یہ سوال آیا ہو کہ جب سارے اعمال پہلے سے مقدر ہو چکے تو پھر عمل صالح میں سعی کی کیا ضرورت ہے جو مقدر ہو گا ہو جائے گا یا یہ شبہ آیا ہو کہ جب پہلے سے سب کچھ مقدر ہو چکا ہے تو پھر کافر و فاجر کا کیا قصور ہے میں اسوقت چونکہ مسئلہ تقدیر کو حل نہیں کر رہا اس لئے ان شبہات کا جواب دینے کی مجھے ضرورت نہیں ہے (جس کو شوق ہو وہ اس بحث کو تفسیر بیان القرآن کے شروع میں ختم اللہ علی قلوبہم کی تفسیر میں دیکھ لے ۱۱۲)۔

ہاں اسوقت ایک بات کہتا ہوں جو مقنع ہے۔

مسئلہ تقدیر | یعنی اس سے صاحب انصاف کو تسلی ہو جائے گی

گو بحث کر نیوالا ساکت نہ ہو (۱۲) وہ یہ کہ اگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب کافی ہے کہ ہم سے جو گناہ صادر ہوئے ہیں تو ہم کیا کرتے آپ نے مقدر میں یہی لکھ

دیا تھا تو یہ جواب آپ کے غلام اور نوکر اور اولاد کی نافرمانی کے وقت بھی آپ
 کے مقابلہ میں کافی ہونا چاہیے جب غلام یا نوکر آپ کی نافرمانی کرنے یا اس کے
 ہاتھ سے کوئی نقصان ہو جائے تو اس کو سزا ہرگز نہ دیا کر دبلکہ تقدیر کو کافی
 جواب سمجھا کر وہ کہ غریب معذور ہے اسکی تقدیر میں یہی عمل تھا۔ اسی طرح اولاد
 اگر تعلیم حاصل نہ کرے لڑکا اسکول سے بھاگتا ہو تو اسکو تنبیہ نہ کیا کر و بس
 صبر کر لو کہ اسکی تقدیر میں یہی ہے۔ یہ کیا بات کہ یہاں تو باوجود اعتقاد تقدیر
 کے آپ کو صبر نہیں آتا بلکہ اول پوری تدبیر سے کام لیتے ہو بچہ کو سزا دیتے
 ہو لالچ بھی دیتے ہو جب کوشش کرتے کرتے تھک گئے اس وقت تقدیر
 پر صبر و شکر کر کے بیٹھتے ہو اور خدا کے سامنے عذر تقدیر کو کافی جواب سمجھتے
 ہو اگر تقدیر پر بھروسہ کر کے دین کے اعمال سے بے فکری اختیار کی جاتی ہے
 اور اپنے کو بد عملی میں بے تصور سمجھا جاتا ہے تو دنیا کے کاموں میں بھی تدبیر کو چھوڑ
 دینا چاہیے۔ اور اپنے ماتحتوں پر کسی غلطی کی وجہ سے گرفت نہ کرنا چاہیے ان کو
 بھی بے خطا بے تصور سمجھنا چاہیے۔ صاحبو! اس طریقہ کو چھوڑو تم خدا تعالیٰ پر
 ہرگز الزام قائم نہیں کر سکتے بخدا وہ ہر مجرم شخص کو لا جواب اور قائل کر کے
 سزا دیں گے کسی کو ایسے حال میں سزا نہ دی جائے گی وہ اپنے کو بے تصور سمجھتا ہو۔
عمل کی اہمیت پس تم باتیں نہ بناؤ باتوں سے کام نہ چلے گا۔
 عمل ہی سے کام چلے گا۔ ارے اگر کسی کے
 لئے پھانسی کا حکم ہو گیا ہو تو اس کو سبائے پھانسی کے علت کی تحقیق کے
 اور اس علت میں شبہات کے مراحم خسروانہ کی تفتیش و تلاش کرنا چاہیے اس
 سے تو کچھ کام چلے گا پھانسی کی علت کی تحقیق سے کیا کام چل سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور افلاطون کا عجیب مکالمہ | مشہور ہے کہ افلاطون نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر حوادث تیرہوں اور آسمان کمان ہو اور تیرا انداز حق تعالیٰ ہوں تو بچنے کی کیا صورت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تیرا انداز کے پہلو میں جا کھڑا ہو پھر تیرے بچا رہے گا کیونکہ تیرا اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اُسکی زد پر ہو اور جو تیرا انداز کے پہلو میں کھڑا ہو اُسپر تیرا نہیں پہنچتا۔ سبحان اللہ! عجیب جواب ہے جس کو سن کر افلاطون نے اقرار کیا کہ یہ جواب نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ — صاحبو! پس تدبیر و تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو نہ کرو۔

شبہات کا علاج صرف تعلق مع اللہ ہے

بلکہ حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو یہ دس ادس و شبہات جی بھی تک ہیں جب تک خدا سے تعلق نہیں اور تم عقل کے تابع ہو اس عقل کو فنا کر د خدا کی محبت اور ان کا قرب حاصل کرو ۵

آزمودم عقل دور اندیش را

بعد ازیں دیوان سازم خویش را

اور خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خود راہی چھوڑ کر اپنے

کو کسی صاحب محبت کے حوالہ کر دو ۵

قال را بگذار مرد حال شو | پیش مرد کا ملے یا مال شو

سال با تو سنگ بوئی دلخراش | آزمونوں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سر بہر سنگ | خاک شوتا گل بر دہرنگ نگ

تم اپنی عقل پر ناز نہ کرو کیونکہ اہل اللہ کے سامنے تمہاری عقل ایک طفل
مکتب سے بھی کم ہے بس اب تو عقل اسکو سمجھتے ہیں کہ چار پیسے کمانے
کے قابل ہو گئے۔ بی اے، ایم اے ہو گئے۔ حالانکہ عقل وہ ہے جو خدا کو پہچانے
جو اہل اللہ کو عطا ہوئی ہے پس انکے سامنے اپنی عقل پر ناز کرنا ایسا ہے
جیسے مولانا فرماتے ہیں ۷

نازاراروے بباید ہنچو ورد | چوں نداری گرد بدخونی مگرد
جب تم کو یہ عقل حاصل نہیں تو اہل اللہ کے سامنے اپنی دینی عقل پر ناز نہ کرو
چونکہ یوسف نیستی یعقوب پاش | ہنچو او باگریہ دآشوب باش
عیب باشد چشم نابیناؤ باز | زشت باشد روی نازیبا و ناز
تم اپنے کو جاہل مطلق سمجھ کر کسی محقق کے پیرو نہ کرو اسوقت تعلق مع اللہ کی
دولت حاصل ہوگی پھر تعلق مع اللہ اور محبت باللہ کے بعد ان شبہات و
اعتراضات کا یہ حال ہوگا کہ ۷

عشق آل شعلہ است کو چوں بر فردخت
ہر چہ ہنہ معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

تعلق مع اللہ کے بعد سب وساوس خود ہی چلے جائیں گے اسی لئے
مولانا بخوش میں آکر ایک مقام پر عشق کی زور شور سے مدح فرماتے ہیں ۷
مرحبا اے عشق خوش سودائے ما | اے طیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالبینوس ما
اور اگر یہ حاصل نہیں تو یاد رکھو کہ ان باتوں سے اور دلیلوں سے کچھ
کام نہ چلے گا۔

علماء و مشائخ کو تنبیہ | میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ
آپ کی یہ تقریریں اور نکات

اسرار سب رکھے رہ جائیں گے اور سالیکن سے بھی کہتا ہوں کہ یہ مواجیب
اذدق اور معارف و حقائق بدون تعلق صادق کے سب بیکار ہیں۔

حضرت نوکر کافیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنڈا رہے اور باتیں بنایا کرے
بلکہ اُس کی خدمت کام آتی ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ کو کبھی نے
خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا :

نفدت الحقائق و العبارات و تعطلت الرموز و الا

شارات و ما نفعنا الا رکیعات فی جوف اللیل :

کہ ساری عبارتیں اور اسرار و نکات و اشارات غائب ہو گئے ان سے کچھ
کام نہ چلا بس وہ چھوٹی چھوٹی چمن رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ
لیا کرتے تھے۔ صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے
اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علی نور ہے ورنہ کچھ نفع
نہیں اگر مقصود حاصل نہ ہوا۔ آج کل غضب یہ ہے کہ علماء و صوفیہ سب غیر
مقصود کے درپے ہیں مقصود سے اکثر لوگ غافل ہیں بلکہ کوسوں دور ہیں۔ میں
یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت مجھے تقدیر کے مسئلہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تاکہ اُن
شبہات کا جواب دوں جو اس مسئلہ پر وارد ہوتے ہیں بلکہ اس وقت تقدیر کا
ذکر اس سلسلہ میں آگیا کہ ————— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس مسئلہ کے ذکر میں بھی علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے۔
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَنْتُمْ فِي عَمَلٍ قَدْ فَرَّغَ مِنْهُ وَتَصْدِيقُ ذَلِكَ فِي
كِتَابِ اللَّهِ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا :

کہ جو اعمال تم کر رہے ہو یہ وہ ہیں جن سے فراغت ہو چکی ہے یعنی سب
پہلے ہی مقدر ہو چکے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اسکی تصدیق قرآن میں
موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا۔

قسم ہے نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اُس کو پیدا کیا تا مبنی من ہے
تفسیری نکتہ | اور یہاں نفس کے ساتھ قسم کو قسم بالرب
پر جو مقدم کیا گیا ہے تو اس میں اشارہ

ہو سکتا ہے اس امر کی طرف کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه
کہ نفس بڑی چیز ہے یہ ہماری قسم کا مقسم بہ بننے کے قابل ہے تم اسکو پہچانو اگر
اسکو پہچان لو گے تو ہم بھی بھی پہچان لو گے چونکہ معرفت نفس وسیلہ ہے معرفت
رب کا اس لئے نفس کی قسم کو مقدم کیا گیا جیسے مقدمہ ذکر میں مقدم ہوتا ہے
کو مقصودیت میں مؤخر ہوا اور یہ یہی نکتہ ہے کوئی علم مقصود نہیں۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر کو بیان کرنے کے
بعد صراحتاً یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اسکی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت میں ہے
پہلی حدیث میں یہ صراحت فقہی صرف اتنی بات تھی کہ آپ نے مسئلہ تقدیر کے
بعد ایک آیت کی تلاوت کی تو وہاں اس بات پر کہ مسئلہ تقدیر کو اس آیت
کے مضمون سے مناسبت حاصل ہے صرف قرینہ حالیہ تھا اور یہاں قرینہ مقالہ
موجود ہے مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت بھی تقدیر کے مسئلہ کا ذکر نہیں

ہے بلکہ صرف یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی اور خالق نفس کی قسم کھائی ہے اور اس کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ : **فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا** کہ خدا نے نفس کو پیدا کر کے اُس کو خیر و شر کا الہام کیا یعنی انسان کے نفس میں نیکی اور بدی کی دو طاقتیں فطرتاً رکھ دی ہیں اس سے مسئلہ تقدیر کی تائید تصدیق کیونکر ہوئی۔

شاہ صاحب نے یہاں بھی وہی جواب دیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی علم اعتبار کے طور پر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح فجور و تقویٰ کا القاء ہوا ہے اسی طرح اعمال کو مقدر بھی کر دیا ہے۔ پس بقول شاہ صاحب کے ان دو حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اعتبار کا استعمال فرمایا ہے بڑے شخص کے سر رکھ کر میں یہ کہہ رہا ہوں خود اتنی بڑی بات نہیں کہتا کیونکہ یہ بڑا دعویٰ ہے۔ اور اگر کوئی شخص شاہ صاحب کے قول کو نہ مانے تو میں اس سے کہوں گا کہ پھر وہ ان حدیثوں کی شرح کر دے یقیناً ان حدیثوں اور آیتوں میں وہ کوئی وجہ ربط و بخر اس کے جو شاہ صاحب نے فرمایا بیان نہ کر سکے گا۔ یہ شاہ صاحب کا علم وہی ہے جس نے ان حدیثوں کا ایسا حل کسی کے کلام میں نہیں دیکھا۔

استعمالِ علم اعتبار کا ثبوت | اب شاہ صاحب سے بڑے سے اسکو نقل کرتا ہوں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ

ہیں اُن سے بھی علم اعتبار کا استعمال منقول ہے چنانچہ آیت **اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَاِبِيًا**

کی تفسیر میں ابن عباس نے فرمایا ہے :

يُرِيدُ بِالمَاءِ الشَّرْعَ وَالْاَوْدِيَةُ وَبِالْاَوْدِيَةِ الْقُلُوبُ

کہ یہاں سے شرع اور دین اور اودیہ سے (بطور تشبیہ کے) قلوب مراد

ہیں صاحب روح المعانی نے اسکو نقل کر کے اپہر اعتراض کیا ہے کہ یہ تو صوفیہ کی تفسیر کے مثل ہے ابن عباسؓ ایسی تفسیر نہیں کر سکتے اس لئے یہ روایت غیر صحیح معلوم ہوتی ہے پھر بعد تسلیم صحت کے یہ توجیہ کی ہے :

أَمَّا قَصْدُ أَنْ تَوَلَّاهُ تَعَالَى كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ

وَالْبَاطِلَ مَعْنَاهُ الْحَقُّ يَتَفَرَّدُ فِي الْقُلُوبِ الخ :

اور میں نے مسائل السلوک میں یہ توجیہ کی ہے کہ :

إِنْ صَحَّ ذَلِكَ مَقْصُودُ الْخَيْرِ مِنْهُ لَا شَاكَ .

اسی طرح ابن عباسؓ نے : اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ

بَعْدَ مَوْتِهَا ط ————— کی تفسیر میں فرمایا ہے :

لِيُنْزِلَ الْقُلُوبُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَإِلَّا فَقَدْ عِلِمَهُ أَحْيَاءُ الْأَرْضِ مُشَاهِدَةً :

یعنی یہاں ارض سے مراد مردہ قلوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کر

دیتے ہیں ورنہ زمین کا حال تو سب کو معلوم ہے ۔ (یعنی اسکی حالت بتلانے کا اتنا

اہتمام ضروری نہ تھا) یہ بھی علم اعتبار ہی ہے اور ، وَإِلَّا فَقَدْ عِلِمَ أَحْيَاءُ

الْأَرْضِ مُشَاهِدَةً : —————

سے تفسیر مشہور کی نفی کرنا مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے مخاطب تجھ کو

اس آیت میں ظاہری ندلول پر اکتفا نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ تو ظاہری ہے بلکہ

اس سے قلوب کی حالت کی طرف انتقال کرنا چاہیے کہ دلوں کی بھی وہی حالت

ہے جو زمین کی حالت مشاہدہ ہے ۔ اور یہ روایات میرے رسالہ مسائل السلوک

میں مذکور ہیں ان آثار وغیرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم اعتبار صوفیہ کی بدعت نہیں

بلکہ نصوص میں اسکی اصل موجود ہے پس جو لوگ علم اعتبار کی رعایت کرنے میں صوفیہ

پر زندقہ والحاد کا فتویٰ لگاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں ۔ ہاں جو شخص اس کو

قرآن کی تفسیر سمجھے اُس کے زندقہ والحاد میں ہم کو بھی کلام نہیں۔

علم اعتبار کی حقیقت کی توضیح | بہر حال علم اعتبار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا جائے بلکہ مشبہ ثابت بدلیل آخر ہے اور یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ کیونکہ کنایہ میں موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہوتا ہے اس لئے غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضوع لہ کے غیر مراد ہونے کا کوئی قرینہ ہے نہ غیر موضوع لہ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے کیونکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ مترک نہیں ہوتے بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہ ہوتا ہے مگر مقصود اُس کا لازم یا ملزوم ہوتا ہے جیسے طویل الجہاد کہ اس میں مدلول وضعی مترک نہیں مدلول کلام وہی ہے مگر مقصود طویل القامت ہے کیونکہ طویل الجہاد کے لئے طویل القامت لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنی نہ مقصود ہے نہ مدلول کلام ہے پس یہ اعتبار کو یا قیاس تصرفی ہے اور مشابہ ہے قیاس فقہی کے مگر ہمیں قیاس فقہی نہیں کیونکہ قیاس فقہی میں علت جامعہ مؤثر ہے حکم مقیس میں اس لئے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے یہاں یہ بھی نہیں صرف مقیس مقیس میں تشابہ ہے۔ اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے یہ حقیقت ہے علم اعتبار کی پس صوفیہ تو اس کے حدود سے نہیں نکلتے کیونکہ وہ معانی منقولہ کے نہ مدلولیت کے منکر ہیں نہ مقصودیت کے اور جہلاء صوفیہ خود ان کے مدلولیت ہی کے منکر ہیں اور جدید تعلیم یافتہ مدلولیت کے تو منکر نہیں مگر مقصودیت کے مابین بلکہ مقصود معانی سیاسیہ ہی کو سمجھتے ہیں ان سب فرقوں کے سب فرقوں کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اب سمجھئے کہ جس مضمون کو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اس آیت کا نہ مدلول ہے نہ مقصود ہے بلکہ صرف اُس کو اُس کے مدلول سے مشابہت حاصل ہے پس یہ بیان اس آیت کے تحت میں بطور علم اعتبار کے ہوگا۔

وہ مضمون یہ ہے کہ آپ کو آیت کے ترجمہ سے
آیت سے ماخوذ مضمون | معلوم ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام

پر خلق ازواج میں بہت سی آیات و دلائل قدرت کا ہونا بیان فرمایا ہے تو میں کہتا ہوں کہ علاوہ ان دلائل و آیات کے جو مدلول ظاہری ہیں اس تعلق ازواج میں ایک اور بات بھی ہے جس سے ہم کو سبق لینا چاہیے۔

نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے | نکاح کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں غور کرنے سے آنکھیں کھلتی ہیں

اور سالک کو سبق ملتا ہے کہ یہ تعلق نکاح کے معاملات تعلق مع اللہ کی بعض معاملات کے نظائر ہیں۔ تو گویا معاملات نکاح میں اُن معاملات پر بھی ایک طرح کی آیات ہیں کیونکہ نکاح کے اندر تین درجے ہوتے ہیں۔ ایک درجہ عدم تعلق کا ہے کہ ابھی تک نکاح کا پیغام بھی نہیں دیا گیا، بلکہ ذہن خالی ہے ایک (دوسرا) درجہ خطبہ کا ہے کہ پیغام دیا گیا اس درجہ میں قدرے تعلق ہو جاتا ہے (۱) اس کے بعد ایک تیسرا درجہ ہے کہ پیغام دینے کے بعد پیغام منظور ہو گیا اور رشتہ قرار پا گیا اس درجہ میں پہلے سے زیادہ تعلق ہو جاتا ہے اور آپس میں لین دین آمد و رفت ہدایا متخالف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے (۲) ایک (چوتھا) درجہ اس کے بعد ہے جس کا نام نکاح ہو جانا اور وصول ہو جانا ہے یہ تو ظاہر

ہے۔ اب سمجھئے کہ یہی حال سلوک اور تعلق مع اللہ کا ہے کہ وہاں بھی تین درجات
 میں ایک درجہ بے تعلقی کا ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کی طلب نہیں گو علم ہے تو
 یہ تو ایسا ہے جیسا ہم کو یہ علم ہے کہ فلاں گھر میں ایک لڑکی ہے سو ظاہر ہے کہ
 اس علم کا نام تعلق نہیں بلکہ تعلق طلب اور خطبہ سے شروع ہوتا ہے اسی طرح
 یہاں سمجھو کہ علم و معرفت قبل از طلب کو تعلق مع اللہ نہیں کہا جاسکتا اس
 کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہوگئی اور کسی بزرگ سے درخواست کی
 گئی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ بتلاؤ اور اس نے راستہ بتلانا شروع
 کر دیا اور یہ راستہ پر چلنے لگا پھر کوئی ابتداء میں ہے کوئی وسط میں ہے یہ
 مشابہ خطبہ کے ہے مگر ابھی تک اس کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مجھ
 سے تعلق ہے یا نہیں اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ ادھر سے بھی اسکے ساتھ
 تعلق کا اظہار ہونے لگا اور رضا کے آثار و معاملات اس کے ساتھ ظاہر ہونے
 لگے یہ وہ درجہ ہے جو منظوری خطبہ کے بعد ہوتا ہے (۱۲)

ایک شبہ کا جواب | اس کے بعد ایک درجہ وصول کا ہے کہ
 نسبت مع اللہ عطا ہوگئی اور یہ شخص داخل
 بحق ہو گیا۔ اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ بارگاہ حق کی تو کہیں انتہا ہی نہیں جیسا
 کہ مولانا فرماتے ہیں ۷

اے برادرِ بے نہایت درگہایت | ہرچہ بروئے میری بڑے مالیت
 اور ایک عارف کہتے ہیں ۷

نگرد قطع ہرگز جادۂ عشق از دوید نہا

کہ می بالذخود این راہ چوں تاں از برید نہا

اور جب اسکی انتہا کہیں نہیں پھر وصول کے کیا معنی کیونکہ وصول تو محدود

تک ہو سکتا ہے غیر محدود تک وصول کہاں ہو سکتا ہے۔ اور یہی وہ
مضمون ہے جو پہلے وعظ میں بیان سے رہ گیا تھا۔ کیونکہ میں نے پہلے وعظ میں
یہ دعویٰ کیا تھا کہ شریعت میں ہر شے کے لئے ایک حد ہے اس پر یہ سوال
وارد ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ کی تو حسب تصریح صوفیہ کوئی حد نہیں بلکہ یہ
تعلق غیر متناہی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصول کے دو معنی ہیں ایک وصول
محدود ہے ایک غیر محدود ہے۔

وصول کے دو معنی | تفصیل اسکی یہ ہے کہ تعلق مع اللہ کے دو درجے
ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔ ایک سیر
فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع
کیا یہاں تک کہ امراض سے شفا ہو گئی اور ذکر و شغل سے قلب کی تعمیر شروع
کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے
موائع مرتفع کر دیئے معالجہ امراض سے واقف ہو گئے نفس کی اصلاح ہو
گئی اخلاق رذیلہ زائل ہو گئے اور اخلاق حمیدہ سے انوار ذکر سے قلب راستہ
ہو گیا اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال و عبادات میں
سہولت ہو گئی نسبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہو گئی۔
اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا
حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالت
کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہی وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے
بحریت بحر عشق کہ ہمیشہ کنارہ نیست
آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

۱۔ یہی وہ شبہ ہے جو وعظ الحدود والیقود کے بالکل آخر میں ایک حاشیہ میں مذکور ہے

اور اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص سائنس کا امتحان دیتا ہے یہاں تک کہ پاس ہو گیا اور سند مل گئی تو اسوقت سیرالی سائنس ختم ہوئی۔ اس کے بعد سیرنی سائنس ہے کہ تحقیقات میں اضافہ ہونے لگیں باتیں منکشف ہوں اسکی کوئی حد نہیں چنانچہ اہل سائنس خود اسپر متفق ہیں کہ تحقیقات سائنس کا سلسلہ غیر محدود ہے جب ایک دنیوی تعلق کا یہ حال ہے تو تعلق مع اللہ کا کیا حال ہوگا۔ دوسری مثال اور لیجئے کہ ایک کمرہ جو اپنے مرکز سے الگ ہو گیا ہو اور وہ حرکت اینیہ کمرے کے مرکز پر پہنچ جائے تو اسوقت حرکت الی مرکز ختم ہوئی پھر اس کے بعد اپنے مرکز پر پہنچ کر وہ حرکت و صغیر کرتا ہے اسکی کوئی حد نہیں اسی طرح یہاں سمجھو پس وہ شبہ جاتا رہا کہ جب بارگاہ حق غیر متناہی اور غیر محدود ہے تو وصول کے کیا معنی — سو میں نے بتلا دیا کہ تعلق مع اللہ ایک معنی کے اعتبار سے محدود ہے یعنی سیرالی اللہ کے اعتبار سے اور اختر اسی حد پر خلافت دی جاتی اور سالک کو مجاز بنایا جاتا ہے جیسا علوم ظاہرہ میں ایک نصاب خاص کے ختم کرنے اور پاس کر لینے پر سند دی جاتی ہے یہ محدود ہے پھر آگے عمر بھر علوم میں ترقی ہوتی رہتی ہے یہ غیر محدود ہے اور ایک درجہ غیر محدود ہے اسی طرح یہاں تعلق کا محدود ہونا بھی صحیح ہے اور غیر محدود ہے بھی صحیح ہے (اور اسی کے مشابہ ایک سوال اور ہے کہ جب ہر شے محدود نہ ہے تو کیا ایمان بھی محدود ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایمان کے حدود و قیود یہ ہیں کہ ذات کی کنہ کی تفتیش اور اس میں فکر نہ کرے ظنیاب کو مدار اعتقاد نہ رکھے وغیر ذلک یہ سوال و جواب نظر ثانی میں زائد کیا گیا، یہ تو ایک شبہ کا جواب تھا اب میں کہتا ہوں کہ معاملہ نکاح سے ہم کو چند سبق لینا چاہیے کہ یہ دنیا میں نظیر ہے تعلق مع اللہ کی۔ اول یہ سبق

ہو کہ جب تم ایک عورت کی طلب سے مستغنی نہیں ہو تو خدا کی طلب سے کیونکر
مستغنی ہو گئے۔

ایک صبرت نیست از فرزندوں | صبر چوں داری زرب ذوالمنن
ایک صبرت نیست از دنیا کے دوں | صبر چوں داری ز نعم الما بدون

پھر جب کوئی شخص کسی عورت کو پیغام دیتا ہے تو اس وقت یہ سوچے کہ
ایک عورت کی طلب کے لئے اُس کو پیغام دینے میں کتنی کتنی باتوں کی رعایت کرنا
پڑتی اور اسکی تلاش میں کیسی کیسی دقتیں اٹھانا پڑتی ہیں کہ بقول عورتوں کے
جو تیاں بھی گھس جاتی ہیں خط پر خط اور قاصد پر قاصد بھیجے جاتے ہیں اور لڑکی
والا ہے کہ اشارہ کنا یہ ہی کرتا رہتا ہے صاف طور سے تسلی نہیں کرتا پس
حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل کر نیکا جن مشائخ کو ذریعہ بنایا جاتا
ہے اگر وہ ایک دو دفعہ ٹالیں اور درخواست کے ساتھ ہی تم کو بیعت نہ
کریں تو اس کو بھی تحمل کرنا چاہیے پھر خطبہ منظور ہو جاتا ہے تو اب یہ حالت
ہے کہ ہدایا و تحائف سے اس کے اہل و خاندان کو راضی کرنے کی کوشش کی
جاتی ہے اور اُن کی نامرضی سے پوری طرح بچتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ ہماری
حالت کو دیکھ کر پیغام چھوڑالیں تو ایسے ہی طلب حق کے بعد سالک کو رضائے
حق میں سعی اور نامرضیات سے بچنے کا اہتمام بلیغ کرنا چاہیے پھر ایک اور بات
بھی جو اس مجمع میں بیان کرنے کی نہ تھی مگر چونکہ مشہور ہے اس لئے بیان
کرتا ہوں کہ جس لڑکی کو پیغام دیا جاتا ہے گوا بھی نکاح نہ ہوا ہو صرف پیغام
ہی سے اُس کو بھی اس شخص سے گورہ تعلق ہو جاتا ہے جس نے اس کو پیغام دیا
ہے ہم نے بعض واقعات ایسے سنے ہیں کہ پیغام چھٹنے پر جیسے لڑکے کو رنج
ہوا لڑکی کو بھی رنج ہوا۔

ساک کو کیا تصور کرنا چاہیے | غیر یہاں تو یہ بات اکثر ہی ہے جس میں لزوم نہیں مگر طلب حق میں تو لزوماً

عادة الثریہی ہے کہ جب کوئی اُن کی طلب کرتا ہے تو وہ بھی اسکی طلب کرتے ہیں یعنی وہ بھی اس کے حال پر متوجہ ہو جاتے ہیں احادیث میں مصرح ہے۔

مَنْ تَقَرَّبَ إِلَى مَثْبَرٍ اتَّقَرَّبَ إِلَيْهِ ذَرِاعًا | المحدث۔ ۱۵

پس ساک کو طلب میں سرگرم ہونے کے ساتھ یہ بھی تصور کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو بھی میری ساتھ تعلق ہے وہ بھی مجھ کو چاہتے ہیں یہ مراقبہ مفید ہوگا اس سے محبت بڑھے گی ورنہ افسردہ ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں ۱۵

آبِ کم جوشنگی اور بدست | تابجو شد آیت از بالا پست
تشنگان گر آپ جو نید از جہاں | آب ہم جوید لب عالم تشنگان
یعنی محبوب کو تم سے تعلق ضرور ہے اگر اُنکو تعلق نہ ہوتا تو تم کو طلب ہی نصیب نہ ہوتی ۱۵

ہر کہ عاشق دیدیش معشوقِ داں

کہ بہ نسبت ہست ہم این وہم آل

مگر فرق اتنا ہے کہ ۱۵

عشق معشوق نہان رست ۛ عشق عاشق باد و صد بل و نصیر
میں ڈھنڈورا پیٹ دیتا ہے اور محبوب کا تعلق مخفی ہے مگر ہے تعلق
دونوں طرف جیسا مشہور ہے عشق اول در دل معشوق پیدا می شود، —

۱۵ جو کوئی میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اسکی طرف ایک گز بڑھتا ہوں۔

عارف شیرازی کہتے ہیں ۵

عاشق کہ شد کہ یار بجالش نظر نکرد
اے خواجہ درویشیت و گریہ طبیعت بہت

یہ انہی کی محبت کا اثر ہے کہ تم بدون دیکھے ہوئے انکے طالب ہو تم نے
تو ان کو دیکھا بھی نہیں انہوں نے ہی تم کو اپنی محبت و طلب میں لگایا ہے یہ
بڑی دلیل ہے انہی محبت کی پس یہ تصور کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کو بھی میرے
ساتھ تعلق ہے ۵

جوشش عشق ست کا ندر می فتاد
آتش عشق ست کلذر نے فتاد

کر بنو دے نالہ نے را اثر ۛ نے جہاں را پر بکر دے از شکر
یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے آثار تمہارے اندر جو ہیں گو وہ خود
مخفی ہیں مگر طالب کے ساتھ جو معاملات ہوتے ہیں جن کو طالب خود جانتے
ہیں وہ معاملات و آثار بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان سے تعلق ہے اور اسی
لئے تو اُن کی شان الظاہر و الباطن ہے یعنی ذات سے باطن ہیں اور آثار سے
ظاہر ہیں مولانا فرماتے ہیں ۵

عشق من پیدا و معشوقم نہاں ۛ یار پہاں فت نہ او در جہاں
ایک مشابہت تعلق نکاح اور تعلق مع اللہ میں یہ ہے کہ نکاح میں جب تک
وصول نہیں ہوتا مشاطہ و دلالہ کی احتیاج ہے بعد حصول مقصود و مشاطہ و دلالہ کا
دخل نہیں رہتا اسی طرح سلوک میں بعد انتہائیشیخ کی حاجت نہیں رہتی اُس
وقت اُس کا معاملہ براہِ راست حضرت حق سے ہوتا ہے شیخ کی احتیاج نہیں
رہتی بلکہ وہ خود مجتہد ہو جاتا ہے اس طرح خاص مجاہدات بھی حذف ہو جاتے ہیں۔

اسکو فرمایا ہے خلوت و چلہ برد لازم نماںد اور فرمایا ہے ۵

جلوہ بند شاہ و غیر شاہ نیند

وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز

البتہ شیخ کا شکر اُس وقت بھی واجب ہوتا ہے اعراض یا اعراض.

یا انکار سے مرد و مسلوب البتہ ہو جاتا ہے نکاح کے متعلق ایک تو یہ مضمون تھا جس کا بیان کرنا مجھے مقصود تھا کہ یہ تعلق نظیر ہے تعلق مع اللہ کی ایک اور اثر نکاح کا ہے جس کو استطراد بیان کرتا ہوں کہ وہ یہ کہ اب تک تو اُن آثار سے سبق دیا گیا تھا جو مرد پر نکاح کے معاملہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا ہے اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیے

اب نکاح کا ایک اور اثر جو لڑکی سے پر ہوتا ہے وہ یہ کہ نکاح سے پہلے تو لڑکی کا گھر وہ تھا جو اس کے ماں باپ کا گھر تھا اور اُس کے دوست وہ لوگ تھے جو باپ ماں کے دوست تھے اور دشمن وہ تھے جو اُس کے باپ ماں کے دشمن تھے مگر نکاح ہو جانے کے بعد ہی سے وہ کم عمر لڑکی جس کو دنیا کی ہوا بھی نہیں لگی آج ہی سے اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم کر لیتی ہے کہ آج سے اُس کا گھر وہ ہے جو شوہر کا گھر ہے اور اُس کا دوست وہ ہے جو شوہر کا دوست ہے اور دشمن وہ ہے جو اُس کے شوہر کا دشمن ہے یہاں تک کہ اگر کبھی خدا نخواستہ اس کے باپ اور شوہر میں جھگڑا ہو جائے تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی اپنے باپ کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ اُس کا گوشہ خاطر اس وقت بھی شوہر کی طرف ہوتا ہے۔ — سا جو ایک کم عمر لڑکی اپنے شوہر کے تعلق کا یہ حق ادا کرتی ہے اور اُسکی وجہ سے ایسا انقلاب اپنی

زندگی میں کر دیتی ہے افسوس آپ مرد ہو کر خدا کے تعلق کا اتنا حق بھی ادا نہیں کرتے کہ خدا سے تعلق رکھنے والوں کو بیگانہ و آشنا سمجھو اور جو اُس سے بے تعلق ہو اُس کو بیگانہ و نا آشنا سمجھو۔ خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور اُس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو، افسوس آپ اس کم سن لڑکی سے بھی کئے گزر رہے۔ صنا جو! محبت کا یہ بہت بڑا حق ہے اسکو ادا کرو آجکل اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے بس آپکی تو یہ شان ہونا چاہیے۔

ہزار خولیش کہ بیگانہ از خدا باشد

فدائے ایک تن بیگانہ کا آشنا باشد

میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے | تعلق نکاح کا ایک اور

اثر سُنئے اور اس سے بھی سبق لیجئے کیونکہ واقعی یہ تعلق ایسا پاکیزہ ہے کہ بلاشبہ دنیا میں یہ تعلق مع اللہ کی نظر سے وہ اثر یہ ہے کہ میاں بیوی میں چاہے کیسی ہی لڑائی ہو جائے مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پوری صفائی ہو جاتی ہے اور ایسی صفائی ہوتی ہے کہ پہلے رنج کا مطلق کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس سے یہ سبق لیجئے کہ جب ایک تنگ ظرف کی یہ حالت ہے کہ محبت اور تعلق کے بعد اگر کچھ اس کو ناگواری پیش آجائے تو ذرا سی دیر میں اسکو دل سے نکال دیتی اور دل کو صاف کر لیتی ہے کہ ذرا اُس کے دل میں کینہ نہیں رہتا بلکہ مثل سابق بدستور شوہر کی خیر خواہ جان نثار ہو جاتی ہے تو کیا لغو ذرا اللہ اگر آپ سے تعلق مع اللہ کے بعد کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوگی تو بعد تو بہ استغفار کے وہ تعلق کو بحال کریں گے اور لغو ذرا اللہ تم سے کینہ رکھیں گے۔ حالانکہ وہ غیر متاثر ہیں کہ کسی کی نافرمانی و مخالفت سے انکو بے اختیار ہو کر غصہ نہیں آتا بلکہ اُن کا غضب رحم سب

اختیاری ہے پھر انکی شان یہ ہے سبقت رحمتی علی غضبی کہ رحمت غصہ پر غالب ہے تو کیا تم نے خدا کو لغو ذائد کم حوصلہ سمجھ لیا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں پس اس کا تصور کیا کرو کہ جیسے میاں بیوی میں شکر ربی کے بعد بہت جلد صفائی ہو جاتی ہے یوں ہی حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو بعد توبہ و معذرت کے وہ تعلق کو ویسا ہی بحال کر دیں گے اسکو سوچ کر دیکھو بہت نفع ہو گا۔

مرد بیوی کی باتوں کا بہت تحمل کرتا ہے | میاں بیوی کے تعلقات میں ایک بات یہ ہے

کہ بعض دفعہ میاں کو بیوی کی جہالت و نادانی سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ تحمل کرتا ہے خاص کر بیوی محبوبہ بھی ہو تو اُس کے ہر امتحان پر تحمل کیا جاتا اور اُس کے ناز و نحر وں کو برداشت کیا جاتا ہے پھر یہ کیا غضب ہے کہ حق تعالیٰ کے امتحانات کا تحمل نہ کیا جائے کہ اگر کبھی وہ بیمار کر دیں یا ماں کا نقصان کر دیں یا کسی عزیز کو موت دے دیں تو اپر ناگواری ظاہر کی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ظاہری تکلیف بھی نہ ہو اور طبعی رنج بھی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقلاء کو رنج و شکایت نہ ہونا چاہیے بلکہ عقلاء کو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ویسا ہی راضی اور خوش رہنا چاہیے جیسا انعامات اور راحت کے وقت خوش رہتے ہو مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق

تو بخر نمے چہ سیدانی ز عشق

ایک حکایت | مولانا نے اس مقام پر ایک شخص کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک دلاک یعنی گودنے والے

کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنا دے اُس نے ایک جگہ سوئی چھوئی تو اُس نے ایک آہ کی اور پوچھا کیا بناتے ہو کہا دم بناتا ہوں کہنے

لگا دُم کو رہنے دو یہ لٹ ڈورا ہی سہی اُس نے دوسری جگہ سوئی چھوٹی اُس نے
 پھر آہ کی اور پوچھا اب کیا بناتے ہو کھا کان بنا رہا ہوں کہنے لگا کان بھی رہنے دو
 یہ بوچھا ہی سہی۔ اُس نے تیسری جگہ سوئی لگائی اُس نے پھر آہ کی اور پوچھا اب کیا
 کر رہے ہو کھا پیٹ بناتا ہوں کہنے لگا اُس کو بھی رہنے دو اس شیر کو کھا نا پینا
 تھوڑا ہی پڑے گا یہ بدون پیٹ ہی کے سہی۔ اُس نے چوتھی جگہ سوئی ماری۔
 اُس نے آہ کر کے پوچھا اب کیا بناتے ہو کھا سر بناتا ہوں۔
 کہنے لگا سر بھی رہنے دو یہ بے سر ہی سہی دلاک نے جھلا کر سوئی پھینک دی اور
 بھاہ

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید
 اینچنین شیرے خدا ہم نافرید
 کہ بیوقوف! ایسا شیر بھی کسی نے دیکھا ہے جس کے نہ سر ہو نہ پیٹ ہو
 ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں پیدا کیا۔ مولانا اسپر فرماتے ہیں :
 چوں نداری طاقت سوزن زدن بس تو از شیرِ ثیاں ہم دم مزن
 کہ جب تم کو ایک سوئی کی برداشت نہیں تو شیر کی تصویر کے طالب کیوں بنتے
 ہو؟ ۵

چوں بیک زخمے گریزانی ز عشق
 تو بخر تاملے چہ مسدانی ز عشق

جیسا کہ تم ایک ہی چہرہ میں عشق کو خیر باد کہنے لگے تو بس تم کو عشق کا نرا
 دعویٰ ہی دعویٰ ہے عشق کی تم کو ہوا بھی نہیں لگی۔ جو مضمون میں بیان کرنا
 چاہتا تھا بیان کر چکا اب میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔
خلاصہ و عنط | خلاصہ پھر عرض کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت نکاح کے آثار

آپ کو اسلئے یاد دلائے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ تعلق مع اللہ کی ایک نظیر دنیوی تعلقات میں موجود ہے پس آپ کو اللہ تعالیٰ کی طلب کم از کم اس طرح تو کرنا چاہیے جس طرح نکاح میں بیوی کی طلب کرتے ہو اور اس کے آثار سے تعلق مع اللہ میں سبق حاصل کرنا چاہیے پس یہ بڑی آیت اور نشانی ہے جو تعلق نکاح میں عبرت حاصل کر نیوالوں کے لئے موجود ہے۔

نکاح کا تکوینی راز | اس کے بعد میں ایک تکوینی راز نکاح کا بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ منظر اتم حق تعالیٰ کا بنجاوے سو بدون نکاح کے یہ منظر ہر اتم نہیں ہوتی کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ **إِذَا أَرَادَ شَيْئًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ**۔

کہ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا تو وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بدون احتیاج اسباب کے محض ارادہ ہی سے جس چیز کو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں اور اس شان کا ظہور بندہ میں نکاح ہی سے ہوتا ہے کہ بچہ پیدا ہونے میں بھی بندہ بھی زیادہ اسباب کے اہتمام کا محتاج نہیں بے مشقت ایک فعل کیا اور اگر کوئی عارض نہ ہوا حمل رہ گیا اور بچہ بن گیا۔ گو واقع میں یہاں بھی اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اسباب ایسے نہیں ہیں جن کی تلاش اور فکر کی ضرورت ہو، بس اب میں ختم کر چکا۔

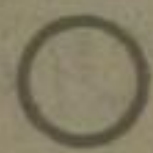
ماخذ مضمون | چونکہ اس وقت یہ اجتماع ایک نکاح کی تقریب میں ہوا ہے اس لئے اس تقریب کے سلسلہ میں نکاح

ہی کے آثار سے میں نے یہ مضمون اخذ کیا تاکہ لوگوں کو اس سے سلوک اور تعلق مع اللہ میں سبق ملے اور تقریب محض دنیوی تقریب نہ رہے بلکہ جب اس سے سبق دین کا لیا جائے گا تو یہ دینی تقریب بن جائے گی۔ اگر میں اس مضمون کے متعلق

یہ بھی کہوں کہ میں نے اپر اس آیت میں جو لفظ آیات ہے اس کے عموم سے استدلال کے لئے تو کہہ سکتا ہوں مگر میں حدِ ظاہری سے بھی تجاوز نہیں کرتا۔ میں صاف کہتا ہوں کہ فی ذلک لآیات سے نکاح کے اندر جن دلائل کا وجود بتلایا گیا ہے یہ مضمون اس میں صراحتاً داخل نہیں بلکہ میں نے اس کو صرف علم اعتبار کے طور پر بیان کیا ہے۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں :

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا
اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ :

اشرف علی ۲۷، رجب ۱۲۸۸ھ



ملفوظ
نصرة النساء

ان

الافاضات اليومية من الافادات القومية

جلد ٢

مردوں کے ظلم اور تعدی کی بنا پر حضرت والائے عورتوں کے
 حقوق اور ان کے ساتھ زندگی کے دستور العمل کے متعلق
 احکام شریعت کے ماتحت حسب ذیل تقریر فرمائی :

○

فرمایا ، کہ آج ایک بی بی کا خط آیا ہے عرصہ تقریباً چالیس برس کا
 ہوا یہ مجھے بیعت ہوئی تھیں یہ بی بی نہایت دیندار ہیں خاوند کے ستانے
 اور بے مروتی اور بیوفائی کی شکایتیں لکھی ہیں جس کو پڑھ کر سجد دل کو قلق اور
 صدمہ ہوا ، فرمایا کہ ان عورتوں کے بارے میں عدم ادائے حقوق کے متعلق لوگوں
 نے سجد ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے اس غریب نے یہاں تک لکھا ہے کہ روتے
 روتے میری بنیانی کمزور ہو گئی ہے کبھی کبھی جی میں آتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر باہر
 نکل جاؤں یا کنوئیں میں ڈوب مروں مگر دین کے خلاف ہونے کی وجہ سے کچھ
 نہیں کر سکتی دل کو سمجھا کر رک جاتی ہوں شب و روز سوائے رونے کے
 کوئی کام نہیں فرمایا کہ بڑے ظلم کی بات ہے آخر رونے کے سوا اور بھاری

کرے بھی کیا۔ ان بی بی کے عقد ثانی کو تقریباً عرصہ سترہ برس کا ہوا ان صاحب
 نے بڑی آرزوں اور تمنائوں سے ان بی بی سے نکاح کیا تھا اس وقت رنگ و عن
 اچھا ہو گا اس وقت تو سفارشیں کرتے پھرتے تھے۔ لٹو ہو رہے تھے۔ اب
 ضعیفی کا وقت ہے اب بیچاری کو منہ بھی نہیں لگاتے حتیٰ کہ نان نفقہ سے
 بھی محتاج ہے میاں عمر میں چھوٹے ہیں اور بیوی بڑی ہیں۔ فرمایا کہ اتنے زمانہ تک
 رفاقت رہی یعنی سترہ برس اس کا حق ہی ادا کیا ہوتا کیا ٹھکانا ہے اس
 سنگدلی اور بے رحمی کا کسی بات کا بھی اثر نہیں اگر وہ بیچاری کہتی بھی ہے
 کہ میری دیرینہ خدمات کا کیا یہ ہی ثمرہ ہے تو کہتے ہیں کہ تو نے خدمات ہی
 کو فنی کی ہیں فرمایا کہ نہ معلوم خدمات کی ہنرست اُن کے ذہن میں کیلے
 جس کو یہ پورا نہ کر سکیں۔ میں آجکل ایک رسالہ لکھ رہا ہوں اس میں
 ان ہی عاجزوں کے حقوق کے متعلق بیان کیا گیا ہے حکومت کرنے کو تو
 سب کا جی چاہتا ہے محکوم پر اس کا مضائقہ نہیں مگر محکوم کے کچھ حقوق بھی تو ہیں
 انکی بھی تو رعایت کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ ذکر کرنے کی تو بات نہ تھی مگر چونکہ
 ضرورت ہے اس لئے کہتا ہوں کہ میرے گھر والوں سے معلوم کیا جائے کہ میں
 اپنے گھر والوں پر کس قدر حکومت کرتا ہوں اور اُن سے کیا کیا خدمتیں لیتا ہوں۔
 الحمد للہ میں نہ خود مقید ہوتا ہوں نہ دوسروں کو مقید کرتا ہوں۔ بادشاہوں کی
 سی زندگی بسر ہوتی ہے۔ میرا معمول ہے کہ گھر جا کر دیکھا کہ تازی روٹی نہیں
 پکی تو باسی روٹی کھالی اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیکھا کہ وہ کسی کام میں
 مشغول ہیں خود اپنے ہاتھ سے روٹی لے لی پانی بھر کب پاس رکھ لیا برتن لیکر
 اپنے ہاتھ سے سالن لے لیا اور بیٹھ کر کھالیا بلکہ یہاں تک کرتا ہوں کہ دیکھتا
 ہوں کہ وہ روٹی وغیرہ پکانے میں مشغول ہیں اور اُن کو کسی چیز کی ضرورت ہے

اکثر گھروں میں ایسا ہوتا ہے مثلاً پانی کی ضرورت ہے اپنے ہاتھ سے نل سے
یا گھڑے سے لوٹا بھر کر دیدیتا ہوں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جا کر جب دیکھا
کہ فارغ ہیں تو کہہ دیا کہ کھانا لاؤ وہ بیچاری دیدیتی ہیں ان باتوں کی رعایت رکھنا
ضروری ہے اور مشغولی عدم مشغولی ہی پر کیا موقوف انسان ہی تو ہے ہر وقت
طبیعت کیساں نہیں رہتی کسی وقت خادم کی طبیعت پر کسل ہوتا ہے اور اپنی طبیعت
بشاش دیکھی اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے کر لئے غرضیکہ اس کا کوئی معمول یا التزام
نہیں کہ وہی کریں سو اگر حدود میں رہتے ہوئے اور ان کے راحت و آرام کا خیال
کرتے ہوئے اُن سے خدمت بھی لیجائے تو کوئی مضائقہ نہیں آخر ہیں کس مرض کی
دوا رسیکن بيمردتی اور بیرحمی اور ظلم کا درجہ تو نہ ہونا چاہیئے یہ عورتوں کا طبقہ
تو مردوں کے ہاتھ میں "مردہ بدست زندہ" کا مصداق ہوتا ہے انکو ستانے سے بچنے
رکعت کا ثواب ملتا ہے اگر ایسی ہی بہادری اور حکومت کا جوش ہے تو کسی
قدرت والے پر آدمی حکومت کرے ہم تو جب جانیں مثلاً کوئی ملازم ہو اور
ہوڑا اسکو ذرا کچھ کہیں میاں کو حکومت کی حقیقت معلوم ہو جائے بعض
بے رحم تو حدود سے گزر کر عورتوں کو زد و کوب کرتے ہیں جس کے تصور سے
بھی وحشت ہوتی ہے عورتوں پر اس قسم کے تشدد کرنا نہایت کم حوصلگی اور
بزدلی کی دلیل ہے جو مرد کی شان کے بالکل خلاف ہے، میں یہ عرض کر رہا
تھا کہ میں بہت سے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں تو مجھ کو کونسی تکلیف ہوتی
ہے اور میرا کونسا کام ہونے سے رہ جاتا ہے بلکہ جیسی مجھے اس سے راحت
ہوتی کہ وہ میری خدمت کرتی ہیں اس سے بھی راحت ہوتی ہے کہ ان کو
راحت مل گئی رات کو مجھ کو نیند کم آتی ہے تو گھر والوں کو سوتا دیکھ
کر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ان کو تو نیند نہ آ رہی ہے ورنہ دو قلعی جمع

ہو جاتے ایک اپنے نہ سونے کا اور غنیمت نہ آنے کا اور ایک ان کا پھر
 گھر سے چلنے کے وقت پوچھتا ہوں کہ کوئی ضروری کام میرے متعلق تو نہیں،
 میں جا رہا ہوں اگر کہا کہ کوئی کام نہیں چلا آیا اگر کہا کہ ہے بیٹھ گیا مثلاً کوئی
 خط ہی لکھوانا ہے سو اس کام کو پورا کر کے چلا آیا۔ کھانا کھا کے فارغ ہوا
 اور پان کو جی چاہا پوچھ لیا کہ پانڈان کہاں ہے انہوں نے بتلا دیا۔ اس میں سے
 پان نکال کر کھا لیا۔ جکل کے نوجوانوں کا محاورہ ہے کہ بیوی کو رفیق زندگی کہتے ہیں
 ارے بھلے مانسور فاقہ کا کوئی حق بھی ادا کرتے ہو کہ محض الفاظ، سی الفاظ ہیں
 عملی صورت میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیچاری کو فریق زندگی بنا رکھا
 ہے۔ اور سُننے کہ خاوند کی طرف سے تو یہ ظلم اور تشدد اب وہ شکایت
 کرتی ہے ماں باپ سے اکثر وہ بھی اُسی کو دباتے اور دھمکاتے ہیں اب
 بیچاری کے پاس کوئی ذریعہ بظاہر نہیں رہا بجز اس کے کہ وہ خدا سے
 فریاد کرے اور کوسا کرے اور واقعی وہ کوسنا کوس نہ دو کوس
 اس قدر قریب ہوتا ہے کہ فوراً قبول ہوتا ہے مظلوم کی آہ حق سبحانہ تعالیٰ
 بہت قبول فرماتے ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ عورتیں تو خود ہی
 گھر کے اس قدر کام کرتی ہیں اور مشقتیں اٹھاتی ہیں کہ کبھی وقت چنن
 سے نہیں بیٹھتیں تو وہ خود ہی اپنی راحت نہیں چاہتیں، فرمایا اُن کا ایسا کرنا
 اُنکی ذاتی مصلحت ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اُنکی تندرستی ٹھیک رہتی
 ہے مثلاً کھانا لپکانا ہے۔ پیسنا ہے، کوٹنا ہے خود ہمارے گھر دلیں میں سب
 کام اپنا اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں حتیٰ کہ اگر ضرورت ہو تو سیر ڈوسیر پیر بھی
 لیتی ہیں۔ سو وہ اگر اپنی رائے اور مصلحت سے مشقت اختیار کریں۔ یہ
 دوسری بات ہے مگر ان پر ظلم کی راہ سے مشقت ڈالنا نہایت بیرحمی اور

بیمروقتی کی بات ہے۔ فرمایا کہ ان بی بی کے خاوند نے ایک مرتبہ مجھ سے
خود شکایت کی تھی کہ یہ وظیفہ و طائف میں رہتی ہیں میری خدمت کی پرواہ
نہیں کرتیں بسندۂ خدا ایسی کونسی خدمات ہیں جو بغیر و طائف ترک کئے
ہوئے نہیں ہو سکتیں۔ مرد کی خدمات ہی کیا ہیں چند محدود خدمات یہ
دوسری بات ہے کہ خدمات کا باب اس قدر وسیع کر دیا جائے جن کا پورا کرنا
ای بیچاری پر دو بھر ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ ایک مقولہ مشہور ہے کہ مرد
ساٹھا پاٹھا اور عورت بیسی کھنسی۔ سو عورت کے اعضاء کا جلد ضعیف
ہو جانا اس کا سبب بھی زیادہ یہی ہے کہ اُس پر ہر وقت غم اور رنج
کا ہجوم رہتا ہے۔ سینکڑوں افکار گھیرے رہتے ہیں امورِ خانہ داری کا
انتظام بیچاری کے ذمہ ڈال کر مرد صاحب بے فکر ہو جاتے ہیں۔ وہ غریب
کھیتی ہے مرنی ہے۔ اگر یہ حضرت دو روز بھی انتظام کر کے دکھا دیں
ہم تو اُس وقت اُن کو مرد سمجھیں باوجود ان سب باتوں کے کمال یہ ہے کہ
اپنی زبان سے اظہار بھی نہیں کرتی کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سبب ہے
عورت کے جلد ضعیف ہو جانے کا یہاں پر بعض عورتیں عیش اور راحت
میں ہیں اور عمر اُن کی تقریباً چالیس چالیس پنیالیس برس
کی ہے کم و بیش۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سال دو سال کی بیاہی ہوئی
آئی ہیں اور اُن کو کوئی پچیس برس کی عمر سے زائد نہیں بتلا سکتا تو موی
کو عیش و آرام میں رکھنے میں ایک یہ بھی بڑی حکمت ہے کہ وہ تندرست
رہے گی ضعیفی کا اثر جلد نہ ہوگا دراز مدت تک ان کے کام کی رہے
گی مگر لوگ اپنی راحت و مصلحت کا خیال کر کے بھی تو انکی رعایت نہیں
رکھتے اور میں یہ نہیں کہتا کہ جو روں کے غلام بن جاؤ ہاں یہ ضرور

بڑا رنج ہوا اس پر یہ ولایتی صاحب اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں فرماتے ہیں
 کلتر صاحب (کلکٹر صاحب) وہ ہمارا بیوی نہ تھا ہمارا اما تھا ہم کو گرم گرم
 روتی (روتی) کھلاتا تھا پنکھا جھلاتا تھا تھندا تھندا (ٹھنڈا ٹھنڈا) پانی پلاتا تھا
 یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے خیر وہ تو ولایتی تھے کچھ ایسے لکھے
 پڑھے نہ تھے اپنی سادگی سے ایسا کہہ دیا مگر ایک ہندو لیڈر نے اپنے ایک لکچر
 میں یہ ہی کہا کہ یہ میری بیوی نہیں اماں ہے یہ میں نے خود ایک اخبار میں دیکھا
 ہے یہ تو تسلیم یافتہ بیرسٹری پاس کئے ہوئے ہے اس کو کیا سوچھی یہ بھی
 کوئی فخر کی بات تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ضعیفی میں سوائے بیوی کے کوئی کام
 نہیں آ سکتا ایسے بہت سے واقعات ہیں شاہجہان پور میں ایک صاحب
 نے نوے برس کی عمر میں شادی کی تھی۔ لڑکے لڑکیاں بہو میں سب خلافت
 تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم خدمت کو موجود ہیں آپ کو نکاح کی ضرورت ہی
 کیا ہے بڑے میاں نے کہا کہ تم میری مصلحت کو کیا سمجھ سکتے ہو۔ اتفاق سے
 بڑے میاں بیمار ہو گئے اور بیماری بھی دستوں کی اور ان دستوں میں لعن
 بعد کہ مکان تک سڑ جاتا تھا لڑکے لڑکیوں وغیرہ میں سے کوئی پاس نہ آیا۔
 سب نفرت کرتے تھے اس بیوی بیچاری نے خدمت کی اور ذرا نفرت نہیں
 کی باوجود اس کے کہ نئی شادی ہو کر آئی تھی اور عمر بھی تھوڑی تھی ایسا
 تعلق ہوتا ہے بیوی کو خاوند سے جس کی خاوند صاحب کو قدر بھی نہیں ہوتی
 ایک صاحب بڑے آدمی تھے انہوں نے نکاح
دُشرا واقعہ: کیا مگر ان کو ضعف تھا کُشتوں وغیرہ سے کام چل جاتا
 تھا۔ ایک طبیب نے نہایت گرم کُشتہ دیدیا جس سے ان کو جذام کا مرض
 ہو گیا تمام بدن پھوٹ نکلا کوئی پاس جانا بھی گوارا نہ کرتا تھا مگر بیوی کے

اولاد ہوتی تھی تو ایسی حالت میں بھی اُس نے نفرت نہ کی اور کسی خدمت سے
عذر نہ کیا، کیا ٹھکانا ہے اس لعلق اور ایشار کا دوسرا کر نہیں سکتا۔

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر
تیسرا واقعہ : وقت میں نکاح کیا تھا محض اس وجہ سے کہ حضرت

کو ناسور کا مرض ہو گیا تھا اسکی دیکھ بھال ہوائے بوی کے ہو نہیں سکتی تھی
وہ بی بی بیچاری برابر اپنے ہاتھ سے شب و روز میں کئی کئی مرتبہ دھوئیں اور
صاف کرتی تھیں نہایت خوشی کے ساتھ کوئی گرائی یا نفرت اُن کو نہ ہوتی
تھی دنیا میں کوئی اس لعلق کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر عمر میں
چوتھا واقعہ : نکاح کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت پیرانی صاحبہ

نا بینا ہو گئی تھیں حضرت نے محض خدمت کی غرض سے نکاح کیا تھا یہ بی بی حضرت
کی بھی خدمت کرتیں اور پیرانی صاحبہ کی بھی۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت
محض شہوت ہی کے لئے تھوڑا ہی ہوتی ہے اور بھی مصالح اور حکمتیں ہیں۔ ایک
صاحب نے عرض کیا کہ بعض عورتیں پھوہڑ ہوتی ہیں اس وجہ سے بھی بعض
اوقات خاوند کو اسکی حرکات سے بد دلی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ عورت
کا پھوہڑ ہونا تو اپنے ایک خاص اثر کے سبب ایسے کمال کی صفت ہے جو نہایت
محبوب اور قدر کی چیز ہے اور وہ خاص اثر عقیف ہونا ہے۔ پھوہڑ عورتیں
اکثر عقیف ہوتی ہیں بخلاف غیر عقیف عورتوں کے کہ وہ ہر وقت بناؤ سنگار

اور تصنع اور ظاہری تہذیب و صفائی میں رہتی ہیں اسی طرح بعض عورتیں
بدمزاج بدخلق ہوتی ہیں مگر یہ بھی اُن کے کھترے پن کی دلیل ہے بعض تو
خاوند تک کو مُنہ نہیں لگاتیں مگر مجھ کو ایسی صورتوں کی عفت میں شبہ نہیں

ہوتا اور غیر عقیف بس چکنی چٹری رہتی ہیں اور پھر ظاہری اخلاق بھی شانہ
 ہوتے ہیں یہ خطرناک ہوتی ہیں ————— اپنی چالاکیوں سے اپنی شرارتوں
 کو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتی ہیں اور مرد کو گردیدہ بنائے رکھتی ہیں ایسی
 عورتوں پر مجھے اطمینان نہیں۔ اور پھوٹے عورت کا پھوٹے پن کو طبعاً ناگوار
 ہوتا ہے وہ اس لئے کہ بھنگن سی بنی ہوئی ہے نہ بات میں مزانہ اٹھنے بیٹھنے
 کی تمیز نہ کھانا پکانے کا سلیقہ نہ بچوں کی خبر گیری اور خدمت مگر ایک صفت
 عفت کی وجہ سے اسکی تمام بھڑائیوں اور بدتمیزیاں مبدل بجمال ہو جاتی ہیں کہ
 وہ عقیف ہوتی ہیں مجھ کو ایسی عورتوں پر بھی اطمینان ہے۔ عقیف ہونے
 ہی کی وجہ سے وہ بناوٹی باتوں سے مستغنی ہے اس بنا پر یہ عورت کا ایک
 بہت بڑا جوہر ہے اسکی قدر کرنا چاہیے۔ خیر سب کچھ سہی مگر ہر حال میں ہر
 شے کے حدود میں عورتوں کو مجبور اور کمزور سمجھ کر ظالم تو نہ بننا چاہئے۔ بادشاہ
 اپنی رعیت پر حکومت کرے گو راہ مگر ظلم گوارا نہیں۔ اور یہاں تو خاوند اور
 بیوی میں محض حاکم اور محکومیت کا ہی علاقہ نہیں۔ بلکہ دو علاقہ ہیں ایک
 حکومت کا دوسرا محبوبیت کا دونوں کے حقوق ادا کرنے کی ضرورت ہے
 بڑا شبہ لہجے مردوں کو اس سے ہوتا ہے کہ مرد تو اظہارِ محبت کرتا ہے
 اور عورت اظہارِ محبت نہیں کرتی مگر اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد کے لئے
 تو اظہارِ محبت زینت ہے اور عورت کے لئے عیب ہے اس کو شرم و
 حیا مانع ہوتی ہے گو دل میں اس کے سب کچھ ہوتا ہے جس کا رات
 دن واقعات سے مشاہدہ ہوتا ہے مزاحاً فرمایا کہ اگر مجھ کو سلطنت
 مل جائے تو میں سب سے پہلا اعلان یہ کروں کہ جو عورتیں ستانی جائیں اور ان
 پر ظلم ہو تو وہ میرے یہاں درخواست کریں میں تحقیق کر کے فیصلہ اور رحمت

رسانی کا انتظام کروں گا مگر خدا گنجے کو ناخون ہی کیوں دینے لگا جب پہلے ہی سے
 یہ نیت ہے کہ مردوں کو مار دوں گا مرد دوٹ ہی نہ دیں گے، گو عورتیں روٹ
 پکا کر کھلا دیں کیونکہ انکی نصرت اور اعانت ہوگی اس لئے کہ آج کل سلطنت
 دوٹ پر موقوف ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ قرآن میں عورتوں کو
 مکارف فرمایا گیا ہے فرمایا سب کا مکار ہونا تو کہیں قرآن میں نہیں
 آیا البتہ حدیث شریف میں ناقص العقل والدین فرمایا ہے پھر حضور نے اس
 ناقص ہونے کی شرح بھی فرمادی ہے تاکہ اعتقاد میں حدود سے تجاوز نہ
 ہو جائے مثلاً دین کا نقصان اسکو فرمایا کہ یہ حیض میں نفاس میں نماز نہیں
 پڑھ سکتیں اور نقصان عقل اس کی شہادت کا نصف ہونا فرمایا سو یہ
 نقصان عقل و دین کوئی محصیت نہیں جو مقتضی ہو ان پر تشدد کر نیکو پھر
 فرمایا کہ آج عورتوں کی میں نے بجد نصرت کی ہے اس لئے اس ملفوظ کا نام
 نصرة النساء کہہ دینا مناسب ہے۔



شریعت و تصوف

فہم تصوف پر عمدہ کتاب

(از) مسیح الامتہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب مدظلہ

خلیفہ ارشد حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ

خوبصورت جلد — قیمت ۵۴/۰

از مسیح الامتہ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ و امت بزرگوار
خلیفہ ارشد حضرت تھانوی

اہتمام و شوری

قیمت ۱۰/۵۰

مکتوبات ملفوظات اشرافیہ

نیا اضافہ شدہ پانچواں ایڈیشن

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کے صلاحی مکاتیب
جو روحانی زندگی میں عجیب انقلاب پیدا کرتے ہیں

تالیف لطیف

حضرت اقدس مولانا حاجی محمد شریف صاحب نور اللہ مرقدہ

خلیفہ ارشد

حکیم الامتہ مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

اس کتاب کاغذ و تصنیف و شوری
بہت عمدہ ہے
قیمت ۵۱/۰

التكشُّف عن مہیات التصوف

از، حکیم الامت حضرت تھانویؒ

یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے چونکہ آج کل تصوف کے بارے میں بہت سی غلط باتیں لوگوں میں رواج پا رہی ہیں اور تصوف کی اصل حقیقت سے لوگ ناواقف ہوتے جا رہے ہیں اس لئے حکیم الامت مجدد ملت جامع شریعت و طریقت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب تالیف فرمائی اور اس میں تصوف کی حقیقت کو کتاب و سنت سے خوب ثابت کر دیا ہے اور تمام غلط راستوں کا سد باب کر کے عراط مستقیم کی راہنمائی فرمائی ہے۔

کامل پانچ حصے یک جا مجلد

اعلیٰ کاغذ و طباعت، خوبصورت ڈائی دار جلد، قیمت ۱۳۰/- روپے

التشرف بمعرفة احادیث التصوف

یہ کتاب چار حصوں میں ہے، ان میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیاء کے کلام میں آتی ہیں اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اصول و فن و حدیث کی رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان میں دراصل حدیث نہ تھیں، بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہیں۔ تو ان احادیث اور ان سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی۔

پاکستان میں پہلی بار طبع ہو چکی ہے۔ قیمت مجلد خوبصورت ۸۰/-

اشرف السوانح

حَقِّقُوا حُكْمَ الْأُمَّةِ مَوْلَانَا تَحَاوُّوْا كِي جِسْمِ سَوَانِحِ حَيَاتِ شَائِعِ ہوتی
ہیں ان سب کا مآخذ یہی مجذوب صاحب کی سوانح ہے، یہ شرف
بھی اشرف السوانح کو حاصل ہے کہ صاحب سوانح حضرت حکیم
الامۃ رحمۃ اللہ نے اس کو صرف احرفاً ملاحظہ فرمایا ہے اس لیے ہر قسم
کے رطب و یابس سے پاک اور افراط و تفریط سے محفوظ ہے۔ یہ
صرف سوانح حیات ہی نہیں بلکہ حضرت رحمۃ اللہ کے علمی و روحانی
کمالات مجتہدانہ کا نام، اصول تربیت و سلوک عارفانہ نکات
زریں احوال مریض و مسموم قلوب کے لیے سنون و تجرب تعلیمات
کا تریاق، حضرات سلف کا علمی و عملی ذخیرہ اور یادگار حقیقی اسلام کا
مکمل درس اور دنیا و آخرت کے سنوارنے کا مکمل لائحہ عمل آگیا ہے۔

حسن العزیز یعنی مکفوطات اشرفیہ

کے مجلس اور اسفار نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام
اولیاء عظام کے تذکروں، عاشقان الہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات،
دین برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے
عطر سے منظر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شرابِ عشق حقیقی
میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ صلیح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف
علمی و عملی عقلی و نقلی معلومات و تجربات کے بیش بہا خزان کا وسیع
اور جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

جمع فرمودہ۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب

ذمیت
خواجہ عزیز الحسن مجذوب
کالی کاغذ و طباعت
کالی سیاہ جلد
قیمت
کالی سیٹ
۱۰ روپے

کالی سیٹ چار جلد
جلد اول: قیمت ۸۰ روپے
جلد دوم: " ۵۲ روپے
باقی دو جلدیں
جلد منظر عام
۱۰ روپے

وشتی میں زندگی کے سیکڑوں مسائل کا حل
قرآن و سنت کی روشنی میں

تتمة
الافاضة اليه من الافاد القوي

مجدد ملت حضرت مولانا شاه محمد اشرف علی آقاوی قدس سره

الحمد لله الذي جعل في الدنيا ما يشفيها ويرزقها ويرزقها

یہ ہزاروں ملفوظات اشرفیہ کا نایاب مجموعہ، دس جلدوں میں
مکمل شائع ہو چکا ہے۔ قیمت کامل سیٹ ۴۶۵ روپے

خوشخبری

معلماءِ صالحہ طلباء اور ائمہ مساجد کے لئے
 سال بھر کے خطبات —
 حضرت حکیم الامت مجددِ امت مولانا شاہ محمد شرف علی مہتھانوی
 کے سال بھر کے تسہیل شدہ باقوت خطبات

تسہیلِ الموعظ

(دو جلدوں میں)

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے اپنے تقریباً ساڑھے تین سو موعظ میں سے انتخاب کر کے ایسے
 ۵۲ جلدوں موعظ کو چنا جن میں خاص طور پر عام اہل اسلام مرد و عورتوں کی دینی اور خانگی اصلاح کے مضامین
 ہیں۔ اور ایک عالم سے انکی تسہیل کرائی اور پھر انکی تسہیل پر خود بھی اصلاح فرمائی۔ چنانچہ ان تسہیل شدہ موعظ
 کی نسبت خود تحریر فرماتے ہیں — اسقر کے موعظ میں بعض مضامین خاص اہل علم کے سمجھنے کے تھے
 جن سے عوام کو دل تنگی ہوتی تھی پس ہر وعظ میں سے ایسے مضامین میں سے بعض کو کم کر دیا گیا۔ بعض کو
 سہل کر دیا گیا۔ یہ عوام کے لئے نہایت کارآمد ہوگا۔۔۔۔۔

احقر کا مشورہ ہے کہ قتل بہستی زیور کے کوئی گھراسے خالی
 نہ لچا ہے اس کا نفع گھروالوں کی درستی میں بہت جلد آنکھوں سے
 نظر آجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ————— فقط قتبہ اشرف علی اوائل محرم ۱۳۳۵ھ

صفحات تقریباً چوتھ سو، عمدتاً کتابت و طباعت دونوں بصورت جلد۔ قیمت: ۱۶۵ روپے

مدارس عربیہ اور طلباء نے کرام کو خصوصی رغایت دی جاتی ہے۔

